دارالعلوم دیوبند کا علمی دینی اصلاحی

ماہنامہ

دارالعلوم دیوبند

نگرانِ اعلیٰ
حضرت الحاج مولانا
مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہ

مدیر مسئول
ازہر ریاست علی
بجنوری

جلد نمبر ۶۳ | اپریل سنہ ۸۲ء مطابق جمادی الثانی سنہ ۰۲ھ | شمارہ نمبر

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
حرفِ آغاز	مدیر	۲
حدیث کی نشر و اشاعت صحابہ اور تابعین کے دور میں	مولوی محمد حنیف ملّی	۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت تاریخ و تحقیق کی روشنی میں	مولوی ابوالکلام قاسمی	۱۴
تذکرہ شیرِ خدا حضرت امیر حمزہؓ	مولوی محمد ارشد بنارسی	۲۲
میدانِ جہاد میں ایک غازی کی تقریر	مولانا سید نذیر الحق قادری	۲۵
حرمتِ متعہ	مولانا زین العابدین	۲۹
مشینوں کے ذریعہ خطِ نستعلیق کی کتابت	قدرت اللہ	۳۵
فن طغرا نویسی	مولوی محمد سلیم صدیقی	۴۱
مجلسِ شوریٰ کا بیان	(ادارہ)	۴۲
مدینہ نبویہ اور علوم رسالت کے طلبہ	علامہ سید سلیمان ندوی	۴۳

زرِ اشتراک

سالانہ ۱۸/
ششماہی ۱۰/
فی پرچہ ۲/

ممالکِ غیر سے اس کے مساوی
علاوہ محصول ڈاک

طابع و ناشر
ریاست علی بجنوری

مطبوعہ
..... پریس دیوبند

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرِ تعاون ختم ہو گیا ہے۔ اگلے سال کا چندہ بھیج کر مشکور فرمائیں۔

حرفِ آغاز

دارالعلوم دیوبند کا سفینہ گذشتہ دو سال کے عرصہ میں جن بلاخیز طوفان سے گذرا ہے اسکی روداد اخبارات و رسائل میں خوب ہی ہے اور اس موضوع پر تناسبا اتنا لکھا گیا ہے کہ کسی بھی دوسرے موضوع پر اتنا نہیں لکھا گیا، رسالہ دارالعلوم اس موضوع پر بہت کم لکھا گیا لیکن جو کچھ بھی لکھا گیا وہ افسوس یہ ہے کہ مصلحتوں پر صحافت کی دیانت کو قربان کرنے کی مثال تھا۔ ان بددیانت صحافیوں کی تحریروں کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دارالعلوم میں کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ کچھ شرپسند مداخلت کرنا چاہتے ہیں اور طلبہ، اساتذہ بلکہ مجلس شوریٰ بھی ان کا آلۂ کار بن گئی ہے حالانکہ یہ بات بالکل خلافِ واقعہ اور اپنی کمزوریوں کی پردہ داری کے لئے تراشا ہوا جھوٹ ہے۔

دارالعلوم کے قضیہ میں اصل بات یہ ہے کہ اجلاس صد سالہ کے بعد یہاں طلبہ کے مسائل نے اہمیت اختیار کرلی تھی، طلبہ کے مسائل کچھ بہت پرانے ہیں لیکن اجلاس سے پہلے انہیں گنجائش نہ ہونے کا عذر کہہ کر ٹالا جاتا رہا، اجلاس کے بعد جب تنخواہیں دوگنا کردی گئیں اور لاکھوں کی رقم پس انداز بھی ہوگئی تو طلبہ کے معاملہ میں بھی توسیع پر عمل ہونا چاہیے تھا مگر ان کے داخلہ پر پابندیاں عائد کی گئیں اور دارالعلوم کی تاریخ میں پہلی بار یہ اعلان کیا گیا کہ سال چہارم کے بعد داخلہ نہیں ہوگا، چنانچہ پنجم سے لیکر دورے تک کی جماعت میں ایک بھی جدید داخلہ نہیں لیا گیا اور عذر یہی کیا گیا کہ گنجائش نہیں ہے، اسی دوران جو دو ایک واقعے پیش آئے ان کو بہانہ بنا کر اڑتالیس سربرآوردہ طلبہ کا اخراج کردیا گیا، اور جن چند اساتذہ نے طلبہ کے موقف کی حمایت کی ان کو بھی موردِ عتاب گردانا گیا، اب یہ آتش فشاں طلبہ کی سطح سے اٹھ کر اساتذہ کی سطح تک آگیا اساتذہ کو براہِ راست اہتمام کی جانب سے سزا نہیں دی جاسکتی تھی اس لئے ان کے مسئلہ کو مسخ کرکے مجلس شوریٰ میں پیش کیا گیا اور ایک مفصل رپورٹ میں بے سروپا الزامات عائد کرکے انہیں مجلس شوریٰ کے ذریعہ الگ کرنے کی سعی کی گئی، مجلس شوریٰ نے فوری کاروائی کے بجائے یہ فیصلہ دیا کہ مفصل رپورٹ میں جو الزامات عائد کئے گئے ہیں ان کی روشنی میں اساتذہ سے جواب طلب کیا جائے اور ان کا جواب مجلس شوریٰ میں پیش کیا جائے اس کے علاوہ بھی مجلس شوریٰ کے کچھ فیصلے ایسے تھے جن سے اہتمام کو اتفاق نہیں تھا جیسے مؤتمر مصالحت، مولانا سالم صاحب کی نیابت، طلباء کے ساتھ انصاف، یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا کے شیئر کی خریداری، حسابات کی جانچ کے لئے کمیشن کا تقرر، ملازمین کی شکایات کی تحقیق کے لئے دوسرے کمیشن کا تقرر وغیرہ۔

مجلس شوریٰ کی قانونی بالادستی ارباب اہتمام کے عزائم میں سب سے بڑی رکاوٹ بنی ہوئی تھی اس لئے طلبہ اور اساتذہ کے معاملات سے صرف نظر کرتے ہوئے طے کیا گیا کہ مجلس شوریٰ کو ختم کئے بغیر بات بننے والی نہیں ہے، چنانچہ ملغوظہ شیرِ دل فیصلہ کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے دہلی میں ایک فرضی نمائندہ اجتماع کا دعوت نامہ جاری کردیا، اس میں بھی فضلاء دارالعلوم، چندہ دہندگان اور دانشوران قوم کی نمائندگی صفر کے برابر تھی، پچاس کے قریب دارالعلوم کے ملازمین تھے اور سو کے قریب ایک خاص ذہن رکھنے والے افراد، اور اس ناقص نمائندہ اجتماع نے انتہائی عجلت میں مجلس شوریٰ کے حل کا الزام ایک ایڈہاک کمیٹی نامزد کردی، پھر دیوبند میں ایڈہاک کمیٹی کا جلسہ ہوا اور اس کی کم

پیمانہ ہونے کے باوجود مجلس شوریٰ توڑ دی گئی، دستورِ اساسی ختم کر دیا، دوسرے دستور کی تیاری کے لئے کمیٹی نامزد کر دی گئی، مولانا محمد عثمان صاحب کو معطل کر دیا گیا وغیرہ،

ان زبردست قانونی خلاف ورزیوں سے دارالعلوم کے اندر ردِ عمل کا ہونا ضروری تھا جبکہ طلبہ اور اساتذہ بھی سمجھ رہے تھے کہ اگرچہ اس وقت صرف مجلس شوریٰ کے خلاف محاذ آرائی ہے مگر اس کے بعد ساری طاقت ہم پر صرف کی جانے والی ہے، ارباب اہتمام بھی حالات کا تیور دیکھ رہے تھے اور انہوں نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی سے ایک ایک دروازے پر کئی کئی مسلح دربان متعین کر دیئے تھے، اور جب انہوں نے یقین کر لیا کہ ان قانونی خلاف ورزیوں کے ردِ عمل کو برداشت کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے تو انہوں نے دارالعلوم کو بند کر کے طلبہ کو رخصت کر دینے میں عافیت سمجھی چنانچہ سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ایک بہانہ بنا کر مسلح دربانوں کو طلبہ سے ٹکرا دیا گیا اور اگلے دن پی، اے، سی کے ذریعہ دارالعلوم خالی کرا لیا گیا، مسلح دربانوں کے حملے کے وقت طلباء نے اذان کے لاؤڈ اسپیکر سے درد بھری آواز میں اہل شہر کو مدد کے لئے پکارا تھا اس لئے انخلاء کے وقت اہل شہر آگئے اور ان مہمانوں کو زبردستی اپنے گھر لے گئے اور کیمپ دارالعلوم قائم کر کے تعلیم جاری کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔

دارالعلوم غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیا گیا، اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کچھ دن دیوبند اور دہلی میں مقیم رہے پھر علاج یا آرام کی غرض سے بمبئی چلے گئے، اس عرصہ میں کیمپ میں تعلیم جاری رہی، قاری صاحب موصوف نے ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی کا بلایا، اور مجلس شوریٰ نے بھی اپنے دو ہنگامی اجلاس کئے، پہلے اجلاس میں حضرت قاری صاحب کو چارج شیٹ دی گئی، اور دوسرے اجلاس میں انہیں بادلِ ناخواستہ معطل بھی کر دیا گیا، حضرت قاری صاحب موصوف کے تعطل کا فیصلہ ہم سب کے لئے ایک زبردست سانحہ تھا مگر اسی کے ساتھ یہ اس حقیقت کا اعلان تھا کہ شخصیت کتنی بھی عظیم ہو لیکن اداروں کو ان کی وجہ سے قربان نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت قاری صاحب موصوف نے عملی طور پر مجلس شوریٰ کے فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور دارالعلوم پر اپنا تسلط برقرار رکھنے کے لئے حفاظتی انتظامات مزید مضبوط کر دئے گئے، اسی اثناء میں متعدد بار مصالحت کی کوششیں کی گئیں، مولانا منت اللہ رحمانی اور الحاج شیخ ذوالفقار اللہ جیسے قاری صاحب موصوف کے معتمدین نے مصالحت کی سرتوڑ کوشش کی، ممبرانِ پارلیمنٹ نے پوری سنجیدگی اور دیانت داری کے ساتھ گفت و شنید کے ذریعہ مسئلہ کو حل کرنا چاہا مگر حضرت قاری صاحب موصوف نے کسی بھی کوشش کا خیر مقدم نہیں کیا۔

چار ماہ کی مسلسل تالابندی کے بعد حضرت قاری صاحب ۹ مارچ کے اوائل میں دیوبند تشریف لائے، توقع تھی کہ وہ اپنی دانشمندی سے اس سفینہ کو بھنور سے نکالنے کی سنجیدہ کوشش کریں گے، مگر انہوں نے آتے ہی نعرے میں تقریر فرماتے ہوئے یہ کہا کہ اب ہم دارالعلوم کھولنا چاہتے ہیں اور خواہ ہمارے پاس دس ہی طالب علم ہوں ہم تعلیم جاری کر دیں گے۔ اور یہ کہ بعض ممبرانِ پارلیمنٹ نے مصالحت کی گفتگو کرنا چاہی تو میں نے ان سے کہدیا کہ مصالحت کیسی؟ ہماری تو کسی سے لڑائی نہیں ہے۔

کیمپ میں مقیم ایک ہزار سے زائد طلبائے عزیز کو جب حضرت قاری صاحب موصوف کی تقریر کا علم ہوا تو وہ یہ سمجھ گئے کہ ہم سے صرفِ نظر کر کے آئندہ کے لئے بھی دروازہ بند کر دیا گیا ہے اس لئے انہوں نے فوراً احتجاجی جلوس نکالا اہلِ شہر نے ان کا تعاون کیا اور ڈاک خانہ کے سامنے مولانا وحید الزمان صاحب نے طلبہ کے احساس

[illegible] کو خطاب کرتے ہوئے ضلع حکام کو متنبہ کیا کہ ہم حضرت قاری صاحب کی کل کی تقریر سے مصالحت کی ہر کوشش سے [illegible] ہم حکومت کو چیلنج کرتے ہیں کہ یا تو دارالعلوم کو سب کے لئے کھلا چاہئے اور جس طرح پی، اے، سی کے ذریعہ ہمیں [illegible] اسی طرح ہمیں داخل بھی کیا جائے ورنہ ہم خود ایک ہفتہ کے بعد دارالعلوم کے درو دیوار سے ٹکرا جائیں گے۔ اور اگر [illegible] اس میں حارج ہوئی تو ہمیں اس سے ٹکرانے میں بھی کوئی خوف نہیں ہے ہمارے اسلاف اس حکومت سے کہیں [illegible] حکومتوں سے ٹکرا چکے ہیں۔

مولانا وحید الزماں صاحب کی تقریر کا خاطر خواہ اثر ہوا اور فوراً ڈی، ایم صاحب سہارنپور دیوبند آگئے، انہوں نے تنہا [illegible] صاحب سے بات کی۔ حضرت قاری نے پہلی مجلس میں فرمایا کہ مجھے طلبہ سے کوئی ضد نہیں ہے، سب میرے چھوٹے ہیں اس [illegible] کیا جا سکتا ہے، البتہ اساتذہ کو میں کچھ پابند کرنا چاہوں گا، ڈی، ایم صاحب نے وضاحت چاہی تو فرمایا کہ پابندی [illegible] اس وقت رخصت لے لیں، ڈی، ایم صاحب بہت مطمئن ہوئے اور انہوں نے حضرت قاری صاحب کی گفتگو [illegible] اور دوسرے اور ذمہ داروں کے سامنے بالمشافہ کرائی تاکہ کل کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے، ڈی ایم صاحب نے [illegible] مولانا وحید الزماں اور ان جماعت کے دوسرے لوگوں سے گفتگو کی تو انہوں نے اس کو منظور کر لیا، دوسرے دن ڈی ایم [illegible] کے لئے حضرت قاری صاحب نے کہا کہ طلبہ میں بھی کچھ چھانٹ کرنا ہوگی ان لوگوں کو اندرونی امن کی ضمانت دینا ہوگی، مولانا وحید الزماں صاحب نے کہا کہ جب ہم رخصت پر ہوں گے اور اندر نہیں جائیں گے تو ضمانت کیسے دی جا سکتی ہے۔ ابھی یہ بات چیت چل رہی تھی کہ ظفر نقوی صاحب آگئے اور کچھ ایڈہاک کے ممبران بھی آگئے، نقوی صاحب حضرت قاری صاحب موصوف سے گفتگو کر کے چلے گئے اور انہوں نے تین دن کا وقت مقرر کیا کہ اس دوران تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ اچانک اخبار [illegible] میں اطلاع آ گیا کہ ڈی، ایم صاحب اور ظفر نقوی کی معرفت کی جانے والی گفتگو ناکام ہو گئی ہے۔ ڈی ایم صاحب نے [illegible] کے ذریعہ اس بے بنیاد خبر کی تردید بھی کی کہ ابھی تو گفتگو چل ہی رہی ہے، کسی نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے ناکامی کا اعلان [illegible] حرکت ہے۔

اسی دوران مولانا وحید الزماں بیمار ہو کر دہلی میں داخل ہسپتال ہو گئے اور دیوبند میں مجلس شوریٰ کے تحت غلط اسکیم [illegible] کی تیاریاں چل رہی تھیں کہ طلبا نے دارالعلوم نے ہر طرف ہائیس بجے ہو کر ۲۳، ۲۴ مارچ کی درمیانی شب میں دارالعلوم [illegible] سیاسی مسلح عناصر کے ناجائز قبضہ سے واگذار کرالیا، اور مجلس شوریٰ کے معطل کر دینے کے باوجود جو تسلط زبردستی [illegible] رکھا جا رہا تھا وہ ختم ہو گیا اور چونکہ تحویل کی اس تبدیلی میں صرف دس منٹ لگے تھے اس لئے پی، اے، سی بھی مدد نہ [illegible] اور جو مسلح دربان اندر رکھے گئے تھے اور جو مضبوط سمنٹڈ دیواریں جگہ جگہ کھڑی کی گئی تھیں وہ سب بیکار ثابت [illegible] ہو گئیں، اور طلبا نے عزیز کا وہ گروہ جو پانچ ماہ سے بے مثال صبر و برداشت کا مظاہرہ کر رہا تھا بے قابو ہو کر دارالعلوم کے اندر پہنچ گیا۔

حضرت قاری صاحب موصوف کے لوگوں نے الزام لگایا کہ باہر سے ڈاکو اور غنڈے بلائے گئے تھے اور انہوں نے [illegible] افراد کے خلاف ڈکیتی اور دفعہ ۳۰۷ کا کیس درج کرایا جن میں دارالعلوم کے اہم عہدیدار، اساتذہ اور طلبہ [illegible] بعض اہل شہر بھی ہیں۔ لیکن واقعہ صرف یہ ہے کہ صلح کی ہر گفتگو کی ناکامی اور ہر طرح مایوسی کے بعد طلبہ [illegible] اٹھایا اور خداوند قادر و قیوم نے ان کی مدد فرمائی کہ وہ کسی خاص تصادم کے بغیر مادر علمی کے آغوش میں پہنچ [illegible]

(بقیہ صفحہ [illegible])

السنۃ قبل التدوین — محمد عجاج الخطیب

حدیث کی نشر و اشاعت

صحابہ اور تابعین کے دور میں

ترجمہ ——— مولوی محمد حنیف ملی معہد ملت مالیگاؤں

جب اسلام پورے طور پر جزیرہ عرب میں پھیل گیا تو خدا کی مشیت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی سے رحلت فرما گئے اور عرب کے تمام علاقے اسلام کے مضبوط گڑھ اور سارے عالم کے لئے نور ہدایت کا سرچشمہ صافی بن گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں شام فتح کرنے کے لئے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تشکیل کی تھی مگر صد حیف کہ زندگی نے وفا نہیں کی پھر اس مشن کی تکمیل آپ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمائی اور جیش اسامہ کو شام کے علاقوں میں روانہ کیا۔ یہ لشکر اسلامی فتوحات کا جلی عنوان اور اسلامی حکومت کے باقاعدہ قیام کے لئے ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوا۔ شام، فلسطین [illegible] کے علاوہ عراق کے تمام علاقے بھی سنہ [illegible] میں فتح ہو گئے۔ سنہ [illegible] میں مصر میں فتح ہوا اور سلطان فارس فتح کر لئے گئے۔ [illegible] تک پہنچ گئے۔ سنہ [illegible] میں سمرقند بھی اسلامی قلمرو میں شامل ہو گیا کچھ ہی دنوں بعد پرچم اسلام مغربی اندلس کی فضاؤں میں لہرانے لگا تا آنکہ اسلامی فتوحات سے چین کی مشرقی سرحدیں بھی متاثر ہو گئیں اور سنہ ۹۶ھ میں غازیان اسلام نے چین کی سرزمین پر بھی اپنی کامیابی کا جھنڈا نصب کر دیا۔

فتوحات اسلامی کے ان ظفر یاب لشکروں کے قائد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے خدا کے یہ سادہ دل اور مخلص بندے جس بستی میں داخل ہوئے وہاں مسجدیں تعمیر کیں اور بعض صحابہ کرام تو ان مسجدوں کی نگہبانی اور نظام چلانے کے لئے وہیں فروکش بھی ہو گئے ان مسجدوں کے ذریعہ صحابہ کو دعوت اسلامی کی نشر و اشاعت کا موقع ملا اور بستی کے بچوں کو کتاب وسنت کی تعلیم دینے میں لگ گئے ادھر خلفاء اسلام نے دعوت اسلامی کے کاز کو تقویت پہنچانے کے لئے تمام نو آباد شہروں میں علماء اور دین کے جاننے والے روانہ کئے۔ صحابہ کرام کی جماعت نے مرکز علم کے پیش نظر ان علاقوں میں مستقل سکونت اختیار

نے بعد اپنی تمام تر توجہ بستی کے باشندوں کو دین سکھانے میں صرف کر دی اس کا لازمی اثر یہ ہوا کہ لوگ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہونے لگے دین کا غلغلہ عام ہوا لوگ صحابہ کرام کے ارد گرد جمع ہو گئے اور اس چشمۂ صافی سے سیراب ہونے لگے جس کا سر رشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے قائم ہے صحابہ کرام کے ان حلقوں سے تابعین فیضیاب ہو کر نکلے جن کے ذریعہ نہ صرف پرچم اسلام فضاء عالم میں سربلند ہوا بلکہ کتاب و سنت کی حفاظت کا مکمل سامان بھی ہوا بستی بستی بڑی تیزی سے علوم نبوت اور احادیث رسول کے بڑے بڑے مرکز قائم ہو گئے جہاں سے سرمایۂ نبوی کی تابناک روشنی اطراف میں پھیلنے لگی یہ مراکز صحابہ کرام کے زمانہ میں وجود میں آنے والے مرکز کے علاوہ ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام مراکز کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا جائے تاکہ اس زمانہ کے ظروف و احوال کے ساتھ انکو قائم کرنے والوں کے حالات بھی معلوم ہو سکیں

۱- مدینہ منورہ

یہ مسلمانوں کا دار الہجرت اور اسلامی سلطنت کا دار الخلافہ ہے جس نے ابتداء اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو پناہ دی اور اسلام کے ابتدائی نظام شریعت کا بچشم خود مشاہدہ کیا اور جس کی مسجدوں میں صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد حلقہ بگوش ہو کر کتاب و سنت کا علم حاصل کرتے تھے جہاں صحابہ نے آپ کے فیصلے، مال غنیمت کی تقسیم، لشکر اسلام کی روانگی اور صلح کے دلنواز مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہیں ہجرت کر کے آنے والوں کو پناہ ملی جبکہ مشرکین اور دوسرے قبائل کا ستم و جور پورے شباب پر تھا اور مدینہ کو بیم و رجا کی نظریں تک رہی تھیں اور نہ جانے مدینہ آنے کے بعد کتنی حسرتیں صحابہ کرام کے دلوں میں پوشیدہ تھیں بالآخر صلح حدیبیہ مسلمانوں کے لئے فتح مبین بن کر جلوہ گر ہوئی تو مدینہ منورہ سیاسی افق پر پورے حجاز کا مرکز اور

راجدھانی بنا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عہد خلافت تک رہا۔

کہیں یہ خیال ہو کہ مہاجر صحابہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مکہ کر مہ واپس آ گئے ہونگے لیکن تاریخ بڑی شدت سے بتاتی ہے کہ صحابہ کرام اور طلفاء نے ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کو ترجیح دی ہے آپ جہاں رہے صحابہ نے بھی وہیں رہنا پسند کیا یہی وجہ ہے کہ تمام اکابر صحابہ جو علم کے شہر تھے مدینہ ہی میں ملتے ہیں ان میں حضرت ابوبکر صدیق رض، عمر فاروق رض، عثمان غنی، علی مرتضیٰ رض، حضرت ابوہریرہ رض، حضرت عائشہ رض، حضرت عبداللہ بن عمرو رض، حضرت ابوسعید خدری رض، زید بن ثابت رض جن کی قرآن فہمی حدیث بینی اور علم فرائض میں مہارت مشہور سر فہرست ہیں مدینہ کے صحابہ میں حضرت زید بن ثابت رض علم نبوت میں خلفاء کی نظر میں زبردست علمی تبحر کے مالک تھے حتیٰ کہ خلفائے راشدین بھی امور قضا، علم قرأت، مسائل میراث اور فتویٰ کے باب میں ان کو ہی سب پر فوقیت دیتے تھے۔ یہ مدینہ ہی کی سرزمین ہے جہاں بڑے بڑے تابعین پیدا ہوئے۔ ان میں سعید بن مسیب، عروہ ابن زبیر، ابن شہاب زہری، عبید اللہ بن عتبہ، سالم بن عبداللہ اور محمد بن منکدر سرکردہ علماء میں شمار ہوتے ہیں جو امور قضاء افتاء اور علوم حدیث میں امت کے مرجع سمجھے جاتے ہیں۔

۲- مکہ مکرمہ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کیا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہیں روک لیا تاکہ وہ لوگوں کو حلال اور حرام کی تعلیم دے سکیں، دینی مسائل سکھائیں اور قرآن کریم پڑھائیں۔ حضرت معاذ رض انصار کے نوجوان صحابہ میں سب سے زبردست عالم، حوصلہ مند اور مجاہد تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک

رہے اور صحابہ میں حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے :-

"معاذ بن جبل اعلم الناس بحلال اللہ وحرامہ"

ایک جگہ آپ فرماتے ہیں :-

"خذوا القرآن من اربعۃ، من ابن مسعود وابیّ ومعاذ بن جبل وسالم مولی حذیفۃ"

قرآن شریف چار آدمیوں سے سیکھو، عبد اللہ بن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور حذیفہ کے غلام حضرت سالم سے

حضرت معاذ بن جبل سے بے شمار صحابہ کرام نے حدیث نقل کی ہے ان میں حضرت ابن عباس ہیں جو بصرہ سے آنے کے بعد مکہ مکرمہ میں سب سے بڑے منصب پر فائز ہوئے۔ دوسرے عتاب بن اسید ہیں جنہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قوم کا امام اور معلم خیر مقرر فرمایا تھا ان کے علاوہ خالد ابن اسید، حکم بن ابی العاص اور عثمان بن ابی طلحہ بھی قابل ذکر ہیں۔ انہی صحابہ کے فیض نے حضرت مجاہد، عطاء بن رباح طاؤس بن کیسان اور حضرت عکرمہ جیسے باکمال علماء پیدا کئے جن کی ذات سے مکہ مکرمہ کی علمی مرکزیت قائم رہی یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مکہ مکرمہ اسلامی تہذیب و ثقافت اور حدیث نبوی کی نشر و اشاعت میں بڑی اہمیت رکھتا ہے اس لئے کہ ہر سال موسم حج میں ہزاروں صحابہ اور تابعین یہاں جمع ہوتے ہیں اور حدیث نبوی کا ایک وافر حصہ حاصل کرکے اپنے علاقوں میں جاتے ہیں کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی یہ خصوصیت آج بھی باقی ہے اور رہتی دنیا تک باقی رہے گی۔

۳- کوفہ

خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب عراق فتح ہوا اور خراسان، فارس، ہندوستان کی فتوحات کے لئے کوفہ اور بصرہ فوجی چھاؤنیاں بنے تو بہت سے صحابہ کرام یہاں آکر فروکش ہو گئے۔ بیعت رضوان میں شرکت کرنے والے صحابہ تین سو اور بدری صحابہ کی تعداد ۷۰ تھی ان میں چند مشہور صحابہ یہ ہیں :- علی بن ابی طالبؓ، سعد بن ابی وقاص سعید بن زید اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم۔

کوفہ کے باشندوں کی تعلیم و تربیت اور اسلامی معاشرہ پر سب سے زیادہ توجہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے دی یہی وجہ ہے کہ اس کی ترقی اور شہرت میں سب سے زیادہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فکر اور ان کی کوششوں کا اثر نمایاں ہے حضرت عبد اللہ کے اس مکتب فکر سے جلیل القدر تابعین اٹھے جو شریعت محمدی کے پاسباں اور سنت مطہرہ کے محافظ بنے خود کوفہ میں حضرت عبد اللہ کے کم و بیش سات صاحب فضل و کمال شاگرد موجود تھے کوفہ کے مشہور قبیلہ بنی ثور میں ایسے ۳۰ اہل علم تھے جو کسی طرح حضرت ربیع بن خیثم کے تقویٰ و طہارت عبادت و ریاضت اور علم حدیث میں کسی بھی طرح کم نہ تھے اسی سرزمین سے حضرت کمیل بن زید نخعی، عامر بن شراحیل شعبی سعید بن جبیر اسدی، حضرت ابراہیم نخعی، ابو اسحاق سبیعی اور عبد الملک بن عمیر جیسے صاحبان فضل و کمال پیدا ہوئے جن کے علم و فضل کی نظیر مشکل ہے۔

۴- بصرہ

بصرہ میں جو صحابہ کرام قیام پذیر ہوئے ان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں جو پورے بصرہ کے امام حدیث ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت ابو موسیٰ اشعری، بصرہ کے امیر حضرت ابن عباس، عتبہ بن غزوان، عمران بن حصین، ابو برزہ اسلمی حضرت معقل بن یسار، عبد الرحمٰن بن سمرہ، ابو زید انصاری، عبد اللہ بن شخیر حکم بن ابی العاص اور ان کے بھائی حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہم بھی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان صحابہ کرام کے

تربیت میں جو علماء مہر و ماہ بنکر جلوہ گر ہوئے ان
میں حضرت حسن بصری کی بہت ممتاز ہیں جنہیں تقریباً پانچسو
صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل ہے اور جن کے اقوال کو
فقہاء اور محدثین کے یہاں بڑی اہمیت حاصل ہے ان کے
علاوہ مشہور اہل علم میں حضرت محمد بن سیرین، ابو ایوب سختیانی
حضرت بہز بن حکیم قشیری، یونس بن عبید، خالد بن مہران
عبد اللہ بن عون، حضرت عاصم بن سلیمان احول، قتادہ
بن دعامہ سدوسی، ہشام بن حسان وغیرہ کشت زار بصرہ ہی
کے مہک و بار ہیں البتہ بغداد کی علمی شہرت خلیفہ منصور عباسی
کے زمانے سے ہوئی ہے۔

۵- شام

اسلامی لشکر نے جب شام کا رُخ کیا تو صحابہ کرام کی ایک
بڑی تعداد سرزمین شام پہونچی اکثر صحابہ نے ابتداء میں شام
کے بڑے بڑے شہروں کو اپنا وطن بنایا پھر اطراف
و دیہات کے باشندے بھی فیض اٹھانے کے لئے صحابہ کرام
سے جا ملے اور شام ہی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ شام میں
جو صحابہ آئے ان کی صحیح تعداد بتانا تو مشکل ہے البتہ ولید
بن مسلم کے اندازے کے مطابق شام میں تقریباً دس ہزار
صحابہ آئے تو یزید بن سفیان نے شامی عوام کی تعلیم و تربیت
کے لئے حضرت عمر سے اتالیق اور معلمین کا مطالبہ کیا جسے حضرت
فاروق اعظم نے منظور فرمایا اور عبادہ بن ثابت، معاذ بن جبل،
اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہم کو شام کے مختلف علاقوں میں
روانہ فرمایا چنانچہ حمص میں حضرت عبادہ، دمشق میں حضرت ابو الدرداء
اور شام کے مشہور مقام فلسطین میں معاذ بن جبل نے قیام کیا
اور بعد میں خلیفہ نے حضرت عبد الرحمان بن غنم کو بھی روانہ فرمایا۔
پھر ملک شام خصوصاً دمشق میں خلفاء بنو امیہ کے زیر اثر
علمی مرکز اور تعلیمی نشاط پیدا ہو گیا اور یہاں فقہاء، محدثین
اور اہل علم کی ایک جماعت ہر وقت رہنے لگی علماء اعلام اہل علم
بکثرت پیدا ہوئے یہاں تک کہ دمشق کے صحت افزاء مقام غوطہ
کے جوار میں آباد داریا نامی خطہ علم وادب کا مرکز اور تعلیم و تعلم
کا گہوارہ بن گیا علامہ سمعانی فرماتے ہیں کہ داریا میں ہمیشہ سے
بڑے بڑے نامور علماء اور ممتاز محدثین پیدا ہوتے رہے ہیں۔
ممتاز ترین صحابہ میں حضرت عبد الرحمان بن یزید کا نام تذکروں
میں ملتا ہے جن کا شمار صف اول کے فقہاء صحابہ میں ہوتا ہے ان
کے علاوہ اور کچھ صحابہ بھی آئے جن کے نام یہ ہیں حضرت ابو عبیدہ
بن الجراح، بلال بن ابی رباح، شرحبیل بن حسنہ، خالد بن ولید
عیاض بن غنم، حضرت فضیل بن عباس (جو داریا میں مدفون ہیں)
حضرت عوف بن مالک اشجعی اور حضرت عرباض بن ساریہ
رضی اللہ عنہم وغیرہ۔

صحابہ کرام کے اس مکتب فکر سے بڑے بڑے نابغۂ عصر جلیل القدر
اور باکمال تابعین پیدا ہوئے ان میں قاضی دمشق سالم بن
عبد اللہ محاربی، ابو ادریس خولانی (جو امیر معاویہ اور ان کے
صاحبزادے کے زمانے میں دمشق کے قاضی تھے) حضرت
ابو سلیمان دارانی (جو حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور میں دمشق
کے قاضی تھے) اور محدث وقت عمیر بن ہانی عنسی دارانی بہت
ممتاز ہیں ان با فیض علماء کی تربیت میں جو علماء سرزمین شام
میں مہر و ماہ بن کر چمکے ان کے نام یہ ہیں۔ عبد الرحمن بن عمرو
اوزاعی، خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز، مکحول دمشقی، رجاء
ابن حیوہ، بحیر بن سعد کلاعی، ثور بن یزید کلاعی، عبد الرحمان بن
یزید وغیرہ۔

۶- مصر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فاتح مصر حضرت
عمرو بن عاص کی زیر قیادت مسلمان مصر میں داخل ہوئے
ان کے ساتھ صحابہ کی خاصی تعداد تھی جن میں حضرت عبادہ
بن صامت، مسلمہ بن مخلد اور حضرت مقداد بن اسود بھی تھے
جنہیں خلیفۂ وقت نے حضرت عمرو بن عاص کے لشکر کی مدد کے لئے

بسیا تھا حضرت عمرو بن عاص کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ اپنے والد کی وفات تک مصر ہی میں رہے ان کے علاوہ جو صحابی مصر میں مقیم ہوئے ان میں عقبہ بن عامر جہنی، خارجہ بن حذافہ، عبداللہ بن سعد، محمیہ بن جزء، حضرت ابوبصرہ غفاری، ابوسعید الخیر، معاذ بن انس جہنی، رافع بن خدیج اور حضرت زیاد بن حارث صدائی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مصر کے اس مدرسۂ حدیث سے جو اہل علم صاحب فضل و کمال ہوئے ان کے نام یہ ہیں مصر کے مشہور محدث یزید بن ابی حبیب، عمر بن حارث، خیر بن نعیم حضرمی، عبداللہ ابن سلیمان الطویل، عبدالرحمن بن شریح غافقی، حیوۃ ابن شریح تجیبی وغیرہ۔ حضرت یزید بن ابی حبیب حدیث کی نشر و اشاعت میں اپنا خاص امتیاز و مقام رکھتے تھے ان کے شاگردوں میں لیث بن سعد اور حضرت عبداللہ بن لہیعہ نمایاں ہیں جن کا شمار مصر کے مشہور محدثین میں ہوتا ہے اور جن کی خدمت میں علماء کے ایک جم غفیر نے زانوئے حدیث طے کیا ہے۔

۷۔ اندلس اور مغرب اقصیٰ

سنہ ۲۱ھ میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر فتح کرتے ہوئے مقام برقہ اور طرابلس پہونچے، یہ حضرت عمرؓ کا دور خلافت تھا حضرت عمروؓ نے خلیفہ سے افریقہ فتح کرنے کی اجازت چاہی انھوں نے اجازت دیدی حضرت عمرو نے امیر المومنین کے حکم کی تعمیل میں مصر کی طرف مراجعت کی حضرت عمرو بن عاص اور ان کے رفقاء مغرب اقصیٰ میں پہونچنے والے سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ جب حضرت عثمان رضؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے مصر کے امیر حضرت عبداللہ بن سعد کو افریقہ پر چڑھائی کی اجازت دیدی اور ان کی مدد کے لئے مدینہ کے صحابہ کا ایک دستہ بھی ان کے ساتھ کر دیا جن میں عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو، عبداللہ بن جعفر، حسن بن علی، حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم شریک تھے۔ دوران سفر میں حضرت عقبہ بن نافع بھی ساتھ ہو لئے اور یکے بعد دیگرے علاقے کے علاقے فتح ہونے لگے پھر مغرب اقصیٰ فتح کرنے کے لئے حضرت معاویہ بن خدیج سنہ ۴۵ھ میں نکلے ان کے لشکر میں متعدد مہاجرین اور انصار شامل تھے۔ حضرت سلیمان بن یسار فرماتے ہیں کہ ہم نے جب معاویہ بن خدیج کے ساتھ افریقہ پر چڑھائی کی تو ہمارے ساتھ انصار اور مہاجرین کی بھی ایک جماعت تھی پھر مغرب اقصیٰ کے امیر حضرت عقبہ بن نافع ہوئے ان کے ساتھ بھی صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی تعداد تھی۔ انہیں کی قیادت میں افریقہ فتح ہوا اور شمالی افریقہ میں اسلام کی جڑیں مضبوط ہوگئیں، فتح افریقہ کے بعد جو صحابہ ان علاقوں میں فروکش ہوئے ان میں مسعود بن اسود بلوی، حضرت مسور بن مخرمہ، مقداد بن اسود، بلال بن حارث مزنی (جو فتح مکہ میں علم بردار تھے) جبلہ بن عمرو (جن کا شمار فقہاء صحابہ میں ہے) اور مشہور صحابی رسول حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم ہیں۔

افریقہ میں تابعین کا بھی ایک بڑا گروہ داخل ہوا جن میں چند مشہور یہ ہیں۔ حضرت سائب بن عامر، عبدالرحمن بن اسود، عاصم بن عمر، عبدالملک بن مروان، عبدالرحمن بن زید بن خطاب، فقیہ مدینہ حضرت سلیمان بن یسار، عکرمہ اور حضرت ابومنصور رحمہم اللہ، ان کے علاوہ دس تابعی ایسے بھی ہیں جنھیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے افریقہ والوں کی تعلیم و تربیت کے لئے روانہ کیا تھا۔ ان میں چند نام یہ ہیں۔ حضرت حبان بن جبلہ، اسماعیل بن عبداللہ اعور، اسماعیل بن عبید، عبدالرحمن بن عبید تنوخی (جو بعد میں افریقہ کے قاضی بھی ہوئے) حضرت سعید بن مسعود تجیبی، ان علماء کا اسلام کی نشر و اشاعت اور وہاں کے باشندوں کی تعلیم و ثقافت میں بڑا حصہ ہے اللہ کے ان بندوں کی بدولت اس سرزمین میں اہل علم اور صاحب فضل و کمال کی بہت بڑی ایک جماعت پیدا ہوئی جس نے اسلام کی

ت میں بڑا رول ادا کیا۔ ان علماء میں حضرت زیاد بن انعم
یزید بن ابی منصور، مغیرہ بن ابی بردہ، رفاعہ بن رافع
کنانی، عمران بن عبد معافری، مغیرہ بن مسلمہ اور حضرت
بن یسار رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں جن کے دم سے افریقیہ
کی سرزمین پر اسلام کا پرچم بلند ہوا اور کچھ دنوں کے بعد
افریقیہ کا مشہور مقام قیروان مغرب اقصیٰ کے علماء و فقہاء
کا مرکز بن گیا قیروان کی شہرت اور ترقی میں حضرت سحنون
بن سعید اور سعید بن الحداد کی قربانیوں کا بھی بڑا حصہ ہے جس
طرح قرطبہ، اشبیلیہ، غرناطہ، اور بلنسیہ تیسری صدی ہجری
کے آغاز سے آج تک حضرت یحییٰ بن یحییٰ، بقی بن مخلد، اور
عبدالملک بن حبیب کی کوششوں سے چمک رہا ہے۔

۸۔ یمن

اگرچہ پہلے سے بھی یمن میں بعض صحابہ کرام مقیم تھے لیکن
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تہذیب
کے لئے خاص طور پر حضرت معاذ ابن جبل اور ابو موسیٰ اشعری
رضی اللہ عنہما کو یمن روانہ فرمایا تھا۔ ان بزرگوں کے فیض صحبت
سے یمن کی مردم خیز سرزمین نے حضرت ہمام بن منبہ، ان کے بھائی
وہب بن منبہ، امام طاؤس، معمر بن راشد اور عبدالرزاق بن
ہمام جیسے نامور اور روشن ضمیر علماء پیدا کئے جن کے احسان
سے آج بھی یمن کی سرزمین زیر بار ہے۔

۹۔ خراسان

جو صحابہ کرام خراسان آئے اور وہیں کے ہو رہے ان
میں حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی (جو مرو میں دفن ہیں)۔
ابو برزہ اسلمی، حکم بن عمرو غفاری، عبداللہ بن حازم اسلمی
(جو نیشاپور میں دفن ہیں) حضرت قثم بن عباس (جن کی قبر سمرقند
میں ہے) قابل ذکر ہیں ان کے علاوہ بھی خراسان کے

عیسیٰ بن موسیٰ غنجار، فقیہ احمد بن حفص، محمد بن سلام بیکندی،
عبداللہ بن محمد مسندی، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری اسی
سرزمین پر پیدا ہوئے۔ سمرقند میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن
دارمی، اور محمد بن نصر مروزی، مقام شاش میں حضرت حسن
بن حاجب اور ہیثم بن کلیب اور فریاب میں علماء کی ایک پوری
جماعت پیدا ہوئی جن میں امام ثوری کے ساتھی اور معاصر محمد بن
یوسف فریابی، قاضی جعفر بن محمد فریابی قابل ذکر ہیں موخر الذکر بہت
سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں ان کا وصال ۳۰۱ھ میں ہوا ہے

اوپر کی تفصیلات سے معلوم ہوا ہے کہ مسلمان جب پڑوسی
ملکوں کی طرف بڑھے تو نہ ان کے پیش نظر دنیا تھی اور نہ تجارت
کا سود و زیاں بلکہ ان کی پیش قدمی صرف اسلئے تھی کہ دنیا
میں بسنے والوں کو ستم و جور، ضلالت و گمراہی سے نجات دلا دیں
ان نو مسلم علاقوں میں اسلامی تعلیمات عام کر دیں، گم گشتہ راہِ
انسانیت کو صحیح راہ بتائیں تاکہ ان کی آنکھیں نور ہدایت سے حق
دیکھنے لگیں بلاشبہ مسلمانوں کی یہ فتوحات دنیا کی تمام فتوحات سے
مختلف اور گوناگوں اوصاف کی حامل ہیں جس کی تفصیل کا یہ موقع
نہیں تاہم انہی مقاصد کی تکمیل کے لئے صحابہ اور تابعین نے
اجنبی، دور افتادہ اور نامانوس علاقوں میں رہنا گوارا کیا ا
خلفاء نے بھی ہر امکانی مدد بہم پہونچائی، معلم اور اتالیق
کئے تاکہ رشد و ہدایت اور اسلامی تعلیم و ثقافت تیزی سے عام ہو
پھر کیا تھا ان علاقوں کے نو مسلم باشندے صحابہ کے ارد گرد
پروانوں کی طرح جمع ہونے لگے۔

چونکہ صحابہ کرام کا علمی مقام ایک دوسرے سے مختلف
تھا ان میں سب ہی کے پاس احادیث رسول کا ذخیرہ نہ تھا
نہ آپ کے عمل کا علم تھا اسلئے انہوں نے احادیث رسول
حاصل کرنے کے شوق میں رات دن ایک کر کے میلوں کا سفر
کیا تاکہ سنی ہوئی حدیثوں کی توثیق ہو جائے اور کچھ نئی حدیثیں
بھی حاصل ہو جائیں اسلئے نہ صرف صحابہ بلکہ تابعین نے بھی

اور حدیثیں حاصل کرنے کے لئے دور دراز علاقوں کی خاک چھان کر صحابہ کے پاس پہونچتے تھے جیسا کہ آئندہ تفصیل سے واضح ہوگا بعض صحابہ اپنے اس سفر میں بہت ممتاز ہوئے ان کے شاگردوں نے بھی ان کے نقش قدم پر علم کی نشر و اشاعت اور حدیث حاصل کرنے کے لئے دور دراز کا سفر کیا

حدیث کیلئے دور دراز علاقوں کا سفر

حدیث کے لئے سفر کا یہ سلسلہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی سے قائم ہے چنانچہ جو لوگ بھی آپ کی رسالت کی اطلاع پاتے قرآن پاک سننے اور امور دین سیکھنے آپ کے پاس آتے اور اسلام قبول کرلینے کے بعد اپنی قوم کو جاکر سکھاتے تھے جیسا کہ خود حضرت ضمام بن ثعلبہ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے غرض آپ کے زمانے ہی سے اس دین اور رسالت کے احکام جاننے کے لئے یہ سفر ہوا کرتے تھے لیکن صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے دور میں خصوصًا حدیث حاصل کرنے کے لئے سفر میں تیزی آئی علماء نے بہت سے سفر کئے کبھی دور دراز علاقوں کا یہ سفر کسی ایک حدیث کے لئے ہوتا اور کبھی کسی حدیث کی توثیق کے لئے اور کبھی کسی صحابی کی صحبت پانے اور کچھ ساعت ان کے ساتھ گذارنے کے جذبے سے ہوتا تھا۔ چونکہ صحابہ کرام دین کی اشاعت کے جذبے سے تابعین ہی کے دور میں اپنے سینوں میں محفوظ احادیث لے کر مختلف ملکو[ں میں پھیل] گئے تھے اسلئے حدیث جمع کرنے والوں کے لئے یہ ضروری تھا کہ یہ بھی ان مقامات پر پہنچیں جہاں صحابہ کرام فروکش ہیں اور صحابہ کرام سے حدیثیں سنیں پھر جب تبع تابعین کا دور آیا تو اللہ کے ان بندوں نے بھی تابعین کی مجلسوں، ان کی صحبتوں، اور ان کی نقل کردہ روایتوں کو حاصل کرنے کے لئے دور دراز ملکوں کا سفر کیا تاآنکہ تمام حدیثیں جب اہل اعتماد اور بھروسہ دفتر کی شکل میں جمع ہوگئیں اور پڑھنے پڑھانے کے لئے مرتب و مہیا ہوگئیں ہر چند

کہ حدیث کی تدوین کا کام مکمل ہوچکا تھا تاہم مذاکرہ اور مزید استفادہ کے لئے مشہور محدثین کی مجلسوں میں شرکت کی غرض سے سفر کا سلسلہ قائم رہا۔

صحابہ کرام کے مختلف اسفار کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کی تشریح اور تصدیق کے لئے حضرت عقبہ بن عامر کے یہاں شام کا سفر کیا تو سب سے پہلے مصر میں حضرت محمد بن مسلمہ کے یہاں قیام کیا جو ان دنوں مصر کے حاکم بھی تھے محمد بن مسلمہ کو جب معلوم ہوا تو بڑے تپاک سے گلے ملے اور آنے کی وجہ دریافت کی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک حدیث کی توثیق کے لئے آیا ہوں جسے میرے اور حضرت عقبہ کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے والا کوئی نہیں ہے لہذا میرے ساتھ کسی شخص کو کردیجئے جو عقبہ بن عامر کے مکان ...... کا پتہ بتا سکے چنانچہ حضرت مسلمہ نے ان کے ساتھ ایک رہبر کردیا عقبہ کا مکان بتا سکے، مکان پہنچنے پر حضرت عقبہ کو اطلاع ہوئی بے تابانہ باہر آئے، معانقہ کیا اور پوچھا ابوایوب خیریت تو ہے اتنی دور آپ نے کیسے زحمت کی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا حدیث "ستر مومنا" کی تصدیق کے لئے آیا ہوں جسکو میرے اور آپ کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے والا اب کوئی نہیں رہا۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ کو سنا ہے؛ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

من ستر مومنا فی الدنیا	جس نے کسی مومن کے
علی خزیۃ سترہ اللہ	عیب کی ستر پوشی کی
یوم القیامۃ	خدا آخرت میں اس
	کے گناہوں کی ستر پوشی فرمائے گا

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو سنکر فرمایا تم نے سچ کہا اور فورًا سواری پر سوار ہوکر مدینہ واپس ہوگئے

...ت ابو ایوب انصاری کو یہ اندیشہ تھا کہ وہ حدیث
... اندین ... کہ حصہ بھول نہ گئے ہوں انھوں نے اس
... حفاظت کی وجہ سے مدینہ سے مصر کا سفر کیا اور اس
... کے لئے ویرانوں کی بادیہ پیمائی فرمائی۔

حضرت ابن عقیل فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ
... اطلاع ملی کہ ایک صحابی کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
... ایک حدیث موجود ہے فوراً ایک اونٹ خریدا اور ایک ماہ
... مسافت طے کرکے شام پہونچے۔ حضرت عبداللہ بن انیس رض
کے ... پر دستک دی یہ سنتے ہی حضرت عبداللہ آئے گرم جوشی
... معانقہ کیا حضرت جابر رض کا بیان ہے کہ میں آپ
کے پاس ایک حدیث سننے کے لئے آیا ہوں جس سے میں محروم
... مجھے اندیشہ ہے کہ ہم میں سے کوئی انتقال کرجائے اور
... نہ سن سکیں۔ پھر عبداللہ بن انیس نے پوری حدیث
... الفاظ کے ساتھ سنادی ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ	فرمایا۔
علیہ وسلم یحشر اللہ	خدا قیامت کے دن بندوں کو
العباد او الناس	برہنہ، غیر مختون اور
عراةً غرلاً بهمًا قلنا	نہتا اٹھائے گا۔ ان کے
وما بهمًا قال ليس	ساتھ کچھ نہ ہوگا پھر انھیں
معهم شئ ثم يناديهم	آواز دے گا جسے دور
بصوت يسمعه من بعد	اور قریب کے سب لوگ
قال كما يسمعه من	سنیں گے۔ خدا کہے گا۔
قرب: انا الملك	اگر کوئی جہنمی اپنے اوپر
ولا ينبغي لاحد من	سے حق کا مطالبہ کرے
اهل الجنة يدخل	تو کوئی جنتی جنت میں نہیں
الجنة ولاحد من اهل	جاسکتا۔ صحابی فرماتے
النار يطلبه بمظلمة	ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ
... وكيف وانما قال	علیہ وسلم آخر یہ کیسے ہوگا
... عراةً بهمًا قال	ہم سب تو خدا کے یہاں بالکل
بالحسنات والسيئات	تہی دامن پیش ہوں گے آپ نے فرمایا کہ یہ مطالبہ نیکی اور بدی

کے اعتبار سے ہوگا۔

طلب حدیث کے لئے مختلف مقامات کے اسفار کا یہ سلسلہ تابعین اور تبع تابعین کے یہاں بڑھتا ہی رہا اور کوشش یہ ہوئی کہ ہر حدیث اسی صحابی سے حاصل کی جائے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھ سے دیکھا اور کان سے سنا ہے حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ جب ہمیں یہ اطلاع ملتی تھی کہ بصرہ میں کوئی صحابی حدیث بیان کررہے ہیں تو ہم جب تک سواری پر پہونچ کر ان سے حدیث نہ سُن لیتے ہمیں خوشی نہ ہوتی تھی حضرت امام شعبی صرف چین حدیث کی تلاش میں سفر کی تیاری کررہے تھے تو یہ کہہ رہے تھے کہ ممکن ہے اس سفر میں اللہ کے کسی ایسے بندے سے ملاقات ہوجائے جس نے بلا واسطہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور ان سے حدیث کو سنا ہو۔ امام زہری حضرت سعید بن مسیب کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں بسا اوقات ایک ایک حدیث کی تلاش میں تین تین رات پا پیادہ چلا کرتا تھا۔ حضرت ابو قلابہ صرف ایک حدیث سننے کے لئے میں مدینہ میں پڑے رہے حضرت مسروق کے بارے میں ملتا ہے کہ انھوں نے صرف ایک حرف کی تحقیق کے لئے مستقل سفر کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف حدیث کے لئے سفر کے کتنے عادی تھے۔ حضرت امام شعبی فرماتے ہیں

ما علمت ان احدًا من	میں نے مسروق کے علاوہ
الناس كان اطلب للعلم	علم کی طلب میں آفاق کی خاک
في افق من الآفاق	چھانتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا

حضرت شعبی نے خود ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی پھر فرمایا میرے عزیزو! ہم نے آپ کو یہ مفت سنادی جب کہ اس سے بھی مختصر سی حدیث حاصل کرنے کے لئے لوگ مدینہ کا سفر کرکے مصارف اور مشقت

برداشت کرتے تھے۔

صحابہ کرام عموماً علم حاصل کرنے کے لئے اپنے شاگردوں کو سفر کی ترغیب دیتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لو اعلم احداً اعلم بکتاب اللہ منی تبلغہ الابل لاتیتہ،

مجھے اگر معلوم ہو جائے کہ مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھنے والا کوئی شخص کسی جگہ موجود ہے تو مجھے اونٹ پڑے تو میں ضرور جاؤں گا۔

یہی نہیں بلکہ صحابہ علم کے شوقین طلبہ کا خیر مقدم فرماتے تھے جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ اسی استقبال کا نتیجہ ہے کہ حدیث حاصل کرنے کے لئے تابعین کے دلوں میں سفر کی محبت رچی بسی تھی جیسا کہ حضرت شعبی کے اس جملہ سے اندازہ ہوتا ہے۔

لو ان رجلا سافر من اقصی الشام الی اقصی الیمن یسمع کلمۃ حکمۃ ما رائت ان سفرہ ضاع

اگر کوئی شخص شام کے اس کنارے سے یمن کے اس کنارے تک حکمت کی کسی بات کو سننے کے لئے سفر کریگا تو مجھے یقین ہے کہ اس کا سفر ضرور وصول ہو گیا۔

اور خود تابعین اسی یقین کے ساتھ سفر کرتے تھے کہ ان کا یہ سفر بیکار نہیں ہوگا۔ حضرت کثیر بن قیس فرماتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں حضرت ابو درداء کی خدمت میں حاضر تھا تنے میں ایک شخص آئے اور عرض کیا ابو درداء میں مکہ مکرمہ سے ایک حدیث حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ حدیث آپ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ روایت کرتے ہیں ابو درداء نے فرمایا تم دمشق میں تجارت وغیرہ کی غرض سے تو نہیں آئے ہو میں نے کہا نہیں میں صرف آپ سے رسول اللہ کی حدیث سننے کے لئے آیا ہوں حضرت ابو درداء نے پھر پوری حدیث سنا دی۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سلک طریقاً یلتمس فیہ علما سھل اللہ لہ طریقا الی الجنۃ وان الملائکۃ لتضع اجنحتھا رضا لطالب العلم وان طالب العلم یستغفر لہ من فی السماء والارض حتی الحیتان فی الماء و ان فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب، وان العلماء ورثۃ الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درھماً انما ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر

جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے کہیں چلے خدا اس کے لئے جنت کا راستہ ہموار کر دے گا بلا شبہ فرشتے طالب علم کی خوشنودی کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور طالب علم کے لئے زمین و آسمان کی ساری مخلوق حتی کہ مچھلیاں پانی میں مغفرت کی دعا کرتی ہیں بیشک ایک عالم کا مقام ایک عابد پر اتنا ہی اونچا ہے جتنا چاند کا تمام ستاروں پر بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث اور جانشین ہیں۔ نبیوں نے وراثت میں مال نہیں علم چھوڑا ہے جس نے اس وراثت کو پالیا اس نے ایک بڑا حصہ پالیا۔

حضرت زر بن حبیش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت صفوان بن عسال مرادی کے پاس آیا اور عرض کیا میں علم حاصل کروں گا حضرت صفوان نے اس پر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے

ما من خارج خرج من بیتہ فی طلب العلم الا وضعت لہ الملائکۃ اجنحتھا رضا بما یصنع

جب کوئی شخص اپنے گھر سے علم حاصل کرنے کے لئے نکلتا ہے تو فرشتے اس کے اس اقدام کی خوشی میں اپنے پر زمین پر بچھا دیتے ہیں۔

علم حاصل کرنے کے لئے علماء کے واقعات کثیر اسفار بہت زیادہ ہیں جسے یہاں تنگی وقت کی وجہ سے بیان نہیں

جا سکتا۔ تاہم ان میں سے چند کا ذکر کافی ہوگا۔

حضرت ابن شہاب زہری نے عطاء بن یزید، ابن محیریز اور ابن حیوہ سے فیض حاصل کرنے کے لئے مدینے سے شام کا مستقل سفر فرمایا، حضرت یحییٰ بن سعید نے بعض صحابہ کے صاحبزادگان سے ملاقات کے لئے علم کے شوق میں مدینہ منورہ کا سفر کیا، حضرت محمد بن سیرین کوفہ پہنچے اور حضرت ابو عبیدہ، حضرت علقمہ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی مجلسوں میں شرکت کرتے رہے حضرت امام اوزاعی نے یمامہ کا سفر کیا محض یحییٰ ابن کثیر سے ملنے کے لئے پھر علم کے اسی جذبہ نے انھیں یمامہ سے بصرہ پہنچا دیا حضرت سفیان ثوری نے اسی علم کے لئے یمن کا سفر کیا اور پھر بصرہ میں قیام فرمایا، حضرت عیسیٰ بن یونس نے امام اوزاعی سے حدیث حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ ملک شام کا سفر کیا اسی طرح حضرت شعیب بن حمزہ نے امام زہری جیسے کوہِ علم سے استفادہ کرنے کی غرض سے شام کا سفر کیا یہ تو ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر تھا لیکن علاقے اور خطے کا سفر تو ہمارے اسلاف اور علماء نے تو اتنا کیا ہے کہ شمار بھی ناممکن ہے۔

ان اسفار اور سرگرمیوں کا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نشر و اشاعت پر بڑا گہرا اثر پڑا اسلئے کہ اس طرح وہ روایت کرنے والے کو نہ صرف دیکھ لیتے تھے بلکہ بڑی حد تک ان کے اخلاق و سیرت سے واقف بھی ہو جاتے تھے موقعہ ملتا تو بستی والوں سے کچھ اور باتیں بھی دریافت کر لیتے تھے بسا اوقات بستی کے لوگ کسی راوی کے بارے میں اتنی باریکی سے دریافت کرنے پر طیش میں یہ بھی کہہ دیا کرتے تھے تم ان کا نکاح کرا دینا چاہتے ہو جو اتنے اہتمام سے ایک ایک بات دریافت کر رہے ہو اس سفر کا ایک زبردست فائدہ یہ ہوا کہ ایک حدیث کے کئی طرق معلوم ہوئے اسلئے کہ بعض مرتبہ راوی کو ان کے علاقے کے علماء کے ذریعہ متن حدیث میں کچھ ایسے اضافے بھی مل جاتے تھے جن سے وہ ناواقف تھا بعض مرتبہ ان اسفار کی بدولت ایسی روایات بھی حاصل ہو جاتی ہیں جو اپنی بستی کے علماء کے پاس نہیں ہوتی تھیں۔ کبھی اس سفر کی برکت سے اختلاف روایت کی بناء پر قوی اور ضعیف کا فرق بھی سامنے آجاتا ہے اور براہ راست اصل راوی اور صحابی سے حدیث اخذ کرنے کی بناء پر حدیث کے متعدد طریقوں کا علم ہو جاتا ہے اور یہ اس سفر کی کوئی معمولی برکت و فضیلت نہیں ہے، یہی کیا کم ہے کہ اس قسم کے سفر سے حدیث جمع کرنے اور اس کی تنقیح میں بڑی مدد ملی۔ یہ واقعہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کی اس جانفشانی اور جاں سپاری سے نہ صرف تدوین حدیث پہ بلکہ ہر لحاظ سے اس کی تہذیب و تنقیح پر بھی زبردست اور خوشگوار اثر مرتب ہوا ہے جیسا کہ راویوں کے حالات زندگی سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ حدیث پاک کو اصل سرچشمہ سے حاصل کرنے اور اس کی حفاظت کرنے میں ان کو کتنی دشواریوں کا سامنا رہا ہوگا ان کی مشکلات کا اندازہ لگانے کے لئے اتنا کافی ہے کہ حدیث کا ایک ہی راوی یمنی بھی ہے کئی بھی مدنی بھی ہے شامی بھی کوفی بھی، بصری اور مصری بھی ہے ایک راوی کی ان مختلف نسبتوں سے بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے کہ حدیث کے لئے انھوں نے کتنے دور دراز علاقوں اور ملکوں کی خاک چھانی ہے وہ وطن اور اعزہ سے دور ہوتے رہے موسم اور سفر کے ناموافق حالات برداشت کرتے رہے۔ اور ایک زمانہ تک ان آزمائشوں کا مقابلہ کرتے رہے تب وہ اپنے وقت کے محدث اور صاحب فضل و کمال ہوئے بلاشبہ یہ تمام روایات جو آج مرتب ابواب اور مخصوص موضوعات میں اپنی سندوں کے ساتھ کتابی شکل میں نظر آ رہی ہیں اگر صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بعد کے علماء کی کوششیں نہ ہوتیں تو آج ہمیں کسی طرح محفوظ نہ ملتیں۔ خدا ان پاک طینت بندوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنی رضا و جنت سے بہرہ ور کرے۔ آمین۔

بلاشبہ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حدیث نبوی کی بھی نشر و اشاعت ہوتی رہی اور حدیث بہت سے نئے اسـ

رواں میں بھی پہونچا اور علم نبوت صرف مکہ مکرمہ اور مدینہ
رہ میں رہا بلکہ اس کے مختلف مراکز قائم ہوئے، مختلف
ں مجلسیں اور تعلیم کے حلقے آباد ہوئے اور عالم اسلام کی
نہو ں رانجد جاشیوں کی طرح دور دراز کے علاقے بھی صحابہ کی
شتوں سے علم کے مرکز اور گہوارۂ علماء بنے بلکہ یہ چلتے پھرتے
رہے تھے جس کے قافلہ سالار اور امیر کارواں تصحابہؓ
ام اور تابعین ہیں اب دوسرے علاقوں کے لئے یہ آسان
ان کے یہاں کوئی صحابی پہونچ سکے۔ اور بستی کے
ں حلقہ بگوشں اسلام ہو کر حدیث حاصل کرنے اور علم نبوت
یکھنے میں لگ گئے چنانچہ خراسان وغیرہ دور دراز علاقے
ہ بھی اسی صورت سے اسلام کے اس دریائے علم سے سیراب
ہے۔

یہ اہم گوشہ ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ؐ کی
یث اسلامی حکومت کے دور افتادہ علاقوں تک ان
ن نثاروں کی قربانیوں سے کیسے پہنچی۔ ہم یہاں اس
حقیقت کا اظہار کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اسلامی فتوحات
ساتھ ایسے کچھ لوگ بھی اسلام میں داخل ہوئے جن کے
ں میں نفاق بھرا ہوا تھا اور دماغ میں فاسد عقیدہ گھر
ہوئے تھا اوہام پرستی ابھی تک ان کے ذہنوں پر مسلط
ان کم ظرفوں نے دین کو نشانہ بنانے کے لئے اس فرصت
غنیمت جانا ان میں کچھ تو مصلحت کی بنا پر کچھ قومی اور وطنی
بیت کی بنا پر دین کو نشانہ بنانے میں لگ گئے۔
وہ ازیں کچھ سیاسی عوامل بھی کار فرما رہے جو مختلف فرائیو
ین کا باعث بنے۔ یہی وہ اسباب ہیں کہ چار دانگ عالم
حدیث کی نشر و اشاعت کے برعکس موضوع احادیث گھڑنے
یتوں کا باعث بنے اور لوگوں کو اس گھناؤنی سازش
موقع ہاتھ لگ گیا۔ ہم آئندہ باب میں وضع حدیث
اس منظم فتنے کے اسباب پر تفصیل سے روشنی
یں گے اور بتائیں گے کہ صحابہ، تابعین و تبع تابعین

اور علماء امت نے حدیث کی حفاظت کے ساتھ موضوعات
کی نقاب کشائی اور دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں کا
خاتمہ کر کے کتنی زبردست اور بے مثال قربانیاں دی ہیں۔

بقیہ صک سے آگے

اور اب حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم مجلس شوریٰ کی زیر نگرانی
مولانا مرغوب الرحمان صاحب کے اہتمام میں کھل گیا ہے، تعلیمی
اور انتظامی تمام شعبوں نے اپنا کام شروع کر دیا ہے، ملازمین
و مدرسین کی بڑی تعداد نے اپنے اپنے فرائض منصبی
سنبھال لئے ہیں۔ اکثر وہ لوگ باقی رہ گئے ہیں جن کے
ذمہ علی الحساب کی بڑی بڑی رقمیں ہیں یا پھر وہ چند
حضرات ہیں جنھیں دارالعلوم سے نہیں بلکہ شخصیات سے
دلچسپی ہے اور وہ شخصیت کو دارالعلوم پر ترجیح دینے
کی غلطی میں مبتلا ہیں۔ اور ان دونوں طرح کے افراد دارالعلوم کو
طرز عمل سے زبردست نقصان پہنچا رہے ہیں۔
جن لوگوں کو دارالعلوم بند رہنے کی صورت میں مالی
یا سیاسی فوائد حاصل ہو رہے تھے وہ آج بھی اسی
کوشش میں ہیں کہ دارالعلوم کو کسی ترکیب سے بند
کرا دیا جائے، مسلکِ دارالعلوم سے اختلاف رکھنے
والی طاقتیں ان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، مگر اکابر دارالعلوم
کے اخلاص اور خداوند قدوس کے فضل، بے پایاں یقین
ہے کہ دارالعلوم کے دشمن اپنے عزائم میں ناکام ہوں گے
اور علوم محمدی کا برستا ہوا یہ ابر رحمت اسی طرح
گہر پاشیاں کرتا رہے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت

تاریخ و تحقیق کی روشنی میں

از: مولوی ابوالکلام قاسمی شمسی

ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت کیا ہے۔ نیز آپ کس دن اور کس وقت پیدا ہوئے؟ اس سلسلے میں سیرت و تاریخ کی متعدد کتابوں کا مطالعہ پیش ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے سلسلے میں علامہ شبلی سیرۃ النبی میں رقمطراز ہیں:۔

"تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت داں عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔"

مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے اپنی کتاب تاریخ اسلام میں تحریر کیا ہے:۔

"چنانچہ ۹ ربیع الاول سنہ عام الفیل مطابق ۴۰ جلوس کسریٰ نوشیرواں مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بروز دوشنبہ بعد از صبح صادق قبل از طلوع آفتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔"

مولانا قاضی سلیمان منصور پوری "رحمۃ للعالمین" میں ولادت کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم موسم بہار میں دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاول سنہ عام الفیل مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء مطابق یکم جیٹھ سمت ۶۲۸ بکرمی کو مکہ میں بعد از صبح صادق قبل از طلوعِ نیرِ آفتاب پیدا ہوئے۔"

تاریخ ولادت کے سلسلے میں ۹ ربیع الاول والی تمام کتابوں کا دارومدار علامہ محمود پاشا فلکی کے رسالہ نتائج الافہام پر ہے چنانچہ علامہ شبلی "سیرت النبی" میں تاریخ ولادت کے ذکر کے بعد حاشیہ میں تحریر کرتے ہیں:۔

"تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت داں عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی ہے۔"

محمود فلکی نے جو استدلال کیا ہے وہ چند صفحوں پر مشتمل ہے

خلاصہ یہ ہے:

(۱) صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ ابراہیم (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صغیر السن صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب میں گہن لگا تھا اور اس وقت آپ کی عمر کا تریسٹھواں سال تھا۔

(۲) ریاضی کے قاعدے کے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۰ھ کا گہن ۷ جنوری ۶۳۲ء ۸ بجکر ۳۰ منٹ پر لگا تھا۔

(۳) اسی حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری ۶۳ سال پیچھے ہٹیں تو آپ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء میں ہوا اور نیز قواعد ہیئت ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی۔

(۴) تاریخ ولادت میں اختلاف ہے لیکن اس قدر متفق علیہ ہے کہ وہ ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا اور تاریخ ۸ سے ۱۲ تک میں منحصر ہے۔

(۵) ربیع الاول مذکور کی ان تاریخوں میں دوشنبہ کا دن نویں تاریخ کو پڑتا ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر تاریخ ولادت قطعاً ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی۔

غرض علامہ محمود پاشا فلکی نے سنہ عیسوی کو بنیاد بناتے ہوئے آپ کی عمر تریسٹھ سال کے مطابق پیچھے ہٹ کر ربیع الاول دوشنبہ کو تاریخ نکال کر آپ کی ولادت کی تاریخ ۹ ربیع الاول قرار دیا ہے۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے سلسلے میں مروی روایتوں کو دیکھئے۔

مسلم شریف میں حضرت ابو قتادہ انصاری رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوموار کے دن کے سلسلے میں سوال کئے گئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہی دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی اور جس میں مجھ پر نبوت نازل ہوئی۔

مسند [illegible] ابن عباس رض سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تمہارے نبی سوموار کو پیدا ہوئے اور سوموار کو نبی بنائے گئے اور سوموار کو مکے سے نکلے اور سوموار کو مکہ فتح کیا اور سوموار ہی کو سورۂ مائدہ "الیوم اکملت لکم دینکم" الخ نازل ہوئی اور آپ کی وفات بھی سوموار ہی کو ہوئی۔

مہینہ کے سلسلے میں ابن اسحٰق کی روایت لکھی ہے کہ آپ ربیع الاول میں پیدا ہوئے اور اسی میں آپ نے ہجرت کی اور آپ کی وفات بھی اسی میں ہوئی۔

المواہب اللدنیہ میں ہے:۔ مشہور یہ ہے کہ آپ ربیع الاول میں پیدا ہوئے اور یہی جمہور علماء کا قول ہے اور ابن جوزی نے اس کے متفق علیہ ہونے کو نقل کیا ہے۔

ان روایتوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ربیع الاول میں دوشنبہ کو ہوئی البتہ تاریخ کی تعیین نہیں۔ تاریخ کی تعیین کے لئے ملاحظہ کیجئے۔

المواہب اللدنیہ میں ہے:۔ مشہور ہے کہ آپ ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور یہی ابن اسحاق وغیرہ کا قول ہے۔ انہوں نے مزید لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش کی زیارت کے سلسلے میں اہل مکہ کا آج کل اسی تاریخ پر عمل ہے۔

تاریخ ابن عساکر میں ہے:۔ بڑے بڑے مورخین کی رائے یہ ہے کہ آپ ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ تاریخ ابن خلدون میں ہے:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول عام الفیل سنہ ۴۰ ملک کسریٰ انوشیرواں اور بقول بعض [illegible] ذوالقرنین پیدا ہوئے۔

تقویم الاسلام میں مذکور ہے:۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہویں ربیع الاول کے دن بوقت دوپہر پیدا ہوئے۔ اسی قول پر جماعت ہے اور اہل مکہ کا اسی پر عمل ہے۔ اسی تاریخ کو مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی جاتی ہے۔

تقویم تاریخی میں چند یادگار تاریخوں کے ضمن میں مذکور ہے [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ [illegible] دوشنبہ [illegible] قبل ہجرت حسب کبیسہ [illegible] ہے

مولانا محمد میاں صاحب سیرت مبارکہ میں لکھتے ہیں:۔

"ماہر اپریل ۵۷۱ء کو اس جہان آفرین بشارت کا ظہور ہوا، صبح کا سہانا وقت تھا۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا کہ ہدایت کا آفتاب افقِ مکہ پر طلوع ہوا۔ ربیع الاول بارہ تھی۔"

پھر مولانا حاشیہ پر ۱۲ ربیع الاول کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

مشہور یہی ہے۔ (البدایہ والنہایہ) مگر مورخین نے ۱۲ کے علاوہ اور تاریخیں بھی بیان کی ہیں فلکیات کے ماہر علامہ محمود فلکی نے ۹ ربیع الاول صحیح قرار دی ہے۔ حضرت استاذ العلام المحدث مولانا انور شاہ کشمیری اُن کے علاوہ علامہ شبلی نے بھی علامہ محمود فلکی کی تحقیق کو تسلیم کیا ہے۔

ان اقوال سے یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔

مورخین نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ آپ عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ عام فیل وہ سال ہے جس میں ابرہہ نے خانۂ کعبہ پر ہاتھیوں سے حملہ کیا تھا۔ چونکہ عرب والے عموماً کسی اہم واقعہ کو سال کی تعیین کے لئے اس کی ابتدا قرار دیتے تھے اس طرح اس واقعہ کو انھوں نے اپنے کیلنڈر میں استعمال کرتے ہوئے اس واقعۂ فیل کے سال کو عام فیل قرار دیا۔ اس عام فیل سے بھی ولادت کے سلسلے میں ۱۲ ربیع الاول کی تصدیق ہوتی ہے۔ عام فیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے سلسلہ میں مؤرخین کے اقوال ملاحظہ کیجئے تاریخ ابن عساکر میں مذکور ہے:۔

"خلیفہ بن خیاط نے کہا ہے کہ اسکا اجماع ہے کہ آپ عام فیل میں پیدا ہوئے۔ ابو جعفر محمد بن علی کہتے ہیں کہ واقعۂ فیل اور حضور کی ولادت کے درمیان ۵۵ رات کا فاصلہ ہے۔"

تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ عام فیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔

تاریخ ابن خلدون میں ہے:۔

"آپ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول عام فیل میں ہوئی"

جغرکبیر میں ہے:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر ربیع الاول نوشیرواں عام فیل الوشیرواں کے زمانہ میں پیدا ہوئے

یحییٰ بن ابی بکر مغربی اندلسی لکھتے ہیں کہ آپ کی ولادت عام فیل میں ہوئی۔

ان اقوال سے یہ بات واضح ہے کہ آپ کی ولادت عام فیل میں ہوئی تھی۔ البتہ یہ تحقیق طلب ہے کہ واقعہ فیل کب پیش آیا۔ چنانچہ تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش عام فیل میں ہوئی اور عام فیل اسی سال درمیان محرم میں پیش آیا۔

تفسیر کشاف میں ہے کہ واقعہ فیل ۱۷ محرم کو پیش آیا ابو جعفر محمد بن علی لکھتے ہیں کہ واقعہ فیل اور حضور کی ولادت کے درمیان ۵۵ رات کا فاصلہ ہے۔

پھر تفسیر کشاف اور ابو جعفر محمد بن علی کی تحریر کو ترتیب دیا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش نکل آتی ہے وہ اس طرح کہ اگر محرم ۳۰ دنوں کا مہینہ مان لیں تو چونکہ واقعہ فیل ۱۷ محرم کو پیش آیا اسلئے محرم میں ۱۳ راتیں ہوئیں اور صفر ۳۰ دنوں کا مہینہ مان لیں تو ۳۰ راتیں صفر کی ہو گئیں یہ دونوں راتیں مل کر ۴۳ راتیں ہو گئیں اب ۵۵ رات میں ۱۲ راتیں باقی رہ گئیں اور ظاہر ہے وہ ربیع الاول کی بارہ راتیں ہیں اور یہی ۱۲ ربیع الاول کی صبح حضور کی تاریخ ولادت ہے۔ اس طرح بھی حضور کی تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول ہی ثابت ہوتی ہے۔ نیز بعض نے لکھا ہے کہ واقعہ فیل کے پچاس رات کے بعد آپ پیدا ہوئے۔ یہ قول بھی مہینہ کی تکمیل و تنقیص کے حساب پر موقوف ہے اور اس سے بھی ۱۲ ربیع الاول ہی کے مطابق تاریخ نکلتی ہے۔

پھر ۱۲ ربیع الاول کی تصدیق و تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی تاریخ سے بھی ہوتی ہے۔ بیہقی اور ابن اسحٰق کی روایتوں

ہوت کو دیکھئے کہ حضور کی ولادت سوموار کو ہوئی اور آپ
ات بھی سوموار ہی کو ہوئی اور مہینہ ربیع الاول تھا۔

چنانچہ مہینے کے آغاز کے سلسلے میں بخاری شریف کی
شرح فتح الباری وارشاد ساری میں مذکور ہے کہ یکم ذیقعدہ
سنہ مدینہ منورہ میں بروز چہارشنبہ ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ حج کے لئے بروز شنبہ تاریخ ۲۵ ذیقعدہ
مدینہ سے روانہ ہوئے اثنائے راہ میں ذی الحجہ کا چاند ۲۹ ذیقعدہ
کو چہارشنبہ دیکھا گیا اس اعتبار سے یکم ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ بروز
پنجشنبہ ہوتا ہے اور چونکہ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کی پہلی تاریخ جمعرات
تھی اس لئے ۹ ذی الحجہ کو جمعہ پڑا اور اسی دن آپ نے حج
کیا یہی حجۃ الوداع ہے اور بالاتفاق حجۃ الوداع جمعہ
کے دن پڑا۔ اور جمعہ کو نویں ذی الحجہ تھی۔

پھر ذی الحجہ کو ۳۰ دنوں کا مہینہ مان لیں تو یکم محرم سنہ ۱۱ھ
شنبہ بمطابق ۲۸ر اپریل سنہ ۶۳۲ء کو پڑیگا پھر محرم ۲۹ دنوں کا
مان لینے پر صفر کی پہلی تاریخ بروز شنبہ سنہ ۱۱ھ بمطابق
اپریل سنہ ۶۳۲ء کو پڑیگی اسی طرح صفر ۳۰ دنوں کا مان لیا
جائے تو یکم ربیع الاول پنجشنبہ یعنی جمعرات کو پڑتا ہے اس لئے ربیع الاول
کے پہلے دوشنبہ یعنی سوموار کو ۵ تاریخ اور دوسرے دوشنبہ کو
تاریخ بمطابق ۷ جون سنہ ۶۳۲ء ہوگی ۵ ربیع الاول آپ کی
تاریخ وفات نہیں لہٰذا دوسرے دوشنبہ یعنی سوموار کو جو ربیع
الاول ہے یہی آپ کی تاریخ وفات ٹھہری۔ یہی ابن اسحٰق سے
مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۱۲ ربیع الاول
کو ہوئی تھی۔

اور چونکہ بالاتفاق آپ کی ولادت اور آپ کی وفات
کا دن ایک اور مہینہ ایک ہے یعنی دوشنبہ اور ربیع الاول اس
لئے یہی دوشنبہ جو آپ کی تاریخ وفات ہے یہی آپ کی تاریخ
ولادت بھی ثابت ہوئی۔ اس لئے آپ کی تاریخ ولادت بارہ
ربیع الاول بروز دوشنبہ ہے۔

علامہ محمود پاشا فلکی کی رائے ۹ ربیع الاول کے سلسلے

لیکن اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے
پہلے عرب کے کلنڈر کی مختصر تفصیل پڑھ لیجئے۔

عرب میں زمانہ قدیم سے ہی قمری سال رائج تھا اور
مہینوں کے نام بھی یہی تھے اور سال کے آخر میں حج ہوتا تھا
حج کے موسم سے عرب خوب تجارتی فائدہ اٹھاتے تھے لیکن
یہ قمری مہینے موسموں کا ساتھ نہیں دیتے تھے حج کا وقت
کبھی گرمی میں آجاتا تو کبھی سردی میں جس کی وجہ سے انھیں
تجارتی نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ اس لئے ان لوگوں نے
یہودیوں سے سیکھ کر کبیسہ کا طریقہ رائج کیا یعنی دو یا تین
سال کے بعد ایک مہینہ کا سال میں اضافہ کرنے لگے اس
طرح تین سال کے بعد سال کو ۱۲ مہینوں کے بجائے تیرہ مہینوں
کا بنا دیتے تھے لیکن یہ ہمیشہ سال کے آخر ہی میں نہیں بڑھاتے
تھے بلکہ باری باری ہر مہینہ کے ساتھ اضافہ کیا کرتے تھے جیسا کہ ابھی
بھی ہمارے یہاں ہندی کلنڈر میں رائج ہے۔

اس کبیسہ کی وجہ سے یہ ہونے لگا کہ دو سال تک حج جب
ذی الحجہ میں ہوتا تو اس کے بعد محرم میں، پھر صفر میں، پھر ربیع الاول
میں یہاں تک کہ ایک وقت وہ آجاتا کہ پھر ذی الحجہ میں حج آجاتا
مگر اس مدت میں ایک سال بیچ سے غائب ہو جاتا عرب میں کبیسہ
کا رواج ہو گیا لیکن ایسا نہیں ہوا کہ سارے عرب نے کبیسہ
والے سال کو قبول کر لیا ہو بلکہ اکثر عرب قمری مہینہ کو یاد
رکھتے تھے اور بغیر کبیسہ کے سال اور مہینہ کا شمار کرتے تھے صرف
حج اور اس کے لوازم والے کبیسہ والے سال کا استعمال کرتے
تھے اور بغیر کبیسہ والے سال کو اگرچہ وہ یاد رکھتے تھے مگر استعمال
میں نہیں لاتے تھے

اس طرح عربوں میں دو قسم کے کلنڈر رائج ہو گئے ایک
بغیر کبیسہ کلنڈر اسکو اہل بدو کا کلنڈر یا مدنی کلنڈر کہہ لیجئے اور
دوسرا کبیسہ والا کلنڈر اس کو اہل حضر کا کلنڈر یا مکی کلنڈر
کہہ لیجئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے یہ دو قسم کے

بلد تھے۔ عربوں کا یہ طریقہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع تک
رہا۔ اس سال نعدہ کے بعد حج حجۃ ذی الحجہ کی ۹ر تاریخ
کے دن ہوا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خدا
کر دیا کہ اب زمانہ پھر صحیح وقت پر آگیا ہے آئندہ
کبیسہ نہیں ہوگا۔ اس کے بعد ایک ہی قسم کا قمری سال
ہونے لگا۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مکہ میں کبیسہ
کا رواج تھا اور کبیسہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع
کے ذریعہ اعلان ختم کیا۔ اس تفصیل کے بعد علامہ محمود پاشا
کے استدلال کو دیکھیے۔ علامہ فلکی نے شمسی سال عیسوی
سے آپ کی عمر کے مطابق ۶۳ سال پیچھے ہٹا کر قمری مہینہ کو اسی
کے مطابق جمع کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ربیع الاول کے دوشنبہ
کو ۹ تاریخ کے علاوہ اور کوئی تاریخ پڑ ہی نہیں سکتی اس
لیے حضور کی ولادت ۹ ربیع الاول کو ہے جبکہ مشہور یہ
ہے کہ آپ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی بظاہر
ان دونوں تاریخوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت
ان دونوں تاریخوں میں کوئی تعارض نہیں، اسلئے کہ علامہ فلکی کا
استدلال بغیر کبیسہ والے کلنڈر کے مطابق ہے جو اہل بدو کا
یا غیر مکی کلنڈر ہے لیکن مکہ اور اس کے گرد و نواح
میں کبیسہ والا سال شمار ہوتا تھا اس مکی کلنڈر کے اعتبار
سے ربیع الاول دوشنبہ کو ۱۲ر تاریخ پڑی ہوگی۔ اسی
لئے مشہور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت
۱۲ر ربیع الاول مذکور ہے۔ جیسا کہ حضرت سعید بن مسیب رض
کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ر ربیع الاول
کو پیدا ہوئے۔

چنانچہ تقویم تاریخی میں مذکور ہے کہ مکی کبیسہ والے
کلنڈر کے مطابق قبل ہجرت چوّنویں (۵۴) سال میں یکم
محرم دوشنبہ بمطابق ۳۰ر ستمبر ۵۶۹ء تھا۔ بعض ۲۹ر بعض
۳۰ دنوں کا مہینہ شمار کرتے ہوئے جب ہجرت سے قبل
ترپنویں (۵۳) سال تک حساب کیا جائے تو حضور
کا سال ولادت ہے تو یکم محرم سہ شنبہ کو پڑیگا پھر محرم کو
۳۰ دنوں کا مہینہ مان لیا جائے تو یکم صفر چہارشنبہ کو اور پھر صفر
کو ۲۹ دنوں کا مہینہ شمار کر لیا جائے تو یکم ربیع الاول پنجشنبہ
کو پڑیگا اور پھر ربیع الاول میں پڑنے والا پہلا دوشنبہ
۵ر ربیع الاول کو اور دوسرا دوشنبہ ۱۲ر ربیع الاول کو پڑیگا
اور یہی دوشنبہ کو پڑنے والی ۱۲ر تاریخ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی تاریخ ولادت ہے۔

اب دیکھیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت
باعتبار شمسی کلنڈر کیا ہے۔ علمائے ہیئت کا اس پر اتفاق
ہے کہ آپ کی ولادت اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی۔

مروج الذہب مسعودی میں ہے کہ آپ کی ولادت ۵۷۱ء
میں ہوئی۔

مختصر التواریخ میں ہے کہ جس وقت نوشیرواں کا انتقال ہوا اس وقت
آپ آٹھ برس کے تھے۔ صاحب فن تحقیق التواریخ لکھتے ہیں کہ
نوشیرواں ۵۷۹ء میں مرا اس سے ثابت ہوا کہ آپ کی
ولادت ۵۷۱ء میں ہوئی ہے۔

یحییٰ بن ابی بکر مغربی اندلسی لکھتے ہیں کہ آپ کی ولادت
عام فیل میں ہوئی یہ اسکندری کا ۸۸۲ سنہ تھا اس میں قبل
ولادت کے قریب قریب برج عقرب میں زحل اور مشتری کا
قران تھا اور یہ قران ۵۷۱ء میں تھا اس سے بھی ثابت
ہوا کہ آپ کی ولادت ۵۷۱ء میں ہوئی۔

صاحب منتہی الادراک فی تقاسیم الافلاک لکھتے ہیں کہ
آپ کی ولادت سنہ اولیٰ قران ملت اسلام میں ہوئی۔ یہ
قران ۲۹ یا ۳۰ مارچ ۵۷۱ء کو ہوا تو آپ کی ولادت
بھی اسی سنہ میں ہوئی۔

مذکورہ بالا اقوال سے واضح ہے کہ آپ کی ولادت
اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی۔ اب یہ بات وضاحت طلب ہے
کہ اپریل کی کونسی تاریخ تھی۔ اس سلسلہ میں شیخ امام

شمس الدین محمد بن سالم اپنی کتاب جعفر کبیر میں لکھتے ہیں کہ
یہ امر صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر ربیع الاول
۲۰ نیسان عام فیل انوشیرواں کے زمانہ میں پیدا ہوئے
نیسان کا مہینہ ہمیشہ اپریل میں ہوتا ہے۔ اللہ بخش عبید
لکھتے ہیں کہ شہر نیسان اپریل کے مطابق ہوتا ہے۔ اس
اعتبار سے آپ کی ولادت ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی ہے
اپنے رسالۂ ریاضی میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ۲۲ نیسان ۸۸۲ تاریخ اسکندر
میں پیدا ہوئے۔ اور ابن [illegible] کے قول کے مطابق نیسان
اپریل کے مطابق ہوتا ہے اس لئے آپ کی تاریخ ولادت ۲۲
اپریل قرار پاتی ہے۔

علامہ محمود پاشا فلکی نے بسلسلہ ہیئت یہ ثابت کیا ہے
کہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۵۷۱ء میں ۱۲ اپریل کے
مطابق تھی اس حساب کے مطابق دوشنبہ کو ۲۰ اپریل
۵۷۱ء پڑتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے لکھا ہے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ۲۰ اپریل
۵۷۱ء ہے۔

غرض آپ کی ولادت کے سلسلے میں ۲۰ اور ۲۲
اپریل دونوں تاریخ منقول ہیں۔ اور ۲۰ اور ۲۲ اپریل
میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن ان دونوں
تاریخوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے
کہ شمسی کلنڈر میں بھی کئی مرتبہ تبدیلی ہوئی ہے اور
یہ اختلاف اسی تعارض کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ قاضی
سلیمان منصور پوری "رحمۃ للعالمین" کے حاشیہ
میں لکھتے ہیں۔

"۲۲ اپریل گریگوری کے مطابق ہے جس پر
ستمبر ۱۷۵۲ء سے انگریزی تقویم کا حساب
شروع ہوا ہے لیکن قاعدہ قدیم
کے مطابق ۹ ربیع الاول ۱۹ اپریل ۵۷۱ء بنتی
ہے اور گریگوری نے اس ۱۹ اور ۲۰ اپریل
ہی کو حساب قدیم قرار دیا۔"

اس طرح دونوں تاریخوں میں کوئی تعارض نہیں ہے
خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ
۱۲ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت حسب [illegible]
دوشنبہ ۹ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت حسب حساب
[illegible] (مصری [illegible]) مطابق عام فیل [illegible]
[illegible] (حساب گریگوری [illegible]) و [illegible]
(تقویم [illegible]) مطابق ۲۰ نیسان [illegible]
و ۲۲ نیسان ۸۸۲ سکندری سنہ [illegible]
انوشیرواں سنہ ۱۲۳۲ بخت نصری میں پیدا ہوئے
صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و
اصحابہ اجمعین۔

ڈاک کی شرح میں اضافہ

یکم مارچ ۱۹۸۲ء سے ڈاک خانہ کی نئی شرح
ہونے کی وجہ سے ڈاک خرچ میں کافی اضافہ ہوا ہے
وی پی خرچ ۲/۶۵ سے بڑھ کر ۳/۶۵ ہو گیا
ہے اس لئے خریداران رسالہ سے گذارش ہے
کہ اپنا چندہ منی آرڈر کے ذریعہ ارسال کریں
وی پی کا انتظار نہ کریں۔ وی پی کا خرچ
زیادہ اور وی پی کی واپسی کی شکل
میں دفتر کا نقصان
ہے

تذکرۂ شیرِ خدا

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

از ——— مولانا محمد ارشد اعظمی (بنارس)

عبدالمطلب کے دس صاحبزادگان تھے ان میں حضور
اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ کے نام نامی
کے ساتھ حضرت حمزہ کا نام نامی بھی ہے، مکۃ المکرمہ میں رسول
اللہ علیہ وسلم نے جب تبلیغ دین شروع فرمائی تو کفار مکہ
نے مخالفت شروع کر دی اور بقول حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی
تعالیٰ علیہ کے اگر،

اور یہی وجہ ہے کہ سلبی یا ایجابی کونسی شکل باقی رہی جس "معیار" پر سچائی کی یہ لاہوتی حقیقت دیکھی گئی ہو، زر لے کر دیکھے، زمین لے کر دیکھے، زن لے کر دیکھے۔ الغرض جو کچھ سوچا جا سکتا ہے ہر ایک سے رگڑ رگڑ کر گھس گھس کر انھوں نے جانچا لیکن "صدق" و "امانت" کے احساس کی وہی گرفت جو دعوے سے پہلے ان کے دلوں پر مسلط تھی کسی تدبیر سے ڈھیل نہیں پڑی تھی، اس میں کیا ہے؟ اس کے اندر کیا ہے؟ مال ہے، جاہ ہے، یا کچھ اور ہے، بہرحال کی سلائیاں، لمبی لمبی سلائیاں ڈال ڈال کر ہر ایک نے دیکھا بار بار دیکھا لیکن سچ کے سوا اس میں کچھ نہیں ہے، اخلاص کے سوا اس میں کچھ نہیں ہے۔ ہر آزمائش، ہر جانچ کا آخری نتیجہ یہی برآمد ہوا۔ جانچ کی یہ ایجابی شکلیں تھیں اس راہ سے انھیں کچھ نہیں ملا۔ الخ.....

......سنگ دل، سیاہ سینہ جانچنے والوں نے پھر کیا اس سلسلہ میں کہیں دم کھایا، جو کچھ کر سکتے تھے سب کچھ کر رہے تھے لیکن ان کا دل کہیں رکا؟ عزت پر، آبرو پر، جسم پر، جان پر حملوں کی کوئی قسم تھی جس کو انھوں نے باقی چھوڑا یقیناً ان کے ترکش میں کوئی تیر ایسا نہ تھا جو چلنے سے رہ گیا، نکاحی بیٹیوں کو طلاق دلوائی گئی، سر پر خاک ڈالی گئی، راہ میں کانٹے بچھائے گئے، پشت پر لید سے بھری ہوئی اوجھ نماز کی حالت میں رکھی گئی، چہرہ مبارک پہ ظلم تھوکا گیا، گردن

مبارک میں پھندا لگا یا گیا۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا گیلانی نور اللہ مرقدہٗ نے جس تاثیر میں ڈوبی ہوئی کیفیت میں بیان دیا ہے انھیں کا حصہ ہے۔ یہ حالات و گرد و پیش کا ماحول تھا جس کی بنا پر سابقین اولین دولت اسلام کے حصول کے بعد بڑی دشوار گذار راہوں سے گذر رہے تھے۔ اندریں صورت اللہ تبارک و تعالےٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضؓ کو ایمان و اسلام کی نعمت عظمیٰ سے مالا مال فرمایا، اس واقعہ کو حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب دانا پوری رح کے اثر آفریں بیان میں ملاحظہ فرمالیجئے۔

ایک روز کوہ صفا کے پاس سے ابوجہل جارہا تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپؐ کی شان میں اس نے گستاخی کی، نالائق الفاظ کہے اور اسلام کو برا بھلا کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساکت سنتے رہے، اس کا کچھ جواب نہ دیا، اس کے بعد وہ بھی چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے گئے۔ لیکن بنی جدعان کی ایک عورت جس کا مکان وہیں پر تھا یہ سب سن رہی تھی اور دیکھ رہی تھی اس کے بعد اسی طرف سے حضرت حمزہ رض گذرے حضرت حمزہ رض شکار کے بڑے شائق تھے اور قریش میں ان کی عزت بھی بہت تھی اس عورت نے ان سے بیان کیا کہ تمہارے بھتیجے سے ابوجہل نے آج یہ برتاؤ کیا اور وہ بالکل ساکت رہے، ان کو یہ سنکر بڑا غصہ آیا، اسیوقت ابوجہل کی تلاش میں چلے، دارالندوہ میں آئے دیکھا کہ مسجد میں کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے اس کے قریب گئے اور اپنی کمان اٹھا کر زور سے اس کے سر پر ماری اور کہا کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالی دیتا ہے اور جانتا نہیں کہ میں بھی ان ہی کے دین پر ہوں جو آپ کہتے ہیں وہی میں بھی کہتا ہوں اگر طاقت ہے تو مقابلہ کر۔ بنی مخزوم اٹھے کہ ابوجہل کی حمایت کریں لیکن ابوجہل نے روک دیا اور کہا کہ ابو عمارہ (حضرت حمزہ رض) کو کچھ نہ کہو، واقعی میں نے آج ان کے بھتیجے کو بری گالیاں دی ہیں، مگر اس قصہ کے بعد حضرت حمزہ رض واقعی اسلام پر ثابت قدم ہوگئے کفار پر اس کا بہت اثر پڑا کیونکہ یہ ایک دلیر اور شہ زور جوان تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ یہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کریں گے اور اسی وجہ سے ان کے اسلام کے بعد کفار مکہ کی بہت سی شرارتیں کم ہوگئیں۔[2]

حضرت شیخ ولی الدین خطیب رح لکھتے ہیں کہ۔

فاعتز الاسلام باسلامه[3]	حضرت حمزہ رض کے مشرف باسلام ہونے سے اسلام کو سربلندی اور عزت کا مقام حاصل ہوا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح فرماتے ہیں کہ۔

فسر بذلك وعزبه الاسلام وكف ايذى المشركين والسنتهم عن ايذاء المسلمين[4]	حضرت حمزہ رض کے طلب اسلام سے مالا مال ہونے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے اور مشرکین اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے مسلمانوں کو ایذا رسانی سے رک گئے۔

---

[1] النبی الخاتم ص ۸۳ و ۸۴ و ۹۵ و ۹۶ [2] اصح السیر ص ۸۰ [3] الاکمال ص ۵۹۰۔
[4] حاشیہ الاکمال ص ۵۹۰۔

[illegible] ایک دبدبہ پیدا ہو گیا
[illegible] طاری ہو گیا جو طاقت و توانائی ظلمت کفر میں دبی
[illegible] بنے ہوئی ولولہ کے ساتھ ابھر آئی ہے کہ حضرت
[illegible] شمشیر برہنہ بن گئے اور اس خون آشام تیغ
[illegible] کے پرستاروں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اسلام نے
[illegible] فرزند کا خیر مقدم کیا کہ اس کے اعضاء و جوارح
[illegible] مکی دور کے سرد الزاد آد ہی تھی چنانچہ مکی زندگی
[illegible] مدنی زندگی کا دور آیا ہے اور مکی و مدنی تاجدار
[illegible] روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کا اذن
[illegible] سے ہوتا ہے تو رمضان المبارک کے
[illegible] میں پہلا علم (پرچم اسلام) حضرت حمزہ رض کے
[illegible] فرمایا۔ یہ اسلامی جھنڈا سفید تھا اور حضرت حمزہ رض
[illegible] حضرت ابو مرثد الغنوی علم بردار تھے۔ اس علم کے
[illegible] حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین میں سے
[illegible] کو قریش کی ایک جماعت کے مقابلہ میں بھیجا جو شام
[illegible] رہی تھی اور اس میں تین سو کفار قریش ابو جہل کے ماتحت
[illegible] تھے۔ حضرت حمزہ رض سیف البحر تک گئے جو مقام
[illegible] کے قریب ہے اور کفار بھی ملے اور قتال کی صفیں
[illegible] ہو گئی تھیں مگر ایک شخص مجدی بن عمرو الجہنی نے
[illegible] کا حلیف تھا بیچ میں پڑ کر لڑائی موقوف کرا دی۔[1]
اور یہی ایک موقع کیا! حضرت حمزہ رض تو بہتے [illegible]
[illegible] برق تپاں تھے جن کی کڑک و گرج سے مخالفین لرزہ
[illegible] جاتے تھے، چنانچہ معرکۂ بدر اس کا واضح و بیّن ثبوت
[illegible] جانبین سے صف بستہ ہو کر جنگ کا آغاز ہوا تو حقیقت
[illegible] پہلا انفرادی مقابلہ حضرت علی رض نے ولید بن عتبہ کا
کیا۔ حضرت عبیدہ رض نے عتبہ کا اور حضرت حمزہ رض نے شیبہ
[illegible] بہ کیفر کردار کو پہنچایا۔ اور اس کارزار حق و
باطل میں حضرت حمزہ رض نے دین کی سربلندی کے لئے خوب
شجاعت کے جوہر دکھلائے اور مجاہد فی سبیل اللہ ہونے کے
شاندار سپاہی بن کر نمودار ہوئے بعد ازاں جب غزوۂ احد
کا معرکہ پیش آیا تو اس سلسلہ میں حضرت مولانا عبد الرؤف
صاحب دانا پوری لکھتے ہیں کہ:-

> شیر خدا حضرت حمزہ رض کے متعلق خود ان کے
> قاتل وحشی حبشی کا بیان ہے کہ جس طرف جاتے
> تھے معلوم ہوتا تھا کہ جس طرح اونٹ کے چلنے سے
> پتوں کے انبار میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے
> اسی طرح ان کے سامنے کفار منتشر ہو جاتے تھے،
> ارطاۃ بن شرحبیل اور عثمان بن ابی طلحہ دونوں
> یکے بعد دیگرے کفار کے علم بردار ہوئے انہوں
> نے (شیر خدا حضرت حمزہ رض) ان دونوں کو قتل
> کیا۔ سباع بن عبد العزیٰ غبشانی آپ کے
> مقابلہ میں آیا آپ نے اس کا بھی کام تمام کیا
> آخر جبیر بن مطعم کے حبشی غلام نے جس کا نام
> وحشی تھا چھپ کر دور سے آپ پر اپنا حبشی
> حربہ پھینکا جس سے آپ شہید ہوئے۔[2]

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ہند بنت عتبہ اور اس کے ساتھ کی
عورتوں نے شہداء احد کو مثلہ کیا ان کے کان اور ناک
کاٹ کر اس کا ہار بنایا اور اپنا ہار ہند نے خوشی میں وحشی
حبشی قاتل حضرت حمزہ رض کو دے دیا۔ حضرت حمزہ رض کا پیٹ
چاک کر کے ان کا جگر نکال کر چبایا اور بہت سے فخریہ اشعار
پڑھے۔

حلیس بن زبان الکنانی ایک کافر تھا اس نے دیکھا
کہ ابو سفیان اس حالت میں بھی حضرت حمزہ رض کے دہن مبارک
پر کمان سے مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ لو مزہ چکھو—!
(باقی ص ۳۳ پر)

---

[1] اصح السیر ص ۱۴۳   [2] بخاری شریف ص ۵۹۵   [3] اصح السیر ص ۱۴۹

میدانِ جہاد میں

ایک غازی کی تقریر

از ★ مولانا سید نذیر الحق قادری

ذرا غور کرو، تین سو سال [illegible] اس دور میں کیسے کیا بن گئے تھے۔ اسلام پر تن من دھن سب کچھ قربان کر دینے کے بعد کون سی قوت و شجاعت پائی تھی اور خدائے قدوس سے عہدِ وفا کرنے کے بعد کس خلوص و ایثار اور فدائیت کے ساتھ اس کو نبھایا۔

غازیانِ اسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رخصت ہو کر جوش و خروش کے ساتھ جنگِ موتہ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں، خدا کے دین کی حفاظت کے لئے اللہ کی راہ میں خاک و خون میں لوٹنے کو بے تاب، تمنا سے ہر جوان مضطرب اور بے قرار ہے کہ کب میدان میں پہنچے اور اپنا کٹا ہوا سر اپنے ہاتھ پر رکھ کر بارگاہِ الٰہی میں پیش کرے جو بڑا اعزاز ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] رہے جن کی [illegible] سے چمک رہے تھے۔

قتل ہوں گے تری خاطر سے خوشی اس کی ہے
آؤ اترائے ہوئے پھرتے ہیں مرنے والے

صحابہ رضی اللہ عنہم نے غازیانِ اسلام کو رخصت کرتے ہوئے بلند آواز سے دعا دی

دفع اللہ عنکم وردکم سالمین غانمین — اللہ تعالیٰ تمہیں دشمنوں سے بچائے اور سالم و غانم واپس لائے

اس پر حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے آمین کے بجائے کہا "مگر میں تو خدا سے مغفرت اور ایسے کاری زخم کی دعا مانگتا ہوں جو تازہ خون پھینکتا ہے یا ایسے آراستہ نیزے کے زخم کی دعا مانگتا ہوں جو کسی خون کے پیاسے کے ہاتھ میں ہو اور وہ ایسا وار کرے کہ جگر کے پار ہو جائے یہاں تک کہ لوگ میری قبر پر سے گزریں تو کہیں سبحان اللہ غازیِ اسلام ہو تو ایسا! خوب کام کیا۔"

جب اسلامی لشکر نے مقام معان میں ڈیرے ڈالے تو [illegible] معلوم ہوا کہ ہرقل ایک لاکھ رومی

ایک لاکھ عیسائی نے کر فرعون کی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے، حالانکہ مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی چنانچہ قلت و کثرت کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے مجاہدین اسلام کی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی کہ جتنی فوج ہے اس سے مقابلہ کرنا چاہیئے یا دربار رسالت سے اور فوج طلب کرنی چاہیئے حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضہ نے اپنی رائے اس ولولہ انگیز اور ایمان افروز تقریر کے ساتھ یوں ظاہر کی :-

* مجاہدین اسلام ! آپ کو اس سے کیا بحث کہ دشمنوں کی تعداد کتنی ہے ؟ آپ تو شہادت کی طلب میں اپنے گھروں سے نکلے ہیں۔ ہم نے آج تک کثرت تعداد اور انسانی قوت کے بھروسہ پر جنگ نہیں کی۔ ہم نے اس دین کی قوت سے جنگ کی ہے جس سے خدا نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے۔ پس ہرقل کی طرف بڑھو اور اس کے لشکر سے دل کھول کر مقابلہ کرو۔ ہمارا لڑنا دو سعادتوں میں ایک سے خالی نہیں، یا تو ہمیں فتح حاصل ہوگی یا شہادت۔"

بالآخر اس بوڑھی دنیا نے دیکھا کس طرح ان تین ہزار اسلام کے شیروں نے دو لاکھ عیسائیوں کی قوت کے پرخچے اڑا دیئے۔ ؎

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل گر کے اللہ احد کہتے تھے

اس سے زیادہ صحابہ کرامؓ کے اسلام کے لئے جوش و خلوص و فدویت اور کیا ہوگا جس کا ایک ادنیٰ سا خاکہ تم نے اوپر دیکھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کا دل اسلام کا بخشا ہوا، ان کا دماغ اسلامی ذہنیت کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ آفتاب رسالت کی شعاعوں، داعی اسلام کے تزکیہ و تربیت اور درس کتاب و حکمت نے ان کے اندر ایک ایسی روشنی اور صالح حرارت پیدا کر دیا تھا کہ ان کی مقدس نگاہیں شاہد حقانی کو ہزار حجابوں سے کھینچ لاتی تھیں، ان کی دانائی سب سے گہری تھی، ان کی عقلیں آفتاب نبوت سے مستنیر تھیں، ان کے دل سب سے زیادہ پاک تھے ان کی طبیعتیں آبِ ہدایت سے دھلی ہوئی تھیں۔ اور کتاب و سنت کے عملی نمونے تھے، وہ تمام امت سے افضل اور پاکباز، نیک طینت، عمیق علم اور سادگی پسند تھے اللہ پاک نے ان کو اقامت دین کے لئے منتخب فرمایا تھا ان ہی مقدس و پاکباز نفوس کے فہم و عمل کا نتیجہ ہے کہ حقیقی اسلام، داعی اسلام صلعم کی حیات طیبہ، صحابہ رضہ کے اسلام کا عملی نمونہ اور اسلام کی صحیح تصویر آج بھی ویسی ہی بے نقاب ہے جیسا کہ صدر اول میں تھی۔ مختصر یہ کہ وہ دین و دنیا کے مالک اور اسلام کا سراپا عملی نمونہ تھے۔

صدر اول کے بعد بھی مسلمان اسلام کا عملی نمونہ بنے ہوئے اور اعمال صالحہ کا لباس فاخرہ پہنے ہوئے دنیا کے کونہ کونہ میں پہنچ گئے اور جہاں جہاں بھی گئے فتح و ظفر عزت و اقبال اور تخت و تاج ان کے ساتھ ساتھ گیا۔ ہر جگہ فاتح و کامراں بنکر رہے۔ ہندوستان میں آئے تو یہاں آٹھ سو سال تک حکومت کی اور قلوب انسانی پر اپنے عظمت و اقبال کا سکہ بٹھایا، اسپین میں گئے تو وہاں اپنی حکومت و عظمت کے جھنڈے گاڑ دیئے مگر آہ!

" خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا "

؎

کہاں چل دئے وہ دلارے ہمارے
نظر آج آتے نہیں وہ پیارے
چمک کر زمانہ میں گم ہو گئے وہ
جگا کر زمانے کو خود سو گئے وہ

وہ اور ہم

[illegible] ہو کر
مسلماں ہم بھلا بیٹھے کتاب قرآں ہو کر
سمجھ بیٹھے قرآن ہی کو نازک نہ ہے
کہ وہ مذہب اور عبادت کا ذکر ہے

اسلام مسلمانوں سے صرف اس چیز کا مطالبہ کرتا ہے ایمان کا اور عمل صالح کا۔ اس کا وعدہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح کی یہ دو چیزیں اپنے دل میں پیدا کرو اور تخت و تاج کے مالک بن جاؤ مگر مسلمان بحیثیت قوم انہی دو چیزوں سے محروم ہو گئے۔

اسلام نے ہمیں توحید پر قائم رہنے اس کی اطاعت کرنے اور شرک و بدعت سے مجتنب رہنے کی تاکید کی تھی اور ہدایت کر دی تھی کہ اسلامی توحید ہی اسلام کا جوہر اور روح و ایمان ہے، اگر تم اس سے محروم ہو گئے تو تمہاری شوکت و عظمت سب خاک میں مل جائے گی اور تم ہر طرح ذلیل و خوار ہو جاؤ گے مگر باوجود اس تاکید و ہدایت کے ہماری اکثریت کا یہ حال ہے کہ ہم نے اپنے ہزاروں من مانے حاجت روا اور مشکل کشا ٹھہرا لئے ہیں، ہمارے دلوں میں غیروں کی پرستش بیٹھی ہے، خدا پرستی ہمارا شعار خصوصی تھا لیکن ہمارے اندر نفس پرستی، قبر پرستی، پیر پرستی، تعزیہ پرستی اور حکومت پرستی وغیرہ ہزاروں پرستیاں پرورش پا رہی ہیں اور ہم نے خدائی منصب پر مردہ اور زندہ پیروں کو بٹھا رکھا ہے ؎

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

مشرکانہ اعمال و عقائد کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے دماغ تاریک اور خیالات پست ہو گئے۔ آزادئ ضمیر مفقود ہو گئی، خودداری اور حق پرستی کا دیوالہ نکل گیا۔ آزادانہ حریت، نام و نشان درد اور ہر قسم کی ذہنی و دنیوی ترقیات کے دروازے بند ہو گئے۔

شرک و بدعت ایک ایسی اخلاقی اور روحانی بیماری ہے کہ اس سے مذہب اوہام و خرافات کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے، اخلاق پست ہو جاتے ہیں، انسانیت ذلیل و خوار ہو جاتی ہے۔ انسان کی پیدائش کا مقصد اصلی فوت ہو جاتا ہے، عقلی پستی جہالت کی اوس پڑ جاتی ہے۔ دماغی قوتیں معطل اور بیکار ہو جاتے ہیں اور انسانی ذہن فکر و عمل کی قوتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ غرض کہ یہی اصل حقیقت ہے انسان کو پستی و تنزل میں گرانے والی اور کوئی چیز نہیں، ہماری پستی و ذلت کا واحد سبب یہی ہے ؎

شرک پیدا ہو گیا توحید رخصت ہو گئی
بے زری نا طاقتی جزو طبیعت ہو گئی

جب ہمیں اسلام کا پہلا ہی سبق یاد نہیں رہا اور سلف کے پہلے ہی مرحلے میں جواب دے گئے تو دوسرے اسلام کے کرنے عمل اور معیار پر پورے اتریں گے۔

[illegible] جب کلمہ اسلام نام ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں اتباع رسول کا، یعنی اسلامی زندگی نام ہے اتباع شریعت کا۔ لا الہ الا اللہ پڑھنے کے بعد ایک مسلمان کی [illegible] شریعت کے ماتحت آ جاتی ہے چنانچہ

خدا نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ہم نے اپنے نبی کا کلمہ پڑھ کر دھوکا دیا، حضور ﷺ سے [illegible] ان کے لائحہ عمل محبت و عقیدت کو اپنے دلوں سے محو کر دیا [illegible] کو پس پشت ڈال دیا اور اسوۂ رسول ﷺ سے [illegible] تعلیم اختیار کر لیا ہمارا کوئی کام شریعت اسلامیہ کی روشنی میں اسلام کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ ہماری شریعت آبائی تقلید اور رسم و رواج کی لعنت ہے ہماری زندگی کے تمام پہلو تاریک اور ذلیل ہیں۔ یوں تو محبت رسول ﷺ کا دعویٰ سب کو ہے اور ہر شخص اپنے آپ کو عاشق رسول کہتا ہے مگر یہ سب کچھ زبانی جمع خرچ ہے۔ جب اسوۂ رسول کو رہبر بنانے اور اس پر چلنے کا سوال آتا ہے تو سب فیل ہو جاتے ہیں اور اس سے بالکل آزاد اور بیزار ہو جاتے ہیں۔

خدا اور اس کے رسول کے نزدیک سچا اور عملی مسلمان وہ ہو سکتا ہے جس کا ہر قول و فعل اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق ہو اور وہ اپنے تمدن و معاشرت میں کلیتاً شریعت کا پابند ہو، مگر اس زمانہ کا مسلمان وہ ہے جو خدا کا بندہ [illegible] کا امتی کہلا کر تمدن، معاشرت، مجلسی امور، قومی معاملات میں باپ داداؤں اور اہل ہنود، دقیانوسی رسموں اور تباہ کن رواجوں خلاف شرع و عقل پابندیوں اور مغرب کی تقلید کو خدائی احکام پر [illegible] کر تقلید کرتا ہے۔ آج مسلمانوں نے [illegible] مشرکانہ عقیدے اور جاہلانہ رسموں کو اپنے پیچھے لگا رکھا ہے جن کی پابندی کے لئے احکام ربانی اور قوانین شریعت [illegible] آزادی کے ساتھ توڑ دیتے ہیں۔ ہم مشرکانہ اعمال و عقائد اپنا کر [illegible] سے اپنی رگ حیات قطع کر رہے ہیں مگر نہیں سمجھ رہے کیا کرنا ہے، اور کیا کر رہے ہیں، کدھر جانا تھا اور کدھر جا رہے ہیں۔ اگر تم اسلام کا عملی مسلمانوں میں [illegible] کرو گے تو تمہیں سیاست کے اسلام کا کوئی عملی مسلمان

[illegible] دیکھیں گے [illegible] مسلمان [illegible] ہوں گے، ایک ایک [illegible] مرنے [illegible] ہوا آتی ہے جس [illegible] جب ہم اسلام سے آزاد ہوئے تو [illegible] نے اپنا بنا لیا [illegible] کی زینت [illegible] مسلمان [illegible] تماشے اور [illegible] کی رونق ہیں تو مسلمان [illegible] تو انہیں کے دم سے، جیلوں میں زیادہ تعداد ہے تو مسلمانوں کی، جوئے باز، فرقہ باز اور [illegible] آتے ہیں جھوٹا قرآن اٹھانے والے بھی [illegible] ہیں۔

غرض ہر برائی اور بدکاری میں مسلمان ہی سب سے آگے اور [illegible] نظر آئیں گے، [illegible] پوری طرح قبضہ و تسلط کر لیا ہے اور [illegible] کے فرشتے نے [illegible] اور گناہوں کے سمندر میں ڈبکیاں کھاتے ہیں۔

اس سے زیادہ مسلمانوں کی بد بختی، [illegible] عاقبت اندیشی، اسلام سے دوری، [illegible] اور خرافات پسندی کا اور کیا ہوگا کہ وہ اپنے مذہبی معاملات کے محاسن و فضائل اور اعمال حسنہ کو ترک کر کے فواحشات و [illegible] کے بھی جو باتیں کرنے کی تھیں اور جن کا اسلام نے تاکید کی تھی ان کو چھوڑ دیا اور جو باتیں نہ کرنے کی تھیں اور جن سے اسلام نے سختی سے روکا تھا ان کو سرمایۂ سعادت سمجھ لیا۔

* * *
* *
*

حرمت متعہ

از ——— مولانا زین العابدین صاحب (دارالعلوم چھاپی)

فاضل مضمون نگار نے زیر نظر مضمون میں جس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے اس کا موقع تو اس وقت بالکل نہیں ہے کہ اس پر کوئی تفصیلی بحث کی جائے۔ یا سیرۃ المصطفیٰ میں درج مسئلہ کا اصل سے مراجعت کرکے باقاعدہ جائزہ لیا جائے لیکن محترم تبصرہ نگار اور دیگر قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کرانا ضروری سمجھتے ہیں کہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سے پیشتر ان کے استاذ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ جیسے دقیقہ رس اور نابغۂ عصر محدث نے بھی متعہ کے سلسلہ میں اپنی انفرادی تحقیق کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

والظاهر لي في هذا الباب وان لم يقل به احد قبلي ان المتعة بالمعنى المعروف لم تكن في الاسلام قط ولكنها كانت نكاحا بمهر قليل لا بنية الاستدامة بل باضمار الفرقة في النفس بعد حين

(فیض الباری ج ۴ ص ۱۳۴)

اس بارے میں مجھ پر جو حقیقت ظاہر ہوئی ہے اگرچہ مجھ سے پیشتر اس کا قائل کوئی اور نہیں ہے وہ یہ ہے کہ متعارف معنی میں متعہ کا وجود اسلام میں کبھی نہیں رہا جو چیز تھی وہ درحقیقت نکاح ہی کی ایک صورت تھی جس میں مہر برائے نام ہوتا تھا اور شروع ہی سے ایک مدت کے بعد چھوڑ دینے کی نیت دل میں مخفی ہوتی تھی۔

اسی سلسلہ میں انھوں نے ترمذی شریف کی اس روایت کو تائید کے طور پر نقل کیا ہے جس میں بیان ہے کہ:

كان الرجل يقدم البلدة ليس له بها معرفة فيتزوج المرأة بقدر ما يرى انه يقيم فتحفظ له متاعه وتصلح له شيئه

([illegible])

آدمی کسی ایسی جگہ جاتا تھا جہاں اس کے جان پہچان کے لوگ نہ ہوتے تو اتنی مدت کے لئے جتنی مدت اسے [illegible] نکاح کر لیتا [illegible] کا خیال [illegible] [illegible]

حضرت شاہ صاحبؒ کا دعویٰ ہے کہ اس روایت سے صراحتاً یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وطن میں عدت گزارنے کی نیت رکھ کر نکاح ہی کی شکل تھی جو اس وقت مروج تھی اور اسی پر متعہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جہاں تک تین یوم کی تخصیص کے ساتھ حلت بلکہ بعض روایتوں میں ذکر کا سوال ہے تو شاہ صاحب کے بقول مہاجرین کو حج کے بعد مکہ میں اس وقت تین یوم سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت ہی نہیں تھی اسلئے متعہ کی حلت کے سلسلہ میں تین یوم کا ذکر آگیا ہے علامہ انور شاہ رہ فرماتے ہیں

اما ان المتعة بالمعنی الذی زعموہ فیھا لا اراہ ان یکون أبیح فی الاسلام
بہرحال اس معنی میں جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں متعہ اسلام میں کبھی حلال نہیں کیا گیا۔

لفظہ (فیض الباری ج ۴ ص ۱۳۹)

متعہ کے انکار کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب رہ نے خود ہی وضاحت فرمائی ہے کہ۔

فیرانی تفردت بانکار المتعة ص ۱۳۹ ج ۴
متعہ (نکاح) کے انکار کے بارے میں میں منفرد ہوں۔

لیکن ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحب رہ کا تفرد ایسا بھی نہیں جسے بالکل نظرانداز کیا جاسکتا ہو۔ اگرچہ بحث کے بعض پہلو ابھی تشنہ اور تنقیح طلب ہیں۔ لیکن اس مختصر نوٹ میں ان پر روشنی ڈالنے کی گنجائش نہیں ہے۔

(عبد الحسن الثاقی)

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کی ایک عظیم الشان تصنیف "سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" منظرعام پر آئی ہے اس میں نکاح متعہ کی حرمت پر مفصل کلام فرمایا گیا ہے جس سے بہت سارے شکوک دور ہو جاتے ہیں لیکن کچھ باتیں اس میں قابل تفتیش و تحقیق ہیں جن کی ہم نشاندہی کرنا چاہتے ہیں۔

تعریف متعہ کے بعد پہلے حضرت مولانا مرحوم کے مفصل بیان کا مختصر تجزیہ ناظرین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

متعہ کے معنی نفع اٹھانا، چندروز کے لئے کسی عورت سے نفع اٹھانا پھر اس کی راہ چھوڑ دینا، حج کے ساتھ عمرہ کو بھی ملا لینا۔ (قاموس)

آخر کو متعۃ الحج اور اول کو متعۃ النساء کہتے ہیں۔

تجزیہ

۱۔ متعہ کے دو معنی ہیں

(الف) ایک مدت معینہ کے لئے ولی کی اجازت سے گواہوں کے سامنے کسی عورت سے ازدواجی تعلق قائم کیا جائے اور معین مدت گزرنے کے بعد بلا طلاق مفارقت ہو جائے۔ اس کے بعد ایک حیض استبراء کرے۔ فقط یہ صورت اسلام میں جائز تھی۔ بعد میں ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئی۔

(ب) کسی عورت سے ایک دو روز کے لئے متمتع ہو اور اس کی اجرت مقرر کر دے۔

متعہ کی یہ صورت عین زنا ہے یہ کبھی اسلام میں جائز اور مباح نہیں ہوئی۔ متعہ کی یہ صورت کسی وقت میں بھی حلال اور جائز نہیں ہوئی۔

۳ متعہ رسومِ جاہلیت کے مطابق ہوتا تھا [illegible]
ہوئی خیبر سے پہلے اس کے بارے میں کوئی امر تشریعی حکم نازل نہ ہوا
تھا [illegible] ابتدا اسلام میں اس کے جائز
ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس خاص صورت کی ممانعت اور حرمت
کا ابھی تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، جبکہ حضور پُر نور
صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً نکاحِ متعہ کی اجازت دی تھی

۴ اس کی ممانعت غزوۂ خیبر کے موقع پر ہوئی پھر حرمت کا
اعلان بار بار ہوا غلط فہمی سے اسکو بھی غلط حرمت سمجھ لیا گیا
حالانکہ ان کی حیثیت حرمت سابقہ کے اعلان کی تھی وہ مواقع
اعلان حسبِ ذیل ہیں (۱) غزوۂ خیبر جس میں سب سے پہلے
حرمت کا اعلان ہوا اور تحریم بھی اسی غزوہ میں ہوئی (۲) عمرۃ القضا
(۳) جنگ اوطاس (۴) غزوہ تبوک (۵) حجۃ الوداع

۵ جنگ اوطاس کے موقع پر حسب رسم جاہلیت بعض
نومسلموں نے لاعلمی کی بنا پر متعہ کیا اس موقع پر ۳ دن کے
لئے متعہ کی اجازت ہوئی اس اباحت کے یہ معنی ہیں کہ جن
لوگوں نے حسب سابق متعہ کر لیا تھا اور خیبر کی ممانعت کا ان کو
علم نہیں ہوا تھا اس لاعلمی میں متعہ کر لینے پر ان سے مواخذہ
نہیں کیا گیا۔

۶ تحریم متعہ کے بار بار اعلان سے بعض لوگوں نے
گمان کر لیا کہ اس کی تحلیل و تحریم کئی بار ہوئی ورنہ تحلیل تو
بالکل نہیں ہوئی تھی البتہ رسوم جاہلیت کے مطابق جو لوگ
متعہ کرتے تھے ان کی ممانعت بھی وہ بھی سب سے پہلے ممانعت خیبر
میں ہوئی پھر اسی تحریم کا بار بار اعلان ہوا۔
(سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible])

تنقیحات

متعہ رسوم جاہلیت میں سے ایک رسم تھی [illegible] کے مطابق
متعہ کیا [illegible] غزوۂ خیبر [illegible] تک [illegible] لیکن تحلیل
بالکل نہیں ہوئی [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم سے

[illegible] اجازت [illegible] سب سے
زیادہ [illegible] حضرت سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ عنہ کی حدیث [illegible]

(۱) انہ کان مع	حضرت سبرہ بن معبد رسول اللہ
رسول اللہ صلی اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے
علیہ وسلم فقال یا ایہا	تو آنحضور نے ارشاد فرمایا
الناس انی قد کنت	لوگو! میں نے یقیناً تم کو
اذنت لکم فی الاستمتاع	عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت
من النساء وان اللہ	دی تھی اور اللہ تعالیٰ نے
قد حرم ذلک الی یوم	اس کو قیامت تک کے لئے
القیامۃ فمن کان عندہ	حرام کر دیا پس اس قسم کی عورتیں
منہن شیٔ فلیخل سبیلہا	جس کے پاس ہوں وہ ان کا
ولا تاخذوا مما	راستہ چھوڑ دے اور جو کچھ تم
آتیتموہن شیئا	ان کو (مہر کے نام سے) دے چکے
(صحیح مسلم ص ۴۵۱)	اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔

(۲) حضرت جابر بن عبد اللہ اور سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہما کی
روایت ہے۔ ان دونوں نے کہا ہے

خرج علینا منادی	ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ	علیہ وسلم کا منادی آیا پس اس
وسلم فقال: ان رسول اللہ	نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
صلی اللہ علیہ وسلم قد	وسلم نے تمہارے لئے استمتاع
اذن لکم ان تستمتعوا	کی اجازت دی ہے یعنی عورتوں
یعنی متعۃ النساء	سے متعہ کرنے کی۔

اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے
علیہ وسلم اتانا فاذن	پاس تشریف لائے اور ہم کو
لنا فی المتعۃ	متعہ کی اجازت دی

(مسلم شریف ص [illegible])

[illegible] رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے پیغام کو پہنچایا [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

[illegible] رضی اللہ عنہم نے بچ میں آنا اور صرف اجازت
[illegible] قول اجازت کی دلیل بن سکتا ہے اس لئے یہ
[illegible] نہیں معلوم ہوتا کہ۔

[illegible] اجازت اور مباح ہونے کے یہ معنی کہ ممانعت
اور حرمت کا ابھی تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا
[illegible] نہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً نکاح
متعہ کی اجازت دی تھی۔"

(سیرۃ المصطفیٰ جلد ۲ صفحہ ۲۱۴)

اور بظاہر یہ واقعہ غزوۂ اوطاس کا ہے کیونکہ دوسرے
[illegible] میں حضرت ام سلمہ رضی سے صحیح مسلم میں یہ الفاظ
[illegible] منقول ہیں۔

رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام اوطاس فی المتعۃ ثلاثا ثم نہی عنہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ اوطاس کے سال متعہ کی تین دن کے لئے رخصت دی پھر اسکو منع کر دیا۔

جن غزوات میں متعہ کے سلسلے میں کچھ باتیں منقول ہیں
ہم ان کی تاریخ کا بیان کر دیتے ہیں تاکہ عام ناظرین کو مفہوم
حدیث سمجھنے میں سہولت ہو جائے۔

(۱) غزوہ خیبر

محرم ۷ ہجری

ممانعت کے راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس غزوہ
میں حضرت سلمہ بن الاکوع رضی بھی شریک ہیں۔

(۲) عمرۃ القضاء

ذی قعدہ ۷ ہجری

اس میں اباحت متعہ کی روایت صرف حسن بصری رح نے سبرہ
سے نقل کی ہے اور ان کے الفاظ روایات صحیحہ کے خلاف ہیں
[illegible] قابل قبول نہیں البتہ اعلان حرمت قابل تسلیم ہے

(۳) فتح مکہ ۔ رمضان ۸ ہجری
(۴) جنگ اوطاس ۔ شوال ۸ ہجری

یہ دونوں ایک ہی ہیں کیونکہ جب فتح کر کے آپ ہوازن
پہنچے تو اس کے بعد اسی سفر میں غزوۂ حنین ہوا اور
ہوازن شکست کھا کر قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ وادی
اوطاس گئی ان کا تعاقب کیا گیا۔ اس میں اباحت اور
حرمت دونوں قسم کی روایت حضرت سلمہ اور حضرت
سبرہ رض سے منقول ہے اور آپ کے حکم سے سبرہ رض کا
نکاح متعہ کرنا بھی مروی ہے نیز اباحت کی روایت حضرت
جابر رض سے بھی منقول ہے۔ (رضی اللہ عنہم)

(۵) غزوہ تبوک

رجب ۹ھ

اس میں ممانعت کی روایت امام طحاوی رح نے
نقل کی ہے۔

(۶) حجۃ الوداع

اواخر ۱۰ھ

اس میں ممانعت کی روایت ابوداؤد رح کے نزدیک سب
سے زیادہ صحیح ہے اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کا یہ سب
سے بڑا مجمع تھا اس لئے دیگر احکامات کے ساتھ حرمت
متعہ کا اعلان بھی قرین قیاس ہے لیکن بعض طرق میں
غلطی سے اس میں بھی اباحت کا ذکر آگیا ہے جو صحیح نہیں۔

تجزیہ

یہ جو کہا گیا کہ جنگ اوطاس کے موقع پر [illegible]
[illegible] کی بنا پر متعہ کیا [illegible] ہی متعہ کر لیتے

[illegible] اجازت دی گئی
کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے متعہ
کرنے والے حضرت سبرہ بن معبد ہیں اور حرمت کو روایت نقل
کرنے والے حضرت سلمہ بن الاکوع ہیں اور حضرت جابر بن
عبداللہ ہیں ان میں سے کوئی بھی اوطاس کے موقعہ پر نو مسلم
نہیں تھا بلکہ

(الف) حضرت سبرہ غزوہ خندق واقع ۵ھ میں شریک
رہ چکے ہیں جو عام اوطاس سے ۳ سال پہلے واقع ہو چکا ہے

(ب) حضرت سلمہ بن الاکوع ۶ھ کے ذی قعدہ
میں غزوۂ حدیبیہ میں آنحضرت کے ہاتھ پر موت کی بیعت کر چکے
ہیں (صحیح بخاری) یہ واقعہ غزوہ اوطاس سے دو سال قبل
کا ہے۔

(ج) حضرت جابر بن عبداللہ تو ہجرت نبوی سے پہلے بیعت عقبہ
میں شریک رہ چکے ہیں جن کی روایت میں اباحت کی تاریخ
کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے ان میں سے کسی کو نو مسلم قرار
نہیں دیا جا سکتا۔

حضرت سبرہ بن معبد جہنی کا عام اوطاس میں نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے حکم سے متعہ کرنا پھر اس کی حرمت کا اعلان دونوں
صحیح مسلم اور سنن نسائی میں موجود ہیں۔ مسلم شریف کے
الفاظ ملاحظہ ہوں۔ سبرہ سے یہ روایت ان کے لڑکے ربیع
ان سے عمارہ بن غزیہ نقل کرتے ہیں

خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفتح الی مکۃ	ہم لوگ مکہ کی طرف فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے۔

(پہلے سے مسلمان ہونا ثابت ہوا)

دوسرے طریق کے الفاظ

ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام فتح مکۃ امر اصحابہ بالتمتع فتمتعت انا وصاحب لی من بنی سلیم	اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سال مکہ فتح کیا اپنے اصحاب کو متعہ کرنے کا حکم دیا تو میں نے اور میرا ایک ساتھی جو بنو سلیم کا تھا دونوں نے

[illegible] کے تمتع اور موافقت دونوں کا ذکر ہے

اس سے معلوم ہوا کہ رسم جاہلیت کے مطابق [illegible] نہیں
بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اجازت سے متعہ کرنے کے
لئے یہ دونوں صاحبان روانہ ہوئے۔

اس لئے ہمارے نزدیک تحریم متعہ کے بارے میں
صحیح بات وہ ہے جس کو امام نووی نے شرح مسلم میں اور
حضرت مولانا عبدالرؤف داناپوری مرحوم نے اصح السیر میں
فرمایا ہے کہ اباحت اور تحریم دو بار ہوئی امام نووی کے
الفاظ یہ ہیں۔

والصواب المختار ان التحریم والاباحۃ کانا مرتین فکانت حلالاً قبل خیبر ثم حرمت یوم خیبر ثم ابیحت یوم فتح مکۃ وھو یوم اوطاس لاتصالھما ثم حرمت یومئذ بعد ثلاثۃ ایام تحریماً مؤبداً الی یوم القیامۃ واستمر التحریم۔ و لایجوز ان یقال ان الاباحۃ مختصۃ بما قبل خیبر والتحریم یوم خیبر للتابید وان [illegible]	درست و پسندیدہ یہ بات ہے کہ متعہ کی حرمت اور اباحت دونوں دو دو بار ہوئیں۔ خیبر سے پہلے تک (قدیم رسم کے مطابق) مباح تھا پھر غزوہ خیبر میں ممنوع ہوا پھر فتح مکہ کے واقعہ میں مباح ہوا اور یہی واقعہ اوطاس کا ہے کیونکہ ایک ہی سفر میں دونوں واقعے ہونے کے سبب [illegible] اتصال ہے پھر اس واقعہ میں ابدی طور پر [illegible] حرام کیا ہے پھر تحریم برقرار رہی اور یہ [illegible] کہ اباحت خیبر سے پہلے تک [illegible] [illegible]

... يوم
... يوم الفتح
... المازري
... لات
... الى
... مسلم في
... يوم
... صريحة
... فلا
... اسقاطها
... لم يمنع
... الاباحة
... اعلم
(... شرح مسلم)
(... ص ٢٥٠)

اس کی حرمت موبدہ کا قول کیا جائے اور فتح مکہ میں حرمت کی تاکید کا اعلان قرار دیا جائے۔ بلا اس کے کہ اس دن سے پہلے اس کی اباحت ہو چکی تھی جیسا کہ مازری اور قاضی عیاض کی رائے ہے کیونکہ جن روایتوں کو امام مسلم نے ذکر کیا ہے ان میں فتح مکہ کے موقع پر اباحت کا ذکر صراحۃً موجود ہے لہذا ان کو ساقط الاعتبار قرار دینا درست نہیں اور اباحت کے مکرر ہونے میں کوئی مانع موجود نہیں (واللہ اعلم)

حضرت حمزہ رضؓ	[illegible]

... سے نہ دیکھا گیا اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ اے ... دیکھتے ہو یہ قریش کا بڑا سردار ہے اور اپنے ... کے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے۔ ابوسفیان چونکا ... یہ غلطی تھی دیکھو کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔[1]

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک دیکھی تو آپ کو ... صدمہ عظیم ہوا۔[1]

حضرت صفیہ رضؓ حضرت حمزہ رضؓ کی حقیقی بہن ... دیکھنے کے لئے آنے لگیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] واپس کر دو جب انھوں نے حضرت صفیہ رضؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا تو انھوں نے کہا کہ یہ کیوں؟ میں سن چکی ہوں کہ میرے بھائی کو کفار نے مثلہ کیا ہے اور جانتی ہوں کہ ان کی یہ حالت خدا کی راہ میں ہوئی ہے جو کچھ ہوا ہے انشاءاللہ اس پر صبر کروں گی اور مشیت الٰہی پر سب سے زیادہ راضی رہوں گی۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی۔ انھوں نے جب بھائی کی نعش دیکھی تو انا للہ الخ پڑھا، دعاء مغفرت کی اور واپس چلی گئیں۔[2]

واقدی کی روایت ہے کہ حضرت حمزہ رضؓ کی نماز پہلے پڑھی اور اس میں چار تکبیریں کہیں پھر ایک ایک شہید کو ان کے بغل میں رکھتے گئے۔ نماز کے بعد ان کو اٹھا کر دوسرے کو رکھتے لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ رہنے دیتے حتیٰ کہ ستر نمازیں ہوئیں اور ہر نماز میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک رہی۔[3]

اللہ کے اس شیر نے اس جانباز سپاہی نے راہ خدا میں دین کی سربلندی کے لئے جان کی بازی لگا دی تھی چنانچہ جام شہادت نوش فرمایا لیکن باطل کے متوالوں کو اپنی شمشیر براں کے جوہر بھی دکھا گیا اور میدان کارزار میں شجاعت کا سکہ بٹھا دیا گیا جس کی بناء پر رحمت و رضوان کا عظیم پروانہ بھی حاصل کر رہا اور شیر خدا کا خطاب بھی حاصل کر رہا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا۔

---

[1] ... [2] ... [3] ... اصح السیر ص ١٣٢ وغیرہ
(ماخوذ از [illegible])

مشینوں کے ذریعے

خطِ نستعلیق کی کتابت کے خواب نے

حقیقت کا روپ دھار لیا

★ قدرت اللہ

کراچی یونیورسٹی کے ایک سینئر پروفیسر نے جب اردو خط نستعلیق میں کمپیوٹرائزڈ کتابت کا نمونہ دیکھا تو جوشِ مسرت میں وہ اپنی کرسی سے اٹھے اور کہا کہ میں تو ناچنا چاہتا ہوں۔

بانیِ پاکستان حضرت قائداعظم کے سیکریٹری مطلوب الحسن سید نے خطِ نستعلیق رسم الخط کے اس انقلابی نظام کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے بتائی جو پہلی مرتبہ روزنامہ "جنگ" [illegible] متعارف کرا رہا ہے اور جس کی تیاری کے لئے جناب مطلوب الحسن سید اور ان کے ایک ساتھی جناب احمد جمیل مرزا نے تقریباً سولہ برس تک شب و روز محنت کی۔ خطِ نستعلیق کی کمپوزنگ کی راہ میں جو مشکلات حائل تھیں ان کی بنا پر کمپیوٹر تیار کرنے والا فرم کو بھی تیار کرنے سے پہلے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ تجربہ کامیاب ہو گا۔ کمپیوٹر کے [illegible]

[illegible]

اس کا تجربہ اس سے قبل دنیا کی کسی دوسری زبان کے کمپیوٹر میں نہیں ہوا اور اس کی وجہ اردو کے خطِ نستعلیق کا ایک خصوصی مزاج ہے۔ اس سے پہلے مشینوں کے ذریعے کتابت کی جتنی کوششیں کی گئیں ان میں خطِ نسخ کا سہارا لینا پڑتا تھا اور [illegible] کے [illegible] کو جوڑ کر لفظ ترتیب پاتا تھا۔ مشین کی فہرست [illegible] کے لئے حروف کو توڑا مروڑا جاتا تھا لیکن اب زبان کو [illegible] مطابق ہیں کہ مشین کو زبان کے مطابق ڈھالا گیا ہے [illegible] ایک انقلاب کا درجہ رکھتا ہے اور آئندہ چند برسوں میں [illegible] کی صنعت میں جو انقلاب آئے گا اس کا اندازہ [illegible] کے ان صفحات کو دیکھ کر بخوبی ہو سکتا ہے۔

[illegible]

[illegible] ایسا ہو رہا ہے۔
[illegible] "چھکڑے کی رفتار سے چلتی ہوئی زبان
جیٹ طیارے کی رفتار سے چلے گی"۔ اردو کے جس
[illegible] کے اس نظام میں سمویا گیا ہے اسے "نوری نستعلیق"
[illegible] اس میں حروف جوڑنے کی بجائے حروف کے مختلف
[illegible] سمو دیا گیا ہے۔

[illegible] کی زندگی نے ان مشینوں کی تیاری میں بڑا اہم
[illegible] کمپیوٹنگ کا خواب [illegible] امید کی جو کرن نظر
[illegible] آخر رنگ لے آئی اور جو کام تقریباً ناممکن نظر
[illegible] ممکن ہو گیا۔ زبان کی ضرورت پوری کرنے والی مشین
[illegible] کرنے کے لئے جناب مرزا نے دنیا بھر کا چکر لگایا اور
[illegible] ٹائپ انٹرنیشنل [illegible] کی بنائی ہوئی مشین کا انتخاب
[illegible] مشین تھی جو اس کام کے لئے موزوں خیال کی گئی۔

[illegible] دور میں اردو کی کتابت طباعت کی ترقی کی راہ
[illegible] اخبارات کی بڑھتی ہوئی اشاعت
[illegible] کاتبوں کی بہت بڑی تعداد پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔
[illegible] سیکھنے میں جس محنت اور دیدہ ریزی کی ضرورت
[illegible] نئی نسل اس سے بھی گریزاں ہے اس لحاظ سے خدشہ
[illegible] نستعلیق کی ترقی رک جائے گی لیکن مشینوں کے ذریعے
نستعلیق مستقل طور پر محفوظ ہو گیا اور ایک معیار بھی قائم
[illegible] سے بچوں کو زبان سیکھنے میں بھی سہولت ہو گی۔

ماضی میں جب مشینوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے
[illegible] کا سہارا لیا گیا تو بچوں کی کتابوں میں بھی یہی خط [illegible]
[illegible] ٹائپ کی کتابوں کو آسانی کے ساتھ پڑھ سکیں
[illegible] نتیجہ یہ ہوا کہ بچے کا ذہن ہاتھ کی لکھائی اور
مشین کی لکھائی میں امتیاز کرنے میں ناکام رہا اور ٹائپ میں
چھپی کتابوں کی نقل کے باعث اردو کی روایتی خوش خطی
[illegible] مجروح ہوئی۔ اب نستعلیق کا جو معیار قائم ہوا ہے
[illegible] کے لئے خصوصاً سودمند ہو گا اور اسی معیار پر بچے

تک پہنچ جاتے ہیں۔ خطاطوں کی کمی کے باعث ایک مصنف کی
کتاب سالہا سال تک طباعت کے مختلف مراحل طے کرتی رہتی تھی
مصنف جب کسی اچھے کاتب کو اپنا مسودہ کتابت کے لئے
دیتا ہے تو اس کے پاس پہلے سے مسودوں کی بھرمار کے باعث
نئے مسودے کی کتابت میں طویل عرصہ لگ جاتا ہے جو بسا اوقات
برسوں پر بھی محیط ہوتا ہے۔ میرے ایک دوست نے بتایا
کہ موصوف نے اپنی ایک کتاب کا مسودہ چار سال قبل ایک صاحب
کو کتابت کے لئے دیا تھا جس کی کتابت ابھی تک ان صاحب نے
شروع ہی نہیں کی۔ میں نے حامی بھری کہ مسودہ کاتب سے
واپس لے کر مجھے دے دیں۔ میں جلدی کتابت کروانے کی
کوشش کروں گا لیکن جب وہ مسودہ واپس لینے کے لئے
گئے تو کاتب نے اصرار کیا کہ وہ مسودہ کتابت کے بغیر واپس
نہیں کریں گے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہے کہ اب تک مسودہ
کاتب کے پاس "محفوظ" ہے اور جب تک یہ کتابت کا دشوار
گذار مرحلہ طے کریگا پورے مسودہ پر نظر ثانی کی ضرورت
ہو گی۔ طباعت کی اسی دشواری کے باعث کراچی کے ایک
معروف مزاح نگار کی ایک کتاب کو زیور طبع سے آراستہ
ہونے میں گیارہ سال لگ گئے۔ موضوعاتی اور تازہ کتابوں
کی اشاعت کا یہ حال ہے تو اردو کی کلاسیکل کتابوں کی اشاعت
کا بیڑہ کون اٹھاتا۔

لاہور کی مجلس ترقی ادب نے اردو ٹائپ میں بعض
کلاسیکل کتابیں چھاپی تھیں جو ظاہر ہے کہ نستعلیق رسم الخط کے
باعث زیادہ مقبول نہ ہو سکیں۔ ادارے کے یہ ایڈیشن ابھی
تک کتب فروشوں کے اسٹالوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ جناب
مطلوب الحسن سید نے یہ امید ظاہر کی ہے کہ اب اردو کی یہ
کلاسیکی کتابیں بھی زیور طبع سے آراستہ ہو سکیں گی۔ [illegible]
نظام سے پہلے جن کی از سر نو اشاعت کا خواب بھی نہیں
دیکھا جا سکتا تھا۔ [illegible] کے تعلیمی اداروں میں ترقی کے

[illegible] کے ایک لاکھ [illegible] کا
اب امکان ہے کہ اب ہر کتاب کے لئے ایک کاتب مہیا ہو سکے گی۔

یہ الفضو بی کمپیوٹرائزڈ نظام کیا ہے؟ اس کی ایک مختصر سی جھلک بھی ذیل کی سطور میں دکھانے کی کوشش کی گئی۔

سب سے پہلے ٹائپ رائٹر کے سائز سے ذرا بڑے ایک "کی۔ بورڈ" پر مسودہ ٹائپ کیا جاتا ہے "ٹی" پا ریڈ کمپیوٹر [illegible] پر اس کی تصحیح کی جاتی ہے جس پر ٹیلی ویژن کی طرح کا ایک سکرین لگا ہوتا ہے جس پر ٹائپ کئے ہوئے مسودہ کی عبارت دیکھی جا سکتی ہے۔ پروف ریڈر جس پر مسودہ کی ٹائپنگ ہوتی ہے کے ساتھ ساتھ ایک کاغذ کا فیتہ چلتا ہے جس میں سوراخ بنتے جاتے ہیں جو ٹائپ کی ہوئی عبارت کو اپنے اندر محفوظ کرتے ہیں اور فیتے کی عبارت کی اصلاح و درستی بھی کی جا سکتی ہے اور اسے میوزک کے ریکارڈ کی طرح یعنی "ڈسک" پر دوبارہ استعمال کے لئے محفوظ بھی کیا جا سکتا ہے سوراخ والے فیتے کو جب کمپیوٹرائزڈ ریڈر سے گزارا جاتا ہے تو وہ پوری عبارت کو کیمرے کی فلم پر منتقل کر دیتا ہے جس کی فوٹو لیکر اخبار کی کاپی بنائی جاتی ہے اور پھر پرنٹنگ کے لئے اسی طریقہ سے پلیٹ بنائی جاتی ہے جو آج کل اخبار طباعت کے لئے [illegible] رہا ہے۔ مشین کی اس کمپوزنگ کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں حروف کی ساخت اور ترتیب میں کمال درجے کی یکسانیت ہے۔

اور ہاتھ کی کتابت میں کتابت کرنے والے کے مزاج اور طبیعت کو بہت دخل ہوتا ہے اور اس کے باعث حروف کی ساخت ہوتی بدلتی رہتی ہے مشین کی کتابت میں یہ نقص بالکل نہیں ہوگا اور حروف کی شکل ہمیشہ یکساں ہوتی ہے جس کی بناء پر پورے صفحے میں ایک یکسانیت اور حسن پیدا ہوتا ہے۔ سیاہی بھی زیادہ [illegible] اخبارات کی کتابت کا مرحلہ [illegible] اس جدید ترین نظام طباعت

یہ سب خرابیاں دور ہو گئی ہیں۔

مشین کے ذریعے کتابت کا مرحلہ بہت تیزی سے طے ہوتا ہے۔ کتابت کے مقابلے میں مشین کی اوپریٹنگ کا کام سیکھنا بھی نسبتاً آسان ہے۔ کتابت کا یہ جدید نظام نہ صرف اردو بلکہ دائیں سے بائیں طرف لکھی جانے والی تمام زبانوں میں کام آسکتا ہے۔ فارسی رسم الخط چونکہ اردو رسم الخط کے بہت قریب ہے اور تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ یہ نظام فارسی کے لئے بھی اپنایا جا سکتا ہے۔ اردو کے اخبارات اب تک کتابت پر انحصار کر رہے ہیں لیکن ایران میں نسخ رسم الخط پر انحصار کر کے مشینوں کی کمپوزنگ کو اپنا لیا گیا تھا اب فارسی زبان کے اخبارات کی طباعت بھی بالآخر اسی نظام کے تحت ہو گی ایران کے بعض اداروں نے اپنے ہاں اس نظام کی تنصیب میں دلچسپی لی ہے۔

فن خطاطی مسلمانوں کا عظیم ورثہ

فن خطاطی مسلمانوں کا عظیم ورثہ ہے اور مسلمانوں نے فن خطاطی کو فروغ دینے کے لئے ہر دور میں زبردست جدوجہد کی دنیا بھر میں ملت اسلامیہ نے اس فن لطیفہ کی بے پناہ خدمت کی مسلمانوں کی مساجد و مقابر میں فن خطاطی کے یہ نمونے آج بھی اہل نظر کی تسکین کا سامان کر رہے ہیں اور صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کی آب و تاب اسی طرح قائم ہے۔ لاہور میں مسجد وزیر خان، بادشاہی مسجد، شاہی قلعہ اور دوسرے آثار قدیمہ میں ایسے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔

مسلمانوں کے کمال فن کے یہ نمونے نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا میں جگہ جگہ بکھرے پڑے ہیں۔ خود یورپ جو اپنے آپ کو ہر فن کا امام سمجھتا ہے نہ صرف مسلمانوں کے اس فن کا معترف ہے بلکہ اس کی نقل کرنے [illegible] مسلمانوں کے [illegible] مغرب کے آرٹ کے [illegible] گھروں کی زینت ہیں [illegible]

بھی ریاضت کرتے تھے۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے
کے آغاز میں اپنے دورۂ ترکی کے دوران استنبول کے
عالم عجائب گھر "توپ کپی" میں فاتح قسطنطنیہ سلطان محمد
کے لکھے ہوئے قرآن حکیم کے نسخے کی زیارت کا شرف
حاصل کیا۔

برصغیر میں عہد مغلیہ میں فن خطاطی کو زبردست عروج
حاصل ہوا سلطنت مغلیہ کا بانی بابر خود بھی خطاط تھا۔ بابر کے
عہد کے ایک مشہور عالم اور شاعر مولانا شہاب الدین ہروی
اعلیٰ پائے کے خطاط تھے۔ دہلی میں سلطان الاولیاء
حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی درگاہ پر ان کی خطاطی کے
نمونے موجود ہیں جن پر ان کا نام کندہ ہے۔ عہد ہمایوں
میں ایک مشہور خطاط عبدالصمد شیریں قلم موجود تھے۔ محمد حسین
کشمیری عہد اکبری کے مشہور خطاط اور کتبہ نویس ہیں۔ اکبر نے
انہیں زریں قلم کا خطاب دیا تھا۔ زریں قلم خط نستعلیق کے
ماہر تھے۔ عہد اکبری میں اور بھی بہت سے خطاط موجود تھے جن میں
مستعد احمد مشہدی میر معصوم اور سلطان بایزید بہت معروف
تھے۔ سلطان بایزید خط نستعلیق کے معروف خطاط تھے۔
مغلوں کا کوئی بھی عہد خطاطوں سے خالی نہیں رہا جہانگیری
شاہجہانی، عالمگیری دور میں بھی اعلیٰ پائے کے خطاط موجود
تھے۔ اکبری عہد کے ایک اور خطاط میر عبداللہ تھے جنہیں
مشکیں قلم "کہا جاتا تھا۔ ان کو اکبر کے بعد جہانگیر کے دور
میں زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ عہد جہانگیری اور عہد شاہجہانی
میں عبدالرحیم عنبریں قلم، احمد علی ارشد، عبدالحق المعروف
امانت خان شیرازی کے نام نمایاں نظر آتے ہیں۔

امانت خان کو عہد شاہجہانی میں بہت زیادہ شہرت حاصل
ہوئی وہ شاہجہان کے ایک وزیر کے بھائی تھے۔ اکبر اعظم
کے مقبرے پر ان کے لکھے ہوئے کتبے موجود ہیں "تاج محل" کی
خطاطی بھی انہیں کے شاہکار قلم کا نتیجہ ہے۔ شاہجہانی دور کے
ایک اور کتبہ نویس نور اللہ ہیں جن کے قلم کے شاہکار جامع مسجد دہلی
کی پیشانی پر موجود ہیں۔ لاہور کی معروف مسجد وزیر خان میں بھی اس
دور کی خطاطی کے عمدہ نمونے موجود ہیں۔ شاہجہان کے
جانشین اورنگ زیب عالمگیر جو اعلیٰ پائے کے خطاط تھے اور
قرآن حکیم کی خطاطی عبادت سمجھ کر کرتے تھے، عالمگیر کے بیٹے اور
بیٹیاں بھی خطاط تھے۔ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر
خطاط تھے اور خط نستعلیق اور نسخ میں لکھتے تھے۔

خطِ نستعلیق

نستعلیق پندرہویں صدی کی ایجاد ہے اور اس کے
موجد میر علی تبریزی ہیں جنہوں نے ایرانی رسم الخط سے نستعلیق
نکالا۔ تبریزی کے بعد اس خط کے دو ممتاز استادوں کے نام
آتے ہیں جنہوں نے باقاعدہ تربیت اور اصلاح کا آغاز کیا۔ یہ
دونوں اساتذہ یعنی آقا رشید دیلمی اور امام علی ویردی خطاطی
کے دو مختلف دبستانوں کے بانی ہیں یہ دور خطاطی کی نشاۃ
ثانیہ کا دور ہے۔ امام علی ویردی کے شاہکار لاہور کے علاوہ
لکھنؤ میں بھی موجود ہیں اندرون لاہور سوتر منڈی کی ایک مسجد
میں بھی ان کے کتبے موجود ہیں۔ مولوی سید احمد علی کشمیری بھی
اس دور کے استاد تھے۔ خطاطی کے دبستان لاہور میں عبدالمجید
پروین رقم "وہ شخص ہیں جنہوں نے نہ صرف خط نستعلیق کی ترویج
کی بلکہ اس میں اضافے کر کے اس خط کی رعنائی اور خوبصورتی
میں اضافہ کیا۔ عبدالمجید پروین رقم نے مفکر پاکستان علامہ
اقبال کے کلام کی کتابت کی اور حضرت علامہ ان کی خطاطی کے
اس حد تک معترف تھے کہ انہوں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ اگر
پروین رقم میرے اشعار کی کتابت نہیں کریں گے تو میں
شاعری چھوڑ دوں گا۔ پروین رقم نے ابتداء میں امام ویردی
اور مولوی سید احمد کی تقلید اختیار کی۔ لیکن بعد میں انہوں
نے اس فن میں اوج کمال حاصل کیا اور اس میں انتہائی خوبصورت
اضافے کئے اور ان کی روش خط اور طرز نگارش کو جو قبول عام
حاصل ہوا وہ محتاج بیان نہیں ان کے کتبے حضرت [illegible] کی [illegible]

کے مزار پر بھی موجود ہیں۔ [illegible] کا نام آتا ہے جنہیں نستعلیق کے علاوہ خط [illegible] میں یکساں مہارت حاصل تھی۔ حافظ [illegible] پروین رقم کے معاصرین میں سے تھے جن کے کتبے سینکڑوں مساجد میں موجود ہیں۔

موجودہ دور میں حافظ یوسف سدیدی، سید انور حسین نفیس رقم اور صوفی خورشید عالم خطاطی کے نامور استاد ہیں۔ حال ہی میں لاہور میں برصغیر کے اولین مسلمان حکمران قطب الدین ایبک کے نو تعمیر شدہ مزار پر حافظ محمد یوسف سدیدی کے لکھے ہوئے کتبے نصب ہوئے ہیں۔

فن نستعلیق کمپیوٹر کے دماغ میں

یہی خط نستعلیق اب کمپیوٹر کے برقی دماغ میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اور اب یہ خدشہ نہیں رہا کہ آنے والے مشینی دور میں خط نستعلیق محض یاد ماضی بن جائے گا کمپیوٹرائزڈ مشینوں میں سمو کر اس کا مستقبل محفوظ بنا دیا گیا ہے

اوپر کی سطور سے معلوم ہوتا ہے کہ فن خطاطی ہر دور میں مسلمانوں میں مروج رہا ہے اور ہر دور کے استادوں نے اس میں خوبصورت اضافے کئے۔ اگرچہ آج کا دور بھی استادان فن سے خالی نہیں ہے لیکن اب اس فن میں نئے داخل ہونے والوں کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے اور اس کی وجہ وہ ریاضت ہے جو اس فن شریف کی اوج کمال تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے

فن کو محفوظ کرنے کا جو کارنامہ جناب مطلوب الحسن سید اور جناب احمد جمیل مرزا نے انجام دیا ہے فن خطاطی کے استاد اور خطاطی ہمیشہ ان کی مرہون منت رہے گی۔

پس منظر و پیش منظر

نوری نستعلیق

اس کی وجہ سے خط نستعلیق کی حفاظت ممکن ہوئی

ہم ایک مشینی دور میں سانس لے رہے ہیں۔ سائنسی اور صنعتی ترقی کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ انسان کو اس کا ساتھ دینا مشکل محسوس ہو رہا ہے

طباعتی صنعت بھی اس تیز رفتاری سے مستثنیٰ نہیں ہے ہماری اردو طباعتی صنعت آج بھی دور وسطیٰ کی سطح پر قائم ہے اسے خوشنویسی کی حیثیت مگر صنعت کی سی ہے جبکہ عہد حاضر کی جدید ترین برقی تیز رفتار عکسی خطاطی کی مشینوں نے ترقی یافتہ ممالک میں طباعتی صنعت کو بھی دوسری ترقی پذیر صنعتوں سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ طباعتی شعبہ میں ہماری یہ پسماندگی قومی سطح پر ہمہ جہت ترقی کے میدان میں ایک رکاوٹ ہے مثلاً

علمی اور صنعتی معلومات ہماری قومی زبان اردو میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے عوام ذہانت اور عملی صلاحیت کے حامل ہونے کے باوجود زندگی کے بہت سے شعبوں میں مغرب سے بہت پیچھے ہیں۔

محدود طبقہ مغربی زبانوں سے جدید معلومات حاصل کر سکتا ہے لیکن جدید طریقہ طباعت کے فقدان کی بنا پر قومی زبان میں عوام تک بروقت پہنچانے سے قاصر ہے

اگر کبھی کوئی دانشور جدید سائنسی معلومات کو اردو زبان میں منتقل کر کے چھاپنے کی کوشش بھی کرتا ہے تو جب تک یہ معلومات عوام تک پہنچتی ہیں وہ پرانی ہو جاتی ہیں یا ان کی افادیت صفر کے برابر رہ جاتی ہے۔

لاکھوں دانشوروں کی وہ تصانیف جو عہد آفریں ثابت ہو سکتی ہیں اور انہیں شہرت دوام بخش سکتی ہیں مسودے کی شکل سے آگے نہیں بڑھ سکتیں یا اگر کوئی ایک آدھ تصنیف طباعت پذیر ہو بھی جاتی ہے تو اتنی دیر اور وقت لگ جاتا ہے کہ اس تصنیف کا مصنف کب کا وفات پا چکا ہوتا ہے۔

[illegible] ہیں آج بھی اپنی سو دو صد اور اعلیٰ ذہنی کاوشوں [illegible] نہ ہونے کی وجہ سے گوشۂ گمنامی میں پڑے [illegible]

[illegible] کی ضخیم تصانیف کی طباعت کو کاروباری نقطۂ نظر [illegible] جائے تو طابع و ناشر طویل مدت کے لئے خصوصاً کتابت [illegible] کی صورت میں اپنا سرمایہ پھنسانے کے لئے تیار نہیں [illegible] پانسو صفحات کی کتابت کے لئے ایک دراز مدت درکار [illegible] اور صحیح کتابت بروقت شائع نہ ہونے کی وجہ سے [illegible] کتاب اپنی افادیت اور وقار ضائع کر چکی ہوتی ہے [illegible] و ناشر کے گلے پڑ جاتی ہے اس کی نکاسی کے امکانات [illegible] جاتے ہیں کیونکہ کتابت کی تیاری کے آخری مرحلے تک [illegible] قیمت کا تعین ممکن نہیں ہوتا۔

پھر ایک طرف تو فن نستعلیق کے اساتذہ آہستہ آہستہ [illegible] ہوتے چلے گئے جو باقی ہیں وہ ملکی سطح پر معیاری کتابت [illegible] کو قلم سے پورا نہیں کر سکتے دوسری طرف اردو خواں [illegible] جمالیاتی ذوق اس کلیہ کو نظر انداز کرنے کے لئے کسی [illegible] پر تیار نہیں ہے کہ " اردو کتاب کی رونق خوش نویسی ہے [illegible]

نسل در نسل جو خاندان کتابت کے پیشہ سے وابستہ [illegible] تھے آج کے مشینی دور میں ان کی جوان نسل نے [illegible] کی دیدہ ریزی اور عرق فشانی کو قبول نہیں کیا اور [illegible] پیشے اختیار کر لئے اور یہ خاندانی ورثہ بے توجہی [illegible] پس منظر میں چلا گیا۔

خطاطی (خصوصاً نستعلیق) کا جو ورثہ قومی سطح پر کئی [illegible] صدیوں کی کاوشوں اور مسلسل ریاضت کے بعد تشکیل پایا تھا [illegible] گزشتہ پچاس سال میں مشینی دور کی تیز رفتاری اور مانگ [illegible] کا ساتھ نہ دے سکنے کی وجہ سے اور خلا کو پورا کرنے والے [illegible] نو مشق کاتبوں کے ہاتھوں اپنا روایتی حسن کھو بیٹھا اور یوں [illegible] ایک مبصر کا قول ہے کہ " اخبار نویس خطاط " محض کاتب

[illegible] ہے [illegible] کی تخلیقی خوبیوں سے [illegible] کا خاتمہ [illegible] نستعلیق خطاطی کے فن کا تاریخی اور علمی سرمایہ کو محفوظ کرنے اور اسے جاری رکھنے کا مقصد نوری نستعلیق کی ایجاد سے احسن طریق پورا ہو گیا ہے۔

عام طور سے لوگ یہ خیال کرتے چلے آئے ہیں کہ اردو زبان میں حروف اور الفاظ کو نستعلیق خطاطی میں مشینوں کے ذریعہ لکھنا ممکن نہیں لیکن نوری نستعلیق کے موجدین نے کئی سال کی تحقیق اور محنت کے بعد الیکٹرانک اصولوں کا م لے کر نستعلیق کے اس مقبول عام حسن اور بانکپن کو جو صرف ہاتھ سے کی ہوئی کتابت سے حاصل ہوتا رہا ہے کامیابی کے ساتھ محفوظ کر لیا ہے اور اردو طباعت جو اس وقت ازمنۂ وسطیٰ کی سطح سے آگے نہیں بڑھی اس نئی ایجاد یعنی الیکٹرانک خطاطی کے ذریعے ابھر کر جدید ترقی یافتہ سطح پر آگئی ہے۔

فنی طور سے اس ایجاد سے یہ فائدہ ہوا ہے کہ حروف اور الفاظ کی روایتی معیاری شکلیں ہمیشہ کے لئے متعین ہو گئی ہیں اور پوری تحریر اول سے آخر تک ایک ہی قلم سے لکھی ہوئی نظر آتی ہے اور پڑھنے والے کے جمالیاتی ذوق کو ٹھیس نہیں لگتی۔

اس کے ساتھ خطاطی کے مختلف طرزوں اور اسلوبوں کو بھی نوری نستعلیق کے طریقہ کو کام میں لا کر الیکٹرانک مشینوں کے ذریعے کتابت کرنے کی راہ ہموار ہو گئی ہے۔

نوری نستعلیق کے اجراء سے اردو دنیا کو قومی سطح پر علمی، صنعتی، اقتصادی، معاشی، فنی اور تعلیمی شعبوں میں جو فوائد حاصل ہوں گے وہ بڑے دور رس ہیں۔

Accession Number. 84726
Date 4.7.198[illegible]

فن طغرا نویسی

از: مولوی محمد سلیم صدیقی۔ فاضل دیوبند
کاتب رسالہ دارالعلوم

خط نسخ کے موجد ابن مقلہ نے تحریر میں خوشنمائی کا جو راستہ کھولا تھا اور ایک خط کوفی میں اصلاح و ترمیم کے ذریعہ متعدد خطوط ایجاد کئے تھے۔ بعد میں آنے والے حضرات نے بھی اسی راستے پر چلتے ہوئے اس فن کو سنوارنے اور بنانے میں اپنی کد و کاوش کا سلسلہ جاری رکھا اور اسطرح متعدد خطوط کو ملا کر لکھنے سے ایک نیا فن "طغرا نویسی" ایجاد ہوگیا

اس فن کو ترقی دینے کے لئے مسلمانوں نے ہر دور میں جدوجہد کی۔ طبعی نفاست اور جمالیاتی ذوق نے اس فن کو مقبول خاص و عام بنانے میں بڑا کردار ادا کیا، شاہان وقت نے اس فن کی سرپرستی اپنے ذمہ لے لی، اور اس طرح فن خطاطی اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ روز افزوں ترقی پانے لگا۔

فن طغرا نویسی ترکی سلاطین کے دربار میں ایک مستقل عہدہ "طغرویہ" کی شکل میں قائم ہوا۔ ابن خلکان و ابن خلدون نے لکھا ہے کہ "طغرویہ" ان خطاطوں کو کہتے تھے جو شاہی طغرے تیار کرتے تھے اور ان طغروں کو تمسکات اور فرامین شاہی پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اس عہدہ کا افسر اعلیٰ "الطغروی" کہلاتا تھا۔ ترکی سلطانوں کے بعد ایوبیوں نے اس فن کو خوب خوب ترقی دی اور ان سے ہی یہ فن تمام دنیا میں پھیلا۔

ہندوستان میں مغلیہ دور حکومت اس فن کے لئے موسم بہار کی حیثیت رکھتا ہے۔ مغلیہ دور کے اکثر حکمراں نہ صرف یہ کہ اس فن کے سرپرست تھے بلکہ خود انہوں نے اس فن کو اپنایا اور خطاطی کو اس کی معراج عطا کی۔

عہد مغلیہ کے ہر دور میں مشہور خطاط اور طغرا نویس موجود رہے، اس دور کی تمام تاریخی عمارتوں پر ان کے نقش آج بھی اس فن کی معراج کے شاہد ہیں۔ عمارتوں کے دلکش طغرے محرابوں پر خوبصورت تحریریں اور کتابوں میں جا بجا طغرے [illegible] کے ایسے مکمل نمونے ہیں جنہیں دیکھ کر مسلمان حکمرانوں کے ذوق جمال پر خود بخود واہ واہ نکل جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ فن عوام میں اس قدر مقبول ہوا کہ شرفاء اور دولت سار وقت اپنے بچوں کو یہ فن خاص طور پر سکھانے لگے اور اس کے لئے باقاعدہ ادارے قائم کئے جاتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ فن پھولتا پھلتا اور بڑھتا رہا اور ہر دور میں اساتذہ فن تیار ہوتے رہے۔

دور قریب کے ایک استاد طغرا نویس جناب مرزا ابراہیم مرحوم ہیں۔ طغرا نویسی ان کا اپنا مخصوص رنگ لئے ہوئے بے مثال

[...] کتابت کی نازکی اور باریکی، حروف کے توازن اور [...] کی نظر ماہر فن ہونے کا پورا پورا ثبوت ہے

مرحوم مرزا نور احمد صاحب نے اپنے بڑے بھائی حافظ [...] صاحب سے خطاطی سیکھی جو کہ ایک بڑے عالم مدرس [...] خطاط تھے

طغرا نویسی اگرچہ بظاہر کوئی مشکل کام معلوم نہیں ہوتا [...] کو توڑ موڑ کر لکھنا اور طغرا بنا لینا اتنا مشکل کام نہیں [...] اس فن کے تحت صرف وہ تحریریں آتی ہیں جو مقررہ اصول [...] کے دائرہ میں لکھی گئی ہوں اور اس میں حروف کے جوڑ نشست ورکی، دوائر اور کشش کی تمام تر باریکیوں کا ایک خاص امتزاج سامنے آئے ورنہ طغروں کا سراپا غیر موزوں اور قامت بے ترتیب ہو جائیگی جس کی وجہ سے دوائر میں توازن اور صحیح تناسب پیدا نہ ہو سکے گا۔

طغرو [...] طور پر خط محقق اور نسخ کو ملا کر تیار کیا جاتا ہے کیونکہ اس کی سطح تنگ اور دائرہ کشادہ ہوتا ہے طغرو کی یہ باریکی اور خوبی مرزا نور احمد کے طغروں میں آپ مکمل طور پر محسوس کریں گے ان کے تحریر کردہ چند خوبصورت طغرے یہاں نقل کئے جا رہے ہیں جو خطاطی کے بہترین نمونے اور قلم کی سبک روی کے آئینہ دار ہیں

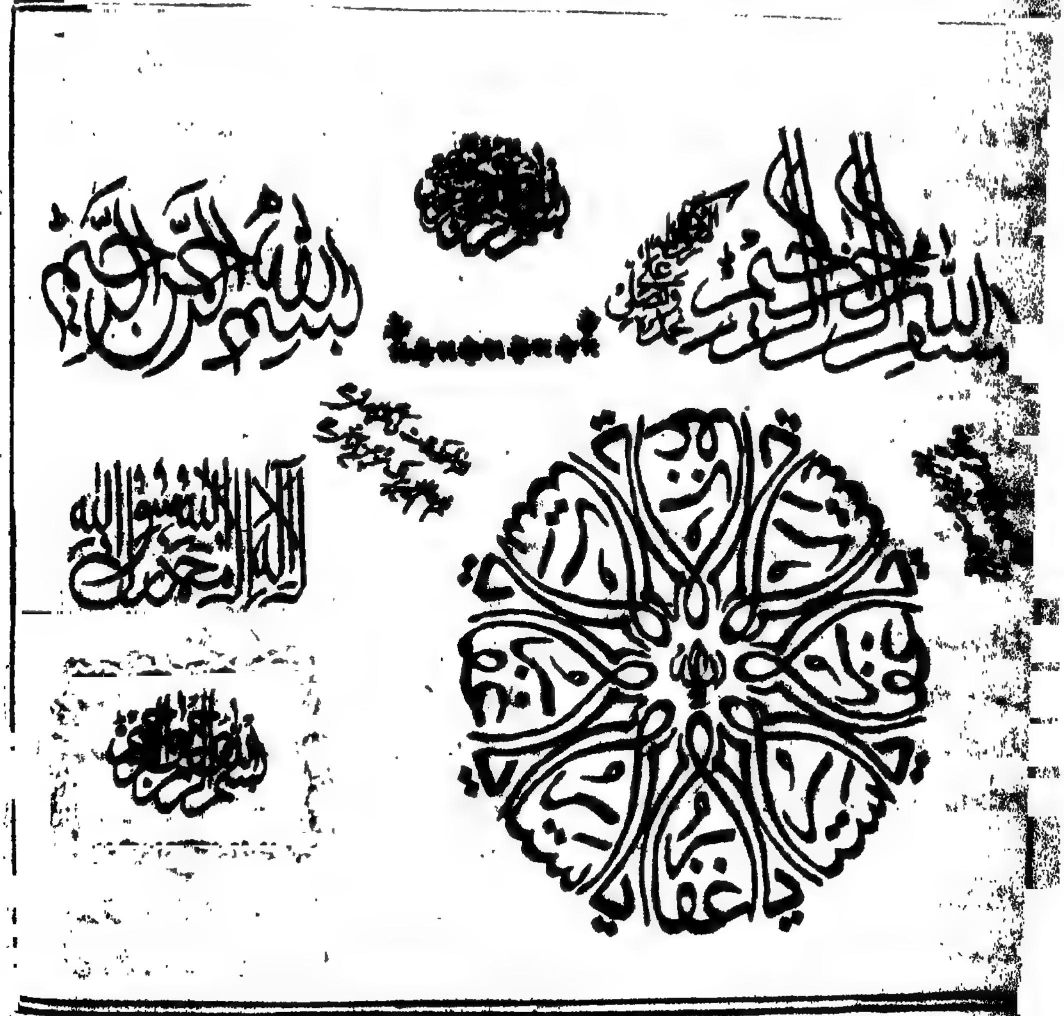

دارالعلوم کے موجودہ حالات پر مجلس شوریٰ کا بیان

مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کمال مسرت و اطمینان سے اعلان کرتی ہے کہ الحمدللہ ثم الحمدللہ ملت اسلامیہ برصغیر کی یہ عظیم دینی تعلیم گاہ جو تقریباً پانچ مہینوں سے بند تھی اور جمود و تعطل اور خلفشار و انتشار کے بحرانی دور سے گذر رہی تھی، ۲۵ مارچ کو باقاعدہ و باضابطہ کھل گئی۔ اسکے بعد ۱۲/۱۳ اپریل کو دارالعلوم کے دفتر اہتمام میں مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں موجودہ صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد مدرسہ کے معاملات و مسائل کے متعلق اہم فیصلے کئے گئے۔ اور آئندہ مدرسہ کی اصلاح اور اس کے اغراض و مقاصد کی تکمیل و توسیع کے لئے ایک منصوبہ پر غور و فکر کیا گیا۔ بہر حال موجودہ صورت حال یہ ہے کہ تقریباً پندرہ سو طلبا دارالعلوم میں زیر تعلیم ہیں۔ ان میں ساڑھے تیرہ سو کے قریب طلبا کو مطبخ سے کھانا دیا جا رہا ہے، ان کا تعلیمی نظام خاطر خواہ ہے۔ تمام درجات میں درس کا سلسلہ جاری ہے اور مدرسہ کے بند ہونے کے باعث تعلیم میں جو نقص رہ گیا تھا اور جو بے ترتیبی پیدا ہو گئی تھی اسکی تلافی کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مدرسہ کا مطبخ، دارالاقامہ، دارالافتاء، کتب خانہ، دفتر محاسبی اور دوسرے دفاتر و شعبہ جات اپنی مفوضہ خدمات خاطر خواہ طور پر انجام دے رہے ہیں، اساتذہ و ملازمین دارالعلوم کی تنخواہیں جو رکی ہوئی تھیں ان کی ادائیگی شروع کر دی گئی ہے۔ مدرسہ میں مکمل امن و امان اور خود اعتمادی کی فضا قائم ہے۔

ہم تمام مسلمانوں سے درخواست کرتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کی جو امداد اور اس کے اغراض و مقاصد کی تکمیل میں جو اشتراک و تعاون کرتے رہے ہیں، اب مزید سرگرمی اور جوش سے اسے جاری رکھ کر عنداللہ ماجور و مشکور ہوں۔

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ:۔ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ دیوبند ضلع سہارنپور یوپی

نوٹ:۔ بینکوں میں دارالعلوم کا سرمایہ چونکہ منجمد ہے اسلئے امدادی رقوم بذریعہ منی آرڈر یا بیمہ مذکورہ بالا پتہ پر روانہ فرمائیں۔

صدر اجلاس — (مولانا) سعید احمد اکبرآبادی۔

معذرت!

آپ حضرات کو یقیناً اپریل کے رسالہ کا شدت سے انتظار ہوگا اور اس تاخیر سے تکلیف بھی پہنچی ہوگی لیکن کچھ مجبوریاں تھیں جن کی وجہ سے رسالہ کی اشاعت اور روانگی میں کافی دیر لگ گئی، ایک تو محترم مدیر صاحب اس عرصہ میں طویل رخصت پر رہے اور ابھی تک رخصت پر ہیں۔ دوسرے افسوسناک طریقہ پر مہینوں مدرسہ بند رہا جسکی وجہ سے اسکی مالیات بری طرح متاثر ہوئیں۔ تیسرے دارالعلوم کھل جانے کے بعد برہم نظام کو سنوارنے میں کافی وقت لگ گیا، ممکن ہے اگلا شمارہ بھی کچھ لیٹ ہو جائے لیکن اتنا لیٹ نہیں، کیونکہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب سارا انتظام مجلس شوریٰ کی تحویل میں معمول کے مطابق آ گیا ہے انشاءاللہ آئندہ پابندیٔ وقت کے ساتھ اور مفید تبدیلیوں کے ساتھ "دارالعلوم" آپکی خدمت میں پہنچتا رہے گا۔

توقع ہے کہ آپ ہماری معذرت قبول فرمائیں گے۔

کفیل احمد علوی۔

مدرسۂ نبویہ ——— اور

علوم رسالت کے طلبہ

از ——— علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرات! عرب کے اس اُمّی معلم کی درسگاہِ نبوت کا مطالعہ فرمائیں۔

یہ علوم نبوت و رسالت کے وارث اور امین صحابہ رضہ ہیں۔

یہ کون طالب علم ہیں

یہ حضرت صدیق اکبر رضہ، حضرت عمر فاروق رضہ، حضرت عثمان غنی رضہ، حضرت علی المرتضیٰ رضہ، جناب طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم مکہ کے قریشی طالب علم ہیں۔

یہ کون ہیں؟ ابوذر رضہ اور انیس رضہ ہیں یہ مکہ سے باہر تہامہ کے غفاری ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ابوہریرہ رضہ اور طفیل بن عمرو رضہ ہیں، یمن سے آئے ہیں اور دوس قبیلہ کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ابوموسیٰ اشعری رضہ اور معاذ بن جبل رضہ ہیں، یہ بھی یمن سے آئے ہیں اور دوسرے قبیلوں سے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ضمام بن ثعلبہ رضہ ہیں قبیلۂ ازد کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ خباب بن الارت رضہ قبیلہ تمیم کے ہیں۔ یہ منقذ بن حبان رضہ اور منذر بن عائذ رضہ ہیں، عبدالقیس کے قبیلہ سے ہیں اور بحرین سے آئے ہیں۔ یہ عبید رضہ و جعفر رضہ عمان کے رئیس ہیں، یہ فروہ رضہ ہیں۔ یہ معان یعنی حدود شام کے رہنے والے ہیں، یہ کالے کالے کون ہیں؟ یہ بلال رضہ ہیں ملک حبش والے، یہ کون ہیں؟ یہ صہیب رضہ رومی کہلاتے ہیں، یہ کون ہیں؟ یہ سلمان فارسی رضہ ایران کے ہیں، یہ فیروز دیلمی ہیں، یہ سیخبت رضہ اور مرکبود رضہ ہیں نسلاً ایرانی ہیں۔

حدیبیہ کی صلح سنہ ۶ھ میں وہ عہد نامہ مرتب کراتی ہے جو اسلام کا عین منشا ہے یعنی قریش اور مسلمان دونوں فریق جنگ موقوف کر دیں اور مسلمان جہاں چاہیں اپنی دین کی دعوت دیں۔ اس دلخواہ کامیابی کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا؟ اسی سال سنہ ۶ھ میں تمام قوموں کے سلاطین اور امراء کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے اور ان کو خدا کا پیغام پہنچایا، دحیہ کلبی رضہ ہرقل قیصر روم کے دربار میں، عبداللہ بن حذافہ سہمی رضہ خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے

دار میں، حاطب بن ابی بلتعہ مقوقس عزیز مصر کے یہاں، عمرو بن امیہ حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس، شجاع بن وہب اسدی شام کے رئیس حارث غسانی اور سلیط بن عمرو ہوذہ یمامہ کے دربار میں پیغمبر اسلام ﷺ کے خطوط لیکر جاتے ہیں لہٰذا محمدی کی درسگاہ میں داخلہ کا اذن عام ہے

حضرات! اس واقعہ سے درسگاہ محمدی کی جامعیت کا یہ پہلو نمایاں ہوتا ہے کہ اس میں داخلے کے لئے رنگ و روپ، ملک و وطن، قوم و نسل اور زبان و لہجہ کا سوال نہ تھا بلکہ وہ دنیا کے تمام خانوادوں، تمام قوموں، تمام ملکوں اور تمام زبانوں کے لئے عام تھی۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

اب آؤ! اس درسگاہ کی حیثیت اور درجہ کا پتہ لگائیں۔ کیا اسکول اور کالج ہے جہاں ایک ہی فن کی تعلیم ہوتی ہے یا اس کی حیثیت ایک جامعہ اور درسگاہ اور عظیم الشان یونیورسٹی کی ہے جہاں ذوق، مناسبت طبع اور استعداد کے مطابق ہر ملک کے لوگوں کو اور ہر قوم کے افراد کو الگ تعلیم ملتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمگاہ کو دیکھو وہاں صرف جنگ کے سپاہی اور یوشع جیسے فوجی افسر اور قاضی اور چند مذہبی عہدہ دار پائے جاتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طالب علموں کو تلاش کرو چند زاہد پیشہ فقراء فلسطین کی گلیوں میں ملیں گے، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کیا نظر آئے گا؟ ایک طرف اصحمہ حبش کا حبشی بادشاہ، فروہ معان کا رئیس، ذوالکلاع حمیر کا رئیس، عامر بن شہر قبیلہ ہمدان کا رئیس، فیروز دیلمی اور مرکبود یمن کے رئیس، عبید و جعفر عمان کے رئیس، دوسری طرف بلال و یاسر، صہیب، خباب، عمار، اور ابو فکیہہ (رضی اللہ عنہم) کے سے غلام اور حضرت سمیہؓ، لبینہؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ اور ام عبیسؓ کی سی لونڈیاں ہیں غرض دیکھو! امیر و غریب، شاہ و گدا، آقا و غلام سب ایک ہی صف میں کھڑے ہیں۔

ایک طرف علامۂ روزگار، اسرار فطرت کے محرم، دنیا کے جہانبان اور ملکوں کے فرمانروا اس درسگاہ سے تعلیم پا کر نکلتے ہیں۔ ابوبکر صدیق رض ہیں، عمر فاروق رض ہیں، عثمان غنی رض ہیں، علی مرتضیٰ رض ہیں، معاویہ بن ابی سفیان رض ہیں جنہوں نے مشرق سے مغرب تک افریقہ سے ہندوستان کی سرحد تک فرمانروائی کی اور ایسی فرمانروائی جو دنیا کے بڑے سے بڑے شہنشاہ اور حکمراں کی سیاست و تدبیر اور نظم و نسق کے کارناموں کو منسوخ کر دیتی ہے ان کے عدل و انصاف کے فیصلے ایرانی دستور اور رومی قانون کو بھلا کر دیتے ہیں اور دنیا کی سیاسی و انتظامی تاریخ میں وہ درجہ حاصل کر لیتے ہیں جن کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔

دوسری طرف خالد بن ولید رض، سعد بن ابی وقاص رض، ابو عبیدہ بن جراح رض، عمرو بن العاص رض پیدا ہوتے ہیں جو مشرق و مغرب کی دو ظالم گنہگار اور انسانیت کے لیے لعنت سلطنتوں کا چند سال میں مرقع الٹ دیتے ہیں اور دنیا کے وہ فاتح اعظم اور سپہ سالار اکبر ثابت ہوتے ہیں جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی دنیا میں بیٹھی ہوئی ہے سعد رض نے عراق و ایران کا تاج شہنشاہی اتار کر اسلام کے قدموں میں ڈال دیا۔ خالد رض اور ابو عبیدہ رض نے رومیوں کو شام سے نکال کر ابراہیم علیہ السلام کی موعودہ زمین کی امانت مسلمانوں کے سپرد کر دی، عمرو بن العاص رض نے فرعون کی سرزمین وادیٔ نیل رومن شہنشاہی کے ہاتھوں سے زبردستی چھین لی۔ عبداللہ بن زبیر رض اور ابن ابی سرح رض نے افریقہ کا میدان دشمنوں سے چھین لیا یہ مشہور اور فاتح سپہ سالار ہیں جن کی قابلیتوں کو زمانہ نے تسلیم کیا ہے اور تاریخ نے ان کی بزرگی کی شہادت دی ہے۔

تیسری طرف باذان بن ساسان رض (یمن)، خالد بن سعید رض (صنعاء)، مہاجر بن امیہ رض (کندہ)، زیاد بن لبید رض (حضرموت)، عمرو بن حزم رض (نجران)، یزید بن ابی سفیان رض (تیماء)، علاء بن

[illegible] اور جیسے بھیوں دوسرے صحابہ ہیں جنھوں نے
[illegible] شہروں کی کامیاب حکومت کی اور خلقِ خدا کو
[illegible]یا۔

[illegible] علماء اور فقہاء کی صف ہے، عمر بن خطابؓ
[illegible] عبداللہ بن عباس رضؓ، عبداللہ بن مسعود رضؓ
[illegible] العاصؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ،
[illegible]ؓ، معاذ بن جبل رضؓ، زید بن ثابت رضؓ، ابن زبیرؓ
[illegible] جنھوں نے اسلام کے فقہ و قانون کی بنیاد ڈالی
[illegible] محدثین میں انھوں نے خاص درجہ پایا۔

[illegible] صف عام اربابِ روایت و تاریخ کی ہے۔
[illegible] ہریرہ رضؓ، ابو موسیٰ اشعری رضؓ، حضرت انس بن مالکؓ
[illegible] ابو سعید خدری، حضرت عبادہ بن صامت رضؓ،
[illegible] جابر بن عبد اللہ رضؓ حضرت براء بن عازبؓ وغیرہ
[illegible] صحابہ ہیں جو احکام و وقائع کے ناقل اور
[illegible] ہیں۔

[illegible] جماعت ان ستّرؓ صحابہ (اہل صفہ) کی ہے جنکے
[illegible] کے لئے مسجد نبوی ص کے چبوترے کے سوا کوئی
[illegible] بدن پر کپڑوں کے سوا دنیا میں ان کی کوئی ملکیت
[illegible] کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور ان کو
[illegible] کرتے اور کچھ خدا کی راہ میں دیتے اور رات کو
[illegible] عبادت میں بسر کرتے۔

[illegible] طرف دیکھو۔ ابوذر رضؓ ہیں جن کی مانند آسمان
[illegible] ان سے زیادہ حق گو کوئی پیدا نہیں ہوا۔ ان کے
[illegible] کا کھانا کل کے لئے اٹھا رکھنا بھی شانِ توکل
[illegible] تھا ان کو دربارِ رسالت نے مسیح الاسلام
[illegible] عنایت فرمایا۔ سلمان فارسیؓ ہیں جو زہد و تقویٰ
[illegible] عبد اللہ بن عمر رضؓ ہیں جنھوں نے تیس برس
[illegible] وعبادت میں گذارے اور جب ان کے سامنے
[illegible] پیش ہوئی تو فرمایا کہ اگر اس میں مسلمانوں کا ایک

قطرہ خون کا گرے تو مجھے منظور نہیں۔ مصعب بن عمیرؓ
ہیں جو اسلام سے پہلے قاقم و حریر کے کپڑے پہنتے تھے
اور جب شہادت پائی تو کفن کے لئے پورا کپڑا تک نہ ملا۔
پاؤں پر گھاس ڈال کر دفن ہوئے۔ عثمان بن مظعون رضؓ جو
اسلام کے پہلے صوفی کہلائے ہیں۔ محمد بن مسلمہ رضؓ ہیں۔
جو فتنہ کے زمانہ میں کہتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان تلوار لیکر
میرے حجرے میں مجھے قتل کرنے کو داخل ہو جائے میں اس
کی پرواہ نہ کرونگا۔ ابو درداء رضؓ ہیں جن کی راتیں نمازوں
میں اور دن روزوں میں گزرتے تھے۔

ایک اور طرف دیکھو! یہ بہادر کارپردازوں اور
عرب کے مدبرین کی جماعت ہے اس میں طلحہؓ ہیں، زبیرؓ
ہیں، مغیرہؓ ہیں، مقداد رضؓ ہیں، سعد بن معاذ رضؓ ہیں،
سعد بن عبادہ رضؓ ہیں اسید بن حضیر رضؓ ہیں، عبدالرحمن بن عوفؓ
ہیں۔ کاروباری دنیا میں دیکھو تو مکہ کے تاجر اور بیوپاری
اور مدینہ کے کاشتکار اور کسان بھی ہیں اور عبدالرحمن بن عوفؓ
اور سعد بن زبیر رضؓ جیسے دولت مند بھی ہیں۔

ایک جماعت حق کے شہیدوں اور بے گناہ مقتولوں
کی ہے جنھوں نے خدا کی راہ میں اپنی عزیز جانیں قربان
کیں مگر حق کا ساتھ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔ حضرت خدیجہؓ
کے پہلے شوہر سے فرزند ہالہ تلواروں سے قیمہ کر دیئے گئے، سمیہؓ
حضرت عمارؓ کی والدہ محترمہ ابوجہل کی برچھی کھا کر ہلاک ہوئیں۔
حضرت یاسرؓ کفار کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے مر گئے
حضرت خبیبؓ نے سولی پر جان دی، حضرت زید رضؓ نے تلوار
کے سامنے گردن جھکائی، حرام بن ملحان رضؓ اور ان کے
۶۹ رفقاء نے بیر معونہ پر عصیہ، رعل اور ذکوان کے قبائل
کے ہاتھوں بے کسی کے ساتھ جام شہادت پیا، واقعہ رجیع میں
حضرت عاصم رضؓ اور ان کے سات رفیقوں کے بدن بنو لحیان
کے سو تیر اندازوں کے تیروں سے چھلنی ہوئے۔ سنہ ۷ھ میں
ابن ابی العوجاء رضؓ کے ۴۹ ساتھی قبیلہ بنو سلیم کے ہاتھوں

شہید ہوئے، حضرت کعب بن عفاری رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اطلاح کے میدان میں شہید ہوئے۔ دنیا کے ایک مشہور مذہب کو صرف ایک سولی پر ناز ہے لیکن دیکھو کہ اسلام میں کتنی سولیاں، کتنے مذبح اور کتنے مقتل ہیں۔

تلوار کی دھار، جگر برچھی کی انی، یا سولی کی لکڑی بہرحال یہ ایک آنی تکلیف ہے اس سے زیادہ استقلال اور اس سے زیادہ صبر و آزمائش کی وہ زندگیاں ہیں جو سالہا سال تک حق کی مصیبتوں میں گرفتار رہیں جنھوں نے آگ کے شعلوں اور گرم ریت کے فرش پر آرام کیا اور پتھر کی سلوں کو اپنے سینوں پر رکھا جن کے گلوں میں رسیاں ڈال کر گھسیٹا گیا اور جب پوچھا گیا تو وہی احد احد کا کلمہ ان کی زبانوں پر تھا۔ شعب ابی طالب کی قید میں تین برس تک جنھوں نے طلح (ایک درخت) کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کی۔ یعنی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات بھوک کی شدت میں ایک سوکھا چمڑا مل گیا اس کو دھو کر آگ پر بھون کر اور پانی میں ملا کر کھایا۔ عتبہ بن غزوان رضی کہتے ہیں کہ ہم سات مسلمان تھے ان غیر فطری غذاؤں سے کھا کھا کر ہمارے منہ زخمی ہو گئے۔ خباب رضی جب اسلام ..... لائے تو کافروں نے ان کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا دیا یہاں تک کہ یہ دہکتے ہوئے کوئلے انھیں کی پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہو گئے۔ بلال رضی دوپہر کی جلتی ہوئی ریت پر لٹائے جاتے اور سینہ پر پتھر کی سل رکھدی جاتی ان کے گلے میں رسی ڈال کر ان کو گلی گلی گھسیٹا جاتا۔ ابو فکیہہ رضی کو ان کے پاؤں میں رسی ڈال کر زمین پر گھسیٹا گیا، ان کا گلا دبایا گیا ان کے سینے پر اتنا بھاری پتھر رکھا گیا کہ زبان نکل پڑی عمار رضی جلتی ریت کے فرش پر لٹائے گئے اور مارے جاتے حضرت زبیر کو ان کا چچا چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتا، سعید بن زید رضی رسیوں میں باندھ کر پیٹے جاتے حضرت عثمان رضی کو ان کے چچا نے [illegible] یہ سب کچھ

تھا مگر جو نشہ چڑھ چکا تھا وہ اترتا نہ تھا۔ یہ کیسا نشہ تھا یہ ساقی کوثر کے خمخانہ حجازیہ کا نشہ تھا۔

عزیزو! غور کا مقام ہے، یہ وہی وحشی عرب ہیں، بت پرست عرب، وہی بداخلاق عرب ہیں۔ یہ کیا انقلاب ہو گیا تھا ایک امی کی تعلیم، جاہل عربوں کو عالم [illegible] روشن دماغ اور متقی کیونکر بنا گئی۔ ایک نبی کے پیغام کا دانہ [illegible] پرست عربوں کو سپہ سالار اور جہاں دار بنا کر نصرت و قوت کا خزانہ کیسے عطا کر گیا۔ جو خدا کے نام سے بھی آشنا نہ تھے وہ ایسے خوب زندہ دار متقی، عابد [illegible] گذار کیسے ہو گئے تم نے دربار محمدیؐ یا مدینہ منورہ کی سیر کرلی، ہر رنگ اور ہر مذاق کے طالب علم دیکھے متقی بھی دیکھے فوجی بھی، غریب اور مسکین بھی دیکھے، شاہ و امیر بھی دیکھے غلام بھی دیکھے آقا بھی دیکھے، لڑنے والے بھی، مرنے والے بھی اور ایک شہیدوں کو بھی دیکھا! تم نے کیا فیصلہ کیا؟ اس کے سوا کیا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اخلاق اور صفات حسنہ کا ایک کامل مجموعہ تھی اور یہ سب انہی کی صحبت کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں جو کبھی صدیق و فاروق رضی بن کر چمکتی تھیں کبھی ذی النورین رضی اور مرتضیٰ رضی ہو کر [illegible] کبھی خالد رضی اور ابو عبیدہ رضی اور کبھی سعد و جعفر طیار رضی ہو کر سامنے آتی تھیں، کبھی ابن عمر رضی، ابوذر رضی، [illegible] ہو کر مسجد و محراب میں نظر آتیں، کبھی ابن عباس رضی [illegible] زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضی کی صورت میں علم و فن کی [illegible] اور عقل و حکمت کا دبستان بن جاتی تھیں اور کبھی بلال رضی صہیب رضی اور عمار رضی و خبیب رضی کی امتحان گاہوں میں استقلال [illegible] اور تسکین کا پیام بن جاتی تھیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

بزرگوں کی امانت — سیرتِ نبوی اصحاب کرام کے کمالات میں شہرۂ آفاق تصنیف — نادر تحفہ

تیسری صدی ہجری کی وہ عظیم الشان تصنیف جس کی نظیر چودہ صدی تک نہیں ملتی۔
جس سے استفادہ کئے بغیر تاریخ اسلام کا کوئی باب مکمل اور مستند نہیں ہوسکتا

طبقات ابن سعد

بےمثال اسلامی سرمایہ — نایاب اور مستند تاریخ سیرت

تالیف:- عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع الزہری متوفی سنہ ۲۰۳ھ

موجودہ دور کی تاریخ و سیرت کی کتابوں میں آپ نے اس کا حوالہ دیکھا ہے اب یہی عظیم تاریخ سیرت پہلی بار اردو میں

"ادارۂ انوریہ دیوبند شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے"

ہزار صفحات کی یہ جامع و مفصل کتاب قبل از اسلام دورِ جاہلیت سے لیکر تبع تابعین کے حالات زندگی تک مکمل مستند و عظیم ترین صدیوں سے اپنی مستند روایات اور انفرادیت کی بنا پر علماء، صلحاء، مورخین عوام سب کے لئے خصوصی اہمیت اور اعتماد کی حامل رہی ہے

جس میں

- بعثت نبوی سے قبل دور جاہلیت کی معاشرت۔
- سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔
- عہد نبوی کے غزوات و سرایا کی تفصیل۔
- خلفائے راشدین کے تاریخ ساز کارنامے۔
- اصحاب بدر (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے مکمل حالات۔
- مہاجرین و انصار کی اسلام کے لئے قربانیاں۔

مشہور طبقات ابن سعد سیرت نبوی اور غزوات کی تفصیل کے علاوہ تین ہزار صحابہ و تابعین کے حالات اور دیگر اہم واقعات پر مشتمل ہے یہ عظیم اسلامی سرمایہ عربی میں ہالینڈ سے شائع ہوا لیکن عوام تک نہیں پہونچ پایا اس لئے ادارۂ انوریہ دیوبند پہلی بار ہندوستان میں سلیس اور عام فہم اردو زبان میں پیش کر رہا ہے۔

اشاعتی پروگرام

یہ مفصل کتاب قسط وار پیش کی جائے گی۔ ہر تین ماہ میں ایک قسط ۲۰×۳۰ سائز کے ۱۴۴ صفحات پر مشتمل ہوگی قیمت صرف دس روپے۔ تمام ممبران کو ادارہ اپنے ڈاک خرچ پر ہر تین ماہ میں ایک قسط روانہ کرے گا ممبری فیس کچھ نہیں ایک خط لکھکر ممبر بن جائیے۔ اس اسلامی سرمائے کی اشاعت میں ادارہ کے ساتھ تعاون فرمائیے خود ممبر بنئے دوسروں کو بنائیے

خط و کتابت کا پتہ

ادارۂ انوریہ دیوبند یوپی

دارالعلوم دیوبند کا علمی دینی اصلاحی ماہنامہ

آئینۂ

دارالعلوم

زیر نگرانی

مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

مدیر مسئول

ریاست علی بجنوری

مدیر

شمس تبریز خاں

دار العلوم دیوبند کا علمی دینی

ماہنامہ دار العلوم دیوبند

قیمت

نگرانِ اعلیٰ
حضرت الحاج مولانا
مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہٗ
مہتمم دار العلوم دیوبند

مدیرِ مسئول
ریاست علی بجنوری

معاون مدیر
شمس تبریز خاں

جلد نمبر ۶۳ | نومبر ۱۹۸۲ء مطابق صفر المظفر ۱۴۰۳ھ | شمارہ ۲

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
حرف آغاز	ادارہ	۳
غزوۂ احد، مسلمانوں کی شکست یا فتح	مولانا کفیل احمد صاحب	۵
ایک غلط فہمی کا ازالہ دار العلوم دیوبند اور حضرت شیخ الحدیث	مولوی رضی الدین ...	۹
حضرات صحابہ کی للٰہیت اطاعت اور جذبۂ عمل	ادارہ	۱۳
دار العلوم کے شب و روز یکم رمضان سے یکم شوال تک	ادارہ	۲۰
حبِ رسولؐ ایمان کا جزء ہے	حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند	۲۹
فقہ حنفی کی مقبولیت	مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ	۳۳
دار العلوم دیوبند اور خدمت تجوید و قرأت	قاری ابو الحسن اعظمی استاذ تجوید و قرأت دار العلوم دیوبند	۳۷
نظم	مولانا افضال الحق جوہر قاسمی	۳۸

زرِ اشتراک

سالانہ ‎-/۱۸
ششماہی ‎-/۱۰
فی پرچہ ‎-/۲
ممالک غیر سے اسکے مساوی
علاوہ محصول ڈاک

طابع و ناشر
ریاست علی بجنوری

مطبوعہ
... پرنٹنگ پریس دیوبند

حرفِ آغاز

(مدیر مسئول)

بحمدللہ! رسالہ دارالعلوم کا تازہ شمارہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ہمارے دل شکرِ خداوندی کے جذبات
لئی مہینے سے رسالہ دارالعلوم کے شائع نہ ہونے پر قارئین محترم سے معذرت خواہ ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ سابق مدیر
اور ان کی جگہ مدیر کی حیثیت سے مجلس شوریٰ نے مولانا شمس تبریز خاں آروی صاحب کا انتخاب کیا، البتہ دارالعلوم
ال کی رعایت کرتے ہوئے احقر کو مدیرِ مسئول بنا دیا گیا، مدیر محترم نے پہلے تو مجلس شوریٰ کی تجویز کے مطابق کام سنبھالا
لیکن بعد میں انھوں نے اپنی چند مجبوریاں ظاہر کیں جن کو فوری طور پر حل نہیں کیا جا سکتا تھا، اس کے بعد حضرت مہتمم صاحب
نے احقر کو پابندی کے ساتھ رسالہ جاری کرنے کا مکلف قرار دیا، احقر کو تدریس اور تعلیمات کے کاموں سے اتنی فرصت
طرف متوجہ ہوتا، اس لئے رسالہ کی طباعت میں تاخیر پر تاخیر ہوتی رہی، لیکن اب حضرت مولانا وحید الزماں صاحب ناظم تعلیمات
کی بیرونی سفر سے واپسی کے بعد، احقر کی ذمہ داری بھی کم ہو گئی ہے اور رفتہ رفتہ دارالعلوم کے تمام کام مجلس شوریٰ کے زیرِ انتظام
پابندی ہے کہ مدیر محترم بھی تشریف لے آئے ہیں تو انشاء اللہ اب رسالہ دارالعلوم بھی پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہوتا رہے گا۔
محترم کو معلوم ہے کہ ماہ رجب کے اواخر میں دارالعلوم کی تعلیم کا باقاعدہ نظم ہوا، تعلیمی نقصان کی تلافی کیلئے رمضان شریف
جاری رہے پھر ۲ شوال سے ۱۴ شوال تک سالانہ امتحانات لئے گئے اور اس کے فوراً بعد ۱۵ شوال سے جدید داخلے ہوئے
مسلسل تعلیمی نقصان کے بعد مجلس شوریٰ کے زیرِ انتظام کھلنے والے دارالعلوم پر چونکہ پورے ملک کی نظریں لگی ہوئی تھیں اس لئے
زیادہ داخلے کی درخواستیں وصول ہوئیں، صرف چند ہی روز میں ۲۰ شوال تک ۱۷۸۰ جدید فارم تقسیم ہو گئے، امتحانِ داخلہ
لے لیا گیا، سفارشوں کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے اس لئے بہت سے امیدواروں نے فارم حاصل کرنے کے باوجود امتحان میں
تقریباً بارہ سو امیدوار شریک امتحان ہوئے اور انتہائی مراعات کے باوجود صرف ۴۹۰ طلباء کامیاب ہو کر درجہ مطلوبہ کے مستحق قرار
دیئے، ناکام طلبہ کو بھی حسب سابق داخلہ سے محروم نہیں کیا گیا بلکہ انہیں حسب استعداد درجہ میں داخلہ کی سہولت دی گئی۔ قدیم
سے ۳۰۰ طلبہ فراغت کے بعد چلے گئے اور ایک ہزار طلبہ ابھی مقیم ہیں، اس طرح قدیم و جدید عربی کے طلباء کی تعداد اس وقت
تعداد ہے، جماعت وار تفصیل حسب ذیل ہے۔

اول ۷۹ سال دوم ۱۰۶ سال سوم ۲۰۲ سال چہارم ۱۹۲ سال پنجم ۲۳۸ سال ششم ۳۱۰
ہفتم ۲۵۹ دورۂ حدیث ۲۹۴ تکمیل تفسیر ۳۷ تکمیل دینیات ۴۰ تکمیل ادب ۵۸ تخصص ۶
عربی ۱۰ اردو خصوصی ۵۰ شعبۂ فارسی ۳۲ کتابت ۲۸ دارالصنائع ۲۱ دارالافتاء ۱۵
دینیات ۸۰ حفظ ۱۳۶ جامعہ طبیہ ۹۹ ـــ

۲۴.. طلباء میں سے دو ہزار کی تعداد دارالعلوم کے اندر قیام پذیر ہے، اور تعداد کے اس اضافے نے متعدد مسائل پیدا کر دیئے
ہو گئی ہیں، درسگاہوں میں تنگی پیدا ہو گئی ہے، امداد کا عدد نو سو سے بڑھا کر پندرہ سو کر دیا گیا ہے مگر اس کے باوجود
امداد سے محروم ہو گئی ہے، سال دوم سے لیکر سال ہفتم تک کے تمام اسباق کی دو دو جماعتیں بنا دی گئی ہیں اور ان کی
ہو گئی ہے اور درسی کتابوں میں بھی کمی رہ گئی اور مجلس شوریٰ کو صرف کتابوں کی خریداری کیلئے ایک لاکھ سے زائد کی

[illegible] تا ہیں خریدی جا رہی ہیں اور ابھی تک [illegible] ضرورت قائم ہے کہ [illegible]
[illegible] تام کی جگہ نہیں مل سکی ہے اور بیرونے ڈاکٹر [illegible] یوں میں مقیم ہیں۔ تیرہ جدید اساتذہ کا تقرر عمل میں آچکا ہے مگر ابھی مزید اساتذہ [illegible]

۴— طلبہ کی اس بڑھتی ہوئی تعداد نے انتظامیہ کیلئے مشکلات ضرور پیدا کی ہیں اور دارالعلوم کا بجٹ تقریباً ڈیڑھ گنا ہو گیا ہے مگر ان تمام چیزوں پر بفضل خداوندی قابو پانے کی کوشش کی جا رہی ہے، اور اس کا ایک خوش آیند پہلو یہ ہے کہ دو سال کے ہنگامی حالات نے دار [illegible] کے اعتماد و رسوخ کو جو نقصان پہنچایا تھا اس کی اس طرح عملی تردید ہو گئی ہے، ابتدائے سال میں قیاس کیا جا رہا تھا کہ شاید اس سال دارالعلوم [illegible] رخ کرنے والے طلباء کی تعداد کم ہو گی لیکن جوں ہی حالات میں اعتدال آیا، علمی بہاروں کے قافلے خیمہ زن ہوئے اور علوم و رسالت کا [illegible] ابر گہر بار برسنا شروع ہوا تو چاروں طرف سے صہبائے علوم کے متوالے سمٹ آئے اور تعداد امید سے کہیں زیادہ ہو گئی، اس تعداد سے دارالعلوم کے بارے میں سابق انتظامیہ کے پھیلائے ہوئے تمام اوہام و خیالات کافور ہو گئے، نظم و نسق اور تعلیم میں استحکام پیدا ہو گیا۔

اور شاید اسی استحکام کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے استعفا پیش کر دیا، یعنی جب تک انہیں یہ خیال [illegible] کہ اس سربراہی کیلئے ان کی ضرورت ہے وہ بازیابی کی سعی کرتے رہے اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ دارالعلوم کا سفینہ ہزار مخالفتوں کے باوجود منجدھار سے نکل گیا ہے تو انھوں نے باعزت علیحدگی میں عافیت سمجھی اور انھوں نے جو استعفیٰ لکھا اس میں منصب اہتمام سے علیحدگی کا [illegible] بالکل صاف تھا، لیکن قاری صاحب کی یہ سلامت روی اُن کے مقدم بانعامیوں کیلئے پریشانی کا سبب بنی اور ان نا عاقبت اندیش لوگوں نے اس کی بیجا تاویلات پر انہیں مجبور کیا۔ قاری صاحب کے استعفے کا متن یہ تھا۔

بخدمت فیض درجت حضرات اراکین شوریٰ دارالعلوم دیوبند

آج سے اٹھاون سال قبل حضرات اکابر رحمہم اللہ کے حسب الحکم احقر نے اپنی طالب علمانہ افتادِ طبع کے برخلاف محض تعمیلاً للامر کارِ اہتمام دارالعلوم سنبھالا، آپ حضرات میں چند بزرگ ابھی وہ بھی بحمد اللہ موجود ہیں جو اس دور کے اکابر رحمہم اللہ کے طرزِ تربیت و شفقت اپنے خوردوں کے ساتھ اور اصاغر کا مطیعانہ طرزِ عمل اپنے بڑوں کے ساتھ دیکھنے والے ہیں، ان کو شاہد بنا کر یہ کہنے میں احقر اپنے آپ کو حق بجانب جانتا ہے کہ دارالعلوم کے اس تعلق کے بارہ میں از اول تا آخر یہی اعتقاد و یقین قلب میں راسخ رہا کہ یہ اپنی آخرت ہے دنیا نہیں ہے، اسی اعتقاد و یقین پر یہ اٹھاون سال کا زمانہ گذرا، لیکن اجلاس ۱۴۰۰ھ کے بعد ایسے امور پیش آئے کہ جن کا کبھی تصور و خیال بھی خدام و وابستگان دارالعلوم کے وہم و گمان میں نہیں آسکتا تھا، فتنوں کا ایک عظیم سیلاب اٹھا جس میں بہت سی چیزیں احقر کے ذوق اور حضرات اراکین شوریٰ کے ساتھ احقر کے باحترام قدیم تعامل کے خلاف پیش آئیں، احقر کا دارالعلوم کے ساتھ جو روحانی اور خادمانہ تعلق رہا ہے وہ زندگی کے آخری سانس تک باقی رہے گا اور اس کے تحت کسی بھی ممکن خدمت سے کبھی دریغ نہ ہو گا، لیکن حالات موجودہ احقر اس رسمی تعلق سے استعفا پیش کرتا ہے، فتنہ کے دوران جو غلطیاں ہوئیں اور ایسے حالات پیش آئے جو [illegible] ان سے معذرت کرتا ہوں۔ زیادہ احترامات

[illegible] مجلس شوریٰ کے [illegible] استعفے میں کہیں بھی سابق کی جبری [illegible] کے ہنگامہ اور [illegible] کا ذکر نہیں [illegible]
[illegible] منصب [illegible] اکابر رحمہم اللہ کی ہدایت پر [illegible] منصب کو محض تعمیلاً للامر سنبھالنے [illegible]
[illegible] مزید [illegible] استعفیٰ [illegible] کہی گئی ہے اور آخر میں مجلس شوریٰ کی بالادستی کو تسلیم کرتے [illegible]
[illegible]

میرا استعفیٰ اس ... کی ... [illegible]

[illegible] کی حیثیت وقف شدہ کی نہیں رہتی بلکہ وہ سوسائٹی کی منتظمہ کمیٹی کی قانوناً بن جاتی ہے اسے عوام کو غلط [illegible] مجلس شوریٰ کہا جارہا ہے حالانکہ مجلس شوریٰ کی حیثیت رجسٹریشن کے بعد ختم ہو چکی ہے) اس غلط پروپیگنڈے [illegible] میں یہ وضاحتی بیان اخبارات کو بھیج چکا ہوں کہ میرا استعفیٰ سوسائٹی ایکٹ کے نظم سے ہے جس میں میرا نام بھی [illegible] کیا جارہا ہے، دارالعلوم کے منصب اہتمام سے نہیں ہے

[illegible] اشتہارات میں اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر رجسٹریشن کو خلاف شرع قرار دیتے ہوئے یہ کہا جارہا ہے کہ رجسٹرڈ مجلس شوریٰ کے [illegible] دارالعلوم کو دیجانے والی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، چنانچہ مجبوراً ان غلط بیانات کی تردید میں حضرت مولانا مرغوب الرحمان صاحب کے [illegible] میں الزامی طور پر یہ بات کہی گئی ہے کہ اگر واقعۃً رجسٹریشن خلاف شرع تھا تو کیوں یہ کام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب [illegible] سال پہلے اس کو اپنے دستخط سے کرایا اور پھر کیوں وہ اس کی تجدید کراتے رہے اور اگر رجسٹریشن کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی بھی درست [illegible] حضرت قاری صاحب اتنے طویل عرصہ تک زکوٰۃ و صدقات کی رقمیں وصول کر کے ان کو صرف فرماتے رہے، اس الزامی جواب [illegible] حقیقت کے طور پر اس بیان میں کہا گیا ہے کہ حضرت قاری صاحب کی جانب سے کی جانے والی ان بیجا تاویلات کی بنیاد یہ ہے [illegible] حالات میں منصب اہتمام کے موروثی ہونے کا دعویٰ دائر کر رکھا ہے اور رجسٹریشن کے بعد وراثت کے اس غیر شرعی نقطۂ نظر کی کوئی بنیاد نہیں تھی ———— ان حقائق سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اصل مسئلہ مجلس شوریٰ اور رجسٹریشن [illegible] کے جواز اور عدم جواز کا نہیں ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ مجلس شوریٰ اس ملی ادارے کے بقا و تحفظ اور ترقی کیلئے اس کو ذاتی [illegible] مجلس شوریٰ یہ چاہتی ہے کہ اس قومی امانت کے تمام کام صلاحیت و اہلیت کی بنیاد پر انجام پائیں جبکہ حضرت قاری [illegible] حامی حضرات اس ملی امانت کو ذاتی وراثت بنا ڈالنے کے غیر شرعی نقطۂ نظر کیلئے کوشاں ہیں، اور اب الحمد للہ ان کی تمام [illegible] ———— حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی ان حیرت انگیز تضاد بیانیوں میں ایک موثر عامل

ان ستر ملازمین کی ملازمت کا تحفظ بھی ہے جو مجلس شوریٰ کی تین بار کی دعوت و رعایت کے باوجود محض خوش فہمی کی [illegible] سے انکار کر دیا اور تعلق منقطع کر لیا۔ ان ملازمین میں بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جن کے ذمہ دارالعلوم کی علی الحساب کی بڑی [illegible] ان پر [illegible] الزامات ہیں اور یہی حضرات دارالعلوم کے ہر طرح فعال ہو جانے کے بعد بھی جامع مسجد میں متوازی دارالعلوم [illegible] حضرات ہیں جو سال گذشتہ مارچ اپریل وغیرہ میں تعلیم جاری رکھنے والوں کو متوازی دارالعلوم قائم کرنے کا سنگین الزام [illegible] اور ان دنوں زیر تعلیم طلبائے عزیز کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی قرار دینے میں انہیں کوئی باک نہیں تھا لیکن آج دارالعلوم کے [illegible] بعد دارالعلوم میں آنے والے تمام طلبائے عزیز کو داخلے کی مکمل سہولت کے باوجود یہ لوگ محض ریشہ دوانیوں کیلئے متوازی کی [illegible] کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے، ان متوازی دارالعلوم کو جاری رکھنے میں انہیں سب سے زیادہ دلچسپی اس لئے ہے کہ وہ [illegible] ان سے حاصل کیجانے والی رقموں سے اپنے مقدمات کی پیروی کرتے رہیں اور کسی نہ کسی طرح ان کے ہاتھ میں ایک ذریعہ آمدنی بھی [illegible] میں جواب دہی کا تصور شاید انہیں بیتاب کرتا ہو کہ ان کے معاملات میں اس کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی اور حیرت [illegible] یہ ہے کہ پورے ہندوستان میں مسلک دارالعلوم اور صراط مستقیم کے کھلے مخالف، جماعت اسلامی کے ہمنوا دارالعلوم کی [illegible] کرنے کی جدوجہد میں ان کو آلۂ کار بنائے ہوئے ہیں ——— ایسی صورتحال میں ہم اس کے سوا کیا کر سکتے ہیں کہ [illegible] میں بصد عجز و نیاز اور بخلوص قلب یہ دعا کریں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے سب کیلئے قبول حق کے دروازے کھولدے، غلطیوں سے [illegible] توفیق عطا فرمائے اور دارالعلوم کو نقصان پہنچانے والوں کو اس طرز فکر سے توقف کرنے کی ہمت عطا فرمائے اور [illegible] ذاتی مفادات کے لئے مجلسوں کی زد پر رکھنے والوں کے منصوبوں کو ناکام بنا دے۔

اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ ــــ

غزوۂ احد

مسلمانوں کی شکست یا فتح

ایک غلط فہمی کا ازالہ

از ——— کفیل احمد صاحب علوی مدرس دارالعلوم دیوبند

عام طور سے مؤرخین اس جنگ میں مسلمانوں کی شکست تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اگرچہ اس جنگ میں مسلمانوں کا نقصان زیادہ ہوا تاہم بنیادی طور پر کامیابی بھی مسلمانوں ہی کو حاصل رہی۔

غور اس پر کرنا ہے کہ مشرکین جو جنگ بدر کا انتقام لینے کے لئے سال بھر سے زبردست تیاریوں میں مشغول تھے۔ مدینہ طیبہ پر اچانک بھرپور حملہ کرنے کے لئے ابوسفیان کی قیادت میں نکلے ہیں۔ روایات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑائی کی دعوت نہیں دیتے اس کے لئے کوئی میدان اور دن متعین نہیں کرتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو، مسلمانوں کو تباہ کرنے اور مدینہ کو تاراج کرنے کے [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا حضرت عباس کے ایک خط سے مشرکین کا یہ خطرناک منصوبہ معلوم ہو گیا تھا۔ آپ نے مسلمانوں سے ضروری مشورے کے بعد صحابہؓ کی ایک جمعیت لے کر پیش قدمی فرمائی اور تین ہزار سے اوپر کے لشکر جرار کو مدینہ سے کئی میل دور "احد" پر روک دیا۔ مدینہ تک نہیں پہنچنے دیا جو ان کا اصل منصوبہ تھا۔ وہ تو کیا کل [illegible] سمجھے ہوئے تھے کہ مدینہ کے باغات [illegible] دولت [illegible] اور نوجوان عورتیں ہاتھ آئیں گی۔ بتائیے یہ مسلمانوں کی کامیابی ہے یا مشرکین کی؟

جنگ ہوتی ہے اور [illegible] کا [illegible] تقریباً [illegible] [illegible] طرح [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کر رہے [illegible]

جوان عجلت پسندی، فوری غنیمت یا فرطِ خوشی سے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ دراصل ان حضرت ابن جبیر کی قیادت میں جنگی اہمیت کے ایک ٹیلے پر مقرر کیا گیا تھا اور تاکید فرمادی گئی تھی کہ صورت حال کچھ بھی ہو تمھیں ہر حالت میں اس اہم مورچے پر مسلط رہنا ہے۔ تمہارا کام عقب سے آنے والے خطروں کو روکنا ہے۔ مگر ان میں سے فتح کا رنگ دیکھ کر اکثر ٹیلے سے اتر آئے اور مالِ غنیمت حاصل کرنے میں شریک ہو گئے۔

ادھر خالد بن ولید جو اس وقت تک اسلام سے وابستہ نہیں ہوئے تھے، قریش کی صف میں تھے۔ ان کی تیز نگاہیں اس اہم مورچہ پر لگی ہوئی تھیں اور عکرمہ بن ابوجہل کے رسالوں کو لیکر مورچہ کی طرف بڑھ گئے۔ عبداللہ بن جبیر اور ان کے چند ساتھیوں نے جو ٹیلے پر ڈٹے ہوئے تھے ممکن حد تک خالد کو روکنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکے۔ بالآخر لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ خالد نے ذرا سا بھی توقف کئے بغیر لشکر کے ساتھ بڑھ کر مسلمانوں کے عقب پر حملہ کر دیا اور پھر سے گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ شور و پکار کی آوازیں سنکر وہ مشرکین بھی لوٹ آئے جو ابوسفیان کے لشکر کا تعاقب کرتے ہوئے کافی دور نکل گئے تھے۔

خالد بن ولید کے شدید حملوں کے بعد جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ مسلمان منتشر ہو رہے تھے، مشرکین کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ میدانِ جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر بھی گشت کر رہی تھی جس سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے کچھ یہ بھی کہنے لگے تھے کہ جب آپ ہی شہید ہو گئے تو اب کس کے لئے لڑیں۔ لیکن فوراً ہی احساس ہوا کہ جب آپ ہی نہیں رہے تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے، پھر جنگ میں مصروف ہو گئے۔ پھر جلد ہی کعب بن مالکؓ کی اس بلند صدا نے

کہ "اے مسلمانو! مبارک ہو تمھارے آقا زندہ ہیں" ان میں ایک نئی طاقت، نئی روح، نئی امنگ اور نیا جوش پیدا کر دیا۔ اب ان کی تلواریں بجلیاں بن گئیں، انھیں چمکیں اور تیزی کے ساتھ دشمنوں پر پڑنے لگیں۔ تھوڑے عرصہ تک لڑائی چلتی رہی آخر کار دونوں لشکر الگ الگ ہو گئے، لڑائی بند ہو گئی۔ ابوسفیان اپنے لشکر کو احد کی بلندی پر لیجانا چاہتا تھا۔ لیکن آپؐ نے اسے اس کا موقعہ نہیں دیا اور مسلمانوں کو اشارہ فرمایا کہ تم لوگ پہاڑ پر چلو۔ ابھی مسلمان احد پر نہیں پہونچے تھے کہ ابی بن خلف آنحضرت ؐ کو للکارتا ہوا سامنے آیا، گھوڑے پر سوار تھا، لوہے میں غرق تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود صحابہ کے ہر چند روکنے کے اس کے مقابلہ پر آ گئے۔ یہ دیکھ کر کافر لاف زنی کرنے لگا کہ "اے محمد! میں نے یہ گھوڑا بڑی محنت سے پالا ہے، میں اسی پر بیٹھ کر تجھے قتل کروں گا۔ اور یہ نیزہ اسی مقصد کے لئے میں نے خود تیار کیا ہے"۔ آپؐ نے نہایت اطمینان سے فرمایا۔ "تو نہیں، میں ہی تجھے قتل کروں گا اور تو اسی گھوڑے پر ہو گا"[1]

ابی بن خلف نے طیش میں آکر نیزہ کا وار کرنا چاہا لیکن قبل اس کے کہ وہ بھرپور وار کرتا آپؐ نے حارث بن صمہؓ سے نیزہ لے کر اور تیزی سے بڑھ کر نیزہ کا ہلکا سا کچوکا اس کی گردن پر لگایا جس پر وہ ظالم اس زور سے چیخا کہ سارا کوہستان سر پر اٹھا لیا، یہ دیکھ کر اس کے ساتھی بڑھے اور اس کو اٹھا کر اپنے پڑاؤ میں لے گئے وہ بے تحاشا چیختا جاتا تھا ساتھی سمجھا رہے تھے کہ یہ تو معمولی سی ایک خراش ہے جو بہت جلد ٹھیک ہو جائے گی تم کیوں اس بری طرح تڑپ رہے ہو[2]

---

[1] ارشاد الکت۔
[2] تاریخ الخمیس

اس پر ابی بن خلف نے تڑپتے ہوئے کہا اس معمولی خراش کی کس قدر تکلیف ہے اسے میرا ہی دل جانتا ہے۔ خدا کی قسم اگر یہ خراش حجاز کے تمام لوگوں پر تقسیم کردی جائے تو وہ سب کے سب ہلاکت سے نہ بچ سکیں گے ___ یہ ظالم دشمن رسول اسی تکلیف میں مکہ پہونچنے سے قبل ہی جہنم رسید ہوگیا[1]

اس کے بعد اجا جید گھوڑے بھگاتا ہوا آگے بڑھا اور دریدہ دہنی کرنے لگا جسے ابودجانہ رض نے دبوچ لیا اور قتل کر دیا ___ غور فرمائیے! ابوسفیان کا لشکر اپنے دو سورماؤں کو ذلت کے ساتھ موت کے گھاٹ اترتے ہوئے دیکھ رہا ہے مگر اتنی جرأت اور حوصلہ نہیں کہ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں جبکہ مسلمان سامنے ہیں۔ یہ تھی اس جنگ کی انتہا۔ اب ایک نظر اسکی ابتداء پر ڈال لیجئے۔

دونوں لشکر آمنے سامنے آجانے کے بعد سب سے پہلے قریش کا علم بردار طلحہ بن عثمان اپنی صف سے نکلا، حضرت علی رض سے مقابلہ میں مارا گیا[2] اس کے بعد طلحہ کے بھائی ابوشیبہ نے علم برداری کی ذمہ داری قبول کی جسے حضرت حمزہ رض نے قتل کر دیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے کچھ دیر کے اندر اندر قریش کے بائیس علم بردار مارے گئے۔ جن کے نام تفصیل کے ساتھ سیرت ابن ہشام جلد دوم میں مذکور ہیں اور اسلامی لشکر کے صرف ایک علم بردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ اس کے بعد جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس رہا۔

غور فرمائیے! جنگ کے دونوں سروں پر مسلمان غالب رہا پھر ہم کیسے سمجھیں کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوگئی؟ اگر شکست اس لئے کہا جا رہا ہے کہ شدت جنگ کے وقت کچھ مسلمان میدان سے ہٹ گئے تھے تو خود مشرکین بھی سخت دباؤ پڑنے پر میدان چھوڑ بھاگے تھے۔ دو چار یا دس پانچ نہیں سامنے کے سبھی لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اگر شکست یوں کہی جا رہی ہے کہ اس لڑائی میں مسلمانوں کا نقصان زیادہ ہوا تو یاد رکھئے کہ نقصان کی کمی یا زیادتی پر فتح و شکست کا فیصلہ کہیں بھی نہیں کیا جاتا۔ اگر شکست یوں تسلیم کی جا رہی ہے کہ ابوسفیان اس جنگ میں اپنا پلہ بتا رہا ہے تو یہ بھی سراسر غلط ہے انہیں اپنے بنیادی مقصد میں کسی طرح کامیابی نہیں ہو پائی۔ کیونکہ ان کا مقصد مسلمانوں کو مٹانا اور مدینہ کو تاراج کر دینا تھا درآنحالیکہ مسلمان بھی اللہ کے فضل سے موجود ہیں اور ان کے عظیم رہنما بھی، نیز مشرکین کو ان کی منزل تک پہونچنے بھی نہیں دیا گیا۔ پھر شکست کے کیا معنی؟

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ احد سے پہلے مسلمان نہیں لوٹے۔ خود ابوسفیان آئندہ سال بدر کے میدان میں لڑائی طے کر کے واپس گیا ہے۔ اور مسلمان پورے اطمینان سے اپنے شہداء کی تدفین کر کے واپس لوٹے ہیں۔

درحقیقت شکست کی صورت میں اجتماعی طور پر ہتھیار ڈالدئے جاتے ہیں۔ فاتح دور تک مفتوح کا تعاقب کرتا ہے۔ کتنی ہی گرفتاریاں عمل میں آتی ہیں جیسے جنگ بدر میں ہوا تھا، یا دنیا کی دوسری جنگوں میں ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہیگا ___ تاریخ میں کہیں بھی نہ تو مسلمانوں کا پیچھا فرار ملتا ہے اور نہ کوئی گرفتاری۔ بلکہ اس کے برعکس خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تدفین شہداء سے فارغ ہو کر ایک دستہ مشرکین کے تعاقب میں روانہ کرتے ہیں اور قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ اگر ان لوگوں کا قصد پلٹنے کا ہے یا ان کا رخ مدینہ طیبہ کی طرف ہے تو خدا کی قسم ہم آخر

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۲ [2] طبری

بھاگے: لے

ان واقعات کی روشنی میں یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مؤرخین کیسے مسلمانوں کی شکست کا فیصلہ فرما رہے ہیں؟ اگر رسول اللہ صلعم کے اپنے لشکر کو لے کر پہاڑ کی بلندی پر جانے کو شکست سمجھا جا رہا ہے تو خود ابوسفیان سے پہلے اس مقام پر جانا چاہتا تھا جس کا موقع نہیں مل سکا ــــ اگر واقعتاً ابوسفیان فاتح کی پوزیشن میں تھا تو اس کو یہاں بھی ان کا پیچھا کرنا چاہیئے تھا، پہاڑ پہنچ جانا تو مشکل کام نہیں تھا یا پھر دو چار دن مسلمانوں کے اترنے کا انتظار ہی کرتا۔ آخر قلعہ بند لڑائیوں میں دشمن کئی کئی ماہ اور بعض موقعوں پر کئی کئی برس قلعوں کا محاصرہ کئے رہے ہیں یا نہیں؟

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے ڈر کر اُحد پر نہیں گئے۔ اور اگر فرض محال میں یہ مان بھی لیا جائے کہ مسلمان لڑائی سے گھبرا کر اونچائی پر چلے گئے تھے تو بھی ان کے اس عمل کو شکست سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جنگی حکمت عملی کے تقاضے ہوتے ہیں جنہیں پورا کیا جانا اصولی طور پر ضروری ہوتا ہے۔ بعض دفعہ قلعہ بند ہو کر لڑا جاتا ہے بعض دفعہ کھلے میدان میں، اور بعض مرتبہ پیچھے ہٹ کر دشمن پر ضرب لگائی جاتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ خود ابوسفیان ہی جنگ سے جان چھڑا کر بھاگنا چاہتا تھا، وہ اسی کو بسا غنیمت سمجھ رہا تھا کہ ہم شکست فاش سے بال بال بچ گئے۔ اسی لئے بعجلت واپس ہوا۔ مسلمانوں کے حوصلے پوری طرح بلند تھے وہ منتظر تھے کہ ممکن ہے کہ دشمن کا رخ مدینہ کی طرف ہے یا وہ واپس مکہ کی طرف آنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اسلامی لشکر آگے جنگ کے لئے تیار ہے ـــ اب آیئے ایک جائزہ دوسری طرف کا بھی لیں۔

ابوسفیان اُحد سے روانہ ہو کر روحاء میں ٹھہرا[۲]، اگلی صبح جو صورت حال پیش آئی ہے بہت کم لوگ ہیں جو اس جنگ کو اپنی فتح بتا رہے ہیں ورنہ زیادہ تر اس صورت حال کو اپنی مکمل ناکامی ٹھہرا رہے ہیں۔ ایک دوسرے پر لعن طعن کر رہے ہیں سپاہی افسران کو برا بھلا کہہ رہے ہیں اور لشکر کی تمام تر ذمہ داری ابوسفیان پر ڈال رہے ہیں[۳]۔ ادھر قبائل کے نوجوان برہم ہیں وہ اس جنگ کو قطعی بے نتیجہ بتا رہے ہیں انہیں مدینہ کی دولت کا اور نوجوان لڑکیوں کا لالچ دے کر ساتھ لایا گیا تھا، ملا کچھ بھی نہیں۔ سرے سے مدینہ تک پہنچنا نہیں ہو پایا اسلئے وہ عام طور سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ "تم سے کچھ نہیں ہو سکا محمد زندہ ہیں، ان کی جمعیت ہے، ان کے اشراف موجود ہیں اور ہم واپس چلے جا رہے ہیں[۴]"۔

ابوسفیان کا واپسی پر یہ کہنا بھی غلط ہے کہ:

یوم بیوم بدر والحرب سجال — آج کا دن بدر کے دن کا، ہم تم برابر ہو گئے۔ لڑائی تو ڈول کی مانند ہے کبھی اوپر اور کبھی نیچے۔

اس لئے کہ جنگ بدر میں ستر مشرکین گرفتار ہوئے تھے اور یہاں ایک بھی مسلمان گرفتار نہیں ہو سکا پھر برابری کیسی؟ یہ تمام مکہ والے میدان چھوڑ کر بھاگ پڑے تھے، حتیٰ کہ اپنے ابوجہل کی بھی پرواہ نہیں کی تھی وہ زخمی حالت میں پڑا تڑپتا رہا اور یہ سب بھاگم بھاگ کر پہنچتے رہے۔ اور یہاں مسلمانوں کے پیغمبر بھی اللہ کے فضل سے موجود تھے اور ان کے ساتھی بھی۔ پھر برابری کا کیا مطلب۔!؟

لے ... سعد مطبوعہ ادارہ تبلیغ دینیات دیوبند یوپی ... تاریخ ارض مقدس ... تاریخ العراق ... واقدی ... تاریخ العراق۔

دار العلوم دیوبند اور

حضرت شیخ الحدیثؒ

رضی الدین مُغیثی۔ متعلم دار العلوم دیوبند۔

روضۂ علم وفن دار العلوم دیوبند میں ہر طرف امن پرور اور سکون آفریں گھٹائیں سایہ فگن تھیں۔ نور تجلی کی اس بستی کو خاموشی وسنجیدگی کی فضا ہائے کی طرح محیط تھی، مرغانِ چمن اپنی علمی نغمہ سنجیوں میں مصروف ومگن تھے کہ ۲۴ مئی کی شب میں گیارہ بجے مرکز نظام الدین نئی دہلی سے بذریعہ ٹیلی فون موصول ہونے والی یہ الم انگیز اور درد افزا خبر خرمنِ امن وسکون پر برقِ خاطف بنکر کوندی کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کا طائر روح اس قفس عنصری سے پرواز کرکے واصل بحق ہوگیا، عرفان وتصوف کا روشن چراغ گل ہوگیا آفتابِ فضل وکمال ماہتاب علم وحکمت ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

روح وجسم کو تڑپا دینے والی یہ خبر تیز وتند ہوا کی طرح چشم زدن میں پورے دیارِ علم وفن میں پھیل گئی۔ ایک دم رنگ منقلب ہوگیا، قہقہے سسکیوں میں بدل گئے، فضا افسردہ ہوگئی، ایک کہرام سا مچ گیا، لوگ کلیجہ تھام کر رہ گئے، کسی کو حادثہ کا یقین ہی نہ آتا تھا مگر مشیت ایزدی میں کون دم مار سکتا ہے اب بجز صبر وشکر کے چارہ کار ہی کیا تھا۔ مادر علمی کے ہونہار فرزند محوِ حیرت، خیالوں کے ہجوم میں غلطاں وپیچاں اپنے ربّ وحید کی بارگاہ میں قرآن حکیم پڑھ پڑھ کے دعائیں کرتے رہے تمام رات یہی خیال سوہان روح بنا رہا۔ نہ قلب محزون ومغموم کو قرار وسکون تھا اور ...... نہ آنکھوں میں نیند وآرام۔ شب کا یہ بھیانک منظر پہاڑ کھانے کو آتا تھا خدا خدا کرکے رات کٹی۔ فجر کی اذان کا پہلا بول سماعت سے ٹکراتا تھا کہ یہ شکستہ خاطر اور پراگندہ حال طالبانِ علوم نبوت خالق ارض وسما کے دربار میں نماز ادا کرنے کے لئے چل پڑے۔ مسجدیں بھی سوگوار اور رنج والم کی منہ بولتی تصویریں نظر آتی تھیں نماز فجر کے بعد دار العلوم دیوبند کی اولین عمارت نودرہ میں کلام اللہ اور کلمہ طیبہ کے ختم کا اہتمام کیا گیا۔ ایصال

تمام طلبا، اور اساتذہ کرام نے شرکت کی۔ اسی دارالا ہے متصل مشرقی ہال کرے بھی کھول دئے گئے تھے اور احاطے کے مستطیل صحن احاطہ مولسری میں بھی طلبہ کا ہجوم تھا۔ ختم کے بعد اکابر دارالعلوم نے جہاں علم و آگہی کے اس سرچشمہ کے خشک ہو جانے پر اظہار تاسف و الم کیا وہیں دریائے جذب و سلوک کے اس شناور کا اپنے اور دارالعلوم سے ربط و تعلق نیز شیخ کے بعض پہلوؤں پر بھی اجمالی روشنی ڈالی اس کے بعد تمام حاضرین خدا کے جناب میں دست بدعا ہوگئے، جدائی سے رنجور دل تڑپ اٹھے آنکھوں سے اشکہائے غم کا سیلاب جاری ہوگیا۔ جذبات سے بے قابو ہوکر آہیں بلند ہوگئیں۔ صبر و ضبط کے نازک شیشوں کے پاش پاش ہونے کی وجہ سے پورا مجمع چیخ اٹھا۔ تحمل و برداشت کا دامن ہاتھ سے چھوٹ کر تار تار ہوگیا اس حادثۂ فاجعہ کے وقوع پذیر ہونے کی وجہ سے ۲۵ مئی کو تعطیل رہی اور تعلیمی شعبوں کے علاوہ دارالعلوم کے دوسرے تمام شعبے اور دفاتر بند رہے۔ دن بھر فضا سوگوار رہی اور دارالعلوم غمکدہ بنا رہا جس کو دیکھو وہی تصویر غم نظر آتا تھا، دل و دماغ پر فرقت کی گھٹائیں مسلط تھیں۔ اس قاسمی چمن کے گلوں کی بے رنگی اور پژمردگی سے کلیجہ منھ کو آتا تھا نہ خورد و نوش میں لذت تھی، نہ نشست و برخاست میں لطف، نہ گفت و شنید میں مزہ،

رنج

و غم کی موجیں تلاطم خیز تھیں ہر چہرہ اداس اور ہر آنکھ اشکبار تھی۔ علم و تحقیق کے اس گل شدہ شمع کے جاں نثار پروانے غم میں نڈھال و ملول اور جدائی کے سبب آزردہ تھے۔ ذہن و احساس پر بُعد و ہجر کے بادل منڈلا رہے تھے۔ مجروح قلوب پر خیالوں کا ہجوم و اژدہام تھا۔ طوفانِ غم میں اس ڈوبتی کشتی کو صرف ایک تسلیوں کا آسرا تھا۔ تمام دن خاموشی اور سناٹے کا عالم رہا اور ہر شے پر اداسی چھائی رہی۔ اضلاع انجمنوں کی جانب سے تعزیتی پیغامات آتے رہے اور اس دبستانِ فن و ادب کی آشفتہ نوا بلبلیں بھر انفرادی طور پر بھی ایصالِ ثواب اور دعاؤں کا بازار گرم کیے رہیں اور اجتماعی طور پر بھی یہ غم اور سینہ فگار طلبۂ کرام ختم و دعا کی مجلسیں منعقد رہے۔ چنانچہ ظہر بعد پھر نودرہ میں ہی ختم کلام ا ہوا۔ اور اختتام پر دعا ہوئی۔ عصر کے بعد دارالعـ کی پر شکوہ مسجد میں کلمۂ طیبہ کا ختم ہوا اور یہ مجلس دعا پر اختتام پذیر ہوئی۔ طلبائے دورۂ حدیث جانب سے مغرب بعد متصلاً دارالحدیث فوقا میں پھر ایک ختم شریف کی مجلس انعقاد پذیر ہوئی عشا ر تک جاری رہی۔ برصغیر کی سرزمین پر دارا کے نام کی پہلی عمارت دارالعلوم دیوبند کی دارا تحتانی میں عشاء کے بعد جمعیۃ الطلبہ کی جانب اس یکتائے روزگار اور ممتاز عصر شیخ الحدیث انتقال پُرملال پر تعزیتی اجلاس منعقد کیا گیا جس نورِ تجلی کی اس مثالی اور تاریخ ساز بستی کے تمـ باشندوں نے شرکت کی۔ بعض اساتذۂ کرام او نے شیخ کو خراجِ تحسین و عقیدت پیش کیا اپنے زاویۂ نگاہ اور نقطۂ نظر سے شیخ کے مختلف پر روشنی ڈالی۔ تعزیتی اجلاس کے آخر میں حضر شیخ علیہ الرحمۃ کے لئے درجات و مراتب کی ترقی نیز پسماندگان کے لئے صبرِ جمیل کی دعائیں کی گ دعا میں پوری دارالحدیث سسکیوں سے گونج ا صدمۂ فرقت سے چور چور جاں نثارانِ شیخ کی اشک پُرنم آنکھوں سے طوفانِ الم امڈ پڑا۔ سراپا گد

طلبہ واساتذہ کی بے اختیار آنکھوں سے اشک ہائے غم کا
دریا رواں بہہ چلا اس غمگین محفل کے جانکاہ نظارہ کی
منظر کشی سے قرطاس وقلم قاصر ہیں اس روز تمام لوگ
وقف نالہ تھے ختم ودعا کی محفلوں کے یہ رقت انگیز اور
مؤثر مناظر شیخ مرحوم سے ہمارے والہانہ تعلق وارادت
میلان وانس اور الفت وعقیدت کے آئینہ دار ہیں اسلامی
علوم کے دو عظیم مراکز دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم
سہارنپور ہمیشہ سے آپس میں ایک دوسرے سے مربوط
ومتعلق رہے ہیں اور دونوں ہی مکاتب فکر کے علماء
اساتذہ اور طلبہ میں باہمی احترام واکرام کی فضا سازگار
وخوشگوار رہی ہے۔ مظاہر علوم کے بانیین ومتوسلین
اور وہاں کے بزرگوں نے شروع ہی سے دار العلوم جیسی
عالمگیر مقبولیت اور ہمہ گیر شہرت کی مالک دانش گاہ
کی مرکزیت کو ملحوظ خاطر رکھا شیخ رحمۃ اللہ علیہ بھی
اپنے اسلاف واکابر کے نقش قدم پر مضبوطی کے
ساتھ گامزن رہے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم
دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے اور ایک عرصہ
تک اس کی میٹنگوں میں شرکت فرماتے رہے موصوف
کو دار العلوم سے بے حد تعلق ومحبت تھی ان کی درس
آموز زندگی کے بہت سے واقعات اس دعوے کا
بین ثبوت ہیں آپ کو جو اس تعلیم گاہ سے قلبی لگاؤ تھا
اس کا ضروری ثمرہ اور لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ دار العلوم
میں ذرا سے انتشار وخلفشار کی خبر پا کر شیخ تڑپ
اٹھتے تھے اور فطری طور پر ان لوگوں سے اظہار نفرت
بیزاری بھی فرماتے جو اس بحران کا سبب وباعث
ہوتے چنانچہ ماضی میں بعض طلباء دار العلوم کے طفلانہ
جوش وخروش کے نتیجہ میں پیش آمدہ تعلیمی مقاطعہ وغیرہ
سے شدید ترین تنفر کا اظہار فرمایا اور وہ لوگ جو اس
مقاطعے میں پیش پیش تھے ان سے ملاقات تک کرنا
گوارہ نہ فرماتے یہاں تک کہ ان لوگوں میں بھی
جو شیخ کے دست حق پرست پر بیعت کے خواہاں ہوتے
تو خدام یہ اعلان کرتے کہ دار العلوم کے ہنگامہ میں
شریک کسی فرد کو بیعت نہیں کیا جائے گا۔

گذشتہ دو سال سے دار العلوم جن فتنہ پردازیوں
کی آماجگاہ بنا رہا اور انتشار وخلفشار کے جس بحران
سے گذرتا رہا شیخ اس سے نہایت متفکر ومضطرب تھے
چنانچہ اس دو سالہ فتنہ پرور دور کے آغاز میں ہی شیخ
نے ہندوستان کے ایک مشہور عالم کو اراکین شوریٰ
کے پاس کچھ تجاویز وآراء لے کر مسئلہ کے افہام وتفہیم
کے لئے بھیجا۔ مجلس شوریٰ کے ارکان گرامی اکثر شیخ سے
متعلق ومنسلک اور ان کو اپنا مقتدا تسلیم کرتے ہیں چنانچہ
معزز ارکان اہم امور میں مشورہ بھی کرتے شیخ اکثر فرمایا کرتے
کہ مجھے مظاہر علوم سے زیادہ دار العلوم عزیز ہے شیخ کو
دار العلوم اور اس کے مسائل سے کتنی دلچسپی تھی اس کا
اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ گذشتہ سال
رمضان میں شیخ اسٹینگر (ساؤتھ افریقہ) میں معتکف
تھے موصوف کے ساتھ جہاں بے شمار معتقدین ومتوسلین
رمضان گذار رہے تھے وہیں شیخ کے خلیفہ اور دار العلوم
دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن حضرت مولانا عبد الحلیم
صاحب جونپوری دامت برکاتہم بھی مقیم تھے۔ جب
ہندوستان سے مجلس شوریٰ کے ایک ممتاز ترین رکن کا
خط شیخ کے نام افریقہ پہونچا کہ شوال میں ہونے والی
شوریٰ میں شرکت کے لئے مولانا عبد الحلیم صاحب کو
بھیج دیجئے گا۔ چونکہ اہم مسائل پر غور وفکر ہونا ہے۔ تو
شیخ نے وہ خط مولانا موصوف کو دیا انھوں نے خط
پڑھ کر کہا کہ حضرت میں تو دو ماہ کے ارادہ سے آیا تھا
چنانچہ بعض احباب سے بات چیت طے بھی ہو چکی ہے شیخ
نے فرمایا کہ جاؤ دار العلوم کا مسئلہ سب سے اہم اور ضروری

[illegible] مولانا کے طے شدہ پروگرام کو [illegible] شوریٰ کے جلسہ میں شرکت کا حکم فرمانا دارالعلوم کی غیر معمولی محبت ودلچسپی کی عکاسی کرتا ہے

عالم اسلام کے ممتاز ترین عالم ودانشور حضرت سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے ایک بار تبصرہ دارالعلوم کی [illegible] میں شرکت کی اور واپسی پر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں [illegible] پر ایک بصیرت افروز تقریر کی دوران تقریر دارالعلوم دیوبند کے بحران وخلفشار پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر دارالعلوم میں کچھ ہوا تو پھر مظاہر علوم اور ندوہ کی بھی خیر نہیں اور اگر دارالعلوم نہیں رہا تو ندوہ اور مظاہر بھی نہیں رہ سکتے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں مولانا ندوی کے درد سے بھرپور یہ جملے ایک عالم نے جب سنائے تو شیخ کی زبان مبارک سے بے ساختہ نکلا کہ سچ فرمایا سچ فرمایا سچ فرمایا یہ واقعہ دونوں بزرگوں کے دارالعلوم سے اضطراری تعلق کا آئینہ دار ہے۔ شیخ اپنی مجلسوں میں اس محبوب ترین ادارے کی حفاظت وصیانت، بقاء وتحفظ کی دعائیں کراتے اہل مجلس کو دعا کی تلقین فرماتے اور خود بھی اپنی مخصوص دعاؤں میں دارالعلوم کے لئے خیر وفلاح اور امن وسکون کی دعا فرماتے۔ حضرت شیخ کی یہ پرسوز دعائیں شیخ کے اس علم گاہ سے قلبی تعلق کی غمازی کرتی ہیں خدام کو ہدایت رہتی کہ دارالعلوم سے متعلق جو بھی کوئی پمفلٹ جس کسی بھی جانب سے شائع ہو اس کو فوراً بھیجا جائے اور پہنچنے پر بصد اشتیاق اور گوش قلب سماعت فرماتے سہارنپور میں اقامت گزیں ہوتے یا مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہندوستان یا دیوبند سے حاضر خدمت ہونے والوں سے ہمہ تن متوجہ ہو کر ملت اسلامیہ کے دھڑکتے ہوئے دل کی نقل وحرکت کے متعلق دریافت فرماتے۔

[illegible] کے معصوم طلبہ پر ظلم وستم کی خونچکاں داستان اور اگلے روز مادر علمی کا اس کے ہونہار فرزندوں سے بے رحمانہ اور جابرانہ انخلاء کی زہرہ گداز اور دردآگیں روداد سنکر شیخ تڑپ اٹھے اس وقت کرب وبے چینی کی جو کیفیت تھی اس کا ادراک حکمت ومعرفت کی اس شمع کے گرد رہنے والے پروانے ہی کر سکتے ہیں۔ جذب واستغراق اور ازخود رفتگی کی کیفیت ختم ہوتے ہی دارالعلوم کے متعلق پوچھتے اور بعض مرتبہ بے اختیار آنسو چھلک پڑتے اور فرماتے کہ اکابر کا لگایا ہوا یہ باغ اجڑ رہا ہے پھر جب ان اجڑے ہوئے گلزار چمن کا مادر علمی کے دامن میں کیمپ لگا تو اسے شیخ کے حلقۂ ارادت وافر سے بتوسط حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ بڑا تعاون ملا شیخ نے بذات خود اپنی جیب خاص سے ایک بڑی رقم عنایت فرمائی اور مولانا مدنی سے فرمایا کہ بھائی میرے پاس یہی ہے ورنہ اور دیتا۔ اس کے بعد ہندوستان تشریف لانے پر اپنے صاحبزادۂ محترم مولانا محمد طلحہ صاحب کے بدست ایک خطیر رقم کیمپ دارالعلوم کے لئے بھیجی سہارنپور اور دہلی کے قیام کے دوران جبکہ علالت کی وجہ سے ملاقات کی اجازت نہ ہوتی اگر کوئی دیوبند سے پہونچ جاتا تو اندر بلا لیتے اور اس مرکز علم وعمل کے حالات پوچھتے بسا اوقات دل بھر آتا اور آنکھیں پرنم ہوجاتیں، قلب ودماغ میں موجزن اس ادارہ کا درد احساس اشک وآہ کی شکل میں تبدیل ہوجاتا۔ مقدمات میں ماخوذ وگرفتار طلبہ دارالعلوم جب سہارنپور اپنی پیشی پر جاتے تو اگر شیخ سے ملاقات کے لئے ان کے ہاں پہونچتے یا کوئی اور طالب علم بغرض زیارت اگر جاتا تو حضرت بہت خوش ہوتے اور دعائیں دیتے اور کبھی بطور خاص خدام طلبہ کو چائے پلانے کی ہدایت فرماتے۔ شیخ دارالعلوم کی تالابندی کے دوران اس سلسلے میں جس قدر فکرمند

تھے اس کو وہی لوگ جان سکتے ہیں جو شیخ کے ارد گرد اور قریب رہتے تھے موصوف بہت سے مسائل و معاملات میں چونکہ نہایت محتاط تھے اس لئے کفِ لسان فرماتے اور ہر قسم کے تبصرہ سے اجتناب و احتراز آپکا مسلک تھا آپنے اگرچہ اپنے مزاج و طبیعت کے مطابق نہ کوئی اخباری بیان دیا نہ پریس کانفرنس بلائی اور نہ کوئی انٹرویو دیا۔ مگر مجلس شوریٰ کے آئینی اور شرعی موقف کو شیخ کی بھرپور حمایت و تائید حاصل رہی شیخ مالِ وقف کے سلسلے میں نہایت محتاط تھے چنانچہ اپنی آپ بیتی میں رقم طراز ہیں کہ مالِ وقف میں احتیاط کی وجہ سے نہ جانے کتنے دشمنوں سے دوستی ہوئی اور عدم احتیاط کی وجہ سے نہ جانے کتنے دوستوں سے تعلق منقطع ہوا چنانچہ وقف کے مال اور قوم و ملت کی امانت کو اپنی وراثت ثابت کرنے والوں سے نفرت و بیزاری شیخ کے مزاج و مذاق کا فطری اور نفسیاتی تقاضہ تھا۔ افسوس صد افسوس کہ وہ خودغرض اور مفاد پرست عناصر جن کے تنقیدی نشتروں سے مجلس شوریٰ کے معزز ارکان تک نہ بچ سکے انھوں نے شیخ کی ذات والا صفات کے خلاف بھی غلط پروپیگنڈہ کر کے حقائق و شواہد کو خاکستر کرنے کی ناکام کوشش کی بہتان طرازی اور افترا پردازی کی بوچھار کر کے شیخ کے موقف کو توڑ مروڑ کر بیان کر کے اپنے ....

ناپاک عزائم و مقاصد پر پردہ ڈالنے کی لاحاصل سعی کی صداقت و حقانیت سے عاری، صحت و سچائی سے خالی یہ پروپیگنڈہ خود ان کے لئے مضر ثابت ہوا اور ان کے غلط مفادات و مصالح ساحلِ ناکامی سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئے۔ اور دارالعلوم محض خداوند قدوس کے فضل و کرم سے پھر مجلس شوریٰ کی تحویل میں آکر بحال ہو گیا۔ شیخ کو مدینہ منورہ میں جب ۲۴ر مارچ کو دارالعلوم کھل جانے کی دلنواز خبر ملی تو بہت مسرور ہوئے اور اہل مجلس کو دارالعلوم کے استحکام و ارتقاء کی دعاء کی تلقین کی اور تادم آخر دارالعلوم کی تعمیر و ترقی کے لئے دعائیں کرتے رہے۔

عظیم ترین افادیت کی حامل بیشمار فضائل حمیدہ اور شمائلِ حسنہ سے متصف غیر معمولی مقبولیت کی مالک شیخ کی ہشت پہلو شخصیت پر خامہ فرسائی کرنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ الحمدللہ وادیٔ عشق کے اس راہ نورد کا گلشنِ آرزو شاداب ہوا اور خاک پاک مدینہ منورہ میں موت کی تمنا پوری ہوئی اور مورخہ ۲۴ر مئی بروز پیر بوقت عصر نقش پائے محبوب پہ دم توڑ دیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

"خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"

حضرات صحابہؓ کی للّٰہیت

اطاعت اور حوصلہ

(ادارہ)

اسلام کے وسیع دائرے میں آجانے کے بعد ان حضرات کی زندگی کا رخ بالکل بدل چکا تھا خودستائی اب ان کے یہاں کوئی چیز نہیں تھی غرور تکبر اور دنیا کی محبت ان کے دلوں سے نکل چکی تھی۔ اسلامی اصولوں کے مقابلہ میں ان کے نزدیک دوست احباب، خاندان، رشتہ داریاں حتی کہ اپنی اولاد بھی کچھ نہیں لگتی تھی۔ اب ان کی اصل زندگی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت تھی، محبت تھی۔ اسی میں انھیں اپنی حال و مستقبل کی تمام سعادتیں نظر آرہی تھیں اسلام کی خاطر رضائے الٰہی کے شوق میں بڑے بڑے خطرات میں گھس جانا ان کے لئے معمولی بات تھی اسی لئے اسباب کے درجہ میں بہت کمزور ہونے کے باوجود وہ بڑی بڑی طاقتوں سے ٹکرا گئے اور تاریخ شاہد ہے کہ انہیں ہر موڑ پر حیرت انگیز کامیابیاں حاصل ہوئیں کون سوچ سکتا تھا کہ جو لوگ مکہ کے حالات سے مجبور ہو کر ہجرت کر گئے ہیں وہ چند سال کے اندر اندر فاتحانہ مکہ میں داخل ہوسکیں گے یہ بات بظاہر امکان کے دائرے سے باہر تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ ان حضرات نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ تربیت میں تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ تاریخ یہ تھی کہ جب فاتح قوم کسی علاقہ میں داخل ہوتی تھی تو اپنے ساتھ لوٹ مار، عصمت دری اور قتل و غارتگری کے بھیانک طوفان لے جاتی تھی مگر یہ حضرات جہاں پہنچے امن و عافیت لیکر پہونچے، اخلاق کا معیار لے کر پہونچے، انسانی شرافتیں اور اسلامی عظمتیں لیکر پہونچے یہی وجہ ہے کہ ہر فتح کے موقعہ پر مفتوح اکثریت نے جو اپنے آقاؤں کی ہوس کاریوں کا شکار رہتی تھی ان حضرات کو اپنا نجات دہندہ تصور کیا ان کا خیر مقدم کیا اور وہ ان بزرگوں کے اخلاق و معاملات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی سابقہ زندگی کو حقارت سے چھوڑ کر اسلام کی نئی زندگی میں خلوص دل سے شامل ہو گئے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے

پھیلا، دراصل وہ یا تو اسلامی تاریخ اور حقائق سے واقف نہیں یا پھر جاہلانہ عصبیت انھیں ایسا کہنے پر مجبور کرتی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت حمزہ رضؓ جیسی عظیم شخصیتوں کو اسلام لانے پر کس نے مجبور کیا تھا؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کونسی ایسی مادی طاقت تھی جس کے دباؤ میں آکر یہ حضرات اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوگئے مادی طاقتیں تو ابوجہل کے پاس تھیں، قریش کے پاس تھیں۔

خود ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈال لیجئے! یہاں صدیوں مسلمانوں کی حکومت رہی جس کا پایۂ تخت دہلی یا آگرہ رہا۔ تلوار کے زور سے اسلام پھیلانے کا مطلب یہ ہونا چاہیئے تھا کہ دہلی اور آگرہ کے آس پاس کے تمام علاقوں میں مسلم اکثریت نظر آتی درآنحالیکہ ایسا نہیں ہے مسلم اکثریت رہی ہے تو مشرقی بنگال میں یا پھر مہاراجوں کے زیر اثر کشمیر میں درحقیقت یہ پروپیگنڈہ زور و شور کے ساتھ انگریزوں اور یہودیوں کی طرف سے کیا جاتا رہا ہے اسی سے دوسرے ناواقف لوگ بھی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے کاش وہ یہ جان لیتے کہ اگر کوئی شخص کسی دباؤ یا کسی لالچ سے اسلام قبول کرتا ہے تو وہ سرے سے قابل قبول ہی نہیں ہوتا۔ قابل قبول وہ اسلام ہوتا ہے جس میں صرف حقیقت پسندی خلوص اور صداقت کا عظیم جذبہ کارفرما ہو ــــ اسلام نے اگر تلوار اٹھانے کی اجازت دی ہے تو وہ انتہائی مجبوری کی حالت میں اپنے تحفظ کے لیے، امن و انصاف کے لئے، انسانیت اور شرافت کی بقا کے لئے اور مظلوموں کی حفاظت کے لئے۔

للہیت، خلوص، جاں نثاری اور صفتِ ایثار جس قدر حضرات صحابہؓ میں ملتی ہے سابقہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھیوں میں اس کا دسواں حصہ بھی نظر نہیں آتا مال و دولت اور جاہ و منصب کی بات تو بہت معمولی ہے ان بزرگوں نے تو اسلام کے لئے اپنی خواہشات ہی قربان کردی تھیں اپنے جذبات نذر کر دیئے تھے ان کی اپنی خواہش کوئی خواہش نہیں رہی تھی یہ وہی چاہتے تھے جو اسلام چاہتا تھا یہ سراپا دین کے سانچہ میں ڈھل گئے تھے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے کہ "حق عمر کی زبان پر بولتا ہے"۔

ایک اور جگہ فرمایا "میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے"۔

عراق کے محاذ پر جنگ کے دوران مثنیٰ بن حارثہؓ کو جو اسلامی فوجوں کی اعلیٰ پیمانہ پر کمان کر رہے تھے اور جن کی اعلیٰ جنگی صلاحیتوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا، معزول کردیا گیا مگر ان کی پیشانی پر کاری کی ہلکی سی شکن تک بھی نہیں آئی۔ نئے سپہ سالار ابو مسعود کی ماتحتی بخندہ پیشانی قبول کرلی اور اسی تیز گامی اور مستعدی کے ساتھ جنگ میں شریک رہے ــــ اس سے بھی زیادہ اہم بات خالد بن ولید کی معزولی کی ہے حضرت عمر فاروق رضؓ نے خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد حضرت خالد رضؓ کو اعلیٰ کمان کے عہدہ سے معزول کر دیا جبکہ ایران و عراق کی جنگوں میں کامیابی کا سہرا انہی کے سر رہا۔ جنگ یرموک میں بھی جہاں دشمن کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار سے بھی زیادہ تھی اور مسلمان صرف تیس ہزار۔ بُری طرح دشمن کا دباؤ بڑھ رہا تھا صورت حال نازک ترین تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور تھا آپؓ نے ایران کے علاقہ حیرہ میں مقیم خالد رضؓ کو لکھا کہ "تم آدھی فوج مثنیٰؓ کے پاس چھوڑ کر جلد یرموک پہنچ

وہاں حالات نازک ہیں اور سپہ سالار کی حیثیت سے اسلامی لشکر کی رہنمائی کرو۔"

اس وقت خالد بن ولید کے ماتحت بیس ہزار فوج تھی۔ خلیفۃ المسلمین کا حکم ملتے ہی خالدؓ دس ہزار فوج لیکر یرموک پہونچ گئے۔ اب اسلامی فوجوں کی تعداد چالیس ہزار ہوگئی جبکہ دشمن کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی لیکن خالد رض کی جنگی قابلیت بڑھا ہوا حوصلہ اور نصرت خداوندی کا یقین انھیں کسی حال میں بھی خوفزدہ نہیں ہونے دیتا تھا۔ پورے ایران اور پورے عراق و شام میں ان کی بہادری اور عظیم شخصیت کا چرچا تھا وہاں کے بڑے بڑے قابل فخر جرنیل ان کے عزائم کے آگے تنکوں کی طرح بہہ گئے۔ جنگ ہوئی اور زوردار جنگ ہوئی خالد بن ولید رض نے چالیس ہزار کے لشکر سے مقابل لاکھوں تربیت یافتہ فوج کا منہ پھیر دیا اس جنگ میں دشمن کے ایک لاکھ تیس ہزار آدمی کام آئے اور شکست فاش کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

یہ کارنامہ خالد رض کا اتنا عظیم کارنامہ ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا! لیکن اس کے باوجود عمر فاروق رض نے بغیر کوئی وجہ ظاہر کئے معزول کر دیا یہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حد درجہ خلوص و فرماں برداری کی بات ہے کہ پیشانی پر شکن لائے بغیر امیر المومنین کے حکم کے مطابق یہ منصب ابوعبیدہ بن جراح کے سپرد کر دیا اور خود ان کی ماتحتی قبول کر لی اور اس کے بعد بھی ان کی خدمات میں کوئی کمی نہیں آئی

حضرت خالدؓ کی معزولی کی وجہ

یہاں یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ خدانخواستہ امیر المومنین عمر فاروق رض کو خالدؓ پر اعتماد نہیں تھا یا وہ ان کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتے تھے بلکہ انھیں پوری طرح ان کی صلاحیتوں کا اعتراف تھا اور وہ ان پر پورا اعتماد کرتے تھے ان کی عظیم ترین خدمات سامنے تھیں۔ اصل وجہ یہ تھی کہ فاروق اعظم آگے بڑھنے سے پہلے مفتوحہ علاقوں میں نظام کی مضبوطی چاہتے تھے مفتوحہ علاقے وسیع ہو گئے تھے جن میں ایک مستحکم نظام کی شدید ضرورت تھی مفتوحہ علاقوں میں کہیں کہیں بغاوت بھی سر ابھار رہی تھی۔ حضرت عمر رض کی نظر اس نکتہ پر تھی اور خالدؓ بن ولید کا بڑھا ہوا حوصلہ اور بے پناہ جرأت ان کو آگے بڑھتے ہی کا درس دے سکتی تھی مسلمان اپنے علاقوں سے بہت دور تھے نظم کی مضبوطی کے بغیر کسی بھی بڑی پریشانی کا کھڑا ہو جانا عین ممکن تھا امیرالمومنین اسی امکانی خطرہ سے مسلمانوں کو بچانا چاہتے تھے اسلئے فاروق اعظم رض نے یہی مناسب سمجھا اور عبیدہ بن جراح رض کو سالار اعظم بنا کر حضرت خالد رض کو پابند کر دیا اور بجائے سپہ سالار کے نائب سپہ سالار بنا دیا۔ عمر فاروق جانتے تھے کہ اخلاص کے ان مجسموں کے درمیان ان کے اس فیصلہ سے نہ تو خالد کی دل شکنی ہوگی اور نہ وہ اسے غلط انداز میں محسوس کریں گے۔ دراصل اس طرح کی باتیں تو وہاں پیدا ہوتی ہیں جہاں سب کچھ اپنی ذات کے لئے ہو اور یہاں اپنی ذات کے لئے کچھ تھا ہی نہیں پھر ناگواری یا دل شکنی کا کیا مطلب؟ چنانچہ حضرت خالدؓ کے عمل نے یہ ثابت کر دکھایا کہ انکی تمام تر جدوجہد اپنی ذات کے لئے نہیں، اسلام کے لئے ہے، اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے انسانیت کے لئے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خالد بن ولید رض نے اسلامی کردار کی ایک ایسی مثال پیش کر دی ہے جسے بھلایا نہیں جا سکتا! اگر خالد رضی اللہ عنہ زندگی بھر سالار اعظم ہی رہتے تو ان کی وفات کے بعد لوگ انھیں ایک بہادر جری اور عظیم فاتح ہی کے نام سے یاد کرتے لیکن اب

ن تمام بڑائیوں کے ساتھ ہم ان کے [illegible]
بنداء بجائے ایثار و حسد ہی یاد کر لیے گئے ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ [illegible] صحابہ کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد جنھیں خلافت کی ذمہ داری سونپ دی گئی تھی اور جن میں اس اہم ذمہ داری کو پورا کرنے کی تمام صلاحیتیں بھی موجود تھیں لیکن انھوں نے مسلمانوں میں باہمی انتشار و اختلاف کے پیش نظر جو ایک عرصہ سے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان چل رہا تھا اور جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو کافی نقصان پہونچ چکا تھا امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے از خود دست برداری کا اعلان کر دیا درحقیقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہ ایثار اور یہ حوصلہ معمولی بات نہیں، بہت بڑی بات تھی۔

آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم تھوڑے سے ذاتی مفاد پر بھی قومی و ملی اور اجتماعی مفادات کو ترجیح دینے کے لئے تیار نہیں۔ کاش ہمیں بھی اپنے اسلاف کے عمل سے سبق حاصل کرنے کی توفیق نصیب ہوتی۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب معتبر ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ لاکھوں کی تعداد میں عیسائی تبوک میں جمع ہو رہے ہیں اور ان کا رخ مسلمانوں کی طرف ہے وہ مدینہ پر فیصلہ کن حملہ کا عزم رکھتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کا اعلان فرما دیا۔ یہ وقت نازک وقت تھا مدینہ طیبہ اور گرد و نواح میں قحط کے حالات چل رہے تھے نئی فصل تیار کھڑی تھی جس پر پورے سال کا مدار تھا جہاد میں شریک ہونے کی صورت میں اس ساری فصل کی بربادی یقینی تھی [illegible] تھے [illegible] اسلام [illegible] اہم ہے [illegible] سے سرشار [illegible] رسول اللہ [illegible] ان کی [illegible] کے اعلان پر سب سے پہلے [illegible] لبیک کہا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر چندے کی اپیل کی باوجود انتہائی تنگ دستی کے صحابہؓ نے حتی المقدور چندہ جمع کر دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے کل اثاثہ کا نصف پیش کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کی ایک ایک چیز سمیٹ لائے [illegible] آپ نے دریافت فرمایا "گھر میں بچوں کے لئے کیا چھوڑا ہے؟" عرض کیا "اللہ اور اس کا رسول۔" [illegible] کتنے بڑے حوصلہ کی بات ہے۔ [illegible] دی ہی نہیں جا سکتی۔

قادسیہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اسلامی لشکر کے سالار اعظم ہیں دوسری جانب ایرانی فوج کی کمان ایران کا مشہور سپہ سالار رستم کر رہا ہے دونوں لشکر آمنے سامنے ہیں درمیان میں [illegible] اور جلدی [illegible] ٹھہر ٹھہر رہا ہے۔ ایرانی [illegible] حملہ کر دینے کا رستم پر دباؤ پڑ رہا ہے رستم [illegible] ٹالنے کی فکر میں ہے یہ ایران کے مختلف [illegible] مسلمانوں کا طریق جنگ دیکھ چکا تھا ان کی [illegible] ان کی بے جگری سے واقف تھا دوسرے [illegible] اسکو دسترس حاصل تھی اور حرکتِ نجوم اس کو [illegible] دکھائی نہیں دے رہی تھی جیسے [illegible] سعد کی [illegible] زیادہ دیر تک مسلمانوں [illegible] میدان میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتی [illegible] ہو کر واپس چلے جائیں گے [illegible] میں پس و پیش سے کام لے رہا تھا۔

ا۔ تبوک شام کے [illegible] مدینہ [illegible]
[illegible] ایک مقام تھا۔ [illegible]

...دوسری صبح سے کہلا بھیجا "آپ اپنے نمائندہ ... جنگ کے سلسلہ میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔" ...رہ نے اسے منظور کرلیا اور اس خدمت کے ...بن عامرؓ کو منتخب کر کے اگلے دن رستم سے ...کے لئے بھیج دیا۔ رستم نے ان راستوں کو ...جانا تھا خوب سجایا، جا بجا سواروں، ...اور ہاتھیوں کی صفیں کھڑی کر دیں خاص طور ...کو ہر اعتبار سے آراستہ کرایا گیا اول تو ...ایسی حکمراں زیب و زینت اور خوشنمائی ...دلدادہ تھے اس موقع پر اور بھی زیادہ شان و ...مظاہرہ کیا گیا۔ کشادہ خیمہ میں نہایت قیمتی ...بچھائے گئے جگہ جگہ بہترین گاؤ تکیے ڈالے ...درمیان میں رستم کا سنہرا تخت چمک رہا تھا جس ...اور سونے کا چھتر تھا اور اس میں ہیروں اور قیمتی ...جھالریں لٹک رہی تھیں اس اہتمام خاص ...کا منشا اپنی قوت کا مظاہرہ کر کے اسلامی نمائندہ ...کو مرعوب کرنا تھا جس کے نتیجہ میں مفید مطلب باتیں ...ہو سکیں۔ ربعی بن عامرؓ نہر کا پل پار کر کے ...ڑاتے ہوئے اور ایرانی دستوں پر جو دو رویہ ...ہوئے تھے، نظر حقارت ڈالتے ہوئے رستم کے ...جا پہنچے اور خنجر سے ایک قالین میں سوراخ ...اپنے گھوڑے کی باگ اس میں باندھ دی اور ...نیزے کی انی قالینوں پر ٹیکتے ہوئے مجاہدانہ ...رستم کے قریب تخت پر جا بیٹھے اور نیزہ زمین ...رستم کی طرف متوجہ ہوئے پورے خیمہ میں سناٹا ...درباریوں نے انھیں تخت سے اتارنا چاہا، ربعیؓ ...ان پر مردانہ نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "میں یہاں ...نہیں آیا، بلایا گیا ہوں، ہمارے اسلام میں ...انسان کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ خود خدا بن بیٹھے اور دوسرے لوگ ان کے سامنے دست بستہ حاضر ہوں۔ ہماری نظر میں تمام انسان برابر ہیں۔ آپ ہی لوگوں نے مجھے بلایا ہے۔ اگر آپ کو میرا یہاں بیٹھنا گوارہ نہیں تو میں چلا جاتا ہوں۔"

درباری غصہ سے پاگل ہوئے جا رہے تھے لیکن رستم کے اشارے کے بغیر وہ کوئی حرکت نہیں کر سکتے تھے۔

ربعی بن عامرؓ کچھ دیر تک تخت پر بیٹھے رہے اور پھر کچھ سوچ کر تخت سے اتر آئے اور خنجر سے ایک قالین چاک کر کے زمین پر بیٹھ گئے اس سے یہ ظاہر کرنا تھا کہ ہماری نظر میں تخت، قالین، زمین سب برابر ہیں ــــ رستم نے پوچھا "تم ہمارے ملک میں کس مقصد سے آئے ہو؟"

ربعی بن عامرؓ نے کہا۔

"ساری زمین اللہ کی ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کی زمین پر اسی کی عبادت کی جائے نہ کہ مخلوق کی۔ اگر تم صحیح راہ پر آجاؤ اور لوگوں پر ظلم و ستم سے گریز کرنے لگو تو ہم واپس چلے جائیں گے تمہارے ملک کی یا تمہارے مال و دولت کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں بلکہ کسی وقت اگر تمہیں ہماری مدد کی ضرورت پیش آئے تو ہم بھرپور مدد کریں گے اور اگر یہ سیدھی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی تو دوسری صورت یہ ہے کہ تم جزیہ (ٹیکس) دینا مان لو۔ اگر یہ بھی تسلیم نہیں تو پھر یاد رکھو کہ ہم مجبوراً فتح یا شہادت حاصل ہونے تک تمہارے ساتھ جنگ کرتے رہیں گے۔"

یہ صاف صاف باتیں سننے کے بعد رستم نے کہا، ہمارا خیال تو یہ تھا کہ تمہاری ساری خوش فہمیاں ہماری طاقت اور جاہ و جلال دیکھنے کے بعد دور ہو جائیں گی۔"

ربعیؓ نے برجستہ جواب دیا، تمہاری تیاریاں سامنے آجانے کے بعد تو میرا جذبۂ جہاد پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا۔"

کچھ دیر اسی انداز کی باتیں ہوتی رہیں۔ آخر میں

رستم نے کہا "ہم اپنے سربراہ یعنی کسریٰ[1] سے اس سلسلے میں مشورہ کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کر سکیں گے۔"

ربعیؓ اٹھے اپنا نیزہ اور تلوار سنبھالی اور خیمہ سے باہر نکل گئے۔ ان کا لباس ایرانی افسروں کے مقابلہ میں بہت معمولی تھا۔ میان بھی فرسودہ حالت میں تھی۔ گھوڑے پر سوار ایک ایرانی افسر آگے بڑھا اور ان کی بوسیدہ میان کی طرف اشارہ کر کے کہا "کیا تم ان تلواروں سے ایران فتح کرو گے؟"

ربعیؓ نے فوراً جواب دیا۔ "ابھی تم نے میان دیکھی ہے تلوار اور اس کے جوہر نہیں دیکھے۔" یہ کہہ کر چمکتی ہوئی تلوار میان سے کھینچ لی۔ دوسرے افسر نے اپنی ڈھال سامنے کرتے ہوئے کہا "کیا تم اس ڈھال کو کاٹ سکتے ہو؟" ربعی رضہ کی ایک ہی ضرب نے ڈھال کے دو ٹکڑے کر دئیے اور پھر انھوں نے اپنا چاق و چوبند گھوڑا بڑھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "ہماری تلواریں تمہیں میدانِ جنگ میں بھی مایوس نہیں کریں گی۔"

ایک دو دن کے بعد پھر رستم کی دعوت پر حضرت سعدؓ نے حذیفہ بن محسن رضہ کو نمائندہ بنا کر اس کے پڑاؤ میں بھیجا حذیفہ رضہ بھی دلیرانہ انداز میں گھوڑے پر سوار ہو کر چلے اور اسی شان سے رستم کے تخت کے قریب پہونچ گئے۔ رستم نے ان کی طرف حیرت سے دیکھ کر پوچھا "آج تم آئے ہو پہلے دوسرے صاحب آئے تھے؟" حذیفہ رضہ نے جواب دیا "ہمارا سپہ سالار نہایت انصاف پسند انسان ہے۔ وہ ہم لوگوں میں سے ہر ایک کو خدمت کا موقع دیتا ہے۔" رستم نے کہا "ہم نے تمہارے سابق ایلچی سے کہا تھا کہ ہم اپنے سربراہ اعلیٰ سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں کچھ وقت لگ سکتا ہے اس کے لئے ہمیں مہلت درکار ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ تم لوگ کتنا وقت دے سکتے ہو؟" حذیفہؓ تین دن کہہ کر چلے گئے۔ رستم پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ اگلے دن اس نے گفتگو کے لئے پھر اسلامی لشکر سے نمائندہ طلب کیا۔ اس مرتبہ مغیرہ بن شعبہ بادشاہ رستم کے خیمہ میں داخل ہوئے کافی دیر تک بات چیت ہوتی رہی مغیرہ کے بے باکانہ طرز گفتگو پر آخر کار رستم کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ سخت لہجہ میں کہنے لگا "تمہیں ابھی تک بھی ہمارے جنگی [illegible] کا اندازہ نہیں ہو سکا ہم اگر چاہیں تو چند دن کے اندر اندر تمہاری مٹھی بھر فوج کا صفایا کر سکتے ہیں لیکن ہمیں تمہاری خستہ حالت کو دیکھتے ہوئے رحم آتا ہے ہم تمہارے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہتے ہیں تمہیں غلہ کی، کپڑے کی اور جن چیزوں کی ضرورت ہو ہم ان کا پورا انتظام کر سکتے ہیں تم خود کو بلا وجہ ہلاکت میں مت ڈالو۔"

مغیرہ، "ہماری واپسی کی بس ایک ہی شکل ہے کہ تم اللہ کے دین کو قبول کر لو، لوگوں پر ظلم و زیادتی سے تائب ہو جاؤ یا جزیہ دینا قبول کر لو۔"

ان صاف صاف جملوں پر رستم بالکل بے قابو ہو گیا اور طیش سے بھری ہوئی آواز میں کہا، "اچھا تو کل تم دیکھ لو گے سارا میدان تمہاری لاشوں سے بھرا ہوگا ایک بھی آدمی کو زندہ بچ کر نہیں جانے دیا جائے گا۔"

مغیرہ بن شعبہ۔ "یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ ہر مسلمان فتح یا شہادت پا [illegible]" مغیرہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے پڑاؤ میں [illegible] گئے۔

رستم نے درباریوں کو متوجہ کرتے ہوئے کہا "میری [illegible] آتا یہ لوگ موت سے اس قدر بے پرواہ کیوں ہیں؟" ایک شخص نے [illegible] ہو کر کہا "جناب یہ سپاہی [illegible] احمق نہیں [illegible] ان کی [illegible] ایسے غیر [illegible] باتیں کر رہے ہیں۔" مگر رستم پر مسلمانوں کی [illegible] چھا [illegible] جنگ [illegible] ایسا [illegible] رستم [illegible]

[1] کسریٰ ایرانی سلطنت میں سربراہِ مملکت کا خطاب ہوتا تھا [illegible]

دارالعلوم دیوبند کے شب و روز

یکم رمضان سے یکم شوال تک

(ادارہ)

دینی تعلیم و تربیت، اسلامی تہذیب و ثقافت دین و فکر کا عظیم بین الاقوامی مرکز دارالعلوم دیوبند ایک مختلف قسم کی ہنگامہ آرائیوں اور فتنہ سامانیوں کا شکار رہا۔ جمود و تعطل اور ترک عمل کی گھنگھور گھٹائیں اطراف سے گھیرے رہیں۔ چمنستان قاسمی بربادی و افسردگی کے دوران اگرچہ خوشہ چینان چمن تعلیم کے ایک عارضی قلعہ (کیمپ دارالعلوم) میں اپنی تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔ تاہم اختلال و انتشار، ذہنی اضطراب و اختلاف اور تنگی کی بناء پر طلبہ کا تعلیمی نقصان ہوا چنانچہ دارالعلوم کے کورٹ (مجلس شوریٰ) منعقدہ اپریل سنہ ۸۲ء کے فیصلہ کے مطابق ابتدائی درجات کے طلبہ جن کا نصاب پایۂ تکمیل کو پہونچ چکا تھا دارالعلوم کے شایان شان اور اس کی تاریخ و روایت کے مطابق شعبان میں ہی سالانہ امتحان کے بعد اپنے گھر کو روانہ ہوگئے، لیکن اوپر کے درجات اور وہ تمام شعبے جن کا نصاب تشنۂ تکمیل تھا رمضان المبارک میں بھی مصروف تعلیم رہے۔ تعلیمات اسلامی کے اس ممتاز ترین مکتب فکر کی آغوش شفقت میں گیارہ سو سے زائد طلبہ کرام استفادہ کا بازار گرم کئے رہے۔ سبزہ کی طرح علم و فن کو اگانے والے اس کارخانۂ علم و فن میں بسیرا کئے ہوئے .. شاہینوں اور عقابوں کے دل و دماغ میں رأفت و رحمت کا پیغام لیکر آنے والے سفیر ذوالجلال ماہ صیام نے تحصیل علم اور وسعت مطالعہ میں ایک نئی روح پھونک دی جوش و ولولہ کا یہ عالم کہ کسب سعادت وہدایت، حصول فلاح اور خیر ابدی کے معتبر ترین مہینہ رمضان المبارک میں سات گھنٹے تعلیم جاری رہتی اور رات میں بھی تراویح کے بعد سے کچھ قبل تک یہ عہد ساز درسگاہ قال اللہ و قال الرسول کی دلنواز اور حیات آفریں صداؤں سے گونجتی رہتی۔ ماہ مبارک کے تمام تر معمولات و مشاغل کی اہتمام کے باوجود تعلیم بلحاظ عروج و شباب پر تھی جنہوں نے اس خوش جمال مہینہ کی جبیں کے ہر صفحہ

مسجد میں تقریب بھی بڑی دھوم دھام سے منائی اور اقتباس علم و فضل نے اسی پوری قوت کے ساتھ سرمست مگن رہیں۔ اس بے مثال درسگاہ کی سرسبز و شاداب فضا اور علم پرور ماحول میں مشام جان کو معطر کرنے والے حکمت و معرفت کے رونما و گلہائے رنگا رنگ کھلتے عظمت و خصوصیت سے لبریز ماہ رحمت و غفران کی جانفزا برکات اور ایمان پرور حسنات کی اثر انگیزی کی بدولت اس گلشن علم و عرفان کے گوشہ گوشہ تجلی طور اور ذرہ ذرہ حسن سے معمور تھا مرغوبات و لذائذ کو ترک کرکے روحانی نظم و ضبط کا پابند ہو کر سکون و طمانیت کی دولت سے مالا مال اس شمع ہدیٰ کے محنت کش نثار پروانے تعلیم میں ہمہ تن مشغول و منہمک تھے صبح ۹ بجے سے ایک بجے تک انقیاد و اطاعت کی تصویر اور تسلیم و رضا کا پیکر بنے ہوئے اس چشمۂ صافی سے سیراب ہونے والے طالبانِ علم دین محو درس رہتے روح کے لئے اس سالانہ جشن اور کلام ربانی کی سالگرہ کے تمام تقاضوں اور نزاکتوں کی رعایت کرکے روزہ میں گرمی کی شدت کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے ہوئے بزم درس و تدریس میں سراپا کوشش ہوکر مستقل بیٹھنا افادہ و استفادہ کی یہ گرم بازاریاں یقیناً دارالعلوم کی سنہری تاریخ کا روشن ترین باب ہے اس چشمۂ رشد و ہدایت کی سوا سو سالہ تاریخ میں یہ پہلا سال یا رمضان تھا جو آئندہ دور کے لوگوں کے لئے درس آموزی اور عبرت خیزی کی بلند ترین روح بھی تھامے ہوئے ہے۔ دوپہر ایک بجے چھٹی کے بعد سے ظہر تک طلبۂ کرام اپنی اپنی آرام گاہوں میں آرام کرتے جیسا پھر سے مطالعت میں لگنے کے لئے تازہ دم ہونے کا عظم ہوتا تھا۔ اسی اعلیٰ ترین مقصد کے لئے تجدید استعداد کی پاکیزہ نیت کی بدولت یہ

کے اندر [illegible]
کے بعد طلبہ تلاوت کلام پاک کی پُر رونق محفلیں سجاتے اور گنگنت آمیز مجلسیں سجاتے آپس میں ایک دوسرے سے دَور کرنے اور سُننے سنانے کا یہ فضا اور بہار آفریں منظر ان کے روحانی سرور و وجد اور سوز و گداز سے معطر ہونے کی عکاسی کرتا تھا۔

عرفانِ الٰہی کے اس چشمۂ فیض کے ہر گوشے سے خالق ارض و سما کے ہدایت آگیں کلام بلاغت نظام کے دلنواز نغمے پردۂ سماعت سے ٹکرا کر مسحور کر دیتے تھے عصر کے بعد بھی اگرچہ بعض طلبہ محو نغمہ رہتے مگر اکثر روزہ افطار کی تیاریوں اور تگ و دو میں مصروف دکھائی دیتے تمام قاسمی عنادل کا اپنے اپنے آشیانوں سے باہر آکر افطار کے سلسلہ میں کد و کاوش کرنے سے علم و فن کے اس مرغزار کا رشک کہکشاں اور نظر افروز سماں قابلِ دید ہوتا تھا انسانی معاشرے کی [illegible] کے بیشمار اسباب اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے اس ماہِ مبارک و مسعود میں افطار کا یہ بابرکت وقت خدا کے اطاعت شعار اور طاعت کیش بندوں کی جانب سے اپنی عبدیت و بندگی کے اظہار اور [illegible] کی حاکمیت اعلیٰ کے اعتراف و احترام کا مظہر تھا ہے مغرب کی اذان کے [illegible] جماعت کھڑی ہوجاتی تھی زیادہ تاخیر کرنا یہاں کا معمول نہیں ہے نماز کے بعد بعض طلبۂ کرام بستر استراحت پر دراز ہو کر [illegible] کے مطالعہ و مشاغل کی تیز رفتار [illegible] سفر کی تیاری کرتے نظر آتے۔

دارالعلوم کے [illegible]

جماعتوں میں بیٹھے ہوئے طلبۂ عزیز کی جماعتیں یکر
معلوم ہوتا تھا کہ جنت سے اترے ہوئے فرشتوں
کی یہی جو رمضان المبارک کی مسعود ساعتوں
میں بندگانِ خدا کے معمولات میں حصہ دار بننے کے لئے
آئے ہیں لطف بالائے لطف یہ کہ اس وقت بھی
یہ تکرار و مطالعہ میں مست اور بعض محو لہجہ معری
عشاء کی اذان ہوتے ہی مسجدوں میں طلبہ کی
شروع ہو جاتی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان مہمانان
کے ہجوم و ازدحام سے مسجد کا رشک خلد منظر
نظارہ دیتا دکھائی دیتا۔ اہل نظر دیکھ سکتے
نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں کے قلم تیزی کے
سعادت مندوں کی مصروفیات قلمبند کر رہے ہیں
کی مسلمہ دار العلوم کی مسجد میں یکجا ادا کرنے کے
تراویح کے لئے الگ الگ جماعتوں میں تقسیم ہونے
منظر بڑا دل فریب ہوتا تھا جیسے مجاہدین فرض ادا کر کے
اپنے مورچے سنبھال رہے ہوں کچھ جماعتیں
میں تراویح کی محفلیں آراستہ کرتیں وہیں فرض
کی ادائیگی بھی کرتی تھیں۔ جنت نما قلعہ کی ہر سمت
کلام رب المشرقین کے شیریں مقال حفاظ و قراء
گداز سے بھرپور اپنے سریلے اور دلپذیر نغمہائے
سے وجد و محویت کا عالم طاری کئے ہوئے رہتے
چشمۂ تاثیر و معرفت، منبعِ سلوک و ربانیت میں
ایمانی جذب و مستی اور روحانی کیف و سرور
ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تلاطم خیز نظر آتا تھا۔ حسن
کی ضامن اس درسگاہ کا ذرہ ذرہ عرفانِ تجلیات
اور انوار الٰہی کی جلوہ گاہ بنا ہوا تھا ہر دل عزیز
کے سبزہ زار چمن کے شمالی اور جنوبی حصوں
حدیث فوقانی، دار التفسیر، دار القرآن، دار العلوم
دونوں مسجدوں، بعض درسگاہوں اور رہائشی کمروں
تیز دار جدید اور دوسرے احاطوں میں بہت سی چھتوں
الغرض اس قصر عالی کے تقریباً چالیس مقامات پر
خوشنوا قاسمی بلبلیں تراویح میں اپنے قرآن خوانی کے
مخصوص انداز کی اثر آفرینی سے وارفتگی اور سرمستی
کے جام و ساغر چھلکاتی نظر آتی تھیں کچھ طلبہ شہر میں بھی
مستدعی تھے اس کے باوجود بھی بہت سے حفاظ کے
سینوں میں حسرتوں کا خون ہو رہا تھا ان کے لئے نہ
مدینۃ العلوم دیوبند کی سوا سو مسجدیں کافی ہیں اور
اس تاریخی تعلیم گاہ کا چپہ چپہ ان کی کفایت کر سکتا ہے
یہ حضرات منتظر تھے کہ مادر علمی کا کوئی گوشہ ان کی
قرآنی نغمہ سنجیوں کے لئے خالی ہو اور وہ بھی اپنی حسرت
پوری کر سکیں جن بعض جگہوں پر قرآن کریم اختتام
پذیر ہوا وہاں دوبارہ وہ ہی یا کوئی دوسرا صاحب
فوراً محو تلاوت ہو گیا۔ تاریخ کا یہ حسین اتفاق
ہے کہ ماضی میں نہ کبھی اتنے حفاظ و قراء دار العلوم
میں قیام پذیر ہوئے اور نہ اتنے مقامات پر
قرآنی مجلسیں گرم ہوئیں شاید خدائے کارساز نے
غیب سے تالابندی کے دوران عظیم شرپسند عناصر
شر کاریوں سے آلودہ اس زرخیز سرزمین کی تطہیر
کا سامان فراہم فرمایا۔ جس پر عوام و خواص
کو اپنے رب کے سامنے سجدۂ شکر بجالانا چاہیئے
فکر انگیز بات یہ ہے کہ رمضان المبارک میں مقیم طلبہ
کی تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے دار العلوم کی
مسجدوں اور ان تمام جگہوں پر جہاں جہاں تراویح
ہو رہی تھی جب کوئی جا کر دیکھتا تو ہر جگہ قدسیوں کا
ہجوم دیکھ کر متحیر و متعجب رہ جاتا کہ اس تعداد کو ان
کیسے تقسیم کرے۔ یا تو طالبانِ علومِ نبوت سے والہانہ
تعلق رکھنے والے باشندگانِ دیوبند اس تعجب کا سبب
ہوں یا پھر آسمان سے ملائکۂ رحمت آکر محو حیرت ہیں

ں شاید اسی وجہ سے اس مجلس علم و فن کی تازہ ترین
روح نواز بہاریں واردین و زائرین کو عوماً آمدید
کر ان کے لوح قلب پر حیرت انگیز اور دیرپا نقوش
ثرات مرتسم کر دیتی تھیں تراویح کے بعد آرام کے لئے
وام کے لئے ملتا تھا اس کے بعد یہ بلا نہایہ علم و
عمل پھر کتابوں کو بصد ادب و احترام اپنے سینے سے
لگائے درسگاہوں کی جانب لپکتے دکھائی دیتے تھے دیکھتے
ہی دیکھتے درسگاہیں کھچا کھچ بھر جاتیں اور اس دبستانِ
عرفان و سلوک کی نغمہ سرا طوطیاں گردشِ دوراں کی
کشش اور غم نہاں کی تپش سے آزاد، راحت و آرام
کے جذبہ سے کوسوں دور رہ کر بجوشِ قلب اپنے
اساتذ کی سامعہ نوازیوں سے محظوظ و لطف اندوز
ہوتی رہتیں اور اس گہوارۂ علم و فضل کی عنادل جھولیاں
اس موسم بہار اور فصلِ گل میں اکتساب استفادہ
سے معمور کر کر سحر سے کچھ قبل تک ریاضتِ شاقہ کا مظاہرہ
کرتی رہتیں، دین و دیانت، حقانیت و صداقت اور
علم و یقین کے اس مرکز میں دینی علوم کی
ایمان افروز، روح نواز صدائیں دل کو تازگی
دماغ کو فرحت اور روحانی لطافت و پاکیزگی کو
دوبالا کرتی رہتی تھیں اس برگزیدہ مہینہ میں بلند پرواز
نونہالوں کے اس تعلیمی انہماک کی گیرائیوں اور
گہرائیوں کی بدولت یہاں کے روح پرور مناظر
ناقابل بیان سرور و نشاط اور بلا اشتباہ
لطیف ترین ثمرات و نتائج ہیں اس قبلۂ علمی کی
بنیاد........ گو نج اٹھی تھی دارالعلوم کی
سو سالہ تابناک تاریخ گواہ ہے کہ کبھی اتنے
بہ رمضان میں مقیم رہے اور نہ ایسی تعلیمی سرگرمیاں
تاریخ کے منتشر اوراق میں کہیں نظر آتی ہیں۔ جرائم و
معاصی کے جذبات کو سرد کر دینے والے معاصی اور

گناہوں کی رفاقت و قربت کو عدم میں روپوش کر کے
روحانی ملکات کو سرسبز و شاداب کرنے والے اس
ماہ مبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ
گرامی کے مطابق نفل فرض کے برابر اور فرض کا ثواب
ستر گنا ہو جاتا ہے اس لئے اس تقدس مآب مہینے
میں تعلیمی و روحانی تربیت کے لئے پنپنے والے
نونہالوں کا یہ وقت اگر ثمرات و نتائج کے اعتبار سے
کئی گنا ہو جائے تو اسے پروردگار رحیم و کریم کا فضل
سمجھنا چاہیئے۔ اسباق ختم ہوتے ہی سحر کی سرگرمیاں
شروع ہو جاتی تھیں اور آخر وقت تک پورے
زور و شور کے ساتھ جاری رہتیں۔ سحر کی تیاری کے
دوران ہی مسجدوں اور اپنے اپنے کمروں میں طلبہ
نمازِ تہجد بھی ادا کرتے نظر آتے۔ کھانے وغیرہ سے
فراغت پاتے ہی اذان سے قبل طلبہ جوق در جوق بارگاہِ
خداوندی میں حاضر ہو کر محوِ تسبیح و تقدیس ہو جاتے اذان
ہوتے ہی فوراً سب سنتوں کے لئے صف بستہ ہو کر
اپنے خالق کے دربار میں سجدہ ریز ہو جاتے سنتیں
پڑھتے ہی جماعت کے لئے صف آرائی اور اپنے معبودِ
حقیقی کے سامنے اظہار عبدیت اور سر نیاز خم کرنے
کا یہ عرفانی منظر بڑا نشاط افروز اور وجد آفریں ہوتا
تھا پانچ ماہ تک مسجد دارالعلوم کے غیر آباد رہنے
کی تلافی اور تدارک کے لئے شاید خداوند قدوس نے
غیب سے مسجد کے اس رقت انگیز منظر کی جلوہ افروزیوں
کے اسباب فراہم فرمائے۔ فجر کی نماز کے بعد کچھ
فرزندانِ دارالعلوم محوِ تلاوت اور بہت سے طلبہ
کرام قبرستانِ قاسمی فاتحہ خوانی کے لئے چلے جاتے اور
بعض اصولِ صحت کے مطابق نسیم صبح کے صحت افزا
جھونکوں سے لطف اندوز ہونے اور چہل قدمی کے
لئے نکل جاتے اور تھوڑی دیر کے بعد بستروں پر

ہو جاتے تھے اور بعض شروع ہی سے بستر دراز ہو کر شام تک معتکف رہتے [illegible] کرتے۔ اسرائیل کی فلسطینیوں پر ظالمانہ [illegible] موسم کی سختیوں اور دارالعلوم کو دشمن افراد سے حفاظت کے لیے کلمہ طیبہ، حصن حصین [illegible] کریمہ کا ختم بھی معمول میں شامل تھا۔ دوپہر [illegible] کہ عصر اور مغرب بعد نیز فجر کی نماز کے درمیان میں ملنے والے تھوڑے تھوڑے [illegible] مثلاً تراویح کے بعد سے تعلیم شروع ہونے [illegible] گھنٹے کے درمیانی وقفہ میں بھی بہت سے طلبہ مطالعہ اور کتب بینی میں مشغول و منہمک شوال [illegible] میں ہونے والے سالانہ امتحان کی تیاری [illegible] دکھائی دیتے تھے دارالعلوم جہاں [illegible] ہے وہیں وہ ایک ممتاز اور مثالی تربیت گاہ [illegible] صدر المدرسین حضرت مولانا معراج الحق صاحب [illegible] ہدایہ کے سبق میں ایک روز بارش [illegible] طلبہ کو پہونچنے میں تاخیر ہو گئی تو طلبہ کے [illegible] نے اس فعل پر تنبیہ کے طور پر انکو [illegible] ترغیب دی چنانچہ ڈھائی سو طلبہ پر مشتمل [illegible] دارالعلوم کی پرشکوہ مسجد کی دونوں [illegible] معتکف ہو گئی اعتکاف کا یہ بہار آفریں [illegible] نوازی میں اپنی مثال آپ تھا اور یہ دارالعلوم [illegible] تاریخ کا پہلا حسین اتفاق تھا کہ [illegible] طلبہ کرام کی چہل پہل سے اس کی مسجد [illegible] بنی۔ آخری عشرہ میں منعقد ہونے والی [illegible] اختتامی تقریبات خصوصاً ختم بخاری [illegible] کے روحانی لطف و سرور کو دوبالا کر دیا [illegible] میں بخاری شریف جیسی مقدس ترین کتاب [illegible]

[illegible] ہو گیا تھا۔ موسم برسات کی سیکڑوں [illegible] کے بہت سے جاں نثار پروانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا دار الحدیث تحتانی کا منظر بڑا ہی حکمت آمیز تھا ختم کے روز حدیث کی بلند اقبال پیشانیوں پر وقار [illegible] تھا۔ ختم کرانے کے بعد استاذ حدیث حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ نے بارگاہ رب العزت میں نہایت تضرع و اضطراب کے ساتھ دعا کرائی تمام حاضرین و موجودین کی اشک بار آنکھوں سے سیلاب اشک بہا۔ دولتِ نیم شبی اور نالہ ہائے سحرگاہی کے چھلکے ابل پڑے رب العالمین کے حضور میں دعا کا یہ رقت انگیز اور مؤثر نظارہ بڑا ہی ایمان افروز تھا دعاؤں کی پذیرائی کا یہ عالم کہ دارالحدیث سے باہر نکلتے ہی ابرِ رحمت جھوم جھوم کر برسا جس سے باغیچہ ہائے خشک تر و تازہ اور نہال ہو گئے جلتے ہوئے کشتِ زار لہلہا اٹھے روزہ داروں کو گرمی کی شدت سے نجات ملی ختم بخاری کے موقعہ پر ہونے والی ایک دعا کی برجستہ مقبولیت اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ اس محفل کی ہر دعا مقبول و مستجاب ہوئی۔ آخری عشرہ میں ہی دارالعلوم کے اہم ترین شعبہ دارالافتاء کا امتحان نہایت پرسکون ماحول میں ہوا۔ ۲۳ طلبہ کرام شریک امتحان ہوئے الحمدللہ نتیجہ سو فیصد رہا۔ اسی عشرہ میں ان طلبہ کا نتیجہ بھی آیا جو شعبان کے اواخر میں ہی سالانہ امتحان سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے تھے اول سے چہارم تک کے امتحان میں بیٹھنے والے طلبہ کی تعداد ۲۳۴ تھی جن میں صرف ۷ طلبہ ناکام باقی ۲۲۷ کامیاب قرار دیئے گئے ان طلبہ کے علاوہ بھی شعبان میں ہی دارالقرآن، شعبہ [illegible] شعبہ کتابت اور دارالصنائع [illegible]

تین سو (۳۰۰) طلبہ بھی شعبان میں ہی سالانہ امتحان سے فراغت حاصل کر چکے تھے۔ مذکورہ شعبوں کے نتائج بھی توقع سے زیادہ بہتر رہے نتائج کی اس حیرت انگیز بہتری سے فرزندانِ دارالعلوم کے علمی شغف وانہماک اور ان نونہالوں کی علمی لگن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حالات کے ناسازگار ہونے کے باوجود ان کے پائے استقلال میں لغزش اور ثباتِ قدمی میں ماشہ برابر فرق نہ آیا بلکہ وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں اور اساسی مقصد کے حصول کے لئے کوشاں رہے جو یقیناً خوش آیند مستقبل کی بشارت ہے۔

حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی مدظلہٗ ناظم مجلس تعلیمی دارالعلوم دیوبند رمضان کے اواخر میں دارالعلوم کے سلسلہ میں غیر ممالک کے دورے پر تشریف لے گئے تھے۔ خوش کن بات یہ ہے کہ مخالفین دارالعلوم کے غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈے کے باوجود گذشتہ سال کے مقابلہ میں اس رمضان میں آمد زیادہ رہی اگرچہ پروپیگنڈہ سے متاثر عوام کو صحیح حالات وواقعات سے باخبر اور روشناس کرانے کے لئے بعض اساتذہ کو اسفار کرنے پڑے الحمد للہ خاطر خواہ کامیابی رہی

۲۹ر تاریخ کو مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے چاندیا رویت عجیب سا ہی رہی۔ مغرب بعد دارالعلوم کی رویت ہلال کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ عام رویت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا جب کہیں سے کوئی شہادت اور خبر موصول نہیں ہوئی تو ۳۰ر تاریخ کو روزہ رکھا گیا تقریباً ۱۲ بجے مظاہر علوم کے مفتی صاحب نے دو گواہوں کے بدست ایک تحریر دارالعلوم بھیجی کہ ہم نے شرعی شہادتوں کے موصول ہونے کی بناء پر رویت تسلیم کرلی ہے۔ تو پھر یہاں کی ہلال کمیٹی کا اجلاس دفتر اہتمام میں منعقد ہوا شدہ شدہ خبر پورے شہر میں گشت کرگئی اور شہری بھائیوں کا تانتا بندھ گیا۔ اوپر اہتمام میں اجلاس جاری تھا اور نیچے عجیب چہل پہل تھی۔ سب لوگ دارالعلوم کا فیصلہ سننے کے لئے بے چین وبے قرار تھے یہاں کے مفتیانِ کرام نے مظاہر علوم کے مفتی صاحب کی تحریر کو تسلیم کرتے ہوئے ۲۹ تاریخ کی رویت تسلیم کرنے کا اعلان کیا تو روزہ افطار کرنے کا عمل پوری تیزی کے ساتھ شروع ہوگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے آس پاس کی پھلوں سے لدی ہوئی ٹھیلیاں خالی ہوگئیں اگلے روز صبح کو بارش کی وجہ سے ہزاروں بندگانِ خدا نے دارالعلوم میں دوگانہ نماز ادا کی حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی صدر جمعیۃ العلماء ہند نے نماز پڑھائی۔ تمام چھتوں، گیلریوں اور باہر تک انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اس قبلۂ علمی کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھا دورانِ خطبہ لوگوں کے قلوب پہ رقت طاری تھی نماز کے بعد طلبۂ دارالعلوم اور ان کے جاں نثار شہری بھائیوں نے آپس میں ایک دوسرے سے مصافحہ اور معانقہ کرتے ہوئے مبارکباد پیش کی۔ مختلف انجمنوں کی جانب سے تہنیت وتبریک کے خلوص آگیں بینر مادر علمی کی دیواروں پہ آویزاں ہر وارد وصادر کا خیر مقدم کر رہے تھے ارباب سلوک کی پیشانی پر صفا بہاروں سے معطر تھی ہر شخص کے لبوں پر نغمۂ تبریک جاری ہر طرف سے مرحبا و مبارک کی دلنواز صدائیں ساتھ ساتھ [illegible] لیکن جہاں قاسمی عنادل کے نغم و اہتزاز [illegible] تھے وہیں ایک حساس چہروں سے فلسطینی بھائیوں [illegible] کے خلاف بغض وغضب [illegible] عیاں تھا شاید [illegible] کا شاہکار تھی ایک بستانِ علم وحکمت [illegible]

حبِّ رسولؐ ایمان کا جزء ہے

از افادات حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ
سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

حدیث شریف میں ارشاد ہے "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے دل میں والد اور ولد اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

دراصل جب ہم اس بات پر نظر کرتے ہیں کہ والد اور ولد کی محبت طبعی اور غیر اختیاری ہے اور پیغمبرؐ کے ساتھ جو تعلق ہوگا خواہ آپ کی سنت کی نصرت کا ہو یا آپ کے احکام کی اطاعت کا ہو یا آپ کی شریعت سے دوسروں کے حملوں کی مدافعت کا وہ سب اختیاری ہے اس لئے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ کی اختیاری محبت والد اور ولد کی غیر اختیاری محبت پر کس طرح غالب آسکتی ہے۔ یہ ایک ایسا [illegible] تھا کہ جس پر سننے والے کو تردد ہو سکتا تھا [illegible] ممکن تھا کہ انکار کی نوبت آجائے اسلئے اہمیت جتلانے کے لئے قسم کھا کر بیان کرتے ہیں یا یوں کہیے کہ معاملہ جس قدر اہم ہوتا ہے بیان کرنے والے کو اسی قدر بیان میں قوت پیدا کرنی پڑتی ہے کیونکہ اگر اہم معاملہ کو معمولی طور پر بیان کیا جائے تو اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیان میں قسم کے ذریعہ زور پیدا فرما رہے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان۔

آپ کا بغیر کسی تاکید کے بھی بیان فرما دینا سامعین کے لئے پوری پوری تسلی اور تسکین کا باعث ہے کیونکہ یہ کسی عام انسان کا کلام نہیں ہے جس کے بارے میں کچھ تردد کی گنجائش ہو لیکن جب تاکید و قسم ہو تو وزن اور بڑھ جائیگا۔ قسم بھی اپنی جان کی کھا رہے ہیں یعنی تم جانتے ہو کہ میرا نفس کتنا پاکیزہ اور صاف ستھرا ہے اور کس قدر اوصاف حمیدہ کا حامل ہے

کس قدر افعالِ جمیلہ کا محرک ہے میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔

قسم کے الفاظ میں یَدْ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رہ نے فرمایا ہے کہ ید سے قوت مراد لینا خداوند قدوس کو معطل کر دینے کے مرادف ہے۔ یہ تاویلات حضراتِ متاخرین نے مجبوری کے درجہ میں کی ہیں جب یہ دیکھا کہ فلاسفہ کے اصول کو ہاتھ میں لے کر فرق باطلہ نے اسلام کے شفاف اصولوں پر اعتراضات کئے ہیں تو یہ ضرورت ہوئی کہ مسائل کو اسی رنگ میں سمجھایا جائے گویا مقصد منہ بند کرنا تھا ورنہ بات اپنی جگہ صاف ہے کہ خدا کے لئے ید ہے لیکن اس کی نوعیت مخلوقات کے ید سے مختلف ہے۔ جب مخلوقات ہی آپس میں بے انتہا مختلف ہیں، انسان وحیوانات میں فرق ہے چرند اور پرندکی وضع میں فرق ہے تو خالق کو مخلوق پر قیاس کرنا یقیناً درست نہیں۔ خداوند قدوس کے متعلق یہ کہنا بھی انتہائی حماقت ہے کہ اس کے ہاتھ سونے اور چاندی کے ہیں دوانفض کا یہ کہنا بھی کفر ہے کہ وہ آدھا ٹھوس اور کھوکل ہے اسی لئے سمع بصر اور دوسری تمام وہ چیزیں جس کو خداوند قدوس نے اپنی طرف منسوب کیا ہے متشابہات میں سے ہیں" لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر"

غرض یہاں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پوری تاکید کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں کہ تمہارا ایمان میری گہری محبت پر موقوف ہے، دیکھنا یہ ہے کہ اس محبت سے کونسی محبت مراد ہے۔ اس میں اکابر کے اقوال مختلف ہیں بعض بزرگوں کی تحقیق ہے کہ اس سے مراد محبتِ طبعی ہے کیونکہ حدیث میں والد اور ولد سے مقابلہ کیا گیا ہے جن کی محبت طبعی ہوتی ہے اس مقابلہ سے معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام کی محبت بھی طبعی ہونی چاہئے اور آیت کریمہ میں بھی مقابلہ پر انھیں چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جن کی طرف انسان کا میلان طبعی ہوتا ہے۔ آیت کریمہ ملاحظہ ہو۔

قل ان کان	آپ کہدیجئے کہ اگر تمہارے
اٰباءکم وابناءکم	باپ اور تمہارے بیٹے اور
واخوانکم وازواجکم	تمہارے بھائی اور تمہاری
وعشیرتکم واموال	بیبیاں اور تمہارا کنبہ
اقترفتموھا وتجارۃ	اور وہ مال جو تم نے کمائے
تخشون کسادھا	ہیں اور وہ تجارت جس
ومساکن ترضونھا	میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو
احب الیکم من	اندیشہ ہو اور وہ گھر جنکو تم
اللہ ورسولہ و	پسند کرتے ہو تم کو اللہ
جھاد فی سبیلہ	اور اس کے رسول سے اور
فتربصوا	اس کی راہ میں جہاد کرنے
(پ ۱۰ ع ۸)	سے پیارے ہوں تو تم منتظر رہو

یہاں آباء، ابناء، اخوان، ازواج، تجارت اموال وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے جن سے انسان کو طبعی تعلق ہوتا ہے اس لئے حدیث اور آیت شریفہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں جس محبت کا مکلف بنایا گیا ہے وہ طبعی ہی ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے احوال بھی کچھ اسی قسم کے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ طبعی تعلق تھا۔

لہ عینی۔

خیبر سے واپسی پر پیغمبر علیہ السلام اور حضرت
عقد راستہ ہی میں ہوا تھا۔ ایک اونٹنی پر
ٹھوکر لگی اور آپ اونٹنی سے گر گئے اور
بھی۔ حضرت ابو طلحہ رض نے جو اونٹنی پر
جب یہ دیکھا کہ پیغمبر علیہ السلام گر گئے ہیں
وقت اپنے آپ کو اونٹنی سے گرا دیا یعنی نہ
نے کا انتظار کیا اور نہ احتیاط کے ساتھ
کی کوشش کی بلکہ پیغمبر علیہ السلام کو اس حالت
کر اضطراری طور پر اپنے آپ کو نیچے پھینک
خدمت ہوئے اور پوچھا حضور! کہیں چوٹ
گی۔ آپ نے فرمایا صفیہ رض کو سنبھالو حضرت
بیان ہے کہ میں منہ پر کپڑا ڈال کر آگے
اور قریب پہونچ کر وہ نقاب حضرت صفیہ رض
پر ڈال دیا اور سوار کرایا۔ اس والہانہ
سے صحابہ کرام کی محبت کی نوعیت معلوم کی
ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا بیان
احد کے موقع پر میرے والد حضرت عبداللہ
وصیت کی کہ تم مجھے نفسِ پیغمبر علیہ السلام کے
سب سے عزیز ہو اور میں سمجھ رہا ہوں کہ کل صبح
پہلے میں شہید ہونگا، میرے اوپر قرض ہے
وصیت کرتا ہوں کہ اسکی ادائیگی کی فکر کرنا
بھی بصراحت موجود ہے کہ تم مجھے سب سے
عزیز ہو غیر نفسِ رسول اللہ۔
حضرت عمر رض نے عرض کیا حضور! آپکی محبت
دل میں والد اور ولد سے بہت زیادہ ہے
اپنے نفس کی محبت اور بھی زیادہ پا رہا ہوں
فرمایا عمر! ابھی کمی باقی ہے۔ پھر حضرت عمر رض
کیا اور کہا اب آپ کی محبت میرے دل
میں اپنے سے بھی زیادہ ہے، یہ سنکر آں حضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الآن یا عمر
حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ باغ یا کھیت
میں پانی دے رہے تھے کہ بیٹے نے پیغمبر علیہ السلام کے
وصال کی اطلاع دی فوراً آنکھیں بند کر لیں ا
بارگاہِ رب العالمین میں عرض کیا کہ اے خدا! میر
نے جن آنکھوں سے پیغمبر علیہ السلام کا جمال دیکھا ہے
اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں انھیں کسی دوسری
چیز کے لئے استعمال کرنا نہیں چاہتا جو سے میری
بصارت لے لے چنانچہ ان کی بینائی جاتی رہی۔
حضرت اویس قرنی کے متعلق مشہور ہے کہ جب
انھیں یہ اطلاع پہنچی کہ پیغمبر علیہ السلام کا دندان مبارک
شہید ہو گیا ہے تو انھوں نے اپنے تمام دانت توڑ دیے۔
کیونکہ معین دندان مبارک معلوم نہیں ہو سکا تھا
ان تمام واقعات سے معلوم ہو رہا ہے کہ پیغمبر
علیہ السلام سے صحابہ کرام رض کو جو تعلق تھا وہ محبت
طبعی کے درجہ میں تھا بلکہ حبِ طبعی سے بھی کوئی اور
اونچا درجہ ہو تو وہ بھی ہو سکتا ہے۔
لیکن بعض دوسرے حضرات کا فیصلہ اس کے
خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ محبت کے مختلف درجات
ہیں۔ حبِ عقلی، حبِ طبعی، حبِ ایمانی (حبِ شرعی)
پھر حبِ ایمانی میں ایک درجہ حبِ عشقی کا ہے۔
حبِ طبعی ظاہر ہے کہ قطعاً غیر اختیاری چیز ہے
کسی شخص کو بھی غیر اختیاری شے کا مکلف نہیں
بنایا جا سکتا تکلیف ہمیشہ اختیاری امور پر دی
جاتی ہے اسلئے حب طبعی مراد نہیں لی جا سکتی ہا
حب عقلی کی گنجائش ہے حب عقلی کا مفہوم یہ ہے
کہ خواہ حکم طبعی طور پر گراں گزرے لیکن عقل
تقاضا ہے کہ تمام چیزوں پر اسی کو ترجیح دی جائے

جیسا کو مریض کو دوا سے طبعاً نفرت ہوتی ہے لیکن بروئے عقل وہ دوا کے استعمال پر مجبور ہے، ایک طرف باپ بیٹے کی محبت کا تقاضا ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات خلافِ شرع کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے اور دوسری طرف شریعت کا فیصلہ ہے کہ اس میں تمہارا نقصان، تمہاری شریعت کا نقصان ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان طبعی رجحان کی طرف مائل ہوتا ہے یا عقل کے مانع آنے سے رک جاتا ہے اگر عقل کے روکنے سے باز آجاتا ہے تو مومن ہے ورنہ ایمان میں نقصان ہے۔

اور ایک حب ایمانی ہے یہ ان دونوں سے اوپر کی چیز ہے کہ اطاعت و فرماں برداری تا حد امکان عمل ہونی چاہیئے اس میں نہ نفع کی تمنا ہے اور نہ نقصان کی پرواہ۔ جب عقلی میں نفع و نقصان پر نظر ہوتی ہے حب ایمانی میں ایسا نہیں ہے پھر جب یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ نفع و نقصان کی پرواہ کئے بغیر فرامین پر عمل کیا جائے تو جس قدر اعمال میں ترقی ہوتی رہے گی اسی قدر ایمان میں ترقی ہوتی رہے گی حتیٰ کہ یہ حبِّ ایمانی، حبِّ عشقی میں تبدیل ہوجائے گی۔ جیسا کہ عاشق کی نگاہ میں محبوب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا اسی طرح اس مقام پر آکر انسان کی نظر میں بھی کچھ نہیں رہتا۔ اختیار محبوب کے ہاتھ میں ہے جس چیز سے روک دیا رک گئے اور جس چیز کا حکم دے دیا گیا عمل پیرا ہوگئے کیونکہ اس موقع پر آکر انسان کو اپنے وجود کا بھی احساس نہیں رہتا اس مقام پر پہونچ کر محبوب اگر یہ بھی کہدے کہ تم دور ہوجاؤ تو اس کو بھی اختیار کرلیتا ہے گو عشق کے ساتھ یہ دوری بہت مشکل معلوم ہوتی ہے لیکن عشق کا ایک یہ بھی عالم ہے۔

اريد وصاله ويريد هجري

فاترك ما اريد لما يريد

کیونکہ اس مقام پر انسان کی اپنی خواہشیں فنا ہوچکی ہوتی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی اس کی مثال موجود ہے آپ نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے سامنے نہ پڑا کرو چنانچہ حضرت وحشی رض کبھی سامنے نہیں آئے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ محبت غیر اختیاری طبعی تو نہیں ہوسکتی کیونکہ انسان غیر اختیاری شے کا مکلف نہیں ہوتا اب وہ محبت عقلی ہوگی یا ایمانی اس لئے محبت کا آغاز حبِّ عقلی سے ہوتا ہے۔ کیونکہ ایمان کا تقاضا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی اطاعت میں نفع اور معصیت میں ضرر ہے اور جب یہ حب عقلی ترقی کرتی ہے تو حب ایمانی بن جاتی ہے اور اس وقت نفع و نقصان پر نظر نہیں رہتی بلکہ انسان اس مقام پر صرف حکم دیکھتا ہے اور جب یہ حبِّ ایمانی ترقی کرکے حبِّ عشقی کے درجہ میں پہونچ جاتی ہے تو محبوب کے علاوہ سب کچھ ختم ہوجاتا ہے۔ آیت شریفہ قل ان کان اباءکم وابناءکم واخوانکم الآیۃ سے حب طبعی معلوم ہوتی ہے اور واقعتاً اس کے یہ معنی ہو بھی سکتے ہیں جیسا کہ یہ بعض اکابر کا فیصلہ ہے لیکن یہ معنی معین نہیں ہیں بلکہ دوسرے معنی بھی ہوسکتے ہیں۔ آیت میں چند مالوفات کا ذکر کیا گیا ہے کہ تم ان کی طرف راغب نہ ہوجانا، اس لئے ان معنی کی بھی گنجائش ہے، اگر آیت کی تفسیر اس طرح کی جائے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ حب رسول کے سلسلے میں مومن سے حب طبعی سے بھی کوئی اونچا درجہ مطلوب ہے جس کا حاصل یہ ہے سب کچھ قربان کیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ جب تک

رگوں میں خون دوڑ رہا ہے اس پر آنچ نہ
، تلوار پڑے تو ہم پر پڑے، جو آئے تو نشانہ
ہیں جبکہ ماں باپ کی محبت بھی طبعی ہوتی ہے
حب جان زیر بن آتی ہے تو انسان بسا اوقات
جاں سپاری میں کوتاہی کر جاتا ہے۔ حضرت جابرؓ
حضرت طلحہؓ، حضرت ابو دجانہؓ اور آپ کی آڑ میں
شہید ہو جانے والے دوسرے انصار کا عمل یہی
بتلا رہا ہے کہ ان کی محبت حبِ عشقی کے درجہ میں
تھی جس کے مقابل حب ایمانی بھی ہیچ ہے۔

مومنین میں رسول کے ساتھ محبت کے
مختلف درجات ہوتے ہیں کسی کی محبت حبِ عقلی
کے درجہ کی ہوتی ہے اور کسی کی حبِ ایمانی اور
عقلی کے مرتبہ کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مرتبہ
کو بڑھانا تھا اسلئے آنحضورؐ نے حضرت عمرؓ کے
پیش کردہ خطرہ اور خدشہ کو صاف کر دیا۔

درجات کا اختلاف اس طرح معلوم کیا جاسکتا
ہے کہ نابینا کو ترکِ جماعت کی اجازت ہے
حضرت عتبانؓ کو اجازت عنایت فرمادی
صرف اسلئے کہ وہ ضعیف البصر تھے اور جب حضرت
عبداللہ بن ام مکتوم نے اجازت طلب کی تو
فرمایا ھل تسمع الاذان کیا اذان کی آواز
آتی ہے؟ عرض کیا ہاں آتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا
پھر نہ آنے کی کیا بات ہے، حضرت عبداللہ کا
مقام یہ ہے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ فرماتے۔

مرحبا بمن — مرحبا اس ذات کے لئے جسکے
عاتبنی ربی — بارے میں میرے رب نے مجھے
عتاب کیا

اس ارشاد میں عبس و تولی ان جاءہ

الاعمیٰ کی طرف اشارہ ہے۔

بہر کیف محبت طبعی ہو یا ایمانی دیکھنا یہ
کہ پیغمبر علیہ السلام کی محبت سب سے زیادہ کیوں
چاہیئے، محبت کے معنی ہیں میلانِ نفس اور میلا
ہمیشہ پسندیدہ چیز کی جانب ہوا کرتا ہے ظاہر
کہ عالم اسباب میں میلان اور جھکاؤ کے چند
اسباب ہوسکتے ہیں پہلے ان اسباب محبت کو
جائے اور پھر یہ دیکھا جائے کہ وہ اسباب آپؐ
اندر کامل ہیں یا دوسروں میں۔

اگر وہ اسباب آپؐ کے اندر کامل و اکمل
تو قاعدہ کی رُو سے آپؐ کی محبت بھی سب سے زائد
چاہیئے۔ وہ اسباب محبت چار ہیں۔
جمال۔ کمال۔ قرابت۔ احسان

جمال یعنی خوبصورتی یہ ظاہری بھی ہوتی
اور باطنی بھی اسی باطنی خوبصورتی ہی کی دوسر
تعبیر کمال ہے۔ یہ چاروں اسباب جالبِ محبت
ہیں، ظاہری خوبصورتی یہ ہے کہ انسان خوب
اعضاء میں تناسب اور اعتدال ہو، کوئی بار
ایسی نہ ہو کہ اس سے جمال میں نقصان معـ
ہوتا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کو محبوبیت
خداوندی کا درجہ حاصل ہے پھر چونکہ آپکو محبو
کے لئے اس ذات نے منتخب کیا ہے جو خالق
اور محب جمال ہے اس لئے وہ تمام چیزیں جن
جمال متعلق ہوسکتا ہے آپؐ کے اندر بدرجۂ کم
موجود ہونی چاہئیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے
کے سلسلے میں بیان فرماتی ہیں کہ اندھیری رات
اگر سوئی کے اندر ڈورا ڈالنے کی ضرورت ہو

.آپ کے جسدِ اطہر سے قریب کیا اور ڈھونڈا ڈال لیا
ِن آپ کے جمال سے تاریکی دور ہو جاتی تھی اسی
رح فرماتی ہیں کہ اگر کوئی چیز گم ہو جاتی تھی اور اندھیرے
ے باعث ہاتھ نہ آتی تھی تو پیغمبرؐ کے دست مبارک
ا روشنی میں اسے ڈھونڈھ لیا جاتا تھا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے
ہیں کہ چودھویں رات میں کبھی چہرے پر نظر ڈالتا ہوں
ور کبھی چاند پر اور قسم کھا کر بیان فرماتے ہیں
ہ جو جمال پیغمبر علیہ السلام کے چہرۂ انور میں نظر آیا چاند
یں نہ تھا، اپنے جمال کے سلسلے میں خود آنحضور
ملی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اخی یوسف اصبح	میرے بھائی یوسفؑ مجھ
وانا املح منہ	سے زیادہ صبیح ہیں اور میں ان سے زیادہ ملیح ہوں۔

صباحت بہت اچھی چیز ہے اگر نظر پڑ جائے
جم جاتی ہے لیکن اگر ملاحت نہ ہو تو حسن میں کچھ
پھیکا پن معلوم ہوتا ہے۔ محبوبیت کے لئے صباحت
سے زیادہ ملاحت درکار ہے اور ظاہر ہے کہ خوبصورت
انسان سب کے نزدیک محبوب ہوتا ہے یہ حسن پرستی
صرف انسان ہی میں نہیں بلکہ اس وصف میں حیوانات
ی انسان کے سہیم و شریک ہیں۔ ایک پرندہ ہے
ارو، جسے چکور کہتے ہیں چاند پر عاشق ہوتا ہے
دھر چاند نکلا اور ادھر اس نے رقص شروع کیا
ور چونکہ چاند تک رسائی ممکن نہیں ہے اس لئے
اندگی میں لوٹتا رہتا ہے۔

اسی طرح بلبل پھول پر جان دیتی ہے اور
رف حیوانات ہی نہیں بلکہ یہ حسن پرستی کا مادہ درختوں
ا بھی پایا جاتا ہے۔ بعض درخت ایسے ہیں کہ حسین
دمی کو لپٹ جاتے ہیں۔

اس حسن پرستی کے سلسلہ میں انسان کو تو پوچھئے
حجۃ الوداع کا واقعہ ہے حضرت فضلؓ بن عباس بڑے
حسین تھے حجۃ الوداع میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی سواری پر ردیف ہیں[1] قبیلۂ خثعم کی ایک عورت
آئی اور باپ کے متعلق سوال کیا کہ وہ اس قدر
ضعیف العمر ہیں کہ سواری پر نہیں بیٹھ سکتے ان پر حج
فرض ہو چکا ہے کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کرا دوں
یا کر دوں۔

مسئلہ اپنی جگہ آئیگا یہاں تو یہ بتلانا ہے
کہ ادھر فضل بن عباسؓ ہیں اور ادھر قبیلۂ خثعم کی وہ
حسین عورت، دونوں کی نظر ایک دوسرے پر
جم گئی اور یہ صرف حسن کی کشش کا نتیجہ ہے جو قطعا
غیر اختیاری چیز ہے، آپ نے حضرت فضل کا منہ پھیر دیا
گو آپ کی موجودگی میں کوئی خطرہ نہ تھا لیکن صرف
اس لئے ایسا کیا کہ حسن میں کشش ہوتی ہے مبادا کوئی اثر
ہو جائے۔ قرآن کریم میں بھی حسن کے اعجاب اور کشش
کے لئے شہادت موجود ہے۔ ارشاد ہے

لا یحل لک النساء من	ان کے علاوہ اور عورتیں
بعد ولا ان تبدل بھن	آپ کے لئے حلال نہیں اور
من ازواج ولو اعجبک	نہ یہ درست ہے کہ آپ ان
حسنھن الا ما ملکت	بیبیوں کی جگہ دوسری
یمینک	بدلیں اگرچہ آپ کو ان کا
(پ ۲۲ ع ۳)	حسن اچھا معلوم ہو مگر جو آپکی مملوکہ ہو۔

آیت کریمہ میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے
متعلق ارشاد ہے کہ خواہ آپکو ان کا حسن تعجب میں
ڈالدے۔ معلوم ہوا کہ حسن میں غیر معمولی کشش ہوتی ہے

[1] بخاری جلد ۱ ص ۲۹ باب الرکوب والارتداف۔

اور حسن میں کشش اور اس کا تقاضا محبت ہے
پیغمبر علیہ السلام کی ذات گرامی میں سب سے زیادہ کشش
ہے کیونکہ آپ کی ذات گرامی میں جمال کے
سلسلے کی ہر چیز بدرجۂ اتم موجود ہے

دوسرا سبب محبت، کمال یعنی جمال باطنی ہے
ظاہر ہے کہ جب کسی شخص میں اعلیٰ درجہ کے اخلاق
جمع ہوتے ہیں تو وہ اپنے اخلاق سے دوسروں کو مسخر
کر لیتا ہے بڑے بڑے سرکش اس کی خوش اخلاقی
سے پانی ہو جاتے ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام کو حسن ظاہری
کے ساتھ حسن باطنی بھی کامل طور پر عطا کیا گیا تھا
اور جس شخص میں کمال ہوتا ہے وہ سب کے نزدیک
محبوب ہوتا ہے۔

ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ صورت و
شکل کی خامی کے باوجود صرف کمال کی وجہ سے انھیں
محبوب سمجھا گیا بلکہ بسا اوقات انھیں سلاطین پر
بھی ترجیح دی گئی۔ آپ کی ذات اقدس میں تمام انسانی
کمالات بدرجۂ اتم موجود تھے آپ نے فرمایا ہے،

انا سید ولد آدم و | میں اولاد آدم کا سردار ہوں
لا فخر | اور کوئی فخر نہیں۔

آپ کی شان سیادت سب سے نمایاں ہے اسی
لئے انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لیا گیا تھا
کہ جب آپ ظاہر ہوں تو ان کا اتباع کرنا،
ارشاد ہے۔

واذ اخذ الله میثاق	اور جب عہد لیا اللہ تعالیٰ
النبیین لما اتیتکم	نے انبیاء سے کہ جو کچھ میں
من کتاب وحکمة	تم کو کتاب اور علم دوں پھر
ثم جاءکم رسول	تمہارے پاس کوئی پیغمبر آوے
مصدق لما معکم	جو مصدق ہو اس کا جو تمہارے
لتؤمنن بہ و	پاس ہے تو تم اس رسول

لتنصرنہ | پر اعتقاد بھی لانا اور اس
(پ۳ ع ۱۶) | طرفداری بھی کرنا۔

اور کمالات میں اصل کمال کمال علمی ہے اور کمال
عملی بھی اسی کمال علمی کا نتیجہ ہے۔ پیغمبرؐ کا ارشاد
ہے اوتیت علم الاولین والآخرین یعنی جو
علوم سابق میں تھے وہ سب میرے پاس ہیں اور
میرے مخصوص علوم ہیں وہ کسی کے پاس نہیں۔ اسی
کمال علمی کے باعث حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت
دی گئی تھی اسی کمال علمی کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام
سے ہوا تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر الیوم
اکملت لکم دینکم کے اعلان کے ساتھ اس
کا اتمام کر دیا گیا۔

پھر اگر کمال میں تسخیر کی قوت ہے اور باکمال
انسان کے لئے دنیا خم ہو جاتی ہے تو پیغمبر علیہ السلام
کا کمال تو بہت بلند ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کے کمالات
کو اگر دنیا کے تمام کمالات کے ساتھ وزن کیا جائے
تو دنیا کے یہ تمام کمالات اس قدر ہیچ نظر آئیں
بیان کے لئے بھی کوئی نسبت نہ مل سکے۔

اسی طرح محبت کے تیسرے سبب یعنی قرابت
کو لے لیجئے، پیغمبر علیہ السلام اس اعتبار سے بھی بہت
زیادہ لائق تعظیم و محبت ہیں۔ ارشاد ربانی ہے

النبی اولی بالمومنین | نبی مومنین کے ساتھ
من انفسھم | ان کے نفس سے بھی زیادہ
(پ۲۱ ع ۷) | تعلق رکھتے ہیں۔

اس سے زائد اور کیا قرب ہو گا کہ آپ روحانی
باپ ہیں، ارشاد ہے۔

وازواجہ امھاتھم | اور آپ کی بیبیاں ان کی
پ ۲۱ ع ۱۷ | مائیں ہیں۔

جب ازواج مطہرات امہات ہیں تو آپ

باپ ہوں گے چنانچہ شاذ قرأت میں وھو ابوھو بھی موجود ہے۔ جسمانی باپ تخلیق کا واسطہ ہوتا ہے لیکن کمالات روحانیوں کے پیدا کرنے میں جسمانی باپ کا کوئی دخل نہیں ہوتا یہ آپ ہی کی تعلیمات کا ثمرہ ہیں جو بالواسطہ حاصل ہوئی ہیں اسلئے روحانیت کے سلسلے میں ابوّت کا مقام صرف آپ کو حاصل ہے۔

اور روحانی نسبت بھی مختلف طرح کی ہوتی ہے استاد کی، شیخ طریقت اور ہادی کی۔ ان سب نسبتوں میں روحانی ابوّت موجود ہے ایک استاد کا بھی احترام اسی لئے ہے کہ وہ روحانی باپ ہے علوم اسی کے واسطے سے ملتے ہیں، باپ اگر جاہل ہو تو اس کا یہ مقام نہیں ہے۔ پھر استاد کے بعد شیخ طریقت کا درجہ ہے جس کی توجہات نے روحانیت بخشی اور ان علوم میں جان پڑ گئی جن کا استاد نے فاضہ کیا تھا۔ اسلئے شیخ کا درجہ استاد سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ جب جسمانی باپ کو بیٹے کے منقولہ اموال میں تصرف کا حق ہے بلکہ وہ بیٹے کے انکار کے علی الرغم بھی تصرف کرسکتا ہے جب جسمانی باپ کے یہ حقوق ہیں تو وہ ذات گرامی جس نے انسانیت سے ہم کنار کیا، روحانیت کی تعلیم دی یقیناً ان حقوق کی بہت زیادہ مستحق ہے۔

چوتھا سبب محبت احسان ہے۔ انسان اپنے محسن کا فرماں بردار ہوتا ہے

الانسان عبید الاحسان۔ انسان احسان کا بندہ ہے مشہور اور مسلم مقولہ ہے۔

صلح حدیبیہ کے وقعہ پر جب صلح کی گفتگو ہو رہی تھی مغیرہ بن شعبہؓ تلوار سونتے کھڑے تھے گفتگو کرنے والا ادھر ادھر نظر ڈال کے کہتا ہے کہ یہ لوگ جو پیغمبر کے ارد گرد جمع ہوگئے ہیں ان کے بہی خواہ نہیں ہاں کچھ اغراض وابستہ ہیں۔ ذرا مصیبت آئی اور یہ بھاگے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو یہ سنکر جلال آگیا اور بہت گرم اور سخت الفاظ استعمال کئے وہ شخص پوچھتا ہے یہ کون ہیں؟ کہا جاتا ہے ابوبکر ہیں، جواب میں کہتا ہے ابوبکر آپ کے مجھ پر احسانات ہیں ورنہ میں جواب دیتا۔ یعنی صرف احسان کی وجہ سے زبان روک لی۔ اور صرف انسان ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ حیوانات بھی احسان کی وجہ سے جھک جاتے ہیں

اب دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے کیا احسانات ہیں۔ ظاہر ہے کہ تمام مخلوقات پر آپ کا سب سے پہلا اور سب سے عظیم احسان یہ ہے کہ سب کا وجود آپ ہی کے وجود کا فیض ہے اور تمام احسانات تو بعد کے ہیں سب سے پہلی چیز تو وجود ہے جو آپ کی وساطت سے ملا ہے باقی تمام انعامات بھی آپ کی وساطت سے ملتے ہیں

انما انا قاسم واللہ یعطی

میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے

یعنی تمام انعامات کی تقسیم میرے واسطے سے ہوتی ہے حتیٰ کہ نبوت کی تقسیم بھی آپ ہی کی وساطت سے ہوئی۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے۔

انی عبد اللہ لخاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ (مسند احمد ۴ص۱۲۷)

میں عبد اللہ خاتم النبیین ہوں [illegible]

آدم ابھی مٹی ہی میں تھے۔
ـــر احسانات کی کوئی انتہا نہیں ہے
آپ نے ہدایتِ امت کے سلسلے میں
جان کا ہوں کا سامنا کیا جس وقت
مبعوث ہوئے اس وقت کی عمومی حالت
یت ابتر تھی۔ آیتِ کریمہ ملاحظہ ہو۔

علی شفا حفرة	اور تم دوزخ کے
من النار فانقذکم	گڑھے کے کنارے
منہا (الآیۃ)	پہنچے سو اس سے
	اللہ نے تمہاری
	جان بچائی۔

* * *

ایک جگہ ارشاد ہے کہ میری اور تمہاری
مثال ایسی ہے کہ تم جہنم کے کنارے پر ہو
اور میں تمہیں بچانے کی فکر میں ہوں۔
ـــد بحجزکم کے الفاظ آتے ہیں۔ یہ
بتا رہا ہے کہ قربانیاں دے کر بچایا
اسی لئے تو ہرقل نے کہا تھا کہ اگرچہ
یہ معلوم تھا کہ پیغمبر آنے والے ہیں لیکن
یہ گمان بھی تھا کہ وہ تم میں آئیں گے۔
حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جب
ـــم فارس کے سامنے پچاس ہزار کی جمعیت
بیان دیا تھا وہ بھی اس سلسلے میں دیکھنے
ـــہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

ہم سب سے زیادہ ذلیل تھے، ہم
مردار کھاتے تھے، غربت کی وجہ سے
مردہ جانور اور درختوں کی چھالوں
کو کھا جاتے تھے، ہم نے پتھروں کو
معبود بنا لیا تھا لیکن اللہ نے ہمارے
اندر اپنا پیغمبر پیدا کیا۔ جس کے حسب

نسب اور کردار سے ہم پورے طور
پر باخبر تھے۔ ہم نے پہلے اسے پرکھا
اور پھر اس پر ایمان لے آئے اس
نے ہمیں یہ بتلایا کہ اگر ہم اس کے
کہنے پر عمل کریں گے تو ہمیں دنیا اور
آخرت کی سرداری حاصل ہوگی۔

اور ہوا بھی ایسا ہی کہ دنیا اور آخرت
دونوں بنا لیں، دنیا کی تمام سلطنتوں کو با
بنا لیا ایک غیر مہذب قوم کو دنیا کا مہذب
معلم بنا دیا۔ یہ تھی دنیاوی حکومت کی شان
معاملہ تو خداوند قدوس کا قرب سب سے بڑی
ہے جو اس امت کو حاصل ہے سب سے پہلے یہ امت
سے گذرے گی سب سے پہلے داخلِ جنت ہوگی اور
کی ایک سو بیس صفوں میں اَسّی صفیں اسی امت
یہ ایسی خصوصیات ہیں کہ جن میں کوئی امت
شریک نہیں ہے، پھر اگر احسان میں کشش ہے
الانسان عبید الاحسان صحیح ہے تو
پیغمبر علیہ السلام کی ذات میں سب سے زیادہ
کشش موجود ہے۔ اور آپ تمام لوگوں
سے زیادہ محبت کے لائق ہیں۔

اس توضیح کی روشنی میں یہ بات
ہوگئی کہ تعلق اور محبت کے لئے اس عالم
گل میں جس قدر بھی وجہیں ہوسکتی ہیں
آپ کی ذات والا صفات میں بدرجۂ کمال
ہیں اس لئے آپ کے ساتھ محبت کا وہ اعلیٰ
ہونا چاہیئے جو کسی اور انسان یا مخلوق کے
نہ ہو۔

فقہ حنفی کی مقبولیت

حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر
شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

تاریخ اسلام اس بارے کے لئے کافی ثبوت پیش کرتی ہے کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کی معتد بہ اکثریت امام ابوحنیفہ رح کے فقہ کی دلدادہ رہی ہے بعض حضرات نے اس کی وجہ تو صرف یہی بتائی ہے کہ چونکہ امام ابویوسف رح اور اس قسم کے دیگر اکابر حنفیہ اسلامی حکومتوں میں قاضی القضاۃ تھے لہذا ان کی ترغیب یا بالفاظ دیگر اثر و رسوخ اور کنبہ پروری کی وجہ سے فقہ حنفی مقبول ہوئی ہے جیسا کہ بہت سے غیر مقلدین حضرات نے حضرت شاہ ولی اللہ رح کے ایک حوالہ پر حواشی در حواشی لگا کر اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ پہلے تو یہ بات بھی نہایت قابل غور و فکر ہے کہ اکثر مسلمان اور عادل بادشاہ (جو اگرچہ خلفاء راشدین کی مد میں تو شمار نہیں کئے جا سکتے مگر ان کی اسلام دوستی بھی شک و شبہ سے بالاتر رہی ہے) کیوں فقہ حنفی کے قبول کرنے اور اس کی نشر و اشاعت کے لئے کوشاں و مجبور تھے۔؟ اگر آئے دن

نت نئے حوادث و نوازل اور احکام و مسائل میں بغیر فقہ کے ان کو کوئی صحیح حل نظر آتا یا فقہ حنفی کے بغیر کسی اور امام کی فقہ میں ان کے لئے تشفی کا کوئی سامان موجود ہوتا تو وہ فقہ حنفی کے دامن میں کیوں پناہ لیتے؟ اور اس کے گرویدہ و دلدادہ کیوں ہوتے؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی حکومت کی ترقی رفتار کے ساتھ ساتھ نئی نئی مشکلات کو غیر فقیہ بوریا نشین مولوی اور زاویۂ خمول میں تصوف کی ضربیں لگانے والا عالم صوفی اور ہر پیش آمدہ نئے حادثہ اور مسئلہ کو صریح الفاظ حدیث میں تلاش کرنے والا محض سادہ لوح محدث کیا جانے؟ وقت کے جدید تقاضوں اور نئے نئے پیش آمدہ مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حل کرنے کا صرف وہی اہل ہو سکتا ہے جو قرآن و حدیث اور اقوال صحابہؓ و تابعین رح اور ائمہ دین کے پیش کردہ اصول و ضوابط کے تحت ہر نئے مسئلے کا حل تلاش کر سکے اور اپنے غور و اجتہاد سے اس نازک گتھی کو سلجھا سکے۔ اور ملی

ن کے جدید مسائل سے بھی طاصا
بالی معاملی قسم کے حضرات جو ان چیزوں
دلچسپی ہی نہیں رکھتے تو وہ بیچارے
کیا خاک جدید مسائل حل کریں گے یہ
پسپی اور عبرت سے خالی نہ ہوگی کہ جب
ن کے ہر دل عزیز وزیر اعظم لیاقت علی خاں
رحوم راولپنڈی میں شہید کئے گئے تو گکھڑ
پاس ایک بہت بڑے عالم (جو کہ کم و
بیس پینتیس سال تک کامیاب مناظر رہے
ایک ایک مسئلہ پر نکات در نکات
کے چلے جاتے ہیں) موجود تھے چنانچہ
کے توسط سے ہم نے مرحوم کیلئے دعا
منگوائی اور ہم سب آمین کہتے رہے۔
چلے گئے تو وہ حضرت مجھ سے دریافت
لگے کہ لیاقت علی خاں صاحب کون بزرگ
کے لئے یہ کہرام مچ گیا ہے؟ میں نے کہا
کستان کے وزیر اعظم اور قوم کے خیر خواہ
بزرگ فرمانے لگے کہ پھر تو وہ بہت
ہی ہوں گے۔ بھلا غور فرمائیے کہ ایسے
جدید مسائل کا کیا حل تجویز کر سکتے
حالانکہ وہ کامیاب مناظر، محقق، واعظ اور
ہیں اور صحیح معنی میں خادم اسلام اور
سفید ائی ہیں۔ اور اسی طرح کے ایک
جو چوٹی کے محدث اور فقیہ و صوفی
سیکڑوں علماء کے استاد ہیں وہ ایک
نے لگے۔ کیا یہ وزراء کرام تنخواہیں
کرتے ہیں؟
کہیے کہ اگر تنخواہوں اور سستی شہرت کا
ہوتا تو اسمبلی ہال کی کرسیاں ایک دوسر

کے سر پر ہے کو برستیں، اور رسہ بازی کا مظاہرہ
کیوں ہوتا؟

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ ایسے
علمائے ربانی کی تذلیل و تنقیص کی جائے، اور نہ
یہ مراد ہے بلکہ مقصود صرف اس قدر ہے کہ وہ
اپنے علمی اور اصلاحی کاموں میں کچھ ایسے منہمک
رہتے ہیں کہ دنیوی امور کی طرف وہ توجہ ہی
نہیں کرتے۔

اگر نگاہِ بصیرت سے دیکھا جائے تو مسلمان
اور عادل بادشاہوں کا فقہ حنفی کو اپنانا محض اس
لئے تھا کہ وہ ہر نئے مسئلہ اور حادثہ کا حل جو
قرآن و حدیث کے ظاہری الفاظ میں نظر نہ آتا تھا
اس میں یا اس کے پیش اور قائم کردہ قواعد میں
پا لیتے تھے (اور فقہائے کرام کی باریک بین نظروں
نے ان اصول و کلیات کو قرآن و حدیث ہی سے
استنباط کیا ہے) اس لئے وہ اس کے گرویدہ رہے
اور یہ فقہ حنفی کے جامع اور کامل ہونے کی ایک
مستقل دلیل ہے کہ وہ نامساعد حالات میں بھی
ترقی پذیر رہی اگرچہ ؎

کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول
پھر بھی کھلا ہوا ہے عجب خوش مزاج ہے

گر فقہ حنفی کی مقبولیت کی اصل وجہ یہ نہیں بلکہ اس
کی قبولیت کی کئی اور وجوہ ہیں مثلاً ایک یہ کہ
امام ابو حنیفہؒ کا مقام بہت اونچا ہے اور ان
کے شاگردوں اور متوسلین کو بھی یہ خوبی اور کمال
حاصل تھا کیونکہ "الولد سر لابیہ" ایک
مشہور مثال ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ

لو کان الدین عند الثریا (الحدیث)
میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشا

در خوش قسمتی سے امام صاحب ایسا اولین [illegible]
یا اس لئے بھی ان کے فقہ کو برتری حاصل رہی ہے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کی فقہ
ن لئے مقبول رہی ہے کہ اس کے اصول و ضوابط
ورٰی کے ذریعے طے ہوتے رہے ہیں چنانچہ کوفہ
ے اندر کتاب و سنت کی روشنی میں وضع قوانین
ور حل حوادث و نوازل کے لئے ایک مجلس شوریٰ
ائم تھی جو حضرت امام ابو حنیفہ رہ کی سرکردگی میں
سائل پر غور و خوض کیا کرتی تھی اور کافی بحث
یس اور مناظرہ کے بعد جب سب کی رائے
تفق ہو جاتی تو پھر وہ مسائل قید تحریر میں
ائے جاتے تھے اور منضبط کر کے ان کی تدوین
ا جاتی تھی اور یہ ایک بالکل واضح حقیقت ہے کہ
جتماعی سعی انفرادی کوشش سے بہر حال اعلےٰ
افضل ہوا کرتی ہے۔ اور اس طریق سے جو مسائل
ے کئے جائیں گے ظاہر بات ہے کہ ان میں خطا
ور غلطی نسبتاً بہت ہی کم ہو گی۔ اگرچہ یہ طریق
ی معصوم عن الخطاء کا درجہ اور مقام تو حاصل
ہیں کر سکتا کیونکہ آخر یہ بھی اجتہاد ہی ہے
ر اس میں غلطی کا امکان بہر حال کم رہتا ہے اور
وریٰ کا مستحسن اور مفید ہونا خود قرآن کریم سے
شلاً "وامرهم شورىٰ بينهم" اور بہت سی
ح احادیث اور خلفائے راشدین کے عمل اور
یگر دلائل شرعیہ سے بالکل روشن اور ہویدا ہے
س کا کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔

راکین شوریٰ

امام صاحب نے جو مجلس شوریٰ اور مجلس [illegible]
ائم کی تھی اس کے اراکین اپنے وقت میں [illegible]

کے فقیہ، محدث اور قیاس والے حضرات تھے جو
آزادیٔ رائے کے ساتھ مسائل میں [illegible]
تھے چنانچہ علامہ خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ
اسحاق بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں
نے فرمایا۔

كان اصحاب ابي حنيفة الذين يذاكرونه ابو يوسف وزفر وداؤد الطائي واسد بن عمرو وعافية الاودي والقاسم بن معن وعلي بن مسهر ومندل وحبان ابنا علي وكانوا يخوضون في المسئلة فان لم يحضر عافية قال ابو حنيفة لا ترفعوا المسئلة حتى يحضر عافية فاذا حضر عافية فان وافقهم قال ابو حنيفة اثبتوها فان لم يوافقهم قال ابو حنيفة لا تثبتوها

(تاریخ بغداد ج ۱۲ ص [illegible] طبع مصر [illegible])

اصحاب ابی حنیفہ جو ان کے ساتھ مسائل میں مذاکرہ کیا کرتے تھے یہ تھے امام ابو یوسف، زفر، داؤد طائی، اسد بن عمرو، عافیۃ الاودی، قاسم بن معن، علی بن مسہر، مندل بن علی اور حبان بن علی۔ اور جب وہ کسی مسئلہ میں بحث شروع کرتے تھے اور عافیہ ان میں شریک نہ ہوتے تو امام ابو حنیفہ فرماتے کہ اس مسئلہ میں بحث [illegible] تک ختم کرو جب عافیہ آ لیں اور ان کی رائے سے [illegible] ہو جاتے تو امام [illegible] فرماتے اب اس مسئلہ کو لکھ لو اور اگر [illegible] ذکر تے تو امام صاحب فرماتے یہ مسئلہ مت لکھو۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ [illegible] مسائل
میں اپنے شاگردوں کا شعور بیدار کرنے [illegible]
[illegible] کر سکیں [illegible] امام
صاحب صرف اپنی ذاتی رائے ہی کو [illegible]

...انفرادی رائے کا کسی کو پابند ٹھہراتے
...ور حضرات کی خوب بحث وتمحیص سے جب
...ے پر ختم ہو جاتی تو اس کو اصول اور
...ر کتابوں میں درج کروا دیتے جن کو ہم اپنی
...میں اصلاحی کتابوں سے تعبیر کرتے ہیں یہ
...بیشتر لکھتے ہیں :۔

...وحنیفۃ رح	امام ابوحنیفہ رح نے اپنا
...شوری بینھم	مذہب ان میں بطور شوری
...یجتہد فیہ بنفسہ	رکھا تھا اور اپنے اصحاب کے
...اجتہاداً منہ	بغیر محض اپنی رائے ہی میں
...ین والمبالغۃ	وہ مستبد نہ رہتے تھے اور
...النصیحۃ للہ و	یہ سب کچھ انہوں نے دین میں
...ہ والمؤمنین	احتیاط اور اللہ تعالی اور اس
...یلقی مسئلۃ مسئلۃ	کے رسول برحق اور مسلمانوں
...ما عندھم و	کے حق میں خیرخواہی کے جذبہ
...ما عندہ ویناظرھم	کے تحت کیا ہے چنانچہ وہ
...شھراً او اکثر	ان کے سامنے ایک ایک
...حتی یستقر	مسئلہ پیش کرتے اور ان
...الاقوال فیھا اثم	کی رائے سنتے اور اپنا
...ابو یوسف فی	نظریہ بیان فرماتے اور
...الاصول حتی اثبت	ایک ایک مہینہ بلکہ ضرورت
...الاصول کلھا اھ	پڑتی تو اس سے بھی زیادہ
...موفق ج ۲ ص ۱۳۳)	عرصے تک اس میں مناظرہ
	ومباحثہ کرتے رہتے حتی

...کہ جب کسی ایک قول پر سب کی رائے
...ہو جاتی تو اس کے بعد امام ابو یوسف
...اس کو اصول میں درج کر دیتے یہاں
...تک کہ سب اصول انہوں نے منضبط
...کر دیئے۔

اور اگر امام ابو یوسف رح جلد بازی سے کام لیتے
ہوئے اپنے استاد محترم کی رائے بدون تنقیح اور
تحقیق کے لکھ دیتے تو امام ابوحنیفہ رح ان کو تنبیہ فرماتے

لا تکتب کل ما تسمع	ہر وہ چیز جو تم مجھ سے سنتے
منی فانی قد اری	ہو مت لکھا کرو کیونکہ
الرأی الیوم واترکہ	آج میں کوئی رائے قائم
غداً واری الرأی	کرتا ہوں تو کل اسے
غداً واترکہ ف	چھوڑ دیتا ہوں اور
غداً الخ	کل کی رائے پرسوں
(تقدمہ نصب الرایہ ص ۳۷)	ترک کر دیتا ہوں

اور اس کی وجہ بھی صرف یہ تھی کہ وہ اس وقت تک اپنی رائے کو تدوین کرنا پسند نہیں کرتے تھے جب تک کہ خود بھی اچھی طرح اس پر غور نہ کر لیتے اور مجلس شوری کے ذریعہ بھی اس کی خوبی یا خرابی عیاں نہ ہو جاتی۔

نہایت افسوس ہے کہ بعض غیر مقلد حضرات نے امام صاحب کے اس حزم واحتیاط کو اور خدا تعالی واس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خالص ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ کو متلون مزاجی اور رائے کی بے ثباتی کا طعنہ اور نشتر لگا کر ان کا یہ عیب گرداننے کی ناکام سعی کی ہے مگر یہ سب کچھ سوءِ ظن اور تعصب وحسد کا نتیجہ ہے اور ان کی بے بنیاد تاویلات ان کے مسلک کے فروغ میں رتی بھر رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی اور ان شاء اللہ ہوگی۔ کیونکہ جس کا عمل ہے بےغرض اس کی جزا کچھ اور ہے

امام عبداللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ اس مجلس کے سامنے ایک اہم مسئلہ پیش ہوا
فناظروا فیہا ثلثۃ ... تو ارکان مجلس تین دن

ایام بالغداۃ و	اس میں غور و خوض کرتے
العشی (مناقب موفق ج ۲ ص[illegible])	رہے۔

اور یہ مجلس شوریٰ جب تک کہ مسئلہ کا حل تلاش نہ کر لیتی اس کو معرض التوا میں ڈالتی چنانچہ اس کی تصریح موجود ہے کہ

اذا وقعت مسئلة	جب اس مجلس کے سامنے
یدیرو نہا حتی	کوئی مسئلہ پیش ہوتا
یضیئو نہا	تو اس کو آپس میں خوب
(مناقب کردری ج ملـ)	گردش دیتے یہاں تک
	کہ بالآخر اس کی تہہ تک پہونچ کر اس کو روشن کر لیتے۔

اس طرزِ عمل سے حضرت امام صاحب نے جو مسائل طے اور حل کئے ان کی تعداد میں متعدد روایات اور حوالجات پیش نظر ہیں مگر اختصاراً ہم ملا علی القاری رح کا حوالہ لکھتے ہیں کہ

انہ وضع ثلثة	امام صاحب نے تراسی ہزار
الاف وثمانین	مسئلے طے کئے ان میں
الف مسئلة منہا	سے اڑتیس ہزار عبادات
ثمانیہ وثلاثون	سے متعلق اور باقی
الفا فی العبادۃ و	معاملات سے متعلق
الباقی فی المعاملات	تھے۔

(ذیل الجواہر ج ۲ ص [illegible])

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی وسعتِ نظر اور معاملہ فہمی کا اندازہ لگانے کے لئے امام محمد بن جریر طبری المتوفی سنہ ۳۱۰ھ اور خطیب بغدادی کا ایک حوالہ ملاحظہ کیجئے وہ فرماتے ہیں کہ:۔

وکان ابو حنیفة رح	امام ابو حنیفہ رح سب سے
اول من عد اللبن	پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے
بالقصب۔	بانس کے ذریعہ اینٹوں
(طبری ج ۹ ص ۲۶۶ طبع مصر	کو گننے کا طریقہ ایجاد کیا۔
تاریخ بغداد ج ۱ ص[illegible])	

غور فرمایئے کہ پیمائش کے اس عمل سے خشت شماری کا طریقہ کس قدر سہل اور آسان ہو گیا ہے۔ اور دینی مسائل کے علاوہ ان کی یہ رائے بھی کتنی کارآمد اور مفید ثابت ہوئی ہے کہ آج تک تقریباً ساری دنیا اس اصول کو معمولبہ قرار دے رہی ہے۔

غرضکہ فقہ حنفی میں صرف نماز روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ ہی کے ابواب نہیں بلکہ معاشیات وسیاسیات، معاملات و اخلاق وغیرہ وغیرہ سارے علوم و فنون اس میں سمٹے ہوئے ہیں اور اس کی اسی ہمہ گیری نے قلوب و اذہان پر استیلاء کیا ہے اور لوگ اس کی افادیت اور ضرورت کے تسلیم کرنے سے بالکل چارہ نہیں پاتے۔

؎

تیرا ہر نظارہ ہے آئینہ دارِ زندگی
رقص کرتی ہیں تیرے دامن میں موجیں علم کی

دارالعلوم دیوبند اور خدمت تجوید وقراءت

از ——— قاری ابوالحسن اعظمی
استاذ شعبۂ قرأت دارالعلوم دیوبند

ء کے بعد برٹش حکومت یہاں اپنے اقتدار
بنانے کی فکر میں ہر طرح اور ہر سمت سے
ہوگئی، عیسائی مشنریاں ابتداء ہی سے
کی بیش از بیش اشاعت کے لئے کوشاں
یت کو حکومت کی مکمل تائید اور
پشت پناہی حاصل تھی، اس کے مقابلے میں
سیاسی سرگرمی تھی اور نہ ہی کوئی اور
س کی راہ میں حائل تھا۔ رفتہ رفتہ
ہندوستان میں ان کا اقتدار و تسلط ہو
جس کے نتیجے میں ان کے نظریات اور
اور لازمی طور پر اپنا اثر جارہے تھے
کو روز افزوں فروغ حاصل ہو رہا تھا
مذہب اس کے معتقدات اور اسلامی
ت سے قلوب میں اجنبیت اور بیگانگی
زنگی۔ دین کی بنیادیں متزلزل ہونے
شعائر اسلام مٹنے لگے۔
تعالیٰ کی یہ سنت جاریہ ہے کہ تاقیامت

ایک جماعت قائم علی الحق رہے گی اور اللہ تعالیٰ
ہر آنے والی نسل میں سے ایسے رجال کار کو کھڑا
کرتا رہے گا جو دین سے غالیوں کی تحریف اور باطل
پرستوں کے غلط اور جھوٹے ادّعا کی اصلاح
رہیں گے

دارالعلوم کا قیام

اس بھیانک تاریکی اور پرفتن دور میں اللہ
نے اپنے کچھ نیک بندوں کے قلوب میں دین
صیانت وحفاظت کے لئے ایک ایسے قلعہ کی
اور ایک ایسی اسلامی فوج کی تیاری کا القاء
غیبی اشارہ فرمایا جس کے ذریعے ملت اسلا
ہند کی کشتی کو نصرانیت کے اس سیلاب بلا سے
بچایا جا سکے۔
چنانچہ دارالسلطنت دہلی سے تقریباً
دور اس وقت کے ایک گمنام اور معمولی
کا نام "دیوبند" ہے اللہ کے ان نیک بندوں

...ے دینی پیاسوں کی [illegible] کا انتظام کیا، اس طرح مدرسے کی ایک ...ع نمودار ہوئی

۱۵ محرم الحرام کو ۱۵ تاریخ ۱۲۸۳ھ مطابق مئی ۱۸۶۶ء کے مبارک اور یادگار دن دیوبند کی بظاہر چھوٹی سی مگر تاریخی مسجد (جو مسجد چھتہ سے مشہور ہے) ایک گوناگوں اور بوقلموں خصوصیات کے حامل درخت "انار" کے صحت بخش سائے میں آب حیات کا چشمہ پھوٹا۔

حجاز مقدس میں جب قیام مدرسہ کی اطلاع حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ کو پہونچی تو آپ کی زبان سے بیساختہ یہ کلمات نکلے:۔

"اے اللہ اس ادارے کو اسلام اور علم دین کی حفاظت کا ذریعہ بنا۔"
(سوانح قاسمی ج ۲ ص ۲۲۳)

دار العلوم کی مختلف النوع خدمات

جن مبارک ہستیوں نے اس مدرسہ کی داغ بیل ڈالی، ان کی جد وجہد اور خلوص وللہیت کا یہ نتیجہ تھا بہت تھوڑے سے وقت میں اس "مدرسہ عربی اسلامی" نے ایک عظیم مرکزی ادارے کی حیثیت اختیار کرلی اور اسی عرصے میں ایسے علماء اور دین کے مجاہد تیار ہوکر نکلے جنھوں نے ہند وبیرون ہند میں عظیم اور مختلف النوع خدمات انجام دیں اور جن مقاصد اور اغراض کے لئے یہ مدرسہ وجود میں آیا تھا وہ پورے طور پہ انجام پذیر ہونے لگے۔

بلاشبہ یہ مدرسہ ایک بہت بڑا تاریخی کارنامہ اور وقت کی سب سے بڑی پکار تھی، بقائے اسلام کے لئے اس کا وجود نہایت ضروری تھا اگر دار العلوم دیوبند کا قیام نہ ہوتا [illegible] وہ عظیم ہستیاں [illegible] وقت کی محیر العقول اور بے مثال خدمات انجام دیں ۔۔ تو دین وملت اور ملک وسیاست کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا، برصغیر میں اسلام باقی نہ رہتا۔

اس عظیم ادارے نے علوم نقلیہ کی بطور خاص بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔ علماء دیوبند کی تفسیری، حدیثی اور فقہی خدمات کا اگر جائزہ لیا جائے تو ہر عنوان پر ایک مستقل اور مبسوط کتاب تیار ہوجائیگی مجھے آج اس مختصر تحریر میں ایک ایسی سمت کی جانب اشارہ کرنا ہے جدھر لوگوں کی نگاہیں نہیں جاتیں میری مراد "علم تجوید وقراءت" سے ہے اس علم کا تعلق براہ راست اللہ رب العزۃ کے کلام سے ہے۔

قرآن کا حقیقی اطلاق

حقیقۃً قرآن نام ہے الفاظ قرآنی کا اور معانی پر قرآن کا اطلاق الفاظ کے توسط سے ہوتا ہے۔ قرآن کے معنی ہیں پڑھی جانے والی چیز کے اور قراءت وتلاوت الفاظ کی ہوتی ہے۔ کیونکہ قرآن کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں اس لئے ان کا ثبات خود ایک مستقل مقام ہے اور یہ مستقل افادیت اور عظمت کے حامل ہیں۔

ارشاد باری "لا یمسہ الا المطہرون" (الواقعہ) (یعنی بغیر طہارت اس کا مس درست نہیں ہے) یہ حکم شرعی الفاظ قرآن ہی کے لئے میں ہے نیز نماز کے اندر قراءت الفاظ قرآن کی ضروری ہے، معانی کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے بلکہ اگر بجائے الفاظ کے ترجمۂ قرآن پڑھا جائے تو نماز ہی نہ ہوگی۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ [illegible]

قرأ حرفاً من كتاب الله فله
حسنة والحسنة بعشر امثالها
الم حرف، الف حرف
حرف، میم حرف (رواہ الترمذی)
روایت میں مثالاً ارشاد ہوا "الم"
ت میں سے ہے جس کے معانی اور
سے میں معلوم ہے کہ اس کی مراد خدا ہی
والله اعلم بمراده بذلك
کے مطابق قاری قرآن کے لئے
پر دس، دس نیکیوں کا اجر و ثواب ہے
اجر کا تعلق ظاہر ہے کہ الفاظ سے ہی ہے۔
میں صدی ہجری کے مشہور فاضل صاحب "نور الایضاح"
شرنبلالی رہ اپنے رسالہ "النفحة القدسیہ"
ہیں۔

...رنا بحفظ النظم والمعنی جمیعاً
...دلالة علی النبوة (ص۱۰)
...قرآن کے لفظ و معنی دونوں کی حفاظت
... اور یہی نبوت کا معجزہ ہے۔
... طرح ممکن تھا کہ دارالعلوم دیوبند اتنی
... عظیم سمت کی جانب نہ متوجہ ہوتا۔

...قراءت کی تعریف

...سے پہلے کہ دارالعلوم کی خدمات تجوید
... کا جائزہ لیا جائے، مناسب معلوم ہوتا
... علم کی تعریف اور اس کی تاریخی حیثیت
... لیں۔

... یعنی جوّد الشيء تجويداً، لغۃً اس
... کسی شے کو عمدہ اور خوبصورت بنانا۔
... ہی معنی میں حروف قرآنیہ کو اس کیفیت

اور ادا کرنا جس کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ یعنی مخارج اور تمام صفات
کا لحاظ کرتے ہوئے وقف کے مواقع اور قواعد کی رعایت
کے ساتھ ادائیگی حرف کو تجوید کہتے ہیں۔
علم تجوید ایسے اصول و ضوابط کے جاننے کا نام
ہے جن کی رعایت سے حروف قرآنی کی ادائیگی اس
ترتیل کے مطابق ہو جائے جس کے ساتھ قرآن کریم کا
نزول ہوا۔
محقق جزری رہ (۷۵۱ھ - ۸۳۳ھ) اپنے شہرۂ
آفاق قصیدہ "مقدمۃ الجزریہ" میں فرماتے ہیں

لانه به الاله انزلا
وهکذا منه الینا وصلا

اس علم کی غرض ہے صون اللسان عن الخطاء فی
کتاب الله۔ یعنی زبان کو خطاء فی القرآن سے
باز رکھنا،
القراۃ۔ پڑھنا۔ اصطلاح میں قرأت اس
کہتے ہیں جس سے کلمات قرآنیہ میں قرآن کریم کے و
اتفاق اور اختلاف معلوم ہو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ
سے سن لینے کی بناء پر ہے، نہ کہ اپنی رائے کی بناء پر
قرآن کریم کے حروف و الفاظ کی اہمیت عظمت
اور افضلیت دیگر تمام علوم کے مقابلے میں ظاہر
کلام الملوک ملوک الکلام۔
دنیا کی کسی اور کتاب کے ساتھ یہ معاملہ نہیں
اس کے حروف اور کلمات کی ادا کے لئے کوئی خاص
طرز و انداز اور مخصوص کیفیت ادا ہو۔ یہ خصوصیت
اسی "ملک الکلام" کی ہے کہ اس کے حروف و الفاظ کے
لئے مستقل کیفیت ادا ہے کیف ما اتفق ادائیگی
صحیح معانی اور مطلوب نہیں حاصل ہو سکتے
ہر حرف اور کلمہ کی اپنی مستقل صوت اور آواز

چنانچہ [illegible]
ہیں۔ تصحیح حروف اور تجوید کے ساتھ تلاوت اللہ تعالیٰ
کو محبوب ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی مروی ہے :۔

" ان اللہ یحب ان یقرء القرآن
کما انزل "

یعنی اللہ تعالیٰ قرآن کی تلاوت کما انزل کو
پسند فرماتے ہیں صحت ادا کے ساتھ حسن صوت
بھی محبوب ہے۔ ارشاد ہے :۔

ما اذن اللہ لشیء ما اذن لنبی
حسن الصوت بالقرآن
یجہر بہ
(متفق علیہ مشکوٰۃ ص۱۹۱)

چنانچہ حسن صوت کے سلسلے میں ترغیبی روایات
وارد ہیں، ارشاد ہے۔ زینوا القرآن باصواتکم
اور۔ حسنوا القرآن باصواتکم فان
الصوت الحسن یزید القرآن حسنا۔
یعنی قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو، نیز
قرآن کو حسن صوت سے پڑھو کیونکہ اچھی آواز قرآن
کے حسن کو بڑھاتی ہے۔

علم تجوید کی تاریخی اور علمی حیثیت

اہل عرب چونکہ اہل زبان تھے قرآن پاک انہیں
کی زبان میں نازل ہوا تھا اسلئے انہیں اس کی تلاوت
وقراءت اور ادا کے کما انزل میں کوئی مشکل اور
دشواری پیش نہیں آتی تھی۔
لیکن جب اسلام کی دعوت عام ہوئی اور غیر عرب
عرب تک پہنچی جس کے نتیجہ میں فتوحات اسلامی کا
دائرہ وسیع ہونے لگا تو عرب و عجم کے اختلاط سے
[illegible]
میں نوع بہ نوع کے لحن پیدا ہونے لگے تو اس لئے
اس زمانے کے امام اور ماہرین [illegible] ابو الاسود
دؤلی، خلیل ابن احمد بصری، سیبویہ [illegible]
فراء، ابو عمرو صالح اور ابن اسحاق [illegible] کو
اندیشہ ہوا اور انہوں نے اس ضرورت کو شدت سے
محسوس کیا کہ صرف و نحو، لغت عربی، حروف کے
مخارج، صفات لازمہ و عارضہ، اظہار، ادغام وغیرہ
کی مکمل اور جامع تشریح کی جائے اور ایسے اصول
و قواعد کی بنیاد رکھی جائے جس سے عربی فصاحت و
طرز ادا عجمی اختلاط سے مجروح نہ ہو اور کلام الٰہی
محفوظ ہو جائے چنانچہ مذکورہ بالا عنوانات پر مستقل
مبسوط کتابیں تیار کی گئیں۔
مذکورہ بالا حضرات ماہرین لغت ہی نہیں بلکہ اول
ائمہ تجوید بھی ہیں جنہیں عام طور پر صرف نحو و لغت
ہی کا امام سمجھا جاتا ہے۔
اس فن میں باقاعدہ تصنیف کا سراغ چوتھی صدی
ہجری سے ملتا ہے۔ اولین تصنیف [illegible] الرعایۃ
ہے جس کے مصنف چوتھی صدی ہجری کے زبردست
عالم و فاضل، عربیت اور قرأت کے امام [illegible]
ابو محمد مکی ابن ابی طالب قیسی قیروانی اندلسی ہیں
(م ۴۳۷ھ)
دارالعلوم دیوبند کا قیام [illegible]
جامع اور مرکزی درسگاہ کی حیثیت سے ہوا تو اس اہم
اور ضروری شعبۂ تجوید کی تدریس کے لئے ضرورت
محسوس ہوئی ایک ایسے ممتاز ماہر [illegible]
استاذ کی جو اس عظیم درسگاہ کے شایان شان ہو
[illegible] حضرت مولانا [illegible]
صاحب الہ آبادی (م ۱۳۳۶ھ) [illegible]

اساتذہ حضرت قاری المقری عبدالرحمٰن صاحب
آبادی (م ۱۳۳۹ھ) کے ارشد تلمیذ تھے۔
نامور ہستیوں میں سے تھے جنھوں نے حضرت کی
پورا استفادہ کیا۔
جناب قاری عبدالوحید خانصاحب نے تدریسی
کے ساتھ ساتھ تصنیفی لائن سے بھی اس
خدمت کی۔ تجوید کے موضوع پر آپ کی کتاب
"الوحید" مشہور زمانہ ہے، بعد کے
دیگر القدر رسائل جو برصغیر ہند و پاک میں
ہوئے اکثر میں وثوق کے لئے اس کتاب کا
ہوتا ہے۔ اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ کیا
ہے۔

مادر ہند دارالعلوم دیوبند میں آپ کم و بیش
سال تک قرآن عزیز کی خدمت پر فائز رہے
مدت میں آپ کے ذریعے دارالعلوم سے
فادہ کرنے والے سیکڑوں علماء و حفاظ ہوئے
علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رح (م ۱۳۵۲ھ)
تلامذہ کو حضرت قاری عبدالوحید صاحب ہی
تلمذ حاصل ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے
تجوید کی زرّیں خدمات کے لئے قاری صاحب
کا اس ادارے کی مسند تدریس پر فائز ہونا
ہے۔ آپ کا سن وصال ۱۳۶۵ھ ہے۔
رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

...لم میں اس فن کا دورِ عروج

حضرت قاری عبدالوحید صاحب رح کے انتقال کے
تجوید و قرأت کی مسند خالی ہو گئی تو پھر کسی
عظیم الشان اور فرد فرید شخصیت کی تلاش
جو اس خالی جگہ کو پُر کرے ... ملکہ دارالعلوم

... کے دو شعبوں کی رو داد زبوں ... کے پیش نظر
... کے دوش بدوش شعبۂ تجوید و قرأت کو بھی مزید ترقی
دے، اپنے منفرد رواںات کو اور آگے بڑھائے
اور دارالعلوم کو فن تجوید و قرأت کی حیثیت سے نہ
صرف ملک گیر بلکہ عالم گیر شہرت کا حامل بنانے کا
باعث بنے۔

ایسی باکمال اور جامع صفت ہستی کے لئے بالآخر
حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی رح ہی کے دوسرے
نامور ترین، مایۂ ناز اور محبوب شاگرد حضرت قاری
حفظ الرحمٰن صاحب پر نظر پڑی اور آپ کو اس شعبے
کی مسند صدارت پر فائز کیا گیا۔ آپ ضلع پرتاب گڈھ
کے رہنے والے تھے۔ آپکی ولادت ۱۳۱۷ھ کی ہے
۱۳۲۶ھ میں آپنے جامع العلوم کانپور میں تین سال
تک تعلیم پائی، اس کے بعد آگرہ تشریف لے گئے
جہاں امام فن شیخ القراء حضرت قاری عبدالمالک
صاحب رح (ولادت ۱۳۰۰ھ م ۱۳۷۷ھ) سے روایت
حفص میں مہارت تامہ حاصل کی۔ اس کے بعد غالباً
۱۳۳۷ھ میں جناب قاری عبدالمالک صاحب کے
ہمراہ الٰہ آباد حضرت المقری عبدالرحمٰن صاحب کی رح کی
خدمت میں حاضری دی، یہاں آپنے قرأت سبعہ
و عشرہ میں کتابیں "التیسیر" "شاطبیہ" "رائیہ"
اور "دُرّہ" "الوجوہ المسفرہ" وغیرہ پڑھیں۔

ان نصابی کتابوں کی تکمیل کے بعد بھی آپ
الٰہ آباد میں استاذ کے پاس مقیم رہے، اور طلبہ کی
جدید جماعت کے ساتھ ان کتابوں میں شریک ہوتے
رہے اس طرح چار سال تک آپ نے حضرت کی رح کی
خدمت بابرکت میں رہ کر اتنی مشق و مہارت فن پیدا
کرلی کہ جو کچھ استاذ سے پڑھا تھا سب حفظ ہو گیا۔

تشریف [illegible] یہاں آپ نے چار سال [illegible] درس نظامی کی اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی، اس کے بعد دارالعلوم میں صدر شعبہ کی حیثیت سے فائز کئے گئے۔

یہاں آپ کی تشریف آوری سے تجوید و قراءت کے درس کا انداز ہی بدل گیا۔ تعلیم کے وقت کتاب نے کم خود اپنے حافظہ سے زیادہ کام لیتے پڑھاتے وقت اصول و قواعد خود زبانی کہتے جاتے اور طالبعلم اسے دوہراتا جاتا، تاوقتیکہ طالب علم کو مسائل ازبر نہ ہو جاتے، خود خاموش نہ ہوتے، اس طرح استاذ کا پڑھایا ہوا سبق دم کے دم میں طالبعلم کے سینے میں محفوظ ہو جاتا۔ درس کا یہ طریقہ اور انداز بلاشبہ محنت شاقہ اور نہایت ذوق و لگن کا طالب ہے۔

حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب کو اپنے فن سے زبردست انہماک اور خصوصی لگاؤ تھا کمال یہ تھا کہ یہ تعلق اور جذبہ بہت تھوڑے دنوں میں اپنے تلامذہ میں منتقل فرما دیتے۔

آپ ماہر فن اور حافظ قراءات کے ساتھ بڑے خوش الحان اور خوش لہجہ بھی تھے، ادائیگی پر عبور کامل تو تھا ہی بے شمار عرب لہجوں کے جامع اور ماہر تھے آپ کے زمانے میں ملک اور بیرون ملک سے فن تجوید و قراءت کے شائقین طلبہ جوق در جوق آنے شروع ہوئے، اس شعبے کا فیض ملک سے باہر آپ ہی کے دور سے نمایاں نظر آتا ہے، آپ کو دارالعلوم میں ایسی جامع الصفات شخصیت، محدث جلیل شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی اور دست تعاون حاصل تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ادارے کے [illegible] اور شیخ الحدیث [illegible] مسند [illegible]

[illegible] کی تصحیح کی طرف بطور خاص توجہ فرمائی [illegible] کے لئے اسے لازمی قرار دیا، جن کی ادائیگی [illegible] آپ ان پر سخت ناراض ہوتے، حتی کہ [illegible] اور کتابی تعلیم بے سند [illegible] دی جاتی، یہ ضابطہ آج بھی موجود اور نافذ ہے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی اس [illegible] تعاون کے ساتھ حضرت قاری صاحب کی ذاتی [illegible] مہارت فن، اور سونے پر سہاگہ آپ کی اعلیٰ [illegible] کی خوش الحانی ـــــ نتیجہ یہ ہوا کہ پورا ہندوستان عربی لہجوں کے ساتھ قرآنی زمزموں سے بھر گیا، دارالعلوم سے فیض یافتگان ملک اور بیرون ملک کے بڑے اور اہم بین الاقوامی جلسوں اور مقابلوں میں جانے لگے، اس طرح ادارے کے اس شعبے کا نام بھی روشن ہونے لگا۔ بلاشبہ قاری حفظ الرحمٰن صاحب کے زمانے میں دارالعلوم کا یہ شعبہ اپنے عروج و کمال پر تھا۔ آپ سے پہلے [illegible] استاذ ہوتے مگر یہ اسی دور کی [illegible] کہ دارالعلوم کے اس شعبے میں پانچ پانچ شیوخ [illegible] کام کر رہے ہیں۔ آپ کے بعد ایسا جامع اور [illegible] استاذ جو مہارت فن کے پہلو بہ پہلو خوش [illegible] اور خوش الحانی میں اپنا ثانی [illegible] دارالعلوم کو پھر نہ مل سکا۔ شوال [illegible] میں آپ [illegible] سے عالم جاودانی کو کوچ کر گئے۔

آپ کے بعد اس خالی مسند کو [illegible] قاری [illegible] رحیم صاحب نے رونق بخشی [illegible] کے رہنے والے تھے [illegible] ۱۳۲۵ھ [illegible] ولادت ہوئی، قاری عبدالوحید خاں صاحب [illegible] روایت حفص کی تکمیل کے بعد قراءات سبعہ [illegible]

...ہیں یہاں دارالعلوم سے روایت حفص اور قرأت سبعہ کے
...ی تعداد فارغ ہوکر نکلی [illegible]ھ میں آپ نے
...ا کو لبیک کہا

...علوم کا حال اور اسکی نئی کروٹ

مذکورہ بالا سطور میں دارالعلوم کے شعبۂ تجوید کے ...یب و بعید کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا ... حال کی طرف آئیے۔

چند سالوں سے دارالعلوم کے حالات بجید... ن رہے تھے انتظامیہ کی گرفت ڈھیلی ...نے سے ادارہ شدید اضمحلال اور بحرانی ...سے گذر رہا تھا، لیکن جب پانی سر سے اونچا ...ا تو بالآخر وہی ہوا جو ہمیشہ سے ہوتا آیا یعنی دارالعلوم کا موجودہ انقلاب۔

اس انقلاب کے ذریعہ دارالعلوم نے ایک ...دلی ہے ہر ہر شعبہ کا غائرانہ جائزہ لیتے ...خصوصی توجہ مبذول ہوئی ہے، یہ شعبہ بھلا ...پر گوشۂ خمول میں رہتا اس جانب بھی ...ہات کی خاص نظر ہے اور کوشش ہو رہی ... دارالعلوم کا یہ عظیم الشان شعبہ نہ صرف ...روشن اور تابناک ماضی کی طرف رجوع ... بلکہ پوری تاب و توانائی کے ساتھ دورِ گذشتہ ...ا دے۔

اس وقت بحمد اللہ اس شعبے میں پانچ قدیم ...اساتذہ کام کر رہے ہیں جنکی نگرانی میں ...ی بہت بڑی تعداد روایت حفص اور ...ت سبعہ و عشرہ کے حصول و تکمیل میں ہمہ تن ...مصروف ہے۔

. . . .

اس فن کی علمی و تصنیفی خدمات

دارالعلوم دیوبند نے اس فن کے صرف عظیم الشان رجال کار ہی نہیں پیدا کئے بلکہ اسی کے ساتھ فن کی علمی تحقیق اور طباعتی خدمات کا نہایت شاندار سلسلہ بھی قائم کیا ہے۔ آج فن تجوید و قرأت میں جو چھوٹی بڑی کتابیں اور رسائل نظر آتے ہیں اور ان میں سے بیشتر مدارس میں داخل نصاب ہیں وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ دارالعلوم دیوبند ہی کے فیض یافتگان کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں اس ادارے کی تصنیفی خدمات کا مکمل احصاء تو اس مختصر تحریر میں دشوار ہے صرف ایک سرسری طور پر بیانات کر دینا مناسب ہوگا

جمال القرآن :- اس مشہور رسالے سے کون ناواقف ہے ایسا کون ادارہ ہوگا جہاں کے نصاب تجوید میں یہ داخل نہ ہو برصغیر ہند و پاک میں اب تک سیکڑوں ایڈیشن اس کے چھپ کر نکل گئے ہونگے، لاکھوں علماء حفاظ اور قراء نے اس سے استفادہ کیا اسی طرح تجوید القرآن اور حق القرآن یہ دونوں رسالے منظوم ہیں جو مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کی فرمائش پر نظم کئے گئے اور وہاں کے نصاب میں شامل ہیں۔ علم قرأت میں بجید نافع اور اگر اللہ مختصر رسالہ تنشیط الطبع فی اجراء السبع اور اختلاف کلمات قرآن میں وجوہ المثانی یہ پانچ رسائل تجوید و قرأت میں جس عظیم شخصیت کے نقوش قلم کا نتیجہ ہیں وہ اسی ادارے کے فاضل اجل تھے۔ یعنی حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۳ھ)

ہدیۃ الوحید :- مصنفہ حضرت مولانا قاری عبدالوحید خاں صاحب [illegible] اس تصنیف لطیف کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔

عنایاتِ رحمانی :- تین ضخیم جلدوں میں یہ کتاب قصیدۂ شاطبیہ کی بڑی جامع شرح ہے فن قرأت اور اس کی مشکلات کا بہترین خزانہ ہے، اردو میں اب تک اتنی بسیط و مفصل شرح کوئی نہیں لکھی گئی۔ پاکستان کی مطبوعہ ہے [illegible] دارالعلوم کے شعبہ قرأت کے [illegible]۔

آپ نے جناب [illegible] الرحمن صاحب [illegible] کی تکمیل [illegible] شرح کے علاوہ آپ نے بڑی محنت کر کے اپنے قوت حافظہ کی یادگار چھوڑی ہیں۔ جیسے اسہل الموارد شرح حاشیہ للشاطبی، کاشف العسر شرح ناظمۃ الزہر للشاطبی، مقدمۃ الکمال، شرح تحفۃ الاطفال الجزریہ، تسہیل القواعد۔ یہ سب کتابیں نصابی ہیں اور اپنے دامن میں معلومات کا خزانہ رکھتی ہیں۔ پاکستان میں آپکے تلامذہ بہت قابل قدر علمی اور فنی خدمات انجام دے رہے ہیں جن کے نام اور کام سے کسی طرح صرف نظر ممکن نہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ (م سنہ ۴۴۴ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب "التیسیر فی السبع" کی شرح بنام "تنویر الوجوہ المسفرہ" کا اردو ترجمہ مع مختصر شرح۔ یہ دونوں حضرت قاری فتح محمد صاحب ہی کے تلمیذ رشید اور دار العلوم دیوبند کے نامور فاضل جناب قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی کی کوشش و کاوش ہیں۔ اسی طرح آپ نے پوری قرأت عشرہ کو اردو میں منتقل کر کے اردو دانوں پر احسان عظیم کیا ہے کتاب کا نام ہے "تکمیل الاجر فی القراءات العشر"

یہ زریں سلسلہ دار العلوم ہی سے تعلق رکھتا ہے ابھی حال ہی میں آپ اللہ کو پیارے ہو گئے (وفات سنہ ۱۴۲۱ھ م ذو الحجہ سنہ ۱۴۲۱ھ)

حضرت ملا علی قاری (م سنہ ۱۰۱۴ھ) کی شرح شاطبیہ کو [illegible] میں دار العلوم دیوبند نے باہتمام صوفی محمد حسن صاحب شائع کیا۔ بلاشبہ یہ فن قرأت کی عظیم خدمت ہے اسکی قدر وہی حضرات جان سکیں گے جن کے پاس یہ نادر و نایاب کتاب اسوقت موجود ہو گی۔

ہندوستان میں علامہ ابو القاسم الشاطبی (ولادت سنہ ۵۳۸ھ م سنہ ۵۹۰ھ) کے شہرۂ آفاق قصیدہ شاطبیہ کی اردو شرح اب تک نہیں ہوئی تھی جس سے پڑھنے اور پڑھانے والوں کو جدید دقت ہوتی تھی نیز کسی شرح کے [illegible] حل کرنا مشکل ہوتا ہے [illegible] کی [illegible] اسکی سہل شرح ہو جانے سے شاطبیہ سے قراءات کے سمجھنے کی سہولت کا سامان ہو جائے۔ اسی طرح محقق فن علامہ جزری کے مشہور قصیدے المقدمۃ الجزریہ کی [illegible] میں ایسی دقیق جس میں کل طور پر فن کا احاطہ کیا [illegible] دونوں مشہور اور انتہائی اہم قصائد کی شرح بعنوان "النفحات القدسیہ شرح الشاطبیہ" اور [illegible] شرح المقدمۃ الجزریہ۔ نیز علم قرأت کے متعلق [illegible] مشہور "ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرؤا ما تیسر منہ" (بخاری ج ۲ ص ۷۴۷ مسلم [illegible]) سے پیدا شدہ مباحث کا بیان، اس علم کا [illegible] جائزہ جن کا جاننا قرأت کے طالب علم کے لئے [illegible] ہے۔ اس کے لئے "علم قراءت اور قراء سبعہ" اور [illegible] سال اول کے طلبہ کی استعداد کے پیش نظر آسان اور سہل انداز میں لکھی گئی کتاب "قواعد التجوید" اور علامہ [illegible] ہی کے قصیدہ رائیہ کی شرح جو بہر حال داخل نصاب ہے اب ملک میں تقریباً نایاب ہے اسکی تشریح بعنوان "التحفۃ الجمیلہ شرح قصیدۃ العقیلہ" [illegible] کتابیں اسی ازہر الہند دار العلوم دیوبند کے [illegible] کا نتیجہ ہیں۔ بلاشبہ راقم الحروف کو اس علم [illegible] اکتساب علمی کا بہت کم موقعہ میسر آیا مگر [illegible] بھی اس فن کا تصنیفی عرفان نصیب ہوا وہ [illegible] کا رہین منت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس ادارے کو شرور و فتن سے محفوظ رکھے اس کو روز افزوں [illegible] لو از تا رہے اور اس کے جملہ خدام اور [illegible] و توانائی اور دارین کی صلاح و فلاح عطا فرمائے۔

آمین

مادرِ علم دارالعلوم دیوبند

از:- جناب مولانا افضال الحق صاحب جوہر قاسمی

مادرِ علم تیرے سپوتوں کا فن
علم کی تازگی، دل کا پاکیزہ پن

تیرے عرقِ جبیں سے گل و یاسمن
تیرے اشکِ رواں سے میں گنگ و جمن

تیرے افکارِ عالی سے رنگِ چمن
جذبِ کردار سے آئینۂ سخن

عالمی موتمر، علم کی انجمن
شوکتِ اہلِ دیں، عظمتِ اہلِ فن

اہلِ حق کو دیا زورِ باطل شکن
اہلِ باطل کو پہنا دیا ہے کفن

دونوں عالم گلے مل گئے ہیں یہاں
حسن کی چاندنی، عشق کا بانکپن

تو نے تاریکیوں کو اُجالا دیا
اور اُجالے کو روحانیت کی کرن

مشعلِ اہلِ حق، نورِ اہلِ یقیں
نازِ روحانیاں، تاجِ اہلِ وطن

ہر قدم پر جلائی ہے شمعِ حرم
رہنما بن گئی ہے ہماری لگن

مرکزِ جستجو، محورِ آرزو
مجمعِ علم و فن، روح کی انجمن

عقل کی پاسباں دین کی ترجماں
مادرِ علم کی یادگارِ کہن

SHN/L-13/NP-21/82-Darul Uloom Deoband M

دارُ العُلوم دیوبند کا علمی، دینی، اِصلاحی ماہنامہ

دارُ العلوم

زیر سرپرستی

مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند

مدیر مسئول

ریاست علی بجنوری

زیر سرپرستی: بہ نگرانی اعلیٰ حضرت الحاج مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا علمی، دینی

ماہنامہ

دارالعلوم

دیوبند

جلد نمبر ۶۳ | دسمبر ۸۲ء جنوری ۸۳ء — مطابق ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ | شمارہ نمبر ۳، ۴

زرِ اشتراک

سالانہ	۱۸/-
ششماہی	۱۰/-
فی پرچہ	۲/-

ممالکِ غیر سے اس کے مساوی

علاوہ محصول ڈاک

مدیر مسئول و طابع و ناشر

ریاست علی بجنوری

مطبوعہ

محبوب پرنٹنگ پریس

دیوبند

اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرِ تعاون ختم ہو گیا ہے اگلے سال کی رقم بھیجکر مشکور فرمائیں

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
حرف آغاز	مدیر مسئول	۳
دارالعلوم کی تعلیمی کیفیت	مولانا ریاست علی بجنوری	۱۲
شیخ الہند اکیڈمی (تعارف و خاکہ)	مولانا سعید احمد اکبر آبادی	۲۰
انتظامیہ کی رپورٹ	حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند)	۲۳
دارالعلوم کا نظم و نسق	از تاریخ دارالعلوم جلد دوم ص ۲۰۹ تا ص ۲۱۲	۲۷
جلسہ دستار بندی ۱۳۰۱ھ کا ایک منظر	حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ	۲۹
کیا دارالعلوم کے اہتمام میں وراثت جائز ہے؟	مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی	۳۵
اہتمام سے مولانا محمد طیب صاحب کا استعفاء	مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی	۴۲
الزامات کی حقیقت	مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی	۵۷

حرف آغاز

مدیر مسئول

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس امت میں آخر زمانہ میں ایسی قوم پیدا ہوگی جو ثواب میں اس امت کے اول کی طرح قرار دی جائے گی یہ لوگ نیکیوں کا حکم کرنے والے برائیوں سے روکنے والے اور اہل فتنہ سے مقابلہ کرنے والے ہوں گے۔

یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند اپنے صالح نقطۂ نظر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جد وجہد اور اٹھنے والے فتنوں کا دفاع کرنے کی حیثیت سے مذکورہ بالا روایت کا مصداق ہے۔ یہ صراط مستقیم کا سب سے روشن مینار اور رشد ہدایت کا سب سے مستحکم قلعہ ہے۔ یہ علم و دانش کا وہ بحر ذخار ہے جو قریب آنے والوں کے دامن کو موتیوں سے بھر دیتا ہے اور دور رہنے والوں کی سیرابی کے لئے ابرہائے گہربار کی روانگی کا اہتمام کرتا ہے۔

ناقابل تردید یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا اپنا کوئی نیا نقطۂ نظر یا نیا مسلک نہیں ہے بلکہ اس میں سب سے بڑا اور واحد امتیاز یہ ہے کہ اس ادارے کے اکابر نے اپنے اور امت مسلمہ کے لئے صرف وہی راہ پسند کی ہے جس کی نشاندہی اور حد بندی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی تھی ان کے یہاں افراط اور تفریط کی کوئی کوئی راہ نہیں ملی بلکہ دین جس طرح نازل کیا گیا تھا وہ الحمد للہ اپنی کامل صورت اور جامع تشریح کے ساتھ یہاں محفوظ ہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جس منامی ہدایت کے بعد اس ادارے کا قیام عمل میں آیا تھا اس کا بھی یہی تقاضا تھا کہ یہاں انجام دیا جانے والا ہر کام آپ کی ارشادات کے مطابق ہو۔ دارالعلوم کے قیام کی حکایت بڑی لذیذ ہے۔ سوانح مخطوطہ کے مصنف

علی فضل صاحب اور تذکرۃ العابدین کے مصنف حاجی نذیر حسین صاحب روایت کرتے ہیں کہ بانی دارالعلوم حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب قدس سرہ چھتہ کی مسجد میں مصروف عبادت تھے کہ ۲ر ذیقعدہ ۱۲۸۲ھ کو جمعہ کی شب میں انھوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے حضرت حاجی صاحب کو دیوبند میں ایک عربی مدرسہ قائم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اللہ مدد فرمائے گا، صبح کو حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب قدس سرہ نے دیوبند کے سربرآوردہ اہل علم کو مسجد چھتہ میں جمع فرمایا جن میں مولانا مہتاب علی، مولانا ذوالفقار علی، مولانا فضل الرحمٰن مولانا نذیر احمد اور منشی فضل حق صاحبان قدس اللہ اسرارہم کے اسماء گرامی ذکر کئے جاتے ہیں۔ حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب رحمہ اللہ نے پہلے ان بزرگوں کو اپنا خواب سنایا اور فرمایا کہ جب پرانے عالم نہ رہیں گے تو کوئی مسئلہ بتانے والا بھی نہ ملے گا، اس لئے عربی تعلیم کے لئے مدرسہ کے قیام کی ضرورت ہے، ان تمام حضرات نے مکمل تعاون کی یقین دہانی کی اور اسی مجلس میں حاجی صاحب نے اپنا سفید رومال چندے کے لئے بچھا دیا اور اپنی جیب سے تین روپے نکال کر بھی اس میں رکھ دیئے اور ہمیشہ دیتے رہنے کا وعدہ فرمایا چنانچہ ان تمام حضرات نے بھی اپنا چندہ لکھوا دیا، یہ مجلس ختم ہوگئی تو دوسرے دن حاجی صاحب قدس سرہ نے گلے میں جھولی ڈال کر عوامی چندے کے لئے نکلے اور اسی دن چار سو ایک روپیہ آٹھ آنے جمع ہو گئے۔

چندہ جمع کرنے کے بعد پھر حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب کو مسجد چھتہ میں بلا کر مدرس کی ضرورت کے بارے میں مشورہ کیا، متعدد نام سامنے آئے لیکن حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کے نام پر اصرار کیا، ان دونوں بزرگوں نے بھی حضرت نانوتوی قدس سرہ کی جلالت شان کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اتفاق کیا بلکہ حضرت کے نام پر پورا زور دیا چنانچہ حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب قدس سرہ نے اپنی اور ان دونوں حضرات کی جانب سے حضرت نانوتوی قدس سرہ کے نام میرٹھ خط لکھ دیا حضرت نانوتوی رہ نے جواب میں مدرسہ کے قیام پر خوشی کا اظہار فرمایا لیکن فوراً تشریف آوری سے معذرت فرما دی۔ پھر ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ سے دارالعلوم دیوبند کا باقاعدہ قیام عمل میں آگیا۔ اور اگرچہ حضرت نانوتوی قدس سرہ ۱۲۹۰ھ میں تشریف لائے لیکن ان قناعت پیشہ

بزرگوں نے جس سوز و گداز اور اخلاص کے ساتھ اس میخانۂ علم و معرفت کا سنگ بنیاد رکھا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہند و بیرون ہند میں چلنے والا ہر پیمانہ ان بزرگوں کی قدم بوسی کو اپنی سعادت سمجھنے پر مجبور ہوا ؎

ایک رند قناعت پیشہ نے رکھی تھی بنائے خانہ
جھکتا ہے اسی کے قدموں پر چلتا ہے جو کوئی پیمانہ

دیکھتے ہی دیکھتے سرزمین دیوبند میں لگایا گیا یہ نہال تازہ، سدرۃ المنتہیٰ کی طرح پھیلتا چلا گیا اور اس کی سایہ بخش شاخوں نے سارے عالم اسلام کے لئے راحت کا سامان فراہم کرنا شروع کر دیا

دارالعلوم کا قیام جن حالات میں عمل میں آیا تھا اس سلسلے میں اختصار کے ساتھ اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ ہندوستان تقریبًا ایک ہزار سال مسلم حکمرانوں کے زیرنگیں رہا لیکن عمومًا سلاطین اسلام کے تغافل کے سبب اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام علماء اور صوفیاء کرام کے ہاتھوں انجام پاتا رہا اور آج تک ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے نام سے جو بھی کچھ موجود ہے وہ انہی علماء و صوفیا کی مساعی جمیلہ کی یادگار ہے بلکہ سچ پوچھئے تو مسلمانوں کے عہد سلطنت میں بھی غلط اندیش حکمرانوں کی بنیادی غلطیوں کی اصلاح کا فریضہ بھی یہی برگزیدہ جماعت انجام دیتی رہی ہے لیکن اسلامی حکومت کے زوال اور انحطاط نے ان حضرات کی ذمہ داریوں میں بہت اضافہ کر دیا۔

ایک طرف حکومت و اقتدار کی بازیابی کے لئے جد و جہد اور دوسری طرف اس دور کے بدلتے ہوئے حوصلہ شکن حالات میں اسلام اور مسلمانوں کے بقاء و تحفظ کا پرپیچ سوال حالات بڑے مایوس کن تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سیرت کے وارث اور صراط مستقیم پر چلنے والے اہل حق خاندان شاہ ولی اللہ کی صورت میں ظہور پذیر ہوئے اور اسلامی حکومت کے دور انحطاط میں اس خانوادے نے جو جلیل القدر علمی و فکری خدمات انجام دیں وہ تاریخ کا عظیم الشان ذخیرہ ہیں نہ صرف ہندوستان بلکہ بیشتر بلاد عربیہ کی دینی فضا بھی اسی خانوادۂ علم و دانش کی مساعی جمیلہ کی رہین منت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی انقلاب آفریں جد و جہد کے بعد ان کے صاحبزادگان نے تیرہ و تاریک ماحول میں آفتاب عالمتاب کی طرح ضیاپاشیاں کیں، ملکی زبان میں قرآن کریم

کی اشاعت ، ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر حکومت متسلطہ کے خلاف محاذ آرائی اور دہلی کی مسند حدیث و فقہ کی رونق افزائی ان کے زریں کارنامے ہیں، ان کے بعد جتنے بھی اہل فضل و کمال، ارباب دین و دانش اور صراط مستقیم کے سچے داعی اور منادی پیدا ہوئے سب اسی خانوادہ کی طرف منسوب ہیں غور کرنے کا مقام ہے کہ انگریزی سامراج کے ظل اقتدار میں ذہن و فکر اور تہذیب و تمدن کا زبردست انقلاب مسلمانوں کی بساط کو تہہ و بالا کرنے پر تلا ہوا ہے اور ادھر یہ خاندان ولی اللہی سے نسبت فیض رکھنے والے بوریہ نشین اس زبردست سیلاب پر بند باندھنے کی سعی میں مصروف ہیں۔

دفاعی سرگرمیاں اور سیاسی خدمات

جہاد بالسیف سے غفلت برتتے ہوئے اقتدار سے محروم مسلمانوں میں صحیح اسلام کی حفاظت اور اس کی ترویج و ترقی کے لئے خاندان ولی اللہی کے ان وارثوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اس کی تفصیل تاریخ میں موجود ہے اور دارالعلوم کا قیام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اس وقت عیسائیت کے فروغ کا ایک ایسا فتنہ اٹھا ہوا تھا جس نے تقریباً پورے ہی عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، بحمد اللہ اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے دارالعلوم کا قدم آگے بڑھا اور مجادلہ و مناظرہ اور قلم و تحریر کے ہر میدان میں مدعیان عیسائیت کو شکست فاش نصیب ہوئی، اس موضوع پر ہزاروں صفحات فرزندان دارالعلوم کے قلم سے نکلے باوجودے کہ حکومت و اقتدار کی تمام طاقتیں اس فتنہ کی پشت پناہی کر رہی تھیں لیکن الحمد للہ امت محمدیہ بپتسمہ کے عذاب میں مبتلا ہونے کے بجائے صبغۃ اللہ کی پختگی اور حسن میں نکھر کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی اور عیسائیت کو یہ میدان ہمیشہ کے لئے خیرباد کہنا پڑا اس سلسلے میں مستشرقین کے نام سے عیسائیت کی جو منظم اسکیم اسلام کی علمی اساس کو معاذ اللہ تباہ و برباد کرنے کیلئے ابھری اس کو فرزندان دارالعلوم نے علمی ہی میدان میں روپوشی پر مجبور کردیا اور اس سلسلے کا کوئی جھوٹ ایسا نہ تھا جس کا پول برقت نہ کھول دیا گیا ہو چاہے وہ حملہ سیرت پاک پر ہوا ہو یا فقہ پر یا مجاہدین و سلاطین اسلام پر۔

اسی فتنہ کے پہلو بہ پہلو ہندوستان کے مسلمانوں کو توحید کی تعلیم سے محروم کرنے کیلئے ایک سازش ابھری جس کو آریائی یا شدھی تحریک سے موسوم کیا گیا ہے، اس میدان میں بھی مناظرہ مجادلہ اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ فرزندان دارالعلوم نے وہ فریضہ

انجام دیا کہ یہ فتنہ تاریخ کی گود میں دفن ہو کر رہ گیا اور شاید قیامت تک یہ فتنہ دوبارہ نہ ابھر سکیگا اس سلسلے میں سیکڑوں کتابیں آج بھی عالم اسلام کے کتب خانہ کی زینت ہیں۔

انگریز کی جانب سے مسلمانوں کے اندرون میں جو فتنے برپا کرائے گئے ان میں سب سے اہم قادیانیت کا تھا، اس فتنہ نے سیاسی، علمی اور اعتقادی طور پر بڑا انتشار پیدا کیا۔ باری تعالیٰ کا یہ احسان عظیم ہے کہ اکابر دارالعلوم کے ذریعہ یہ فتنہ کفر کی صف میں کھڑا کر دیا گیا اور مرزائیت یا قادیانیت صرف ملت اسلامیہ کے اندر ہی نہیں بلکہ تاریخ انسانیت میں ایک بہتان اور گالی بن کر رہ گئی۔ یہاں بھی مجادلہ و مناظرہ اور تصنیف و تالیف دونوں رخ پر کام ہوا اور آج بھی لاکھوں اوراق اس معرکہ کی منہ بولتی تصویر ہیں۔

ملتِ اسلام کے اندر ایک دوسرا فتنہ بدعات کے فروغ کا شروع ہوا یعنی جو چیز اسلام نہ تھی اس کو اسلام بنانے کی کوشش اسی کا مختصر نام بدعت ہے۔ یہ معرکہ عرصہ دراز سے جاری ہے اور آج بھی برصغیر ہندو پاک میں کہیں کہیں آخری سانس لے رہا ہے۔ اس سلسلے میں یہ حقیقت قابل لحاظ ہے کہ دارالعلوم نے ایک طرف تزکیہ و احسان کے بہترین نمونے، رجوع اور انابت الی اللہ کے بہترین شاہکار عملی طور پر ملت کے سامنے پیش کئے اور دوسری طرف اس فتنہ کے اندر پرورش پانے والے ہر عنصر کا سدّباب کیا۔ بلا مبالغہ ان گنت فرزندان دارالعلوم نے اس فریضہ کو قریہ بقریہ انجام دیا اور ہزاروں تصانیف اور لاکھوں صفحات اس خدمت گرامی کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔

اسی طرح ماضی میں مسلمانوں کے اندر تقلید مغرب کے اثر سے ایک فتنہ ابھرا جس کا حاصل اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اسلام وہ ہے جو مغرب کے آئین و اصول پر پورا اترے اس فتنہ کو نیچریت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس فتنہ کا حملہ براہ راست کتاب اللہ پر تھا، الحمد للہ کہ دارالعلوم کے ہاتھوں اس فتنہ کا قتل عام ہوا اور اس کے حامیین کو روز بد اپنی زندگی ہی میں دیکھنا پڑا۔

ان تمام فتنوں اور تحریکات کے علاوہ جب بھی کسی فرد یا جماعت نے ما انا علیہ و اصحابی کے جادۂ مستقیم سے انحراف کیا اور ملت اسلامیہ کے اندر ان کے غلط افکار و نظریات کے سرایت کر جانے کا اندیشہ ہوا تو دارالعلوم کی جانب سے ہمیشہ ان پر نکیر کی گئی، غلط عقائد کا سدّباب کیا گیا اور اس کی جگہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث صحیح اسلام [illegible]

پیش کرنے کی سعی بلیغ جاری رہی۔ مودودیت اور عدم تقلید میں غلو اختیار کر کے ائمہ مجتہدین پہ زبانِ طعن دراز کرنے والوں کو اس کی نظیر میں پیش کیا جا سکتا ہے

ان تمام دفاعی کاموں کے ساتھ عملی طور پر جہاد حریت اور اعلاء کلمۃ اللہ کا کام پوری قوت کے ساتھ جاری رہا کوئی میدان ایسا نہ تھا جہاں دارالعلوم کے فرزندوں کا خون نہ بہہ گیا ہو قوت تسلط کی کوئی عدالت ایسی نہ تھی جہاں سے ان کے لئے قید و بند کے فیصلے صادر نہ ہوئے ہوں کوئی قید خانہ ایسا نہ تھا جس کی فضا ان نفوس قدسیہ کے انوار سے جگمگا نہ اٹھی ہو، استعمار کے خلاف جس تسلسل اور استحکام سے دارالعلوم کے فرزندان گرامی نے جانیں پیش کیں یقیناً کوئی دوسرا ادارہ یا دوسری کوئی بھی جماعت ایسا کرنے سے قاصر رہی تفصیل کا یہ موقع نہیں ورنہ جہاد شاملی، تحریک احیاء خلافت، تحریک استخلاص وطن وغیرہ میں کون سا معرکہ ایسا ہے جہاں فرزندان دارالعلوم کا کردار قائدانہ نہیں رہا ہے گویا ہندوستان میں جب تک جہاد بالسیف کا موقع رہا دارالعلوم کے اکابر اور فرزند اپنے آپ کو پروانہ وار پیش کرتے رہے اور جب جہاد حریت نے جہاد بالسیف کی جگہ آئینی جدوجہد کی شکل اختیار کر لی تو دارالعلوم کا قدم کسی بھی جماعت سے آگے تھا۔

دارالعلوم دیوبند کی یہ تمام دفاعی اور سیاسی خدمات، یہ مساعی جمیلہ اور یہ جدوجہد اس وقت باری تعالیٰ کی نعمت عظیمہ معلوم ہوتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان تمام چیزوں کے پیچھے ایک اور قوت دارالعلوم کا سرمایۂ خصوصی رہی ہے جس کو آپ قوتِ احسان سے تعبیر کر سکتے ہیں، کوئی قلم اس وقت تک جنبش میں نہیں آیا جب تک کہ احسان و اخلاص کے انوار اس میں پوشیدہ نہیں ہو گئے کوئی زبان اس وقت تک نہیں کھلی جب تک کہ وہ ذکر الٰہی سے تر نہ ہو گئی ہو اور کوئی باز و اس وقت تک اسیر قید و بند نہیں ہوا جب تک کہ وہ سالہا سال تک تضرع و ابتہال کے ساتھ معبود برحق کے سامنے نہ اٹھ چکا ہو اور سچ پوچھئے تو یہی خصوصیت ہے جو دارالعلوم کو پورے عالم اسلام میں مشخص و ممتاز کر دیتی ہے دارالعلوم کی نسبت پر کیفیت احسان و اخلاص سے بہرہ مند ہونے والوں کی صحیح تعداد تو علیم و خبیر ہی جانتا ہے لیکن سرسری اندازے کے مطابق یہ تعداد کروڑوں سے متجاوز ہے

تعمیری کارنامے یوں تو اکابرین دارالعلوم انفرادی طور پر اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دے ہی رہے تھے اور دارالعلوم کا قیام بھی انہی کی خدمات جلیلہ کا ایک سنہرا باب ہے لیکن

دارالعلوم کے قیام کے بعد جب ان تمام اکابر کی قوتوں میں اجتماعیت کی شان پیدا ہو گئی تو خداوند قدوس نے ان کے ہاتھوں جو امور انجام دلائے وہ بالیقین پچھلی صدی ہجری کا تجدیدی کارنامہ ہیں بلکہ مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ دارالعلوم تجدیدی کارنامہ ہی نہیں بلکہ جماعت مجددین پیدا کرنے والا ادارہ ہے

اس لئے دارالعلوم کی شکل میں جو سحاب رحمت محیط عالم پر چھایا تھا اس نے دنیا کے تمام ریاض علوم کیلئے سیرابی کے سامان فراہم کئے ہیں، دارالعلوم وہ آفتاب ہے جس کا نور ہدایت قریہ قریہ بلکہ گھر گھر پہنچا ہے، یہ وہ بادِ نسیم ہے جس کے اثر سے ہر پژمردہ کلی کو حیات دوام ملی ہے جس نے پھولوں کو تازگی اور نونہالوں کو زندگی کی نعمت سے ہمکنار کیا ہے اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس بادِ نسیم، اس سحاب رحمت اور اس آفتاب ہدایت کا جہاں جہاں بھی گذر ہو گیا ہے وہیں وہیں روش روش پھول کھل اٹھے ہیں، گلستانوں میں بہاروں کے قافلے خیمہ زن ہو گئے ہیں اور صبح درخشاں طلوع ہو گئی ہے

برصغیر ہند و پاک ہی نہیں بلکہ اس کا فیضان افغانستان، انڈونیشیا، ایران، برما، تھائی لینڈ افریقہ، چین، روس، سعودی عرب، سیام، سیلون، عراق، فرانس، کمبوڈیا، کویت، ملائشیا، نیپال یمن اور دنیا کے ہر خطے میں پہنچا اور انشاء اللہ پہنچتا رہے گا۔

ان تمام ممالک کے فضلاء کی مجموعی تعداد تقریباً پندرہ ہزار ہے اور فیض یافتہ منتسبین کا عدد ایک لاکھ سے متجاوز ہے جنہوں نے اپنی قوت فکر و عمل سے اخلاص کے ساتھ گلستان اسلام کی اس طرح آبیاری کی ہے جو اپنی نظیر آپ ہے ان فضلاء میں تقریباً چھ سو مشائخ طریقت چھ ہزار مدرس، ایک ہزار دو سو مصنف دو ہزار مفتی، ڈیڑھ ہزار مناظر، سات سو صحافی چار ہزار خطیب و مبلغ تین سو طبیب اور سینکڑوں ادیب ہیں اور اسلامی علوم و فنون کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اس برگزیدہ جماعت کے احسانات سے گرانبار نہیں ہے، تفسیر و حدیث، فقہ اور نقلی و عقلی علوم میں سے کوئی فن ایسا نہیں ہے جس کی ان نابغۂ روزگار اشخاص نے وقیع خدمات انجام نہیں دیں متعدد کامل تفسیروں کے علاوہ علوم قرآنی سے متعلق تصانیف کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے فن حدیث شریف میں متعدد نئی قابل قدر اور ضروری تالیفات کا اضافہ ہوا اور اس فن سے متعلق متقدمین کی تمام مشہور کتابوں کی توضیح و تشریح کا خوب خوب اہتمام کیا گیا اور اس موضوع سے متعلق صفحات کی تعداد یقیناً لاکھوں سے متجاوز ہے، عقائد و فقہ

سے متعلق جو خدمات انجام دی گئیں ان کا شمار بھی ممکن نہیں، سینکڑوں فضلاء کرام نے ہزاروں تصانیف کی شکل میں کروڑوں صفحات امت کی نذر کئے جو اسلام کے ابدی اور آفاقی ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں، تاریخ، سیرت، آداب لغت احسان و تصوف اور تمام علوم نقلیہ و عقلیہ سے متعلق جو گرامی قدر خدمات انجام دی گئیں ہیں اگر ان کی صرف فہرست تیار کی جائے تو وہ اپنی ضخامت میں خود ایک مستقل ضخیم تصنیف سے کم نہ ہوگی، تصنیف و تالیف کے میدان میں ان فضلاء کی ناقابل فراموش کارکردگی کا یہ اندازہ کرنے کیلئے یہ نکتہ ہی کافی ہے کہ اگرچہ شعر و سخن خاص ایک پرسکون ماحول کا نتیجہ ہوتے ہیں اور نہایت غیر یقینی ملکی و ملی حالات میں اسلام کی ہمہ جہت خدمت کی غیر معمولی مشغولیت نے ان حضرات کو کبھی سکون آشنا نہیں ہونے دیا ہے لیکن مقام حیرت ہے کہ ادب کی یہ صنف بھی ان کی گرامی قدر خدمات سے محروم نہیں ہے

تصنیف و تالیف کے علاوہ درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کے ذریعہ جو مثالی کارنامے ان فضلاء نے انجام دیئے ان کا اندازہ انسانی فہم و فراست کیلئے مشکل اور ان کا بیان ناطقہ انسانی کیلئے غیر ممکن ہے، ہزاروں مدارس کا قیام، ہزاروں خانقاہوں میں شور و غلغلۂ حق ہزاروں مراکز تبلیغ کی رونق انہی کے دم سے ہے، فضلاء کرام کے قائم کردہ دس ہزار سے زاید مدارس کے علاوہ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ دارالعلوم سے پہلے مسلمانوں میں عوامی چندے کی بنیاد پر مدارس قائم کرنے کی طرح نہیں پڑی تھی، اسلامی اقتدار کے ختم ہوجانے کے بعد اکابر دیوبند نے جب دارالعلوم کیلئے یہ بیج قائم کیا تو دیگر حضرات کی توجہ ہوئی اور چند ماہ کے بعد ہی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور قائم ہوا اور اسکے بعد قرب و جوار میں تھانہ بھون، میرٹھ گلاؤٹھی، بلند شہر اور مرادآباد وغیرہ میں مدارس قائم ہوتے چلے گئے اور اگرچہ یہ مدارس دارالعلوم کی شاخ نہیں تھے لیکن مخلصانہ عوامی چندے پر ان کی بنیاد بتلا رہی ہے کہ یہ سب چراغ پہلے چراغ ہدایت کی لو سے روشن کئے جا رہے ہیں۔

پھر یہ مدارس فضلاء دارالعلوم دیوبند نے قائم کئے ہوں یا ان کی بنیادیں کسی اور انداز پر استوار ہوئی ہوں لیکن یہ حقیقت سب کے لئے قابل رشک ہے اور دارالعلوم کے لئے قابل صد رشک کہ ان تمام مدارس کی مسند درس و تدریس کی آبرو فضلاء دیوبند کی ذات سے وابستہ رہی اور برصغیر ہند و پاک ہی میں نہیں بلکہ یہاں کے فضلاء نے حرمین شریفین تک میں درس و تدریس اور میراث نبوی کی تقسیم کی سعادت حاصل کی اور اسطرح دارالعلوم دیوبند کے چشمۂ فیض سے بالواسطہ سیراب ہونے والوں کی تعداد [illegible]

درس و تدریس کے مفید ترین طریق تبلیغ و اشاعت کے علاوہ دارالعلوم دیوبند سے نسبت فیض رکھنے والے مشائخ طریقت نے ہند و بیرون ہند کے بیشمار مسلمانوں کی دینی اصلاح اور انکے دلوں میں جذبات اخلاص و انابت کی آبیاری کی عظیم الشان خدمت انجام دی گویا جن لوگوں نے اپنے اوقات حصول دین کیلئے وقف کئے ان کو اکابر دیوبند نے درس و تدریس کیلئے کمال آشنا کیا اور جن کے پاس وقت نہیں تھا ان لوگوں کو بیعت و ارشاد کے ذریعہ عرفان خداوندی کی دولت سے مالامال کیا۔

مدارس اور خانقاہوں کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے فیض مدار کا ایک بہت بڑا حصہ وہ تبلیغی سرگرمیاں ہیں جو براہ راست دارالعلوم کے مبلغین یا بالواسطہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہیں چنانچہ تصنیف و تالیف، درس و تدریس، بیعت و ارشاد اور تذکیر و تبلیغ کے ذریعہ جو جلیل القدر خدمات انجام دی گئیں وہی دراصل مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں نشاۃ ثانیہ کی بنیاد ہے اور آج برصغیر ہند و پاک میں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث صحیح اسلام پایا جاتا ہے وہ سب انہی مساعی جمیلہ کی لائی ہوئی بہار ہے، اگر دارالعلوم کی یہ تعلیمی و تبلیغی جد و جہد نہ ہوتی تو پچھلی صدی اپنی مادی ترقیات کے سبب فکر و نظر کا جو انقلاب اپنے جلو میں لائی تھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا کیا انجام ہوتا اور کچھ بعید نہیں کہ برصغیر میں اسپین کی کہانی دہرادی گئی ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کی شکل میں اپنے دین کے تحفظ کے لئے جو قلعہ اپنے برگزیدہ بندوں کے ہاتھوں تعمیر کرایا تھا اس نے الحمد للہ ہر سیلاب پر بند باندھ دیا اور ملت اسلامیہ کو تباہ و برباد کرنے کے لئے جو طوفان اٹھا وہ اس کی فصیل سے ٹکرایا، سجدہ ریز ہوا اور ناکام واپس ہوگیا ؏

افلاک یہاں دب جاتے ہیں طوفاں یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں

اور ابھی ماضی قریب میں پھر دارالعلوم ایک بہت بڑے حادثے سے دوچار ہوا ہے کہ چند لوگوں نے اپنے ذاتی مفادات کے لئے اسلام حق کی اس مقدس امانت اور اسکی امتیازی خصوصیات کو ختم کرنے کا منصوبہ تیار کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجلس شوریٰ کے اکابر کے ذریعہ اس کو ناکام بنا دیا۔ ضرورت ہے کہ عام مسلمان اور فضلاء دارالعلوم ہوشمندی سے کام لیں اور اس آفتاب رسالت کی شعاعوں کو روکنے کے لئے غلط پروپیگنڈے کے جو بادل اٹھائے جا رہے ہیں انکو ختم کرنے کیلئے اپنی مساعی جمیلہ کو تیز تر کر دیں۔

انشاء اللہ فضلاء دارالعلوم اور عام مسلمانوں کی کوششیں بار آور ہوں گی اور علم و ہنر اور رشد و ہدایت کا یہ آفتاب مسلسل اپنی ضوفشانیوں سے عالم اسلام کی تنویر کا کام انجام دیتا رہے گا۔

دارالعلوم کی تعلیمی کیفیت

(ریاست علی بجنوری)

کسی بھی تعلیمی ادارے کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہاں امور تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہو، معیار تعلیم بلند ہو، مدرسین علمی امتیاز کے حامل ہوں، نصاب تعلیم پورا کیا جاتا ہو، وہاں کی فضا اور ماحول علم کی نشو و نما کیلئے سازگار ہو، محنتی اور باذوق طلبہ کی ہمت افزائی کی جاتی ہو جوہر قابل کی تربیت کا پورا انتظام ہو اور علم کی شمع پر پگھلنے والوں کیلئے راحت رسانی کا سامان فراہم کیا جاتا ہو، اور ان کی ذہنی تربیت کیلئے خاص طریقے اختیار کئے جاتے ہوں۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام انہی مقاصد کیلئے عمل میں آیا تھا اور پہلے ان تمام چیزوں کی بڑی اہمیت تھی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رح کے دور تک ان تمام کاموں کو مقصد کی حیثیت سے انجام دیا جاتا رہا، علم کی تڑپ لیکر آنے والے یہاں آکر سوز و گداز کی کیفیت میں اضافہ محسوس کرتے اور علم کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف ان کی نگاہ بھی نہ اٹھتی، اور اہل انتظام ان طلبائے عزیز کو مہمان رسولؐ قرار دے کر ان کی میزبانی کو اپنی سعادت سمجھتے چنانچہ اس ادارے نے اپنی ابتداء کے پچاس سالوں میں ایسی ایسی نابغۂ روزگار شخصیتوں کو جنم دیا کہ جب بھی ان کا ذکر آتا ہے مورّخ کا قلم ان کو خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہے، ان میں ایک ایک فرد ایک امت کے برابر ہے اور ان بزرگوں کے ذریعہ جو کارہائے نمایاں انجام پائے وہ اس صدی کا سب سے بڑا تجدیدی کارنامہ ہیں۔

پھر آہستہ آہستہ ان مقاصد کی طرف توجہ کم ہوئی، ذہن سازی، تربیت اور جوہر قابل کی سرپرستی کا کام سب سے پہلے متاثر ہوا ادھر دنیا کے مادّی وسائل نے بھی طلبہ کی نظر کو خیرہ کرنا شروع کیا اور ایک مدت دراز سے امت ایسے برگزیدہ علماء کیلئے چشم براہ ہے مگر کسی طرف امید کی کرن نہیں دکھائی دیتی۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی اور پرانے بزرگوں کا طریقۂ کار چھوٹنے کے بعد کچھ

دنوں تک کام چلتا رہا، پرانے علماء کی موجودگی میں اس اندوہناک صورتِ حال کا زیادہ اندازہ بھی نہ کیا جاسکا، لیکن اب چند سالوں سے صورتِ حال بالکل ابتر ہوگئی اور ایک تعلیمی ادارے کیلئے جن چیزوں کی بنیادی اہمیت تھی وہ سب یکے بعد دیگرے ختم ہوگئیں۔

چند سالوں سے یہ کیفیت تھی کہ جیسے دارالعلوم امورِ تعلیم کا نہیں، بلکہ انتظامی معاملات کا نام ہے، نہ نصابِ تعلیم پورا ہو رہا ہے، نہ محنتی اور باذوق طلبہ کی سرپرستی کی طرف نظر ہے بلکہ بسا اوقات ان کی حق تلفی کی جارہی ہے۔ نہ فضا میں علمی صلاحیتوں کے نشو ونما کا کوئی امکان باقی ہے، پھر اجلاسِ صد سالہ کے بعد تو یہ تمام چیزیں یکسر ختم اور بے معنی ہو کر رہ گئیں، محض اپنے ذاتی مفادات کیلئے ہر چیز کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ مجلسِ شوریٰ بھی ان ذاتی مفادات کی راہ میں حائل نظر آئی تو اس کو بھی توڑ دیا گیا اور اس کی جگہ اپنی منشاء کی تکمیل کرنے کیلئے ایک ایڈہاک کمیٹی قائم کردی گئی، اور یہاں وہ سب کچھ ہوا جس کا تذکرہ حزن وملال اور رنج و وحشت کے سوا کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔

داخلوں میں تحدید کا عمل کئی سال سے جاری تھا، امداد میں بھی تنگی کی جارہی تھی، طلباء کے ساتھ بدسلوکی معاشرے میں عام ہوگئی تھی لیکن امورِ تعلیم سے غفلت کی حد ہوگئی کہ جب رہی سہی تعلیم بھی ذاتی مفادات کی راہ میں حائل نظر آئی تو مستقبل اور دارالعلوم کے مقصد سے صرفِ نظر کرتے ہوئے تعلیم ہی کو موقوف کردیا گیا۔

اس موقع پر قابلِ صد تحسین ہیں مجلسِ شوریٰ کے ممبران کہ وہ فوراً دیوبند میں جمع ہوئے اور انھوں نے سابق مہتمم صاحب کو ان تمام غیر قانونی اقدامات سے متعلق چارج شیٹ دی اور تعلیم کو جاری رکھنے پر زور دیا، اور دیوبند کے علم دوست عام شہریوں کی مدد سے کیمپ دارالعلوم میں تعلیم کو جاری رکھا گیا۔ کیمپ دارالعلوم انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں شروع ہوا، سخت سردی کا موسم، نہ تن ڈھانکنے کیلئے کپڑا، نہ سر چھپانے کیلئے جگہ، نہ پڑھنے کیلئے کتابیں، نہ بیٹھنے کیلئے درسگاہ، نہ کھانے کا نظم، نہ ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کا کوئی سوال، مگر قربان جائیے پروردگار کی شانِ رحمت پر کہ دیکھتے ہی دیکھتے تمام کام استوار ہوگئے، مہمانانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کیلئے اہلِ دیوبند اور قرب وجوار کے مسلمانوں کے دل اس طرح متوجہ کئے کہ جب ان کی تفصیلات سامنے آتی ہیں تو خیر القرون کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

مجلسِ شوریٰ کی زیرِ نگرانی چلنے والا کیمپ پانچ مہینے تک تعلیمی کام انجام دیتا رہا، اور

جب سابق مہتمم صاحب نے چارج شیٹ کا کوئی جواب نہ دیا تو مجلس شوری نے انہیں بادل ناخواستہ معطل کرکے دارالعلوم کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور حسب سابق اندرون دارالعلوم تعلیم شروع کردی گئی، لیکن دارالعلوم ایک بڑے حادثے سے دوچار ہوا تھا اس لئے فوراً عمدہ کارگذاری کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی، اس لئے مجلس شوریٰ نے طے کیا کہ امسال تعلیمی نقصان کی تلافی کی یہ صورت کی جائے کہ ماہ شعبان اور رمضان میں بھی تعلیم جاری رکھی جائے، چنانچہ کارکنان نے مجلس کی ہدایت کے مطابق رمضان میں بھی تعلیم جاری رکھی۔ اور انتہائی ہنگامہ خیزیوں کے باوجود الحمدللہ اس سال کی تعلیمی کارگذاری پچھلے چند سالوں سے کہیں بہتر رہی، نصاب تعلیم بھی بڑی حد تک پورا ہوا اور سالانہ امتحانات کے نتائج بھی حوصلہ افزا رہے۔

سال گذشتہ عربی درجات کے طلبہ کی مجموعی تعداد ۱۱۸۳ تھی جن میں سے ۱۰۸۶ طلبہ شریک امتحان ہوئے اور ضمنی امتحانات کی رعایتوں کے بعد کامیاب ہونے والے طلبہ کی تعداد ۱۰۷۸ ہے، شعبۂ عربی کی تفصیل درج ذیل ہے۔

	کل تعداد	کامیاب	ناکام اور غیر حاضر
دورۂ حدیث	۳۸۰	۳۵۵	۲۵
سال ہفتم	۲۳۶	۲۲۰	۱۶
سال ششم	۱۳۲	۱۲۷	۵
سال پنجم	۱۴۲	۱۳۱	۱۱
سال چہارم	۱۴۰	۱۳۳	۷
سال سوم	۷۹	۵۵	۲۴
سال دوم	۳۸	۲۵	۱۳
سال اوّل	۱۴	۱۴	×
تکمیل ادب	۱۷	۱۴	۳
تکمیل تفسیر	۵	۴	۱

عربی درجات کے علاوہ شعبۂ حفظ سے ۲۶ طلبہ فارغ ہوئے، درجہ فارسی سے ۲، دینیات اردو سے ۳، اور شعبۂ کتابت سے ۴۔

۱۴۰۲ھ کے سالانہ امتحانات سے ۱۴؍شوال کو فراغت ہوئی، یہ امتحانات ۳؍شوال سے
شروع ہوگئے تھے اور حسب سابق پورے نظم کے ساتھ چلتے رہے، پھر ۱۵؍شوال سے جدید
خلے کے امتحانات شروع کردیئے گئے، اس موقع پر تمام ہی اساتذہ کرام نے بے مثال محنت کا
ت دیا، ماضی میں کل پانچ یا چھ سو جدید داخلوں کے لئے ایک ایک مہینہ صرف ہوجاتا تھا
ن امسال یہ بالکل نئی بات تھی کہ اوّل تو سالانہ امتحانات شوال میں لئے گئے اور ان کے فوراً
د داخلے کے امتحانات شروع کردیئے گئے، دفتر تعلیمات کا عملہ شب و روز مصروف کار
یا اور حضرات اساتذہ کی مشغولیت بھی بے حد رہی، ۲۰؍شوال تک ۱۷۸۰ جدید فارم
قسیم ہوئے اور ۲۲؍شوال تک تمام نتائج کا اعلان کردیا گیا۔

کام کا طریقہ یہ رکھا گیا کہ امیدواروں کے فارم کیف ما اتفق ممتحنین کے پاس پہنچائے
تے رہے، روزانہ یہ اعلان کردیا جاتا تھا کہ آج مثلاً فارم ۱ سے فارم ۱۰۰ تک کا
متحان لیا جائے گا، پھر ان فارموں کو ترتیب کے ساتھ رکھ لیا جاتا اور تقریباً دس ممتحنین
ں میں بیٹھ جاتے، اور ایک فارم ان کے پاس پہنچا دیا جاتا، اور جونہی کوئی ممتحن امتحان
ے فارغ ہوا اور کا دوسرا فارم اس کے پاس پہنچا دیا گیا، اس طرح سفارش کے تمام
روازے بند ہوگئے، فارم پہنچنے سے پہلے نہ فارم تقسیم کرنے والے کو خبر ہوتی کہ فلاں
رم کس کے پاس جائے گا اور نہ ممتحن ہی کو اندازہ ہوتا کہ اس کے پاس کس کا امتحان
نے والا ہے۔

دوسرا اہم کام یہ ہوا کہ امتحان کے ساتھ ہی ساتھ درجات کی تجویز اور دوسرے
تمام کام مکمل کئے جاتے رہے، صبح کے وقت امتحان دینے والوں کے نتائج کا اعلان دوپہر
ں کردیا جاتا تھا اور شام کے وقت امتحان دینے والوں کا نتیجہ عصر کے بعد آویزاں کردیا
اتا تھا، اسی طرح پوری احتیاط و دیانت اور انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ امتحان داخلہ
کی کارروائی ۲۲؍شوال تک مکمل ہوگئی بہت سے امیدوار تو شریک امتحان ہی نہیں
ہوئے اور شریک ہونے والوں میں کامیاب ہونے والوں کی تعداد تقریباً پانچ سو
ہی، کامیاب ہونے والے تمام طلبہ کی امداد آخر شوال ہی میں جاری کردی گئی۔

امتحان داخلہ کے دوران ہی مجلس تعلیمی ہوئی، اور اس میں امداد کی تعداد
غور کیا گیا، سابق انتظامیہ میں امدادی طلبہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ نو سو ہوا کرتی تھی

لیکن مجلس تعلیمی نے بامید منظوری مجلس شوریٰ اس تعداد میں چھ سو کا اضافہ کیا اور اب تعداد بڑھ کر بحمد اللہ پندرہ سو ہوگئی ہے۔ شروع میں توقع تھی کہ امداد کا یہ عدد تمام طلبہ کی ضرورت کو پورا کردے گا۔ لیکن خداوند ذوالجلال کی حکمت کہ اس سال جدید داخلوں کے وقت طلبہ کی آمد بہت زیادہ رہی اور قدیم وجدید کامیاب ہونے والے طلبہ ہی اس سے مستفید ہوسکے، جو طلبہ ناکام ہوگئے تھے ان کو اگرچہ حسب استعداد درجہ دیدیا گیا لیکن وہ سب امداد سے محروم رہے اس لئے دفتر تعلیمات اور اہتمام کی طرف سے باربار یہ وضاحت کردی گئی کہ چونکہ امدادی پندرہ سو کا عدد کامیاب ہونے والے طلبہ ہی میں ختم ہوگیا ہے اس لئے جو طلبہ ناکام ہیں وہ اگر اپنے مصارف خود برداشت کرسکیں تو دارالعلوم میں قیام کریں ورنہ وہ دوسری جگہوں پر منتقل ہوجائیں۔ چنانچہ بہت سے ناکام طلبہ دوسرے مدارس میں چلے گئے لیکن اس کے باوجود دارالعلوم کی محبت اور اس کی مرکزیت سے شیفتگی رکھنے والے بہت سے غیر مستطیع طلبہ نے بھی قیام کا فیصلہ کیا۔ اس طرح دارالعلوم میں قدیم وجدید قیام کرنے والے طلبہ کی تعداد ابتداء میں دو ہزار سے زیادہ تھی۔

امتحان سالانہ اور امتحان داخلہ کی کارروائی کے اس قدر جلد مکمل ہوجانے کے باوجود اسباق شوال میں شروع نہ ہوسکے اور اس کی وجہ یہ رہی کہ اوّل تو ۱۴ر شوال کو سالانہ امتحان سے فراغت کے بعد قدیم طلبہ کی پندرہ دن کی تعطیل کردی گئی تھی اور وہ ۳۰ر شوال تک باقاعدہ تعطیل میں اپنے اپنے گھروں کیلئے روانہ ہوگئے تھے، دوسرے یہ کہ ابھی تک اساتذہ کے درمیان اسباق تقسیم نہیں ہوئے تھے، اسباق تقسیم کرنے میں یہ دشواری تھی کہ اس وقت تک مجلس شوریٰ نہیں ہوئی تھی اور نہ یہ معلوم تھا کہ کن جدید اساتذہ کا تقرر عمل میں آتا ہے، پھر جب مجلس شوریٰ میں جدید اساتذہ کا تقرر ہوگیا تو مجلس تعلیمی نے اسباق تقسیم کئے اور ۷ر ذی قعدہ سے باقاعدہ اسباق شروع کردئے گئے۔ اور الحمد للہ تعلیمی اعتبار سے دارالعلوم کا نظم ونسق مستحکم ہوگیا۔ اس کے باوجود اساتذہ کی کمی رہی اور محرم کی مجلس شوریٰ میں انٹرویو کے ذریعہ مزید تین اساتذہ کا تقرر درجہ ابتدائی میں عمل میں آیا اور درجات عالیہ کیلئے مدرسین کی تلاش ہے۔

دوسرا نقصان کتابوں کی کمی کی وجہ سے ہوتا رہا، لیکن اس کمی پر بحمد اللہ بعض کتابوں

کے ابتدائی اوراق طبع کرا کے ، بعض کتابیں خرید کر اور بعض کتابوں کی طباعت کرا کے قابو پالیا گیا ہے اور اب کوئی طالب علم ایسا نہیں ہے جس کے پاس کتابیں نہ ہوں ۔

شعبۂ عربی کے علاوہ تعلیمی شعبوں میں شعبۂ تجوید بھی بہت متأثر ہے ، اس شعبہ میں پانچ قراء کام کرتے تھے جن میں دو قاری صاحبان قاری عبداللہ سلیم ، اور قاری سعید عالم صاحب کام پر حاضر نہیں ہوئے ، قاری محمد نعمان صاحب اور قاری احمد میاں صاحب اپنی مسلسل بیماری کے سبب اکثر رخصت پر رہے اور اگر حاضر بھی ہوئے تو پورا کام کرنے کی اب ان میں ہمت نہیں ہے ، بس ایک قاری جلیل الرحمان صاحب قدیم قراء میں کچھ خدمت انجام دینے کے قابل ہیں ، اسی لئے مجلس شوریٰ نے دو نئے قراء قاری احمد اللہ اور قاری ابوالحسن صاحب کا تقرر کیا تھا ، ان میں قاری احمد اللہ صاحب عربی حفص اور سبعہ وعشرہ کی تعلیم میں مصروف ہیں ، قاری ابوالحسن صاحب کے پاس اردو حفص کی جماعت ہے ، عربی کے وہ طلبہ جن کے گھنٹے خالی ہوتے ہیں اور وہ صرف ایک ایک گھنٹے کیلئے داخلہ لیتے ہیں ان طلبہ کے لئے کوئی معقول انتظام نہیں ہے ، مسلسل نقصان سے بچانے کیلئے مجلس تعلیمی نے قاری عبدالحفیظ صاحب کی خدمات حاصل کی ہیں وہ پابندی کے ساتھ مشق و تمرین کرا رہے ہیں اسی طرح شعبۂ تجوید کے ایک منتہی طالب علم قاری عبدالجلیل منی پوری سے بھی کام لیا جا رہا ہے ۔

عربی اور تجوید کے علاوہ دیگر تعلیمی شعبے اپنی اپنی جگہ خدمت انجام دے رہے ہیں جن میں شعبۂ حفظ ، اردو دینیات ، درجہ فارسی اور شعبۂ کتابت ہیں ، ان تمام شعبوں کی کارکردگی حسب سابق اطمینان بخش ہے ۔

مناسب ہے کہ ان تمام تعلیمی شعبوں کے طلباء کی آج مؤرخہ ۱۳ ر صفر کی تعداد کا نقشہ پیش کر دیا جائے ۔

	قدیم	جدید	کل تعداد
دورۂ حدیث	۲۲۴	۱۷۲	۳۹۶
سال ہفتم	۱۲۹	۲۱۰	۳۳۹
سال ششم	۱۲۹	۱۷۶	۳۰۵
سال پنجم	۱۳۷	۹۷	۲۳۴

	قدیم	جدید	کل تعداد
سال چہارم	۶۰	۱۱۸	۱۷۸
سال سوم	۲۷	۱۴۱	۱۶۸
سال دوم	۱۴	۷۰	۸۴
سال اوّل	۲۴	x	۲۴
تکمیل ادب	۶۱	x	۶۱
تکمیل تفسیر	۲۸	x	۲۸
تکمیل دینیات	۳۲	x	۳۲
شعبۂ فارسی	۳۲	x	۳۲
شعبۂ تجوید	۵۰	x	۵۰
شعبۂ حفظ	۱۴۲	x	۱۴۲
شعبۂ اردو دینیات	۱۰۷	x	۱۰۷
کتابت	۲۸	x	۲۸

مندرجہ بالا شعبۂ عربی میں طلباء کی کل تعداد ۱۸۴۸ ہے، ان کے علاوہ ۲۵۹ طلبہ دوسرے شعبوں میں داخل ہیں، دارالافتاء، جامعہ طبیہ اور دارالصنائع کی تعداد اس کے علاوہ ہے، عربی کے ۱۸۴۸ طلبہ میں ۸۴۰ قدیم ہیں اور ۱۰۰۸ جدید، جب کہ جدید طلبہ کی تعداد اواخر شوال میں ۱۲۰۰ سے زائد تھی، تقریباً دو سو طلبہ امداد نہ ہونے کی وجہ سے قرب وجوار یا دور دراز کے مدارس میں منتقل ہوئے ہیں ان ۱۸۴۸ طلبہ میں پندرہ سو کو امداد دی جارہی ہے، ایک ہزار طلبہ کی امداد بشکل طعام ہے اور پانچ سو طلبہ کو بدل طعام دیا جارہا ہے۔

اور اب سہ ماہی امتحان کے نتائج کے بعد اگرچہ دارالعلوم دیوبند کی جانب سے پندرہ سو طلبہ ہی کو امداد دی جارہی ہے لیکن عبوری دور میں غیر مستطیع طلبہ کو بھی مختلف انداز سے کچھ نہ کچھ مدد فراہم کی جارہی ہے۔

اور اس طرح الحمدللہ دارالعلوم دیوبند میں پورے سکون واطمینان کے ساتھ تعلیم

جاری ہے اور توقع ہے کہ انشاء اللہ مستقبل قریب میں یہ ادارہ اپنے ماضی کے شب و روز واپس لانے میں کامیاب ہو جائے گا، یہاں جوہر قابل کی پرورش ہوگی علم کی تشنگی رکھنے والوں کیلئے سیرابی کا سامان فراہم کیا جائے گا اور جو نونہال اس علم دین کی بہاروں سے حصہ لینا چاہے گا انشاء اللہ یہاں کی سرزمین اس کی نشو ونما اور ترقی کیلئے سازگار رہے گی۔

اس وقت دار العلوم کا اندرون الحمد للہ طلبائے علم دین کے حق میں اس قدر سازگار ہے کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا، امداد کا عدد اتنا ہے کہ ماضی میں اتنا کبھی نہیں تھا، دفاتر میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور اعزاز کا معاملہ کیا جاتا ہے اور ایک مہمانِ رسول کی جتنی توقیر ممکن ہے وہ ان کے حق میں پوری ہو رہی ہے۔

ضرورت ہے کہ عام مسلمان اپنے ذہین اور فطری طور پر عبقری صلاحیت رکھنے والے فرزندوں کو علمِ دین کیلئے وقف کریں، یہ بچے انشاء اللہ مستقبل میں دین کا چراغ روشن کریں گے، اور صراطِ مستقیم کے ایسے داعی اور منادی ہوں گے کہ چشمِ فلک ان کے نظارے سے حیران ہوگی۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

(بقیہ صـ ۲۸)

مذکورہ صدر تعداد میں اضافہ ہوتا رہا ہے، اس وقت مجلسِ شوریٰ کے اراکین کی تعداد ۱۵ ہے مجلس شوریٰ کے ارکان کا انتخاب ملک کے ممتاز اور با اثر علماء میں سے کیا جاتا ہے، دستور کی رو سے مجلسِ شوریٰ میں کم از کم گیارہ اراکین کا عالم ہونا ضروری ہے، بقیہ دس رکن ایسے غیر عالم حضرات ہو سکتے ہیں جو انتظامی اور تعلیمی امور میں بصیرت و مہارت رکھتے ہوں۔ مہتمم اور صدر مدرس اپنے منصب کے لحاظ سے شوریٰ کے رکن رہتے ہیں۔ انعقادِ اجلاس کے لئے اراکین کی کم از کم ایک تہائی تعداد کا شریکِ اجلاس ہونا ضروری ہے۔ تاریخ دار العلوم جلد دوم ص ۲۰۳ تا ص ۲۱۲

(بقیہ ص ۲۶)

میں برآمدہ کی ضرورت ہے۔ نیز نقشہ کے مطابق بالائی منزل کی تعمیر بھی ضروری ہے۔ بجٹ میں اسکے نقشہ کے ساتھ تخمینہ پیش کیا جا رہا ہے۔ مرغوب الرحمٰن ۲۹ نومبر ۸۰ء ، ۲۱ محرم ۱۴۰۱ھ

شیخ الہند اکاڈمی
تعارف اور خاکہ

از مولانا سعید احمد اکبر آبادی

ہمارے موجودہ زمانہ میں علوم وفنون اور سائنس وٹکنالوجی میں جو غیر معمولی وسعت اور ترقی ہوئی ہے وہ کسی زمانہ میں نہیں ہوئی اور علوم وفنون اسلامیہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں، اس عالمگیر صورت حال کے باعث ایک طرف اسلام کی تعلیمات اور اس کے علوم وفنون سے متعلق سینکڑوں نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں اور دوسری جانب تحقیق مسائل ومباحث کے لئے نئے نئے وسائل وذرائع سامنے آرہے ہیں اس بنا پر ضروری ہے کہ علوم وفنون اسلامیہ کی تعلیم اور ان کے درس وتدریس کے اعلیٰ انتظامات کے ساتھ ایسے علمی اور تحقیقاتی ادارے بھی قائم کئے جائیں جو زمانہ حال کے معیار تحقیق کے مطابق علوم اسلامیہ یعنی تفسیر حدیث، فقہ، اصول تفسیر وحدیث، اصول فقہ تاریخ، وجغرافیہ، تصوف وادب وغیرہ پر بلند پایہ تصنیفات وتالیفات کا اہتمام کریں چنانچہ عالم اسلام میں اس نوع کے ادارے بصرف زر کثیر بڑے اہتمام وانتظامات کے ساتھ کچھ تو پہلے ہی سے قائم ہیں اور خاطر خواہ خدمات انجام دے رہے ہیں اور بہت کچھ اب نئے ادارے قائم ہوتے جارہے ہیں۔ یہ ادارے دو قسم کے ہیں ایک قسم ان اداروں کی ہے جو مستقل بالذات ہیں اور کسی تعلیمی درسگاہ کا جزا ور اسکے ماتحت

نہیں ہیں اس کے برخلاف ایک قسم ان اداروں کی ہے جو کسی مدرسہ یا یونیورسٹی کا ایک شعبہ ہیں اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ سب ادارے اپنے دائرہ عمل میں اور اپنے وسائل و ذرائع کے مطابق جو خدمات انجام دے رہے ہیں وہ بہت زیادہ لائق قدر اور قابل تحسین و ستائش ہیں اور ان سے اسلامی لٹریچر میں کم اور کیف' دونوں اعتبار سے گراں اضافہ ہوا ہے لیکن اول تو اسلامیات پر تحقیق کا کام اس درجہ متنوع اور وسیع ہے کہ اس کی کوئی ایک حد اور نہایت مقرر نہیں کی جاسکتی کہ وہ قید زمان و مکان میں محدود و مقید ہو کر رہ جائے بلکہ چونکہ ان کا تعلق انسان کے جوہر انسانیت اس کے ملکات و قوائے علم وعمل کے ساتھ ہے اس بنا پر جب تک فکر انسانی کے ارتقاء اور اس کی تہذیب و تمدن کی ترقی پذیری کے زیر سایہ انسانیات پر ریسرچ ہوتی رہے گی اسلامیات پر تحقیق کا سلسلہ بھی جاری رہے گا، شروع سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ علاوہ ازیں ہر ادارہ کا نقطۂ نظر اور اس کی صلاحیت کار جدا جدا ہے اور وہ اس کے مطابق ہی کام کر رہا ہے۔

دارالعلوم دیوبند برصغیر کی ایک قدیم اور عظیم الشان درسگاہ ہے اور ایک خاص مکتبۂ فکر کی حامل ہے اور اس نے درس و تدریس، وعظ وارشاد، اسلام کی تبلیغ واشاعت اور تصنیف و تالیف کی راہ میں جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں وہ برصغیر میں اسلامی ثقافت کی تاریخ کا روشن باب ہیں اس بنا پر موجودہ زمانہ کے علمی اور تحقیقی مطالبات کے پیش نظر دارالعلوم دیوبند کے ارباب حل وعقد عرصے سے دارالعلوم دیوبند میں بھی ایک علمی اور تحقیقی ادارہ کے قیام کی ضرورت کو شدت سے محسوس کر رہے تھے، چنانچہ مارچ ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم کے اجلاس صد سالہ کے موقع پر اس مضمون کی ایک تجویز منظور کی گئی تھی، لیکن اجلاس کے بعد سے ہی اس قسم کے حالات اور حوادث پیش آتے رہے کہ یہ تجویز معرض التوا میں پڑی رہی اور وہ بروئے کار نہ آسکی، اب جبکہ اللہ کے فضل و کرم سے حالات بہتر ہوگئے ہیں اور دارالعلوم اپنی سابقہ روایات کے مطابق امن و سکون اور اطمینان و اعتماد کی فضا میں اپنے فرائض و واجبات مفوضہ انجام دے رہا ہے مجلس شوریٰ فیصلہ کرتی ہے کہ یہ ادارہ مزید تاخیر کے بغیر جلد قائم کر دیا جائے۔

نام :۔ اس ادارہ کا نام شیخ الہند اکاڈمی ہوگا

اغراض و مقاصد :۔ ادارہ کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہوں گے۔

(۱) علوم و فنون اسلامیہ یعنی تفسیر و حدیث، فقہ اور ان کے اصول، تاریخ و تصوف سوانح و تذکرہ اور عربی ادب وغیرہ پر تحقیقی کتابیں لکھنا اور شائع کرنا

(۲) علوم بالا پر عربی کی جدید کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرنا

(۳) اسلام کے جدید مسائل و مباحث پر کتابیں شائع کرنا

(۴) عربی زبان کے نادر مخطوطات کو تصحیح و ترتیب اور مقدمہ و حواشی کے ساتھ شائع کرنا۔

(۵) اکابر دیوبند کے سوانح حیات اور ان کے علمی و عملی کارناموں اور ظاہری و باطنی کمالات پر کتابیں لکھنا اور شائع کرنا۔ ایسی کتابیں اردو اور عربی دونوں زبانوں میں شائع کی جائیں گی

(۶) اکاڈمی کا ایک سہ ماہی مجلہ بھی ہوگا جس میں اکاڈمی کے اغراض و مقاصد کے ماتحت مقالات شائع ہوں گے، مجلہ کی زبان اردو ہوگی۔

(۷) اکاڈمی کی زبان اردو اور عربی دونوں ہوں گی

اکاڈمی کا عملہ

اکاڈمی سردست حسب ذیل افراد پر مشتمل ہوگی

(۱) ڈائرکٹر (۲) دو ریسرچ اسسٹنٹ (۳) ایک کلرک (۴) ایک چپراسی۔

ڈائرکٹر کے منصب پر تقرر کے لئے ضروری ہوگا کہ فاضل دارالعلوم دیوبند ہو، علوم و فنون اسلامیہ میں استعداد پختہ ہو، علمی اور تحقیقی تصنیف و تالیف کا وسیع تجربہ اور انتظامی صلاحیت بھی ہو، ڈائرکٹر کی تنخواہ مدرسین طبقہ علیا کے گریڈ کے مطابق ہو اور ڈائرکٹر اپنے عہدہ کے اعتبار سے مجلس شوریٰ کا ممبر ہوگا۔

ریسرچ اسسٹنٹ :۔ اس عہدہ پر تقرر کے لئے ضروری ہوگا کہ فرسٹ ڈویژن میں دارالعلوم دیوبند سے نیک نامی کے ساتھ فراغت حاصل کی ہو اور تصنیف و تالیف کا طبعی ذوق ہو اس کا قطعی ثبوت ہونا چاہیئے،

ریسرچ اسسٹنٹ کی تنخواہ سردست مدرسین کے درجہ ابتدائی کے مطابق ہو

(باقی صفحہ ۶۴)

انتظامیہ کی رپورٹ

> حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مجلسِ شوریٰ کے اجلاس بتاریخ ۱۲، ۱۳، ۱۴ صفر ۱۴۰۳ھ کے موقع پر مجلسِ شوریٰ کے سامنے جو مختصر رپورٹ پیش فرمائی تھی اس سے دارالعلوم کے نظامِ کار اور حالات و معاملات بڑی حد تک روشنی میں آجاتے ہیں جو قارئین "دارالعلوم" کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں ہے اسلئے رپورٹ کا ضروری حصہ پیش کیا جارہا ہے — مُدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بگرامیٔ خدمت محترم اراکین مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند

خدائے رحمان و رحیم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ دارالعلوم کا کام ٹھیک چل رہا ہے اور تقریباً تمام شعبے معمول کے مطابق کام کر رہے ہیں۔

۱۴۰۲ھ کے اختتام پر شعبہ جات کی کارگزاری کی رپورٹیں موصول ہو گئی ہیں جن کو الگ الگ پیش کرنے اور سنانے میں طویل وقت درکار ہوگا۔ اسلئے اختصار کے ساتھ اتنا عرض ہے کہ جب میں نے نظام سنبھالا ہے اس وقت نظام منتشر تھا۔ مشین کے پرزے یعنی کارکنان اکثر غائب تھے اور ضروری دفتری کارروائی کیلئے ریکارڈ بھی موجود نہیں تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے کارکنوں کو اپنی اپنی ڈیوٹی پر واپس لانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ ان حضرات نے رفتہ رفتہ آنا شروع کیا اور جو نہیں آئے ان کی جگہ متبادل انتظام کر کے نظام کی از سرِ نو شیرازہ بندی کی گئی اور اس طرح دارالعلوم کے شعبوں نے اپنے کاموں کا آغاز کیا۔ اس ہنگامی صورتِ حال میں بہت بہتر کارگزاری کی توقع نہیں

کی جا سکتی تھی۔ پھر بھی کچھ کوتاہیوں کے اعتراف کے ساتھ کہنا چاہئے کہ تقریباً تمام ہی شعبوں کی کارگزاری بڑی حد تک اطمینان بخش رہی۔

شوال المکرم ۱۴۰۲ھ میں تعلیمی سال کے آغاز پر طلباء کی تعداد میں اضافہ کے باعث متعلقہ شعبہ جات کا کام بھی کافی بڑھ گیا ہے، اس لئے کہ پہلے زیادہ سے زیادہ پندرہ سو طلبہ رہا کرتے تھے مگر اس سال تمام شعبوں میں داخلہ کی تعداد ۲۳۸۲ ہے یعنی تقریباً نو سو طلباء زائد ہیں، اسی طرح امدادی طلبہ کی تعداد آٹھ نو سو کے درمیان رہا کرتی تھی اور اس سال پندرہ سو طلبہ کو امداد طعام دی جا رہی ہے یعنی امدادی طلبہ کی تعداد میں چھ سو کا اضافہ ہوا ہے۔ پھر ان میں سے زیادہ اوسط لانے والے طلبہ کو وظیفہ تیل بھی دیا جاتا ہے۔ جنکی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ لحاف بھی تیار ہو رہے ہیں جو ضرورت مند طلبہ کو دیئے جائیں گے۔

طلباء کی تعداد کے اس اضافہ کی وجہ سے دفتر تعلیمات میں اندراجات کا کام بہت بڑھ گیا ہے جس کو دفتر مذکور میں اسی قدر عملہ سے لیا جا رہا ہے جو سابق دور کے وقت تھا۔ یعنی دس کارکن اس وقت بھی تھے اور اس وقت بھی دس کارکنان ہی کے ذریعہ یہ کام انجام دیا جا رہا ہے، دفتر محاسبی میں بھی وظائف کی تقسیم وغیرہ کے کام میں بہت اضافہ ہوا ہے مگر عملہ اتنا ہی ہے، اسی طرح مطبخ کا معاملہ ہے کہ پہلے چھ سات سو کے درمیان طلبہ کا کھانا تیار کیا جاتا تھا اور اب تقریباً چودہ سو طلباء کا کھانا پک رہا ہے کہ ایک ہزار سے کچھ زائد کیلئے پورا کھانا تیار ہوتا ہے اور تقریباً چار سو طلبہ خشک نان پکواتے ہیں، کام کی اس قدر زیادتی کے باوجود عملہ کی تعداد میں اضافہ نہیں ہے پہلے یہ کام تیس کارکن انجام دیتے تھے اب اُن کی تعداد اکتیس ہے صرف ایک کارکن کا اضافہ ہوا ہے، مجموعی اعتبار سے شعبہ جات میں جملہ کارکنوں کی تعداد کام میں اضافہ کے باوجود دو سو ستائیس ہے جبکہ سابق دور میں کارکنان کی مجموعی تعداد ۲۸۶ تھی۔ اور الحمدللہ کام بخوبی چل رہا ہے۔

تعلیمات کا جائزہ تو تعلیمات کی مفصّل رپورٹ سے معلوم ہوگا۔ اس مختصر رپورٹ میں اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ مجلس شوریٰ نے جن اساتذہ کا تقرر کیا تھا ان میں سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب

مولانا نعمت اللہ صاحب، مولانا محمد عثمان صاحب اور مولانا عبدالرحیم صاحب سنبھلی تشریف لے آئے ہیں اور خدمتِ تدریس انجام دے رہے ہیں۔ مولانا ارشد مدنی صاحب نے معذرت بھیج دیا تھا بھیج دیا تھا اور مولانا ضمیر احمد صاحب اور مولانا اکرام علی صاحب نے اوّلاً تو دو ماہ کی مہلت مانگی تھی یا یہ کہئے کہ دو مہینے کے بعد کام سنبھالنے کا وعدہ کیا تھا، پھر اُن دونوں حضرات نے درخواست دی ہے کہ وہ اس وقت آنے سے معذور ہیں۔ آئندہ شوال سے انھیں کام کرنے کی اجازت دی جائے۔

رسالہ الداعی کے مدیر مولانا نور عالم صاحب جن کا تقرر مجلس شوریٰ ہی نے کیا تھا آگئے ہیں اور اپنی مفوّضہ خدمات انجام دے رہے ہیں وہ پندرہ روزہ الداعی کے دو شمارے شائع کرچکے ہیں تیسرا زیر طبع ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ تکمیل ادب کے اسباق بھی پڑھا رہے ہیں۔ موصوف کا تقرر مجلس شوریٰ نے درجۂ ابتدائی عربی میں کیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ الداعی کی ادارت کا کام بھی انجام دیں، الداعی کی ادارت کے لئے اُن کو دو سو روپیہ الاؤنس کے طور پر دینا منظور فرمایا گیا تھا۔ اس طرح موصوف کی مجموعی یافت سات سو پچیس روپیہ ہوتی ہے، اب انھوں نے وسطیٰ ب میں ترقی اور الاؤنس میں اضافہ کی درخواست دی ہے جو ہمدردانہ توجّہ کی مستحق ہے۔

رسالۂ دارالعلوم کے اجراء میں بڑی تاخیر ہوگئی، اس کی اہم وجہ یہ ہوئی کہ مولانا شمس تبریز صاحب جنھیں مجلس شوریٰ نے رسالہ کا مدیر مقرر کیا تھا ابھی حال ہی میں آئے تھے اور صرف تین یوم حاضری دیکر پھر پندرہ یوم کی رخصت پر چلے گئے اور مولانا ریاست علی صاحب جو مدیر مسئول بنائے گئے تھے وہ جناب مولانا وحید الزماں صاحب ناظم تعلیمات کے غیر ملکی طویل سفر کی وجہ سے درس کے ساتھ تعلیمات کی طویل الذیل ذمہ داریاں انجام دینے میں مشغول رہے جن کا سلسلہ کسی حد تک اب بھی جاری ہے لیکن اُس کے باوجود ایک شمارہ چند صفحات کی تبدیلی کے بعد روانہ کر دیا گیا اور اب دوسرا بھی تیار ہو گیا ہے جو روانہ کیا جانے والا ہے۔ اس میں ایک رکاوٹ یہ بھی رہی کہ نئے ایڈیٹر کا نام تبدیل کرانے کیلئے رجسٹرار آفس میں درخواست دی گئی تو سابق مدیر نے درخواست دیدی کہ ایڈیٹر کے ساتھ اس رسالہ کا پرنٹر و پبلشر بھی میں ہی ہوں اس لئے کسی دوسرے کا نام رجسٹرڈ نہ کیا جائے۔

ان معروضات کے ساتھ مقدمات کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اس وقت تو مقدمات مختلف عدالتوں میں زیر سماعت ہیں۔ جناب مولانا محمد طیب صاحب اور اُن کے حلقہ کی طرف سے ہمارے خلاف پانچ مقدمات حسب ذیل دائر ہیں۔ سب سے پہلا مقدمہ دہلی ہائی کورٹ میں دفعہ ۹۲ کے تحت دائر کیا گیا تھا جسمیں عدالت سے مختلف وجوہ کے تحت ریسیور مقرر کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔ اس میں ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں جواب دعویٰ داخل کر دیا گیا ہے۔ دوسرا مقدمہ الہ آباد ہائی کورٹ میں رجسٹریشن کے خلاف دائر کیا گیا ہے۔ تیسرا مقدمہ یونین بنک کے خلاف سہارنپور جی میں دائر ہے جسمیں موروثی عہدیدار اور متولی ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ چوتھا مقدمہ انخلار کے دعوے سے متعلق ہے جسمیں عدالت سے درخواست کی گئی ہے کہ اُن کو قبضہ واپس دلایا جائے۔ اس میں ۱۳ دسمبر تنقیح کی تاریخ لگی ہے۔ اور مولانا محمد طیب صاحب، مولانا اسعد مدنی اور مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب، مہتمم کو بیان دینے کیلئے طلب کیا گیا ہے۔ پانچواں مقدمہ وصی الزماں سابق ملازم سے دائر کرایا گیا ہے۔

ہماری طرف سے ایک مقدمہ پنجاب نیشنل بینک کے خلاف دائر کیا گیا ہے کہ مجلس شوریٰ ہی دار العلوم کے دستور اساسی اور روایات کی رُو سے دار العلوم کے جملہ مالیات کی نگراں اور شرعاً متصرف ہے اور قانوناً رجسٹرڈ گو باڈی ہے بینک کو مجلس شوریٰ کی تجویز کے مطابق رقوم آپریٹ کرنے کی ہدایت کیجائے تین مقدمات رقوم علی الحساب کے سلسلے میں عدالت منصفی دیوبند میں ہماری طرف سے دائر ہیں۔ سب ہی مقدمات کی پیروی کی جا رہی ہے۔

رواق خالد:-

رواق خالد کی پہلی منزل کی تعمیر مع پلاستر و فرش وغیرہ مکمل ہو چکی ہے، احاطہ کی دیوار بھی بن گئی ہے جو کافی طویل ہے۔ اب کواڑ بنائے جا رہے ہیں، یہ کام بھی تکمیل کے قریب ہے۔ اس اقامتگاہ میں ۲۲ کمرے متوسط ہیں۔ جنمیں فی کمرہ چار طالب علم بآسانی رہ سکتے ہیں اور دو بڑے کمرے ہیں جن میں فی کمرہ آٹھ طالب علم رہنے کی گنجائش ہے۔

امید ہے دس پندرہ روز میں طلبار اس عمارت میں منتقل ہونے شروع ہو جائیں گے۔ اس اقامتگاہ

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

دار العلوم کا نظم و نسق

مجلسِ شوریٰ

دار العلوم کا نظم و نسق شروع ہی سے وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ کے شورائی اصول پر قائم ہے اسکے لئے ایک با اختیار مجلسِ اعلیٰ ہے۔ جس کی تشکیل قیام دار العلوم کے ساتھ ہی عمل میں آگئی تھی۔ یہ جماعت مجلسِ شوریٰ کے نام سے موسوم ہے۔ مجلسِ شوریٰ کی یہ ذمہ داری ہے کہ دار العلوم کے تمام کاموں کی نگرانی و رہنمائی کرے۔

یہاں یہ بتا دینا بے محل نہ ہوگا کہ دار العلوم کا آغاز جس معمولی حالت اور بے سر و سامانی کے ساتھ ہوا تھا اس کو دیکھتے ہوئے دار العلوم کے نظم و نسق کا مشاورت کے اصول پر مبنی ہونا تعجب خیز معلوم ہوتا ہے، ہندوستان میں اس وقت جمہوری نظام سے لوگ عام طور پر آشنا اور مانوس نہ تھے۔ دار العلوم نے اسلامی طرز پر مجلسِ شوریٰ کی بنیاد رکھی اور اس نظام کو کامیابی کے ساتھ چلا کر قوم کے سامنے ایک عمدہ مثال قائم کر دی۔ اس طرزِ فکر کا یہ نتیجہ نکلا کہ انتظامات میں بڑی وسعت کے ساتھ جمہوری انداز قائم ہو گیا۔ اربابِ مشورہ کے لئے جن صفات سے متصف ہونا ضروری ہے اسکی نسبت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے تحریر فرمودہ دستور العمل کی تیسری دفعہ میں یہ ہدایت فرمائی ہے۔

"مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی کہ اہلِ مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بنا میں تزلزل آجائے گا۔

القصہ تہ دل سے بر وقت مشورہ اور نیز اس کے پس و پیش میں اسلوبیِ مدرسہ ملحوظ رہے سخن پروری نہ ہو، اور اس لئے ضروری ہے کہ اہلِ مشورہ اظہارِ رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں، اور سامعین بہ نیتِ نیک اس کو سنیں یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات

سمجھ میں آجائے گی اگرچہ ہمارے مخالف، کیوں نہ بہ دل وجان قبول کریں گے اور نیز اسی وجہ سے یہ ضرور ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے، خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد وصادر جو علم وعقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو، اور نیز اسی وجہ سے ضرور ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے کسی اہل مشورہ سے مشورہ کی نوبت نہ آئے اور بقدر ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا، ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہل مشورہ معترض ہو سکتا ہے۔"

جمہوری نظام کے یہ وہ عمدہ اصول ہیں جن سے بہتر کوئی دوسرا طریق کار نہیں ہو سکتا، اس تجویز سے تعمیری نکتہ چینی کی راہ کھل گئی جو کسی ادارے کی ترقی کے لئے بڑی ضروری ہے۔

دارالعلوم کی مجلس شوریٰ ایک طرف تو چندہ دینے والوں کی نمائندگی کرتی ہے اسے چندہ دہندگان کے شرعی وکیل کی حیثیت حاصل ہے۔ اور دوسری جانب دارالعلوم کے آمد وصرف اور اہم انتظامی امور کے متعلق کثرت رائے سے اپنے فیصلے صادر کرتی ہے، دارالعلوم دیوبند کا ایک دستور اساسی ہے، دارالعلوم کی تمام کارروائیاں اور تمام ضروری فیصلے اسی دستور کی روشنی میں طے پاتے ہیں۔

مجلس شوریٰ انتظامی آئین وضوابط وضع کرتی ہے، دارالعلوم کے جملہ اوقات اور جائدادیں اس کی تولیت ونگرانی میں ہیں۔ اور یہی مجلس دارالعلوم کے مسلک کی حفاظت اور ملازمین کے عزل ونصب کی ذمہ دار ہے، مجلس شوریٰ کا اجلاس سال بھر میں کم از کم دو مرتبہ لازمی ہے۔

مجلس شوریٰ کے ابتدائی ارکان

یہ مجلس ابتداءً یعنی قیام کے وقت حسب ذیل سات ارکین پر مشتمل تھی۔

(۱) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ (۲) حضرت حاجی عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۳) حضرت مولانا مہتاب علی صاحبؒ (۴) حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۵) حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ (۶) حاجی سید فضل حق صاحبؒ (۷) شیخ نہال احمد صاحبؒ

دارالعلوم دیوبند کے جلسہ دستار بندی ۱۳۰۱ھ کا ایک منظر

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مرحوم

پانچویں مرتبہ ۳-۴-۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۱-۲۲-۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء میں سو سال کے بعد اجلاس صد سالہ کے نام سے ہوا جو اپنی ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے ہندوستان کے دینی و ملی اجتماعات میں ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ چشم فلک نے اسلامیان ہند کا اتنا بڑا اور عظیم اجتماع ہندوستان کی سرزمین پر اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا تو مبالغہ نہ ہوگا

لیکن اسی کے ساتھ اگر یہ بھی کہا جائے کہ روحانی اور دینی اعتبار سے یہ عظیم اجتماع یکسر ناکام رہا تو بے جا نہ ہوگا اس اجتماع میں شرکت کرنے والے اور اس کے حالات و کوائف کو بچشم خود ملاحظہ کرنے والے زیر نظر مضمون ۱۳۰۱ھ کے جلسہ دستار بندی سے موازنہ و مقابلہ کرکے خود اس نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں۔

مدرسہ عالیہ دیوبند میں جلسہ دستار بندی چار مرتبہ ہوا اول ۱۲۹۰ھ ہجری میں پانچ مولویوں کے دستار باندھی گئی، دوسری مرتبہ ۱۲۹۲ھ میں پھر پانچ علماء کی دستار بندی ہوئی، تیسری مرتبہ ۱۲۹۸ھ میں سات مولوی دستار بند ہوئے، چوتھی مرتبہ جس میں گیارہ علماء کی دستار بندی ہوئی یہی چودھویں ربیع الاول ۱۳۰۱ھ یوم پنجشنبہ کا جلسہ تھا جو تاقیامت یادگار رہیگا اور جس کا مختصر ذکر کرنا جزو سوانح قرار پایا ہے۔

اس جلسہ دستار بندی کا مدرسہ کی طرف سے خاص اہتمام ہوا اول تو موسم ہی نہایت باکیف تھا جاڑے نکل چکے تھے ہلکی خنکی موجود تھی راتیں چاندنی تھیں، مقرر تاریخ میں تعطیلات دفاتر سرکاری کا لحاظ کیا گیا تھا جلسہ سے دو ماہ پیشتر تاریخ و وقت جلسہ مقرر کرکے تقریباً دو ہزار خطوط اور اعلانی سو اشتہارات مطبوعہ اکثر شہروں اور قصبوں میں شائع کر دیئے گئے تھے اس اشاعت کے علاوہ بعض مناسب مواقع پر

بذریعہ قلمی خطوط اور زبانی پیغام کے دعوت دی گئی تھی غرض عام اطلاع میں حتی الوسع کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا گیا بلکہ خاص حضرات کو اطلاع در اطلاع کی گئی تھی حضرت امام ربانی کا اب سڑک ریل تشریف لانا ایسا نہ تھا کہ جس کی عشاقان زیارت قدر نہ کرتے خصوصاً اسلامی مدرسہ دیوبند کے جلسہ دستار بندی کی شرکت کے وقت اس دولت عظمیٰ کا حصول تو بہت ہی بے چین کرنے والا تھا پس دو ہزار سے زیادہ عام و خاص مہمان شریک جلسہ ہوئے جن میں سب سے پہلے حضرت مولانا قدس سرہٗ کی تشریف آوری تھی آپ کا اپنے طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ گنگوہ سے روانہ ہو کر دیوبند پہونچنا تھا کہ جلسہ کی بنیاد قائم ہو گئی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ جلسہ ایک جسم تھا اور مولانا اس کی جان آپ کے تشریف لانے پر جو مہمانوں کی اطراف ہند سے آمد شروع ہوئی تو جوق جوق آتے اور گروہا گروہ پروانہ وار اس طرح جھکے پڑتے تھے گویا پیاسوں کیلئے سبیل لگائی گئی ہے

آفریں ہے باشندگان دیوبند کی ہمتوں پر کہ اتنا بھاری جلسہ اس قدر مہمانداری جس کے مہمانوں کی پوری تعداد کا پہلے سے تعین ناممکن اور پھر اس خوش اسلوبی و فراخ دلی سے میزبانی کی کہ بڑے بڑے رؤساء کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔ ان مخلص دینداروں نے اپنی شادی بیاہ کی تقریبات سے زیادہ قابل اہتمام اس دینی تقریب کو سمجھا اور دینی مہمانوں کو اپنے مہمانوں سے زیادہ پیارا جان کر خاطر تواضع کی۔ عین ہجوم مہمانداری کی شب کو جملہ مہمانان اور کئی سو صاحبان شہر کی ضیافت جناب حکیم مشتاق احمد صاحب رئیس دیوبند کے یہاں ہوئی حسن انتظام اس سے ظاہر ہے کہ دس بجے تک مہمانداری سے فراغت ہولی اور کسی کو اتنی شکایت کا موقع نہ ملا کہ ہمیں پانی مانگنے سے ایک منٹ کے بعد ملا تھا۔

بعد نماز صبح اس نو تعمیر مکان میں جہاں اس وقت مدرسہ قائم ہے اجتماع شروع ہوا اور ۸ بجے تک جلسہ کا نصاب مکمل ہو گیا اس وقت مدرسہ کے مدرس اول حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب نے منبر پر کھڑے ہو کر ایک نہایت دلچسپ اور پرتاثیر تقریر فرمائی جس میں مختصر مگر جامع الفاظ کے اندر حالات مدرسہ بیان فرمائے اور اس نئی تعمیر کا آمد و خرچ اور ضرورت کا اظہار فرمایا جو ۱۲۹۳ھ میں حضرت مولانا

محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں کی رکھی ہوئی بنیاد پر قائم ہوا اور حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کے الہامی نقشہ پر آٹھ سال سے تعمیر ہو رہا تھا اور اب تک ساڑھے بائیس ہزار روپیہ خرچ ہو کر بقدر ضرورت جلسہ قابل جلوس بنا لیا گیا تھا

تقریر سے فارغ ہو کر حضرت مولانا منبر سے اتر آئے اور وہ دستارہائے فضیلت امام ربانی قدس سرہ کے سامنے لاکر رکھی گئیں جو فارغ التحصیل طلبہ کے سروں پر باندھنے کے لئے رؤسائے شہر کی طرف سے آئی تھیں چنانچہ قطب العالم محدث گنگوہی قدس سرہ نے کھڑے ہو کر اپنے دست مبارک سے ہر ایک کے سر پر دستار باندھی اور فرادیٰ فرادیٰ ہر ایک سے کچھ کلمات نصیحت ارشاد فرمائے۔ یہ جلسہ دیوبند کے مدرسہ کا آخری جلسہ ہے جس کے بعد سینکڑوں طلبہ فارغ التحصیل ہوئے مگر دستار بندی کی رسم کسی کے ساتھ ادا نہیں ہوئی

خوشا قسمت ان گیارہ علماء کی جن کے سروں کا تاج وہ عمامہ بنا جسکے پیچ قطب العالم کے ہاتھ نے ڈالے اور زہے نصیب ان حضرات کے جنکا عطیہ امام ربانی کے ہاتھوں علماء کے سروں پر رکھا گیا وہ گیارہ حضرات جن کی اس مقدس و مشہور جلسہ میں دستار بندی ہوئی مفصلہ ذیل ہیں۔

حکیم امت حضرت مولانا الحافظ الحاج المولوی اشرف علی صاحب تھانوی دامت فیوضہم حضرت مولانا الحاج المولوی علاء الدین صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت مولانا الحاج المولوی محمد اسحٰق صاحب نہٹوری زید فضلہ۔ جناب مولانا حافظ مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی، استاذی سیدی و مولائی مولانا المولوی عبدالمومن صاحب دیوبندی ادام اللہ ظلہ۔ جناب مولانا الحاج الحافظ المولوی ناظر حسن صاحب دیوبندی مدرس اول مدرسہ چھتاری۔ المولوی محمد صدیق صاحب دیوبندی۔ المولوی محمد یحییٰ صاحب دیوبندی مرحوم جناب مولانا الحافظ المولوی قاضی نصرۃ الدین صاحب نگینوی۔ مولانا المولوی محمد مرتضیٰ صاحب دہلوی۔ مولانا المولوی عبدالرحمٰن صاحب مرادآبادی

اسی جلسہ میں شیخ نہال احمد صاحب رئیس دیوبند نے ایک دوشالہ مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب مدرس اول کو اور دوسرا دوشالہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ کو عطا فرمایا

لہ بحکم ان اللہ لا یستحی من الحق "یہ عرض کرنا ضرور ہوا کہ مولوی محمد صدیق صاحب بدعات کی طرف مائل اور ان خیالات سے منحرف ہو گئے ہیں جن کا انتساب حضرت قدس سرہ کی جانب ہے واللہ الہادی وعلیہ التکلان ۔ مؤلف

اور اکثر حاضرین جلسہ نے زر نقد بصورت چندہ دینا شروع کیا جس کی تعداد ایک ہزار ستاون روپیہ بارہ آنے ہو گئی یعنی کل مصارف جلسہ ما لہٗ وصول ہو کر ماعلیہ زاید بچ رہے۔

رسم دستار بندی ادا ہونے کے بعد حضار جلسہ کو با آواز کہدیا گیا کہ کھانا طیار ہے سب صاحب کھانا کھا کر اٹھیں چنانچہ تمام مہمانوں نے اسی جلسہ میں نہایت لطف و حلاوت کے ساتھ وہ کھانا تناول فرمایا جو خاص مدرسہ کی طرف سے تھا یہ مہمانی کئی ہزار مہمانوں کی ہوئی جن کو بدفعات کھلایا گیا اور خدا کی دی ہوئی برکت کے باعث پھر بھی بچ رہا غرض جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا کس قدر مہمان تو اسی روز واپس ہو گئے اور بہتیرے حضرات ٹھیرے رہے جن کی مہمانی آخر تک منجانب مدرسہ و اہل شہر ہوتی رہی محض اللہ کا فضل تھا کہ مسجد کے گوشوں میں بیٹھنے والے علماء سے آنیوالے ہزارہا مہمانوں کی خاطر و مدارات کا وہ مضمون ادا ہوا جس کی نظیر منتظم سے منتظم اور مدبر سے مدبر امراء میں ملنی مشکل ہے چھوٹے بڑے اور واقف و ناواقف مہمانوں میں کسی کو پانی کے لوٹے یا لیٹنے کی چارپائی کی تکلیف یا شکایت پیش نہیں آئی۔

جلسہ کے اگلے دن جمعہ تھا اس لئے نووارد عاشق مہمانوں کو حضرت امام ربانی کی خدمت میں باصرار عرض کرنے کی گنجائش ملی کہ وعظ فرمادیں اور چند ساعات کلمات طیبات سے تشنہ گان پند و نصائح کو سیراب و محظوظ بنائیں، حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اول تو انکار فرمایا کہ مجھے وعظ کہنا نہیں آتا، یہ منصب مولوی محمد قاسم صاحب کا تھا مگر جب حضرت مولانا رفیع الدین صاحب و مولانا محمد یعقوب صاحب نے نہایت اشتیاق ظاہر کیا حضرت آپ کا وعظ سننے کو بہت ہی دل چاہتا ہے تو آپ نے یہ فرما کر کہ آپ کا جی چاہتا ہے تو جو کچھ مجھے آتا ہے کہہ دوں گا درخواست منظور فرمائی اور جمعہ کی نماز کے بعد جامع مسجد میں وعظ فرمایا۔

وعظ کیا تھا، ”وان من البیان لسحراً“ کا مصداق تھا اور بیان کیا تھا محبت الٰہی کا دریائے مواج اور قلزم متلاطم تھا جس نے اس کنارے سے لے کر اس کنارے تک ہر صغیر و کبیر کی حالت کو دگرگوں کر دیا تھا، آپ حدیث کی کتاب ہاتھ میں لے کر منبر پر بیٹھے اور کیف ما اتفق اس کو کھول کر جو حدیث نظر پڑی اس کو پڑھ کر ترجمہ فرمانے لگے آپ کے سارے وعظ میں حدیث نبوی کا نہایت سادہ ترجمہ اور یہی نماز روزے کے مسائل تھے جو معمولی پڑھے لکھے بھی بیان کر دیتے ہیں مگر خدا جانے وہ غیبی تاثیر کیا تھی جس نے

سارے جلسہ کو ساکت وصامت اور مبہوت وسرنگوں بنا رکھا تھا، ہر شخص اس قلبی فیضان سے متوثر تھا اور مسجد کی دیواریں تک مست وسرشار نظر آتی تھیں حضرت مولانا المولوی رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ نے اس وعظ کی چشم دید کیفیت کو سالانہ روئداد میں مختصر الفاظ کیساتھ اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ "وعظ کیا تھا گویا سامعین کو مئے محبت الٰہی کے خم کے خم پلا دیئے در و دیوار تک مست تھے اور عجیب کیفیت ظاہر تھی کہ کہیں دیکھی نہ سنی اللہ اللہ اس کے خاص بندوں کے سیدھے سیدھے الفاظ اور سادہ بیان اور ڈھیلی ڈھیلی زبان میں کیا کیا تاثیرات ہیں کہ بشر کیا شجر و حجر بھی مان جاتے ہیں مولانا نے کوئی دقیق مضامین علمیہ بیان نہیں فرمائے یہی وضو اور نماز کے مسائل بیان کئے اور اخلاص کے بیان میں کسی تقریب سے ایک دفعہ بآواز بلند (اللہ) کہا معلوم نہیں کہ کس دل اور کیسے سوز وگداز سے اللہ کا نام لیا کہ تمام مجلس وعظ لوٹ گئی اور آہ و زاری کی آواز سے مسجد گونج اٹھی۔ ہر شخص اپنے حال میں مبتلا تھا اس وقت بعض اشخاص نے مولوی صاحب کو دیکھا کہ کمال وقار سے منبر پر خاموش بیٹھے ہیں اور اہل مجلس کی طرف متوجہ ہیں یقین ہوتا ہے کہ اگر مولوی صاحب ایسے متوجہ نہ ہوتے تو اہل مجلس کو دیر تلک افاقہ نہ ہوتا مگر اللہ رے حوصلہ کہ خود ویسے ہی مستقل رہے ؎

سینہ میں قلزم کو لے قطرہ کا قطرہ ہی رہا ۔ ۱۲ انتہی۔

اس پر کیف جلسہ کا حظ وافر انھیں سے پوچھا جانا چاہیئے جن کی خوش نصیب آنکھوں اور کانوں نے یہ حیرت خیز سماں دیکھا اور درد انگیز وعظ سنا تھا، یہ بات مشہور ہے کہ حضرت امام ربانی نے جس وقت حق جل شانہ کا نام مبارک لیا ہے چھوٹا بڑا ہر شخص اس سے متاثر تھا اکثر پر رقت طاری اور گریہ وبکا کا وہ ہجوم تھا کہ بے اختیار تڑپنا چاہتے بلکہ بعض تڑپتے اور لوٹتے تھے، قلب پر کیفیت سب کے طاری تھی اور سب کسی کو معلوم نہ تھا کہ کس مضمون پر یہ بے اختیاری ہویدا ہوئی ہے سنا ہے کہ وعظ سے قبل مجمع میں واعظین کی تقاریر اور تاثیرات کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ بعض وعظ کہنے والے بیان وتقریر کا اس درجہ ملکہ رکھتے ہیں کہ حاضرین کا ہنسا دینا اور رلا دینا گویا ان کے اختیار میں ہے کہ جب چاہا ہنسا دیا اور جس وقت رنگ بدلنا چاہا تو رُلا دیا حضرت امام ربانی نے بھی یہ گفتگو سنی اور بات ٹالنے کے لئے یوں ارشاد فرما کر خاموش

ہو گئے کہ "ہاں" "اللہ کے بندوں کے نزدیک یہ کوئی چیز نہیں گنی جاتی رلانا اور ہنسانا بات ہی کیا ہے اخلاص کے ساتھ اللہ کا نام جہاں نکلے تو اس پر مخلوق رونے لگے" چنانچہ چند ہی ساعات کے بعد وعظ میں وہ مضمون جو علم الیقین تھا عین الیقین بن گیا اور کئی ہزار مخلوق نے اخلاص و صدق کی ماہیت اور کیفیت سے آگاہی حاصل کرلی جس کا نام ہوش میں آنا ہے وہ حالت مجمع کو عصر کے بعد نصیب ہوئی ورنہ عصر تک جسے دیکھئے کیفیت میں مست اور کسی غیبی اثر سے متاثر نظر آتا تھا۔ اس جلسہ میں مولوی محمد حسین صاحب الٰہ آبادی بھی موجود تھے گو آخر زمانہ میں مولوی صاحب کا رنگ بدل گیا تھا مزامیر و سماع کی طرف جھک گئے تھے انتقال بھی بحالت سماع اجمیر کے عرس میں ہوا مگر حضرت کے مداح اور کمال ولایت کے قائل عمر بھر رہے اور جس وقت کا یہ ذکر ہے اس وقت تو امام ربانی کے مخلص خادم بنے ہوئے تھے، سنا ہے الٰہ آباد واپس جا کر یوں کہتے تھے کہ میں نے یہ کیفیت نہ کبھی دیکھی اور نہ سنی صرف ایک کتاب میں حدیث تو دیکھی تھی اس میں مذکور تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر ایک حالت طاری ہو گئی تھی جبکہ سیدنا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بام کعبہ پر آکر اللہ کا نام لیا اور اب تو سیدنا حضرت مولانا رشید احمد صاحب نے آنکھوں سے دکھا دیا اور دل کو مزہ چکھا دیا۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ نے چند یوم دیوبند میں قیام فرمایا اور آخر براہ سہارنپور گنگوہ واپس تشریف لے گئے، سہارنپور کا مدرسہ مظاہر علوم جس کو مدرسہ عالیہ دیوبند کا مماثل و عدیل کہنا چاہیئے اپنے افتتاح کے وقت سے بہ سرپرستی و اہتمام خاصان خدا بابرکت رفتار پر چل رہا تھا اس کی عمر بھی اٹھارہ سال کے قریب پہونچ لگی تھی دو مہینے بعد انیسواں سال شروع ہونے والا تھا، اس اٹھارہ سال کی مدت میں بہت اشخاص فارغ التحصیل بن چکے اور نصاب نظامیہ کا تکملہ کر کے اپنے ملک و وطن اور اِدھر اُدھر دیگر بلاد میں منتشر ہو چکے تھے اہل سہارنپور کو چونکہ اب تک دستار بندی کے جلسہ کی طرف مطلق توجہ نہ ہوئی تھی اس لئے کوئی جلسہ وہاں منعقد نہیں ہوا تھا چنانچہ اب جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ دیوبند سے فارغ ہو کر سہارنپور تشریف فرما ہوئے، تو مولانا مولوی مظہر صاحب نے دو فارغ التحصیل طلبہ کو دستار فضیلت باندھنے کی خواہش ظاہر فرمائی جس کو حضرت نے بخوشی قبول فرمایا اور جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ مولانا مولوی

(باقی بر ص ۶۴)

کیا دارالعلوم کے اہتمام میں شرعاً وراثت جائز ہے

اکابر کا فیصلہ

حبیب الرحمٰن قاسمی

دارالعلوم دیوبند ایک علمی، مذہبی اور دینی ادارہ ہے اُسکی یہ حیثیت روزِ روشن کی طرح آشکارا ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب و اقوام کے افراد بھی دارالعلوم دیوبند کو اسی حیثیت سے جانتے پہچانتے ہیں۔ اسی لئے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے اپنے ناعاقبت اندیش مشیروں کی رائے کے مطابق جس وقت سول کورٹ سہارنپور میں یہ مقدمہ دائر فرمایا کہ "دارالعلوم کے اہتمام کا میں وراثتاً حقدار ہوں اور اسی بنیاد پر میں ابتک اس کا مہتمم ہوں" تو ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ قاری صاحب موصوف اپنی زبردست خاندانی و روحانی نسبت کے باوجود اپنے خدا ناترس ساتھیوں کے ساتھ کہاں سے کہاں جا پہنچے ہیں۔

حضرت قاری صاحب کے اس صریح البطلان دعوے کے بعد قطعاً اس کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی کہ ان کی حمایت و اعانت کی جائے۔ لیکن بعض لوگ اپنی ذاتی اغراض کی بناء پر حق و باطل سے آنکھیں بند کرکے اب بھی برابر حضرت قاری صاحب کے ساتھ لگے ہوئے ہیں بلکہ انھیں مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اس جھگڑے کو زندہ رکھیں ان اغراض پسند افراد سے ہمیں کچھ کہنا ہے، نہ کہنے میں کوئی فائدہ، البتہ ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو واقعی دین و مذہب کے ساتھ نہ صرف تعلق رکھتا ہے بلکہ اُس کی دینی حیثیت مسلم معاشرے میں مشہور و معروف بھی ہے اور بظاہر وہ مفاد پرستی کے مرض میں بھی مبتلا نہیں ہے۔ یہ طبقہ محض حضرت قاری صاحب کی خاندانی شرافت اور حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے ساتھ خصوصی نسبت کی بناء پر اس مسئلہ توریث اہتمام میں بھی انھیں حق پر سمجھتا ہے اور حتی الوسع تقریراً و تحریراً اس معاملہ میں ان کی تائید و اعانت بھی کر رہا ہے اس تحریر میں اصل مخاطب یہی حضرات ہیں اور حسن ظن نہیں بلکہ یقین ہے کہ حق کے واضح اور منقح ہو جانے کے بعد دیانتاً یہ حضرات اپنی رائے سے رجوع فرمالیں گے۔

ابتداء سے ہماری یہ خواہش رہی ہے کہ اس مسئلہ خاص سے متعلق اپنے اکابر، بالخصوص حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کی کوئی تحریر مل جائے تاکہ اس کی روشنی میں دوٹوک فیصلہ کیا جاسکے حسن اتفاق سے خود دارالعلوم کے ریکارڈ میں دیگر اکابر دیوبند کے علاوہ حضرت تھانویؒ کی تحریر خاص توریثِ اہتمام سے متعلق دستیاب ہوگئی۔

آج سے تقریباً نصف صدی قبل دارالعلوم دیوبند کے حلقہ میں توریثِ اہتمام کا ہنگامہ بڑی شد و مد کے ساتھ اٹھا تھا جس کی اکابر نے متفقہ طور پر تردید فرما کر ہمیشہ کیلئے اس فتنہ کو دفن فرما دیا تھا۔ خدانخواستہ اسوقت یہ مسئلہ نہ اٹھا ہوتا تو آج کے اس فتنۂ عیار میں اکابر کی ہدایت کی روشنی کہاں سے میسّر آتی۔ سچ ہے۔

"خدا شرے برانگیزد کہ خیرے ما دراں باشد"

ربیع الآخر سنہ ۱۳۴۱ھ میں جب حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نظام دکن کی تجویز و طلب پر بمشاہرہ ایک ہزار روپے ماہانہ حیدرآباد کی عدالتِ عالیہ (ہائی کورٹ) کے مفتی ہوکر حیدرآباد چلے گئے اور اہتمام کی ساری ذمہ داری عملاً تنہا حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحؒ نائب مہتمم پر آپڑی تو اس وقت کی مجلسِ شوریٰ نے حضرت مولانا عثمانی رحؒ کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی غرض سے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کو پچاس روپے ماہانہ تنخواہ پر جونیئر نائب مہتمم مقرر کر دیا۔ تقرر کی تجویز کو منظور کرتے ہوئے ریاست بھوپال کے نامزد ارکان نے ازراہِ عقیدت اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ "اہتمام کا تعلق خاندانِ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ مدرسہ سے رہنا چاہیئے"، اس پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے (جو اس وقت دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ کے ایک رکن تھے) "بشرطِ صلاحیت تامہ" کی قید کا اضافہ فرمایا چنانچہ حضرت تھانویؒ کی مذکورہ قید کے ساتھ یہ تجویز منظور کر لی گئی۔

چونکہ ضمنی طور پر یہ تجویز منظور ہوئی تھی حالانکہ مسئلہ کی غیر معمولی اہمیت کا تقاضا یہ تھا کہ باقاعدہ اور مستقل طور پر یہ تجویز ارکان کے سامنے آئے اس لئے ۱۴ر ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ کے اجلاس شوریٰ میں جب کہ حضرت مولانا حافظ احمد صاحب کو ان کی کبر سنی اور طولِ علالت کی بنا پر ایک تجویز کے ذریعہ کارِ اہتمام کی عملی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر کے صدر ناظم بنایا گیا اور ان کی جگہ حضرت

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی کو مہتمم مقرر کیا گیا۔ اسی اجلاس میں ریاست بھوپال کے نامزد ارکان کی ضمنی تجویز کو حضرت مولانا عثمانی نے مفصل و مدلل تجویز کی شکل میں پیش کیا جسے حضرت تھانوی قدس سرہ کی ایک ضروری ترمیم کے ساتھ مجلس نے منظور کر لیا۔ تجویز کے الفاظ اور حضرت تھانوی کی ترمیم درج ذیل ہے۔

تجویز ” مجلس شوریٰ محسوس کرتی ہے کہ دار العلوم کی خدمت اہتمام کا تعلق خاندانِ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ کے ساتھ بطور امانتِ الٰہی اسی طرح وابستہ رہے جیسے کہ اہتمام کلید دروازۂ کعبہ محترمہ اور سقایۂ زمزم شریف کو حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص خاندان کے متعلق فرمایا ہے۔

پس اہتمام دار العلوم دیوبند بھی حتی الوسع خاندان بانی مدرسہ کے ساتھ وابستہ رہے گا اس بناء پر مجلس شوریٰ اس امر کو اپنی تجویز [illegible] میں طے کر چکی ہے “

ترمیم حضرت تھانوی قدس سرہٗ۔

” احقر اشرف علی نے اس وقت قید لگائی تھی یعنی ”بشرط صلاحیت تامہ“ اب پھر اس کی تجدید کرتا ہے۔ ورنہ پھر اہلِ شوریٰ اور سرپرست موجود الوقت کی رائے سے دوسرے کو تجویز کیا جائے گا۔ اور اس کو میں شرعاً ضروری سمجھتا ہوں کہ جس روداد میں یہ دفعہ شائع ہو وہاں اس قید کی تصریح ہونی چاہئے۔

یہ تجویز دوبارہ بھی پاس ہو گئی لیکن اس کے شائع ہوتے ہی خود حلقۂ دار العلوم میں ایک اضطراب کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اور مجلس شوریٰ کے اس فیصلے کو عہدۂ اہتمام میں توریث جاری کر دینے سے تعبیر کیا گیا اور کھلے عام تجویز کو شرعاً ناجائز کہا جانے لگا۔

اگر ایک طرف اس تجویز کو پاس کرنے والے علماء کبار تھے تو اسے ناجائز اور خلاف شرع کہنے والوں میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دار العلوم، حضرت مولانا محمد انور شاہ محدث کشمیری صدر مدرس دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا سراج احمد استاذ دار العلوم وغیرہ جیسے اساطین فضل و کمال تھے جن کے اعتراض و اشکال سے صرف نظر کر لینا آسانی سے ممکن نہ تھا۔ پھر تجویز کے الفاظ مثلاً ”بطور امانتِ الٰہی“ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے استشہاد وغیرہ ایسے امور تھے جن سے بظاہر یہی سمجھا جاتا تھا کہ مجلس شوریٰ دار العلوم کے اہتمام کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاندان

حضرت نانوتوی قدس سرہٗ سے وابستہ کردینا چاہتی ہے اگرچہ تجویز کے منظور کرتے وقت حضرات اراکین کے قلب میں دور دور تک اس کا شائبہ بھی نہ تھا ہو۔ اسلئے حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے مشورے سے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے ۳۰ شوال ۱۳۴۱ھ کے جلسۂ شوریٰ میں نیابت اہتمام سے اپنا استعفا پیش کردیا۔ مجلسِ شوریٰ نے حضرت قاری صاحب کے استعفار کو منظور کرتے ہوئے اس تجویز کی بھی توضیح وتشریح کردی تاکہ اس تجویز کی بنیاد پر دارالعلوم کے اہتمام میں وراثت جاری کرنے کا جو اعتراض شوریٰ پر کیا جارہا ہے۔ اس کا عملاً و تحریرًا دونوں طریق پر خاتمہ ہوجائے۔

مجلسِ شوریٰ کی توضیحی تجویز کے الفاظ یہ ہیں۔

مجلسِ شوریٰ نے قبل ازیں یہ تجویز کیا تھا کہ خاندانِ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ میں بشرطِ اہلیت اہتمام دارالعلوم کو قائم رکھا جائے۔ اس سے یہ منشار مجلسِ شوریٰ کا نہیں ہے کہ خاندانِ موصوف کے کسی ممبر سے اہتمام کو نہ نکالا جائے گا یا یہ کہ اس خاندان کے علاوہ کسی دوسرے کے سپرد اہتمام نہ کیا جائے گا۔ بلکہ منشار یہ تھا کہ بشرطِ اہلیت خیال ترجیح رہے گا۔ لہذا مجلسِ شوریٰ کی تجویز ہے کہ مولوی محمد طیب صاحب کو حسب استدعا ان کی دائرۂ اہتمام سے سبکدوش کرکے سلسلۂ تعلیم میں لیا جائے اور ان کے مشاہرہ میں دس روپیہ کا ماہوار اضافہ کیا جائے (یعنی اس تجویز کے ذریعہ پچاس کے بجائے ساٹھ روپے ان کی تنخواہ کردی گئی)

حبیب الرحمٰن قاسمی

قاری صاحب موصوف کے استعفار اور سابقہ تجویز میں ترمیم سے دارالعلوم کے حلقہ میں اس مسئلہ کی بنیاد پر جو اختلاف وانتشار پیدا ہوگیا تھا وہ بظاہر ختم ہوگیا۔ لیکن لوگوں کے قلوب میں شکوک وشبہات کی خلش ابھی تک موجود تھی کہ حضرت قاری صاحب کو ماہ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ میں دوبارہ نائب مہتمم منتخب کرلیا گیا۔ اس دوبارہ انتخاب کی تفصیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رح نے اپنی ایک رپورٹ میں یوں تحریر فرمائی ہے۔

"۱۱ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ کو مجھے اور مولوی سعید الدین (رامپوری) ممبر دارالعلوم کو تھانہ بھون حضرت مولانا کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا تو حضرت مولانا نے از خود فرمایا کہ اہتمام مدرسہ حضرت مولانا کے خاندان میں بطور وراثت قائم کرنا تو خلافِ شریعت ہے البتہ اگر ان کے خاندان میں صلاحیت اہتمام رکھنے

والے ہوں تو اُن کو دوسروں پر ترجیح دینا خلاف شرع نہیں ہے۔ اور چونکہ مولوی محمد طیب صاحب میں صلاحیت تامہ موجود ہے اس لئے اہتمام مدرسہ کے لئے ان کو دوسروں پر ترجیح دی جائے تو میرے نزدیک مناسب ہے۔“ ——— چنانچہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے اس ارشاد کی روشنی میں حضرت مولانا عثمانیؒ نے قاری صاحب موصوف کو دوبارہ نیابت اہتمام پر لانے کے لئے ایک تحریر مرتب کی اور ماہ محرم ۱۳۴۶ھ میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں اُسے تھانہ بھون بھیجا جس کی حضرت تھانویؒ نے تائید فرمائی پھر یہی تحریر دیگر ارکانِ شوریٰ کی خدمت میں بھیجی گئی اور تقریباً سب ہی نے اس کی تائید و تصویب کی جس کی رو سے حضرت مولانا محمد طیب صاحب دوبارہ نیابتِ اہتمام کے منصب پر مقرر ہو گئے۔ لیکن اس تقرری کے بعد پھر ہنگامہ شروع ہو گیا اور اس بار پہلے سے زیادہ شدّت کے ساتھ اعتراضات اٹھائے گئے یہاں تک کہ حضرت مولانا انور شاہ محدّث کشمیریؒ نے نمازِ عصر کے بعد طلبہ و اساتذہ کے مجمع میں اسی موضوع پر تقریر فرمائی اور واضح الفاظ میں فرمایا کہ دارالعلوم میں شرعًا وراثت نہیں جاری ہو سکتی۔

پھر اخبارات و رسائل میں بھی مجلس شوریٰ کے اس اقدام کے خلاف مضامین شائع ہونے لگے جس سے دارالعلوم کے حق میں ملک کی فضا خراب ہو جانے کا شدید اندیشہ پیدا ہو گیا اس لئے مجلس شوریٰ نے طے کیا کہ اہل ملک کو صحیح صورتِ حال سے باخبر کرنے کیلئے حضرت مولانا تھانویؒ سرپرست دارالعلوم کی جانب سے ایک بیان شائع ہونا چاہئے۔ حضرت تھانویؒ نے مجلس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اپنی طرف سے یہ بیان پمفلٹ کی شکل میں اور اخبارات کے ذریعہ بھی شائع کر کے صحیح صورت قوم کے سامنے پیش کر دی جس کا خاطر خواہ نفع ہوا۔ بیان حسب ذیل ہے۔

”اعلان عام کیا جاتا ہے کہ دارالعلوم کسی کا مملوک نہیں ہے نہ اُس کے اہتمام میں وراثت جاری ہو سکتی ہے۔ خاندانِ مولانا محمد قاسم صاحب کو خصوصیت بیشک حاصل ہے مگر اسکا یہ ثمرہ نہیں ہو سکتا کہ اہتمام دارالعلوم بطور وراثت اسی خاندان میں قائم رہے۔

اگر ہر زمانہ کی مجلس شوریٰ بطور حق شناسی و بخیال حسن انتظام و مصالح دارالعلوم اس خاندان کے اہل افراد کا انتخاب کرے تو مستحسن ہے اور اگر باوجود مذکورین کی اہلیت کے کسی دوسرے شخص کا انتخاب کریں یہ بھی ان کو اختیار ہے۔

یہ بھی اعلان کیا جاتا ہے کہ مولوی حافظ قاری محمد طیب دارالعلوم کی مدد کے ساتھ نیابت اہتمام

کیلئے نامزد کئے گئے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مہتمم بھی بنائے جائیں یا ہمیشہ کیلئے وہ نائب مہتمم رہیں۔ مجلس شوریٰ کو ہر وقت تغییر وتبدیل کا اختیار ہے۔

کتبہ اشرف علی تھانوی۔ سادس شعبان ۱۳۴۸ھ

اسی طرح حضرت تھانوی قدس سرہٗ۔ ایک دوسرے موقع پر معترضین کا جواب دیتے ہوئے اس اختلافی تجویز کی تشریح یوں کرتے ہیں۔

مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند پر الزام لگایا ہے کہ اس نے خاندانِ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ میں اہتمام دارالعلوم دیوبند کو بطور وراثت وابستہ کر دیا ہے لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ نہ مجلسِ شوریٰ نے اہتمام میں وراثت قائم کی اور نہ ممبرانِ دارالعلوم کا ایسا خیال ہے۔ انھوں نے بطورِ حق شناسی صرف یہ تجویز کیا تھا کہ خاندانِ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ کے جانشین بشرطِ اہلیت مرجح سمجھے جائیں گے۔ لیکن اوّل یہ شرط ایسی ہے کہ کیسا ہی بڑا شخص ہو اس کی اہلیت وعدمِ اہلیت کے اندر ہر زمانہ میں کلام ہو سکتا ہے اگر کسی زمانہ کے ارکانِ مجلسِ شوریٰ خاندانِ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے کسی فرد کو مہتمم بنانا چاہیں تو ان کی اہلیت اہتمام میں بوجوہ مختلف کلام کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر زمانہ کے ارکان مجلسِ شوریٰ کو اس قسم کی تجویز کی ترمیم و تنسیخ کا اختیار حاصل ہے۔ پس جبکہ موجودہ مجلسِ شوریٰ اس بارہ میں مجبور نہیں کہ لامحالہ اسی خاندان میں سے کسی کو مہتمم منتخب کرنے تو اس تجویز کو اہتمام میں وراثت جاری کرنے سے کیونکر تعبیر کیا جا سکتا ہے البتہ مجلسِ شوریٰ نے بشرطِ اہل ہونے کے اس خاندان کے افراد کو مرجح سمجھنا تجویز کیا تھا وہ بھی استحساناً۔ ورنہ اراکین جو آئندہ مجلسِ شوریٰ کے ممبر ہوں گے اس تجویز کو قائم و جاری کرنے ہی پر مجبور نہیں بلکہ ان کو اختیار ہے کہ نفسِ تجویز ہی میں ترمیم کر دیں۔"

حضرتِ اقدس مولانا تھانوی قدس سرہٗ کی اس تحریر سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ ۱۲۔ مختلف فیہ تجویز سے ارکانِ شوریٰ کا یہ منشا نہیں ہے کہ اہتمام میں وراثت جاری کر دیں۔ کیونکہ یہ تو حضرت تھانوی شرعاً جائز نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ مجلسِ شوریٰ ہی اصل ہیئت حاکمہ ہے اور اسے ہر زمانہ میں سابق تجویزوں میں ترمیم و تنسیخ کا اختیار حاصل ہے اور وہ مجبور نہیں کہ لامحالہ خاندانِ قاسمی ہی کے

کسی غیر کو مہتمم منتخب کریں۔

ان ساری تفصیلات سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ کسی خاندان کے ساتھ اہتمام کو بطور وراثت قائم کرنے کے عدم جواز پر اس تجویز کے مؤیدین و مخالفین دونوں جماعت کے علماء متفق و متحد ہیں۔ اختلاف کی بنیاد محض اس پر تھی کہ سابق تجویز سے ایک جماعت یہ سمجھتی تھی کہ اس تجویز کا مفاد دارالعلوم کے اہتمام میں وراثت قائم کرنا ہے۔ اور دوسری جماعت یہ کہتی تھی کہ اس سے یہ مفہوم مراد لینا غلط ہے ورنہ اہتمام میں توریث کے عدم جواز پر دونوں جماعتیں متفق ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ سارے واقعات و اختلافات حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے سامنے پیش آئے ہیں۔ بلکہ براہِ راست اُن کا تعلق خود انہیں کی ذاتِ گرامی سے تھا۔ اور اسی کی بنیاد پر ایک بار انھیں نیابت اہتمام سے الگ بھی ہونا پڑا تھا۔ عقل حیران ہے کہ ان باتوں کے تفصیلی علم کے بعد خود حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کس طرح یہ دعویٰ فرما رہے ہیں کہ اہتمام دارالعلوم میرا وراثتاً حق ہے اور اسی حقِ وراثت کی بنیاد پر میں اس کا مہتمم ہوں۔ ارکانِ شوریٰ کے انتخاب و عدم انتخاب کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اور اسی حق کو حاصل کرنے کے لئے سول کورٹ سہارنپور میں انھوں نے ایک مقدمہ بھی دائر کر رکھا ہے۔ جسمیں اسلامی قانون کے ساتھ ساتھ اپنے پیر و مرشد کے فیصلے کی خلاف ورزی بھی لازم آرہی ہے۔

علاوہ ازیں ان تفصیلات کے منظرِ عام پر آجانے کے بعد ان حضرات کیلئے بھی لمحۂ فکر ہے جو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی محض اس لئے حمایت و اعانت کر رہے ہیں کہ وہ حضرت تھانوی رح کے ساتھ خصوصی نسبت رکھتے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ

(بقیہ صفحہ ۔ کا) اس لئے اُن کے دباؤ میں آگئے اور ایک وکیل کے مشورہ سے یہ اخباری بیان۔ اور یہ طول طویل خط تیار کردیا جس کا حقیقت و واقعیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے بلکہ وہ شرعاً و قانوناً دونوں لحاظ سے دارالعلوم سے بحیثیتِ خود بے تعلق ہوچکے ہیں اُن دوراز کار تاویلوں سے اُن کے نادان محبین تو خوش ہوسکتے ہیں۔ لیکن خود ان کا ضمیر اس سے قطعاً مطمئن نہیں ہوگا۔

مولانا قاری محمد طیب صاحب کا استعفیٰ

ماضی اور حال کے آئینہ میں

دارالعلوم دیوبند کی تاریخ گواہ ہے کہ دیگر مذہبی اور ملی اداروں کی طرح دارالعلوم دیوبند کا بھی ایک دستور و آئین ہے اور دارالعلوم کا سارا نظم و نسق اسی دستور کے تحت انجام پاتا ہے۔ اسی دستور کی رو سے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ سب سے اعلیٰ باڈی اور ہیئت حاکمہ ہے۔ دارالعلوم کے تمام کارکن شعبہ جات کے نظار اور مہتمم سب کے سب اصولاً اسکے احکامات کے پابند ہیں اور عملاً بھی اس کی بالادستی اور حاکمیت تسلیم کرتے رہے ہیں

دارالعلوم کی ایک بااختیار جماعت ہوگی جس کا نام "مجلس شوریٰ" ہوگا دارالعلوم کا تمام نظم اس جماعت کے ہاتھ میں ہوگا۔ (دستور اساسی دفعہ ۷)

دارالعلوم کی یہ مجلس شوریٰ کوئی نئی جماعت نہیں ہے بلکہ ابتدائے قیام دارالعلوم ہی سے اس کا وجود اور اس کی یہ حیثیت چلی آرہی ہے۔ چنانچہ تاریخ دارالعلوم میں ہے۔

دارالعلوم کا نظم و نسق شروع ہی سے "وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" کے شورائی اصول پر قائم ہے اسکے لئے ایک بااختیار مجلس اعلیٰ ہے جس کی تشکیل قیام دارالعلوم کے ساتھ ہی عمل میں آگئی تھی۔ یہ جماعت مجلس شوریٰ کے نام سے موسوم ہے۔ مجلس شوریٰ کی یہ ذمہ داری ہے کہ دارالعلوم کے تمام کاموں کی نگرانی و رہنمائی کرے۔ (تاریخ دارالعلوم [illegible])

نذیر احمد عثمانی دیوبندی دارالعلوم کے قیام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اور تعلیم شروع ہو گئی تو طالب علم جوق درجوق آنے لگے۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں بباعث کثرت طلبہ مسجد میں گنجائش نہ رہی تب ایک مکان کرایہ پر لیا گیا مگر اس قدر کثرت طلبہ کی ہوئی کہ تنہا ملا محمود صاحبؒ تعلیم نہ دے سکے چنانچہ اس عرصہ میں چندہ بھی زیادہ آنے لگا اس وقت حاجی صاحب (عابد حسین) نے مولوی محمد قاسم صاحبؒ و مولوی فضل الرحمٰن صاحب و مولوی ذوالفقار علی صاحبؒ (والد ماجد حضرت شیخ الہند) و مولوی مہتاب علی صاحب و منشی فضل حق صاحب وغیرہ کو اہل شوریٰ قرار دیا کہ کاروبار مدرسہ حسب رائے اہل شوریٰ ہوا کرے الخ (تذکرۃ العابدین ص۶۹ مطبوعہ ۱۳۱۵ھ)

علاوہ ازیں دارالعلوم کی قدیم رودادوں میں جبکہ دارالعلوم کے اہم اصول سالانہ رودادوں میں شائع ہوا کرتے تھے۔ ذکر قوانین اہلِ شوریٰ کے ضمن میں درج ہے۔

(۱) جو اہل مشورت مسلّمہ اہل چندہ ہیں اور ابتدائے مدرسہ سے ان کے اعتماد پر چندہ آتا ہے اور کیفیات سالانہ میں ہمیشہ انکے دستخط ہوتے ہیں اگر ان میں سے کوئی شخص کسی وجہ سے کم ہو جائے تو بشرط ضرورت اس کی جگہ جدید شخص حسب انتخاب و اتفاق اہل شوریٰ مقرر ہوگا۔ اور بالفعل پانچ شخص اہلِ شوریٰ ہیں جن کی رائے و تجویز پر جملہ امورات مدرسہ ہذا کا حل و عقد منحصر و موقوف ہے اور نام اُن کے درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت حاجی محمد عابد صاحب دیوبندی، حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی، حضرت حکیم محمد ضیاء الدین صاحب رام پوری، جناب مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی، جناب مولوی فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی۔ (۲) — تجویز اہل مشورہ درباب تقرر و ترقی و تنزل و موقوفی وغیرہ ملازمان و مدرسان اور خرچ کرنے زر چندہ و دیگر انتظامات مدرسہ کے قطعی ہوگی —— تقرر و تبدل مہتمم باختیار اہل شوریٰ ہے لیکن اہل مشورہ کو درباب تقرر مہتمم بہت غور و فکر اور دور اندیشی چاہیے۔ (روداد دارالعلوم بابت ۱۳۱۱ھ ص۔)

یہ اصول دارالعلوم کی رودادوں میں ہر سال شائع ہوتے رہے ہیں مگر جب سے الگ سے مفصل دستور چھپ کر شائع ہو گیا اس وقت سے رودادوں میں اُن کی اشاعت موقوف کر دی گئی۔

[illegible]

مگر افسوس کہ ان دستوری قواعد اور اکابر اور خود اپنے تعامل کے برخلاف۔ ۱۱ر ۱۲ر اکتوبر ۱۹۸۲ء کے اجلاسِ شوریٰ کے بعد سے (جس میں شوریٰ نے اجلاس صد سالہ کے حسابات کی جانچ کے لئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے ایک کمیشن مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور دہلی کے دفتر رابطہ کو جس پر بلا ضرورت ہزاروں روپے ماہانہ صرف ہو رہے تھے توڑ دینے کی تجویز منظور کی تھی) مولانا قاری محمد طیب صاحب نے سابقہ طرزِ عمل بدل دیا اور دیدہ و دانستہ مجلسِ شوریٰ کے فیصلوں سے اعراض وانحراف کرنے لگے۔ جب کہ دستورِ اساسی دارالعلوم کی رو سے مجلسِ شوریٰ کے فیصلوں کی تنفیذ بحیثیت مہتمم اُن کے فرائض میں ہے۔

چنانچہ ۱۱ر ۱۲ر اکتوبر کے اجلاس شوریٰ کے فیصلوں کو ردّی کی ٹوکری میں ڈال کر طے شُدہ پروگرام کے مطابق خود امریکہ کے طویل سفر پر چلے گئے اور اُن کے صاحبزادۂ محترم مولانا محمد سالم صاحب نے یہاں شوریٰ کے خلاف ایک محاذ کھول دیا اور دہلی و دیوبند کے بعض اخبارات کو زرِ کثیر دیکر انھیں آمادہ کیا کہ وہ مجلسِ شوریٰ کے خلاف مضامین لکھیں۔ چنانچہ ان اخبارات نے مجلس کے خلاف پروپگنڈہ کی مہم جاری کر دی اور واضح طور پر لکھنے لگے کہ مجلسِ شوریٰ کو دارالعلوم کے امور و معاملات میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے۔ دارالعلوم کے سیاہ و سفید کے مالک مولانا قاری محمد طیب صاحب ہیں۔ انھیں دارالعلوم کے معاملات میں اختیارِ کلی حاصل ہے۔ (ملاحظہ ہوں اس زمانہ کے ”امام انقلاب دہلی، ہو دیوبند ٹائمز دیوبند اور اجتماع دیوبند کے شمارے“)

سفرِ امریکہ سے واپسی کے بعد بجائے اسکے کہ ان اخبارات کی غلط بیانیوں کے خلاف تردیدی بیان دیتے۔ قاری صاحب نے ان اخبارات و رسائل کی ہمت افزائی فرماتے ہوئے ان کی تعریف و تحسین پر مشتمل ایک بیان جاری کر دیا۔ اور اسی کے ساتھ تمام ملازمین و کارکنان دارالعلوم کی تنخواہوں میں یک لخت دو گنے کا اضافہ کر دیا۔ جس کا دارالعلوم کے آئین و دستور کے لحاظ سے انھیں قطعاً اختیار نہیں تھا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ بقلم خود اپنے صاحبزادے اور مجلسِ شوریٰ کے خلاف اس جنگ کے کمانڈر مولانا محمد سالم صاحب کو نائب مہتمم اور مولانا انظر شاہ کو قائم مقام صدر مدرس نامزد کر دیا۔ حالانکہ انھیں اس کا بھی اختیار نہیں تھا۔ کیونکہ تنخواہ یا عہدوں میں ترقی و تنزلی غیر خالص مجلسِ شوریٰ کے دائرۂ اختیار کی چیز ہے۔

ملاحظہ ہو دستور اساسی دارالعلوم کی دفعہ ۷ ضمن (د) کی درج ذیل عبارت جو مجلس شوریٰ کے فرائض و اختیار کے تحت لکھی گئی ہے

(د) تمام ملازمین کے نصب و عزل، ترقی و تنزل اور تنخواہوں، عہدوں اور فرائض کی تعیین اور عہدوں و فرائض کو تبدیل کرنا۔ (دستور اساسی دارالعلوم دیوبند ص)

ان خلاف آئین و دستور اقدامات کے علاوہ مجلس شوریٰ کے اجلاس کو جسکا دستور کے مطابق ماہ محرم میں ہو جانا ضروری ہے۔ کیونکہ اسی اجلاس میں دارالعلوم کا سالانہ بجٹ پیش ہوتا ہے اور منظور کیا جاتا ہے۔ بلا وجہ ملتوی کر دیا۔

اس بیجا طرز عمل اور خلافِ آئین اقدامات پر متنبہ کرنے کے لئے بعض ارکانِ شوریٰ نے ذاتی طور پر قاری صاحب کو خطوط لکھے کہ اب تک سالانہ بجٹ کی منظوری نہیں ہوئی ہے اور بغیر منظوری کے تمام مصارف ہو رہے ہیں جو خلاف ضابطہ ہے۔ لہٰذا آپ جلد از جلد شوریٰ کا اجلاس بلالیں مگر انھوں نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا۔ اور خلاف ضابطہ شوریٰ کے اجلاس کو ٹالتے رہے اس صورتِ حال کے پیش نظر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رکن شوریٰ و موجودہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے دستور اساسی کی دفعہ ۱۰ ضمن د کے تحت چھ ارکان شوریٰ کے تائیدی دستخطوں سے ۴ مارچ ۱۹۸۱ء کو مولانا محمد طیب کو تحریری اطلاع بھیجی کہ آپ اس تحریر کے وصول ہو جانے پر پندرہ یوم کے اندر مجلسِ شوریٰ کے اجلاس کا دعوت نامہ بتعیین تاریخ جاری کر دیں ورنہ ہم ارکانِ شوریٰ حسب دستور اساسی خود تاریخ مقرر کر کے اجلاس طلب کرلیں گے۔ اس تحریر پر دستور کے مطابق پندرہ یوم کے اندر انھیں اجلاس شوریٰ بلانا چاہیے تھا مگر اس پر بھی انھوں نے دو ماہ کی مدت لیت و لعل میں گزار دی اور ۳۰ ر ۳۱ رمئی و یکم جون ۱۹۸۱ء کے اجلاس کے لئے دعوت نامہ جاری کیا۔

اسی اجلاسِ شوریٰ کے موقعہ پر قاری صاحب نے مجلس کے سامنے یہ درخواست پیش کی کہ "میں کافی ضعیف ہو چکا ہوں بتقاضائے عمر قویٰ اور اعصاب جواب دیتے جا رہے ہیں، خصوصیت سے قوتِ سماعت اور قوتِ حافظہ زیادہ متأثر ہوئی ہے۔ جس سے بحث و تمحیص کے وقت مسائل کان میں مشکل سے پڑتے ہیں اور جزئیات مستحضر بھی نہیں رہتیں چہ جائیکہ سائے زبانی اوران کی مسئولیت سے عہدہ برآ ہونا ـــــــــ ان حالات و وجوہات کی بنا پر

میری درخواست ہے کہ داخلی نظم کی مسئولیت کا تعلق مجھ سے نہ رکھا جائے اور جواب دہی سے مجھے ہلکا کر دیا جائے“

(کارروائی مجلس شوریٰ ۳۰، ۳۱ رمئی و یکم جون ۱۹۸۱ء)

جسے منظور کرتے ہوئے مجلس نے قاری صاحب کو عملاً اہتمام کی ذمہ داریوں اور مسئولیت سے سبکدوش کر کے دارالعلوم کے کار اہتمام کی انجام دہی کے لئے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو مددگار مہتمم مقرر کر دیا۔ اور نیابت کی ایک خالی جگہ پر مولانا محمد عثمان صاحب دیوبندی کو نائب مہتمم منتخب کیا گیا۔

ملاحظہ ہو تجویز مجلس شوریٰ [۱] جس میں تحریر ہے۔

”حضرت مہتمم صاحب کی تحریر کے یہ حصے درد انگیز ہیں شوریٰ نے اس تحریر کو سُن کر کافی اثر لیا ان حالات میں شوریٰ فیصلہ کرتی ہے کہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی منصب اہتمام پر فائز رہیں۔ اور شہرۂ اہتمام بھی ان کی خدمت میں ہر مہینے پیش ہوتا رہے۔ لیکن حضرت کی خواہش کے مطابق متعلقہ کاموں کی جوابدہی اور مسئولیت کا بوجھ ہلکا کر دیا جائے .... اور ایک مددگار مہتمم مقرر کیا جائے۔ اور نیابتِ اہتمام کی ایک خالی شدہ جگہ کو پُر کیا جائے۔ اور دارالعلوم کے تعلیمی، انتظامی اور مالی جملہ شعبہ جات ان کے طبائع کی مناسبت کے پیشِ نظر متعین و مشخص طریقے پر اُن کے حوالے کئے جائیں۔ اور ان شعبوں کا انھیں مکمل ذمہ دار بنایا جائے وہی ان شعبوں کے لئے مسئول ہو اور وہی عاملہ و شوریٰ کے سامنے جوابدہ ہوں۔ (تجویز اجلاس شوریٰ ۳۰، ۳۱ رمئی و یکم جون ۱۹۸۱ء)

چونکہ یہ اجلاس طویل جد و جہد اور خرخشوں کے بعد ہوا تھا۔ اس لئے مجلس نے دستور اساسی کی دفعہ ۵۱ ضمن الف کے تحت آئندہ کے جلسۂ شوریٰ کی تاریخ خود مقرر کر دی اور اسی کے مطابق ۱۰ رشوال، اگست ۱۹۸۱ء کو یہ اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں دیگر اہم فیصلوں کے ساتھ عرصہ سے صدارت کی خالی جگہ پر حضرت مولانا معراج الحق صاحب کا انتخاب صدارتِ تدریس کے عہدہ پر عمل میں آیا جسے قاری صاحب نے پسند نہیں کیا

---

[۱] اس تجویز میں منصب اہتمام پر حسب سابق تاحیات قائم رہیں کے الفاظ ہیں لیکن ۲۹، ۳۰ رنومبر ۱۹۸۱ء کے اجلاس شوریٰ نے ان الفاظ کو تجویز سے حذف کر دیا ہے۔ اس لئے یہاں درج نہیں کئے گئے ملاحظہ ہو تجویز نمبر ۱ اجلاس شوریٰ منعقدہ

اور اس پر اپنا اختلافی نوٹ تحریر کیا۔

اس اجلاس کے بعد قاری صاحب کھل کر مجلسِ شوریٰ کے مقابلے میں آگئے۔ چنانچہ اس جلسہ کے تقریباً دو ہفتہ بعد انھوں نے اپنے مخصوص افراد کی ایک میٹنگ کی اور دوسرے دن تقریباً ۱۲ بجے شب میں رجسٹر کارروائی مجلسِ شوریٰ کے ساتھ دفتر اہتمام کے اہم ریکارڈ اپنے گھر منگوا لئے۔ اور سی کے ساتھ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مددگار مہتمم کو اپنے دولت کدہ پر بلا کر فرمایا کہ اگر آپ مولانا معراج الحق صاحب کی صدارت کی تجویز کی تنفیذ کریں گے۔ تو میں مولوی محمد سالم کی نیابتِ اہتمام اور مولوی نفر شاہ کی نیابتِ صدارت کا اعلان کر دوں گا۔

(ملاحظہ ہو مجلسِ شوریٰ کے فیصلے اور مددگار مہتمم کے آئینی اقدامات) ص ۲-۳

اس کے علاوہ قاری صاحب نے تمام دفاتر کو یہ ہدایت کر دی کہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے سی حکم کی تعمیل نہ کی جائے اور نہ کسی حکم پر اُن سے دستخط لئے جائیں۔ قاری صاحب کا یہ عمل مجلسِ شوریٰ اور کے فیصلوں کے خلاف اعلانِ جنگ کے مرادف ہے۔ چنانچہ اس اعلانِ جنگ کے ساتھ انھوں نے ورکنگ سے باقاعدہ مقابلہ آرائی کی تدبیریں شروع کر دیں اور مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، اور مولانا منت اللہ نانی سے اس سلسلے میں خصوصی مشورے بھی کئے جیسا کہ مفتی صاحب کے درج ذیل مکتوب سے پتہ چلتا ہے۔

مخدوم، محترم حضرت مہتمم صاحب دام ظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

عزیز مولوی محمد سالم صاحب، مولانا منت اللہ صاحب سے تفصیلی گفتگو کر کے واپس آگئے ہیں ہوں نے مجھے جو خط لکھا ہے وہ خدمتِ گرامی میں بھیج رہا ہوں۔ اس خط کا خلاصہ یہ ہے کہ اجتماع تو زیر ہو لیکن اس کے داعی مجلسِ شوریٰ کے ارکان نہ ہوں۔ میری رائے میں بھی یہ بات مناسب ہے اور ماندیشہ پر مبنی ہے۔ پھر یہ اجتماع کون بلائے؟ اس پر رات دیر تک مشورہ ہوتا رہا اور غور و فکر بعد یہ رائے قرار پائی کہ موجودہ نازک اور حد درجہ الجھے ہوئے مسئلہ میں اجتماع کے داعی صرف ب والا ہوں۔ ضروری تفصیل مولانا محمد سالم صاحب سلمہٗ عرض کریں گے۔

بڑی اہمیت اس کی ہے کہ اجتماع میں کن حضرات کو مدعو کیا جائے اس کی فہرست احتیاط کے ساتھ مرتب ہونی چاہیے۔ ہم لوگ بھی اس پر غور کریں گے۔ جہاں تک اجتماع کی تاریخ کا

سوال ہے شاید اس میں بہت زیادہ عجلت ممکن نہ ہو اور بہت زیادہ تاخیر بھی مناسب نہ ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ اکتوبر کے پہلے ہفتہ میں اور اگر عید الاضحیٰ اور کچھ دوسری مجبوریاں حائل ہوں تو پھر یہ اجتماع اواخر اکتوبر میں مناسب رہے گا۔ غالباً اس سلسلہ میں بعض اہم ترمدعو حضرات سے ملاقات کی بھی ضرورت ہوگی اور دوسرے مشورے بھی ہوں گے۔ تمام پہلوؤں پر غور فرماکر تاریخ کا تعین فرمائیے اگر اس سلسلہ میں مولانا مسیح اللہ خاں صاحب وغیرہ سے ملاقات کی ضرورت سمجھی جائے تو میں بھی آپ کے ساتھ اُن کی خدمت میں حاضر ہونے کو تیار ہوں۔ ایک بڑا مرحلہ مولانا منت اللہ صاحب کا ہے کہ ابھی تک اُن کی طبیعت خراب ہے۔ وہ شاید ابھی سفر نہ کرسکیں۔ بہتر ہو کہ تاریخ کے تعین کے سلسلہ میں اُن سے بھی مشورہ کرلیا جائے[1]

والسلام

عتیق الرحمٰن عثمانی

اس خط میں بار بار جس اجتماع کا ذکر کیا گیا ہے یہ وہی گروپ میٹنگ ہے جسے قاری صاحب نے "نمائندہ اجتماع" کے نام سے ۴ر اکتوبر سنہ ۱۹۸۱ء کو دہلی میں بلایا تھا۔ اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے حق میں مفتی صاحب کے ساتھ مولانا منت اللہ صاحب رحمانی بھی تھے۔ مگر حیرت ہے کہ خود مولانا رحمانی صاحب نے ایک ممبر شوریٰ سے بے ضابطہ اس اجتماع کے انعقاد پر حیرت استعجاب کا اظہار کیا اور بالکلیہ اس سے لاعلمی و بیزاری کا اظہار کیا۔ مگر۔

"نہاں ماند کے آں رازے کزو سازند محفلہا"

بہرحال قاری صاحب نے حمایتوں کے مشورہ پر بلا مجلس شوریٰ کی اطلاع واجازت کے جلسے کا اشتہار اور دعوت نامہ جاری کردیا۔ حضرات اراکین کو جب بے ضابطہ جلسہ کی اطلاع ملی تو انھوں نے اس اجتماع سے اپنی برأت اور اس کی قانونی حیثیت واضح کرنے کے لیے ایک بیان جاری کیا جس کا ضروری اور اہم حصہ درج ذیل ہے۔

ہم ارکانِ شوریٰ اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اس بیان کے ذریعہ اس اجتماع کے

---

[1] مفتی صاحب کا مکتوب گرامی ان کے دستِ خاص کا لکھا ہوا ندوۃ المصنفین کے پیڈ پر راقم کے پاس محفوظ ہے یہ تحریر بعینہٖ۔

داعیوں، دارالعلوم کے مخلصوں اور تمام مسلمانوں کو باخبر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ اجتماع اگر دارالعلوم کے بارے میں کچھ طے کرنے کے لئے طلب کیا گیا ہے (جیسا کہ اطلاعات ہیں) تو قطعاً غیر آئینی ہے اس کا انعقاد کسی لحاظ سے بھی درست اور جائز نہیں ہے۔

دارالعلوم کا دستور اور اس کی روایات کی رو سے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنیکا حق صرف اسکی مجلس شوریٰ کو ہے اس کے علاوہ کسی اجتماع کا دارالعلوم کے نظام کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا ایسا ہی ہوگا۔ جیسا کہ ملک یا کسی ریاست کے نظام حکومت کے بارے میں پارلیمنٹ یا اسمبلیوں کے بجائے کوئی کانفرنس یا کوئی اجتماع فیصلہ کرنے لگے۔ ہاں ہم کو اس کا قوی اندیشہ ہے کہ اس اجتماع کے نتیجہ میں دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم میں فتنوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جائے اگر ایسا ہوا تو اس کی ساری ذمہ داری اس اجتماع کے داعیوں اور ذمہ داروں پر ہوگی الخ۔

ہم ہیں اراکین مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

(مولانا) محمد منظور نعمانی (مولانا) حبیب الرحمن اعظمی (مولانا) ابوالحسن علی ندوی (مولانا) زین العابدین (نواب) عبید الرحمن خان شیروانی (مولانا) سعید بزرگ (مولانا قاری) صدیق احمد (مولانا) عبدالقادر، (حاجی) علاؤ الدین حاجی محمد (مولانا) عبدالحلیم (مولانا) معراج الحق (صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) مولانا مرغوب الرحمن مددگار مہتمم دارالعلوم دیوبند

چونکہ مولانا سعید احمد اکبرآبادی اس وقت غیر ممالک کے سفر پر تھے اور ان سے رابطہ نہیں قائم ہو سکا تھا۔ اس لئے ان کے دستخط اس بارہ میں نہیں ہو سکے بعد میں موصوف جب سفر سے واپس لوٹے تو ایک بیان مستقلاً جاری کیا جس میں اس اجتماع سے پیدا ہونے والے خطرات کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کے خلاف قانون ہونے کو ظاہر کیا — جناب نواب عبید الرحمن خاں شیروانی صاحب نے ذاتی طور پر خط لکھ کر بھی قاری صاحب کو اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر قاری صاحب نے کسی کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اور حسب اعلان ۲۴ اکتوبر کو اجتماع بلا لیا۔ اگرچہ یہ اجتماع شرکاء کی تعداد کے لحاظ سے نہایت ناکام رہا اور کسی اعتبار سے بھی وہ دارالعلوم کا نمائندہ اجتماع کہلانے کا مستحق نہیں تھا۔ مگر قاری صاحب کو چونکہ اپنے منصوبہ کے مطابق مجلس شوریٰ کے خلاف کچھ فیصلے کرنے تھے۔ اس لئے تمام اصول و آئین کو پس پشت ڈال کر یہ اجتماع کیا اور داستانِ رنج و الم کے نام سے

اس میں ایک مطبوعہ تحریر بھی پڑھی جس کے مندرجات اکثر غلط یا مبالغہ آمیز تھے اور اس میں مجلس شوریٰ کو ظالم اور اپنے آپ کو مظلوم ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔

الحاصل نرم و گرم تقریروں کے بعد مجلس شوریٰ کے مقابل و متوازی ایک ایڈہاک کمیٹی کی اسی موقع پر تشکیل کی گئی اور اس کے ممبروں کے نام کا بھی اعلان کر دیا گیا۔ اس طرح قاری صاحب نے اپنے تئیں مجلسِ شوریٰ کو کالعدم کرکے اس کی جگہ ایک نئی مجلس بنالی۔ یہ ایک ایسی کھلی ہوئی بغاوت اور آئین و دستور سے انحراف ہے جسے ایک لمحہ بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن موصوف نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اجتماع کے اٹھارہ یوم بعد ۲۲؍ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو اپنی صدارت میں ایک جلسہ بلالیا۔ ۴؍ اکتوبر ۱۹۸۲ء کے اجتماع کے موقع پر نامزد کئے گئے ممبران میں سے ایک دو کے علاوہ کوئی نامزد ممبر بھی اس بے ضابطہ جلسہ میں شریک نہیں ہوا تو قاری صاحب نے ازخود مقامی لوگوں میں سے دس بارہ افراد کو اسی جلسہ میں شریک کر لیا۔ اور اپنی صدارت میں اس کی کارروائی شروع کر دی۔ اس جلسہ میں طے کیا گیا کہ دارالعلوم کے قدیم دستور کو منسوخ کرکے نیا دستور مرتب کیا جائے۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ مجلسِ شوریٰ کے مقرر کردہ مددگار مہتمم اور نائب مہتمم کو اُن کے عہدوں سے برطرف کر دیا جائے۔ چنانچہ اس فیصلے کے مطابق قاری صاحب نے مولانا مرغوب الرحمن صاحب مددگار مہتمم اور مولانا محمد عثمان صاحب نائب مہتمم کے نام برخواستگی کے نوٹس جاری کر دیے۔ اس طرح انھوں نے مجلسِ شوریٰ کی قانونی حیثیت کو کالعدم مان کر اس کی جگہ ایڈہاک کے عمل دخل کو جاری کر دیا۔ جو نہ قانوناً درست ہے اور نہ شرعاً۔

قاری صاحب کے اُن غیر دستوری اقدامات کی وجہ سے دارالعلوم کے نظامِ کار اور اس کے وقار کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔ اس لئے ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند اور دیگر ہمدردانِ دارالعلوم نے دہلی ہی میں ایک کنونشن کیا۔ جس میں پورے ملک سے تقریباً ۷، ۸ ہزار مندوبین نے شرکت کی اسی کے ساتھ باشندگانِ دیوبند نے بھی ان غیر دستوری امور کے خلاف بطور احتجاج کے ایک جلوس نکالا۔ جس میں قاری صاحب کے ناجائز و خلاف آئین اقدامات کی پُرزور مذمت کی اس جلوس میں شرکت کرنے سے طلبۂ دارالعلوم کو خود جلوس کے منتظمین کی طرف سے روک دیا گیا تھا۔ اور طلبہ نے اُن کے اس فیصلے کو تسلیم کرکے جلوس میں عدم شرکت کا عمومی فیصلہ بھی کر لیا تھا

اس کے باوجود قاری صاحب کے لوگوں نے مدرسہ کے چاروں دروازوں کو مقفل کر کے طلبہ کو اندر محبوس کردیا تاکہ وہ اس جلوس میں شرکت نہ کرسکیں۔ طلبہ کو ان لوگوں کے اس طرز عمل سے اور اس احتیاط بیجا سے کوفت ہوئی مگر انھوں نے حالات کے پیش نظر صبر و سکون سے کام لیا۔

دوسرے دن عین نماز عصر کے وقت اچانک مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے یہ اعلان کیا گیا کہ طلبہ نے کل کے جلوس میں شرکت نہ کر کے انتظامیہ کے ساتھ تعاون کیا ہے اسلئے حضرت مہتمم صاحب بعد نماز عصر طلبہ کا شکریہ ادا کریں گے۔ اس لئے تمام طلبا مسجد میں اکٹھا ہوجائیں

طلبہ کی ایک اچھی خاصی جماعت تو نماز عصر کے لئے پہلے ہی سے مسجد میں آچکی تھی اس اعلان کے بعد باقی طلبہ بھی تقریر سننے کی غرض سے مسجد میں آگئے۔ نماز بعد اعلان کے مطابق قاری صاحب نے تقریر شروع کی اور طلبہ کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے مجلس شوریٰ کی مذمت میں تقریر شروع کردی جس پر کسی طالبعلم نے احتجاج کیا اور بہت سے طلبہ کھڑے ہو کر مسجد سے جانے لگے بس اتنی سی بات پر لاٹھیوں سے مسلح موجود دربان طلبہ پر ٹوٹ پڑے اور بے تحاشا لاٹھیاں برسانی شروع کردیں اسی کے ساتھ مسجد کے باہر سے دیسی ساخت کی پستول کی گولیوں کی بوچھاڑ بھی شروع ہوگئی۔ اور دیکھتے دیکھتے پرسکون ماحول ہاؤ ہو اور گولیوں کی آواز سے پرشور ہوگیا۔

یہ حالات دیکھکر طلبہ نے چھتوں پر چڑھکر اپنی جانیں بچائیں پھر بھی بہت سے طالب علم شدید زخمی ہوگئے۔ پھر دوسرے دن بغیر مجلس شوریٰ کی اجازت و منظوری کے قاری صاحب نے غیر متعینہ مدت کے لئے دارالعلوم کو بند کرنے کا اعلان کردیا۔ حالانکہ اس واقعہ سے پہلے بھی دو مرتبہ عموماً طور پر وقتی ہنگامہ کے تحت دارالعلوم غیر معینہ مدت کے لئے بند کیا گیا ہے مگر وہ مجلس شوریٰ کے فیصلے اور تجویز سے اس غیر آئینی اعلان کے بعد دارالعلوم کو پی، اے، سی کے حوالہ کردیا تاکہ پی، اے، سی کے نوجوان اپنی بندوقوں اور رائفلوں کی طاقت سے مہمانانِ رسول کو ان کی مادرِ علمی کی آغوش سے جدا کردیں۔ چنانچہ پولیس کی بسیں دارالعلوم کے باہر آکر لگ گئیں۔ اور پی۔ اے۔ سی اندر داخل ہوکر طلبہ کو ان کی متعینہ اقامت گاہوں سے نکال کر بسوں پر لادنے کے لئے متحرک ہوگئی مگر طلبہ اپنی مادرِ علمی کی آغوش سے

الگ ہوکر پولیس کی بسوں پر بیٹھنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہوئے اور اپنی اپنی متعینہ اقامت گاہوں سے نکل کر دارالعلوم کی دوسری عمارت میں منتقل ہوگئے۔ اور باقی ماندہ طلبہ مؤتمر ابنائے قدیم کے دفتر محمود ہال میں ٹھہر گئے۔ اور وہیں معمول کے مطابق اپنے اسباق بھی جاری کردئے۔

قاری صاحب نے جاڑے کی اس شدت میں طلبہ کو ان کی اقامت گاہوں سے نکال کر اور اُن کے کھانوں کو بند کرکے اگرچہ طلبہ سے مجلس شوریٰ کی حمایت کا انتقام لے لیا تھا مگر وہ اپنی اس اسکیم میں بالکل ناکام ہوگئے تھے کہ طلبہ کو اس طرح باہر ڈال کر اور ان کے کھانوں کو بند کرکے وہ انھیں دارالعلوم سے الگ کردیں گے۔ کیونکہ تقریباً سبھی طلبہ دارالعلوم کی جامعہ طبیہ اور افریقہ منزل جدید میں جو دارالعلوم ہی کا ایک حصہ ہے ٹھہر گئے۔ اور اہل شہر اور ملک کے دیگر ہمدردان طلبہ نے اپنی بے لوث امداد و اعانت سے کھانے پینے کے مسئلہ سے بھی انھیں مطمئن کردیا۔ اس طرح تقریباً پانچ ماہ تک طلبہ کیمپ دارالعلوم میں قیام پذیر رہے۔ اور اپنے تعلیمی و تربیتی مشاغل میں بدستور لگے رہے۔

قاری صاحب کا یہ عمل غیر آئینی ہونے کے ساتھ غیر انسانی بھی تھا۔ اسلئے ۲۹؍۳۰؍ نومبر کو دستور اساسی کی دفعہ ۱۷ ضمن د کے مطابق دیوبند ہی میں مجلس شوریٰ کا اجلاس مددگار مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی طلب پر ہوا۔ جسمیں مذکورہ جملہ ناجائز اقدامات کے ساتھ دارالعلوم کے خزانے میں قاری صاحب کے بیجا تصرفات پر بھی غور و فکر ہوا اور متفقہ طور پر طے پایا کہ قاری صاحب کو چارج شیٹ دیکر پندرہ دن کے اندر ان سے جواب طلب کیا جائے اور جواب نہ ملنے پر اُن کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق اُن کے نام چارج شیٹ جاری کردی گئی۔ جو انھیں موصول بھی ہوگئی۔ مگر انھوں نے بالقصد اس کا کوئی جواب نہیں دیا اس سلئے مجلس شوریٰ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۷؍۱۸؍ جنوری ۱۹۸۲ء کو انھیں دارالعلوم کے منصبِ اہتمام سے معطل کرکے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کردی جسے مجاز بنایا گیا کہ مجلسِ شوریٰ کی جانب سے دئے گئے چارج شیٹ میں قاری صاحب پر جو الزامات عائد کئے گئے ہیں ان کی مکمل تحقیق کرکے اپنی رپورٹ و سفارش ایک ماہ کے اندر مجلس کو پیش کردے اس تحقیقاتی کمیٹی نے مارچ ۱۹۸۲ء

یں اپنی تحقیقات مکمل کر کے رپورٹ اور اپنی سفارشیں مجلس شوریٰ کو بھیج دی اس رپورٹ کا حاصل یہ تھا کہ مجلس شوریٰ نے چارج شیٹ میں قاری صاحب پر جو الزامات عائد کئے ہیں وہ سب صحیح اور ثابت ہیں بایں وصف ان کا دارالعلوم کے منصب اہتمام پر باقی رہنا دارالعلوم کے مفاد میں نہیں ہے اب وہ اس عظیم منصب کے اہل نہیں رہے۔

مجلس شوریٰ نے اپنے اجلاس ماہ اپریل ۱۹۸۲ء میں اسی رپورٹ اور سفارشات پر غور و خوض کیا یکن اس وقت کوئی آخری فیصلہ اس لئے نہیں کیا کہ ممبران پارلیمنٹ کی پانچ نفری کمیٹی مجلس شوریٰ اور اری صاحب کے مابین اختلاف کو گفت و شنید کے ذریعہ دور کرنے کی کوشش میں لگی تھی۔ اس سعی و شش کے نتیجہ کو دیکھنے کے لئے یہ فیصلہ کیا آئندہ اجلاس میں قاری صاحب کے معاملات پر غور و فکر اور خری فیصلہ کیا جائے گا۔ ۱۵ / ۱۶ / ۱۷ / اگست ۱۹۸۲ء کے اجلاس کے لئے جو ایجنڈا جاری کیا گیا۔ س میں سب سے اہم مسئلہ مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم کے متعلق فیصلہ تھا۔

مجلس شوریٰ کی شرعاً یہ ذمہ داری اور اس کا فرض منصبی ہے کہ وہ دارالعلوم کے مفاد کو ہمہ وقت یش نظر رکھے اور کوئی بھی شخصیت کیوں نہ ہو دارالعلوم کے مصالح و مفاد کے مقابلہ میں اسے فوقیت یں دی جاسکتی اس لئے ارکان اس فیصلہ پر متفق تھے کہ مولانا قاری محمد طیب صاحب ان حالات ا دارالعلوم کے اہتمام جیسے عظیم منصب پر برقرار رہنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے اور اس مجلس ن کی برطرفی کا ناخوشگوار فیصلہ کرنا ہی ہے۔

مجلس شوریٰ میں یہی اہم مسئلہ زیر بحث تھا کہ کمیٹی کے دو معزز حضرات ا جناب منشی عزیز الحق چودھری جناب صوفی عبدالرحمٰن صاحب (یہ دونوں حضرات مولانا قاری محمد طیب صاحب کے خصوصی عقیدت مندوں سے ہیں اور قاری صاحب بمبئی میں چودھری صاحب ہی کے یہاں قیام کرتے ہیں۔

دونوں حضرات وقت لیکر مجلس میں تشریف لائے اور مولانا قاری محمد طیب صاحب کا خود اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا استعفانامہ پیش فرمایا جو لفظ بہ لفظ درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بگرامی خدمت فیضدرجت اراکین شوریٰ دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم

سلام مسنون نیاز مقرون - آج سے اٹھاون سال قبل حضرات اکابر رحمہم اللہ کے حسب الحکم احقر نے اپنی طالبعلمانہ افتادِ طبع کے برخلاف محض تعمیلاً للامر کارِ اہتمام سنبھالا تھا آپ حضرات میں چند بزرگ ابھی وہ بھی بحمد اللہ موجود ہیں جو اس دور کے اکابر رحمہم اللہ کے طور تربیت و شفقت اپنے خوردوں کے ساتھ اور اصاغر کا مطیعانہ طرزِ عمل اپنے بڑوں کے ساتھ دیکھنے والوں میں سے ہیں۔ اُن کو شاہد بنا کر یہ کہنے میں احقر اپنے آپ کو حق بجانب جانتا ہے کہ دارالعلوم کے اس تعلق کے بارے میں از اوّل تا آخر یہ اعتقاد و یقین قلب میں راسخ رہا کہ یہ اپنی آخرت ہے دُنیا نہیں ہے اس اعتقاد و یقین پر یہ اٹھاون سال کا زمانہ گذرا۔

لیکن اجلاس صد سالہ کے بعد ایسے امور پیش آئے کہ جن کا کبھی تصور و خیال بھی خدام و وابستگان دارالعلوم کے وہم و گمان میں نہیں آسکتا تھا۔ فتنوں کا سیلاب عظیم تھا جس میں بہت سی چیزیں احقر کے ذوق اور حضرات اراکین شوریٰ کے ساتھ احقر کے باحترام قدیم تعامل کے بھی برخلاف پیش آئیں احقر کا دارالعلوم کے ساتھ جو روحانی تعلق و رابطہ ہے جو زندگی کے آخری سانس تک باقی رہے گا اس کے تحت کسی بھی ممکن خدمت سے کبھی دریغ نہ ہوگا لیکن بحالت موجودہ احقر اس رسمی تعلق سے استعفیٰ پیش کرتا ہے فتنہ کے دوران جو غلطیاں ہوئیں اور ایسے حالات میں فریقین سے ہوتی ہیں میں ان سے معذرت کرتا ہوں۔ زیادہ احترامات

محمد طیب غفرلہٗ از دیوبند
۹؍ اگست ۱۹۸۲ء

مجلسِ شوریٰ جو اس وقت قاری صاحب کے واقعات و معاملات اور انھیں سے متعلق تحقیقاتی کمیٹی کی سفارش پر غور کر رہی تھی۔ اچانک اس استعفاء نامہ کو دیکھکر متحیر و متعجب ہوئی۔ لیکن اس تحریر

کے پڑھنے اور ان دونوں حضرات سے اس کی تصدیق کر لینے کے بعد ان کو خوشی ہوئی کہ اس استعفار کے بعد مجلس کو وہ فیصلہ نہیں کرنا پڑے گا۔ جو جملہ ارکان کے لئے ناخوشگوار ہے۔

بہرحال ہر طرح اطمینان کر لینے کے بعد مجلس نے ایک تجویز کے ذریعہ قاری صاحب کا استعفار منظور کر لیا۔ تجویز کا اہم حصہ یہ ہے۔

استعفار نامہ کو سنکر تمام ارکان کو خوشی ہوئی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس استعفار کے بعد مجلسِ شوریٰ کو تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ اور سفارش کی روشنی میں وہ فیصلہ نہیں کرنا پڑے گا۔ جو خود ارکانِ شوریٰ کے لئے ناخوشگوار تھا مجلس نے مولانا محمد طیب صاحب کے استعفار کے مندرجات پر غور و خوض کیا اور اس نتیجہ پر پہنچی کہ مولانا محمد طیب صاحب کی طرف سے جو افسوسناک اقدامات ہوئے جن سے دارالعلوم جماعتِ دارالعلوم اور خود اُن کے وقار کو سخت نقصان پہنچا اور جن کی بنار پر مجلسِ شوریٰ کو انہیں معطل کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا اور پھر جن کی بنار پر تحقیقاتی کمیٹی نے مذکورہ بالا سفارش کی یہ کام ان کی کبر سنی کے نتیجے میں ہوئے۔ اس لئے مجلسِ شوریٰ اُن کو نظر انداز کر کے مولانا محمد طیب صاحب کا استعفار قبول کرتی ہے اور اُن کی جگہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو مستقل مہتمم دارالعلوم دیوبند مقرر کرتی ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے کارروائی اجلاس مجلسِ شوریٰ ۱۵، ۱۶، ۱۷ اگست ۱۹۸۲ء)

اگلے ہی دن...... استعفیٰ کی اور مجلسِ شوریٰ کی طرف سے اس کی منظوری کی خبر اخبارات میں شائع ہو گئی اور ہمدردانِ دارالعلوم میں سے جسے بھی اس کا علم ہوا اُسے حیرت ہوئی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس طرح سے ایک طویل کشمکش کا سلسلہ بند ہوا جس سے جماعتِ دارالعلوم کا اعتماد و وقار مجروح ہو رہا تھا۔

لیکن اس وقت انتہائی حیرت ہوئی جب اخباروں میں مولانا محمد طیب صاحب کا یہ بیان نگاہوں کے سامنے آیا کہ "میرے استعفار کی خبر غلط ہے میں بدستور دارالعلوم کا مہتمم ہوں اور رہوں گا"

اس بیان کے دو تین دن بعد مفتی صاحب کا چھ صفحات پر مشتمل ایک طویل خط بذریعہ رجسٹری مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام آیا یہ طویل خط کیا ہے غلط تاویلات کا ایک نمونہ بالفاظِ دیگر تحریف و تلبیس کا پلندہ۔ پورے خط کا ماحصل یہ ہے کہ ان کی یہ تحریر دارالعلوم کے اہتمام سے استعفار نہیں ہے بلکہ کسی سوسائٹی سے استعفار ہے اور اس کے شروع میں جو عبارت ہے

بگرامی خدمت فیضدرجت حضراتِ اراکینِ شوریٰ دامت برکاتہم۔

اس میں شوریٰ کے لفظ سے اُن کا مطلب وہی سوسائٹی ہے جبکہ سوسائٹی کا لفظ پورے استعفا نامہ میں کہیں بھی مذکور نہیں ہے۔ استعفار نامہ کی عبارت بعینہٖ اوپر نقل کی جا چکی ہے ناظرین اسے خود ملاحظہ کریں اور فیصلہ فرمائیں کہ کیا یہ دارالعلوم کے اہتمام سے استعفار ہے یا کسی سوسائٹی سے جس کا ذکر تک اس تحریر میں نہیں ہے۔ اس کے برخلاف

حضرات اکابر رحمہم اللہ کے حسب الحکم احقر نے اپنی طالب علمانہ افتادِ طبع کے برخلاف محض تعمیلاً للامر کارِ اہتمام سنبھالا ــــ دارالعلوم کے اس تعلق کے بارہ میں از اوّل تا آخر یہ اعتقاد و یقین قلب میں راسخ رہا کہ یہ اپنی آخرت ہے دنیا نہیں ..... لیکن بحالتِ موجودہ احقر اس رسمی تعلق سے استعفار پیش کرتا ہے۔

کے جملوں سے صراحتاً واضح ہو رہا ہے کہ یہ استعفار کارِ اہتمام سے ہے اور اسی تعلق اہتمام کو وہ اپنی آخرت سمجھ رہے ہیں لیکن بحالتِ موجودہ اب اس تعلق سے جو روحانی نہیں آئینی و رسمی ہے استعفار دے رہے ہیں اس قدر واضح اور نصف نہار کی طرح روشن مفہوم کو الفاظ کے گورکھ دھندوں سے چھپایا نہیں جا سکتا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ مولانا قاری محمد طیب صاحب نے بمبئی کے اپنے ان ہر دو مخلصین کے مشورہ و اصرار پر اپنے حلقہ کے فتنہ پردازوں کے علم میں لائے بغیر یہ استعفار لکھ دیا تھا بعد میں جب اُن لوگوں کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے ان پر اس سے انکار و انحراف کے لئے دباؤ ڈالا۔ چونکہ قاری صاحب ان مفسدین کے جنگل میں بری طرح پھنسے ہوئے ہیں جس سے نکل جانا اب خود اُن کے بس میں نہیں ہے۔

(بقیہ ــــ پر دیکھئے)

دارالعلوم اور اس کی مجلسِ شوریٰ کے خلاف مولانا محمد طیب صاحب کے الزامات کی

حقیقت

حبیب الرحمٰن قاسمی

دارالعلوم دیوبند، اس کی انتظامیہ اور مجلسِ شوریٰ کے حق میں عامۃ المسلمین کو بدظن و بدگمان کرنے کے لئے مولانا محمد طیب صاحب کے فتنہ پرداز ساتھیوں اور خود ان کی طرف سے جو بیانات واشتہارات شائع کئے جارہے ہیں ان میں نہ صرف یہ کہ حقائق کو مسخ کرکے پیش کیا جاتا ہے بلکہ ایسا صریح جھوٹ بولا جاتا ہے کہ اسے بولتے ہوئے عام بازاری آدمی بھی شرم اور جھجک محسوس کرے گا مگر یہ مدعیانِ وراثت اور دارالعلوم کو اپنی ذاتی وخاندانی جاگیر بنانے کا خواب دیکھنے والے خوفِ خدا اور فکرِ آخرت سے بے پرواہ ہوکر وہ سب کچھ کہہ اور کر رہے ہیں جس کا تصور عام انسانوں کے بارے میں بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی تازہ ترین مثال مولانا محمد طیب صاحب کے دستِ حاضر کا لکھا ہوا وہ خط ہے جسے انھوں نے ۸ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۸۲ء کو تحریر کرکے اپنے ایک معتمد مولوی کرامین دیوبندی کے ذریعہ پاکستان بھیجا ہے۔ جس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی دارالعلوم کے ایک ابنائے قدیم کے ذریعہ موصول ہوئی ہے اور محفوظ کرلی گئی جس میں مولانا محمد طیب صاحب لکھتے ہیں:۔

"ایک سیاسی گروپ نے ناپسندیدہ عناصر کی مدد سے دارالعلوم کی عمارات پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ اور سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹریشن کے ذریعہ یہ گروہ اس کی مسلکی ومشربی تغیر وتبدل اور غیر قومی سرمایہ سے بچتے رہنے کی سوا سو سالہ تاریخی روایات کو مٹاتا چلا جارہا ہے۔ اس ناجائز رجسٹریشن سے جس کی حیثیت اب آشکارا ہو چکی ہے، مجلس شوریٰ قانوناً منیجنگ کمیٹی میں تبدیل ہو چکی ہے اور دارالعلوم وقف للہ رہنے کے بجائے قانوناً اس کی ملک بن گیا ہے اس کے نتیجہ میں زکوٰۃ، خیرات اور صدقات کے صحیح مصرف ہونے کی شرعی حیثیت بھی مشکوک ہو گئی ہے"

(از مکتوب مولانا محمد طیب صاحب مرقومہ ۸ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ)

[illegible] کے ذریعہ مولانا محمد طیب صاحب نے دار العلوم اور اس کی موجودہ انتظامیہ اور [illegible] پر حسب ذیل الزامات لگائے ہیں :-

۱ - موجودہ انتظامیہ اور مجلس شوریٰ علمی و دینی جماعت کے بجائے ایک سیاسی گروپ ہے -

۲ - یہ لوگ دار العلوم کے مسلک و مشرب کو بدل رہے ہیں -

۳ - غیر قومی سرمایہ سے بچتے رہنے کی سوا سو سالہ قدیم روایات کو مٹا رہے ہیں -

۴ - ان لوگوں نے دار العلوم کو سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کرا کے اس کی حیثیت کو مسخ کر دیا جس کے نتیجہ میں دار العلوم کے زکوٰۃ خیرات اور صدقات کے صحیح مصرف ہونے کی شرعی حیثیت مشکوک ہو گئی -

آیئے عقیدت اور جماعت کی جنبہ داری سے الگ ہو کر حالات و واقعات کی کسوٹی پر ان الزامات کو پرکھ کر دیکھیں کہ ان الزامات میں سچائی کہاں تک ہے اور کذب و افترا کی مقدار کیا ہے۔

۱ - دار العلوم کی موجودہ مجلس شوریٰ کے ارکان سب کے سب وہی ہیں جو مولانا قاری محمد طیب صاحب کے زمانۂ اہتمام میں تھے بلکہ ان میں بہت سے حضرات تو وہ ہیں جو محض قاری صاحب ہی کی تحریک و تجویز پر شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے ہیں۔ حضرات ارکین شوریٰ کی فہرست ملاحظہ فرمائیں۔

محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مفکر اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، مناظر اسلام مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دار العلوم دیوبند، مولانا عبد الحلیم جونپوری خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، مولانا صدیق احمد باندوی خلیفہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، مولانا سید منت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار، مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایڈیٹر ماہنامہ برہان دہلی، مولانا قاضی زین العابدین قاضی شہر میرٹھ، مولانا سعید بزرگ مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، مولانا حکیم سید افہام اللہ سابق استاذ جامعہ طبیہ علی گڈھ، نواب عبید الرحمٰن خاں شیروانی سابق ٹریزرر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ، حضرت مولانا معراج الحق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند، مولانا محمد عثمان نواسہ حضرت شیخ الہند و نائب مہتمم دار العلوم دیوبند، مولانا عبد القادر مالیگانویؒ، الحاج علاؤ الدین حاجی محمد امیر جماعت تبلیغی، بمبئی، مولانا حکیم محمد زماں حسینی وغیرہم -

ان حضرات ارکین مجلس شوریٰ کے نام پڑھ جایئے اور دیکھیے ان میں کون سے وہ بزرگ ہیں جن پر سیاست کا لیبل لگا ہوا ہے۔ کیا ہندوستان و پاکستان میں علماء فضلاء اور دانشوروں

کی اس سے بہتر جماعت پیش کی جا سکتی ہے؟ کیا آج کے دور میں دار العلوم دیوبند کی نمائندگی کیلئے اس سے بہتر مجلس کا انتخاب ممکن ہے؟

ان ارباب علم وفضل اور دین و دیانت کو سیاسی گروپ کا نام دینا صریح جھوٹ نہیں تو کیا ہے؟ ان میں اکثر حضرات وہ ہیں جن کی علمی، دینی اور تبلیغی خدمات کا چرچا ہندوستان ہی میں نہیں ممالک اسلامیہ میں بھی ہے ان میں بعض حضرات وہ ہیں جنکے ذریعہ ہندوستان میں بیعت و ارشاد اور تزکیۂ نفوس کا اہم ترین کام انجام پا رہا ہے۔ ان میں بعض حضرات وہ بھی ہیں جو اپنے علاقوں میں اسلامی علوم و معارف کے گلستانوں کی نگہبانی کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ کیا سیاسی گروپ ایسے ہی افراد پر مشتمل ہوتا ہے اور بقول مولانا محمد طیب صاحب اگر یہ سیاسی گروپ ہے تو پھر اس سے بہتر علمی و دینی گروپ پیش کیا جائے۔

۲۔ یہ بھی کھلا ہوا ایک افتراء ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دار العلوم اس وقت مجلس شوریٰ کی زیر نگرانی مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے اہتمام میں اکابر رحمہم اللہ کے قائم کردہ خطوط پر علوم اسلامیہ قرآن، حدیث، عقائد، فقہ وغیرہ کی تعلیم میں مصروف ہے جسکا سلسلہ مولانا محمد طیب صاحب اور ان کے گروپ کے فتنہ انگیز اقدامات کی بنا پر بڑی حد تک معطل سا ہو گیا تھا۔ اور دار العلوم کی اس کمزوری کو دیکھکر اسلام دشمن جماعتیں اسلام کے اس عظیم و قدیم قلعہ پر اپنا جال ڈالنے کی تدبیریں سوچنے لگی تھیں۔ مگر مجلس شوریٰ نے اپنی ذمہ داریوں اور فرائض منصبی کو پورا کرتے ہوئے ان تمام فتنہ سامانیوں کے دروازے بند کر دیئے اور دار العلوم کو اس کے بنیادی نصب العین کے مطابق قائم کر دیا۔ فجزاہم اللہ خیرا۔

دار العلوم اس وقت ایک کھلی کتاب کی طرح ہر صاحب بصیرت کو دعوت نظر دے رہا ہے آیئے اور بلا کسی روک ٹوک کے دار العلوم کے جملہ شعبہ جات، اس کے طرز تعلیم اور انداز ترتیب کو خود اپنی نگاہوں سے دیکھ کر فیصلہ کر لیجئے کہ الزامات میں صداقت کہاں تک ہے۔ خدام دار العلوم دیوبند آپ کے استقبال کو اپنی سعادت اور نیک بختی تصور کریں گے۔

۳۔ درحقیقت یہ الزام بھی محض الزام ہی ہے دار العلوم کے خدام بحمد اللہ اپنے اکابر رحمہم اللہ کی طرح آج بھی کسی حکومت یا نواب و امیر کے الطاف خسروانہ کا سہارا ڈھونڈھنے کے بجائے عامۃ المسلمین کے مخیرانہ عزم و ارادہ اور توکل علی اللہ کی بنیادوں پر دار العلوم کو چلا رہے ہیں البتہ خود مولانا محمد طیب صاحب نے اجلاس صد سالہ کے موقع پر بعض حکومتوں کے عطایا کو قبول

کرکے اور اس سے پہلے بعض نوابان ہند کے وظائف لے کر اکابر کی قائم کردہ روایت سے انحراف کیا ہے جس کا دروازہ موجودہ انتظامیہ نے بند کر دیا ہے۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

۴۔ دارالعلوم کو سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کرانے کا الزام موجودہ انتظامیہ اور مجلس شوریٰ پر بھی سراسر غلط ہے۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ آج سے اٹھارہ سال پہلے خود مولانا قاری محمد طیب صاحب نے یہ رجسٹریشن کرایا تھا اور اس رجسٹریشن کو باقی رکھنے کے لئے خود ہی اس کی تجدید بھی کراتے رہے ہیں۔ مولانا محمد طیب صاحب کی یہ تحریر ملاحظہ کیجئے۔

لیکن ۱۹۶۵ء کے قریب جب بعض حالات کے تحت یہ ناگزیر سمجھا گیا کہ ایک رجسٹر سوسائٹی بھی دارالعلوم دیوبند کے نام سے بنائی جائے جس سے انکم ٹیکس دینے والے چندہ دہندگان دارالعلوم دیوبند کو سہولت ہو اور دارالعلوم کی جانب سے مقدمات دائر کرنے میں قانون مروجہ کے ضوابط کے تحت الجھن نہ پڑے جیسا کہ قانون داں حضرات نے بھی مشورہ دیا تھا تو ایک سوسائٹی کو ۳۱ مارچ ۱۹۶۵ء کو برائے نام رجسٹرڈ کرا لیا گیا۔

(از مکتوب مولانا محمد طیب صاحب بنام مولانا مرغوب الرحمن صاحب محررہ ۲۱ اگست ۸۲ء)

ناظرین کی معلومات اور اطمینان مزید کی غرض سے آج سے اٹھارہ سال قبل مولانا محمد طیب صاحب نے سوسائٹی کے رجسٹریشن کے لئے فرمس سوسائٹیز اینڈ چٹس یوپی لکھنؤ میں جو درخواست پیش کی تھی اس کی نقل مصدقہ اسسٹنٹ رجسٹرار کا اردو ترجمہ نقل کیا جا رہا ہے جس سے یہ حقیقت نصف النہار کی طرح روشن ہو کر سامنے آجائے گی کہ دارالعلوم کو سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کرانے کا الزام موجودہ انتظامیہ پر ہے یا خود مولانا محمد طیب صاحب پر ملاحظہ ہو ترجمہ۔

درخواست برائے رجسٹریشن

ایکٹ ۲۱ ۔ ۱۸۶۰ء کے تحت ❖ دارالعلوم دیوبند کے معاملہ میں

دارالعلوم ایسوسی ایشن کا میمورنڈم

۱ ۔ اس سوسائٹی کا نام دارالعلوم دیوبند ہوگا ۔

۲ ۔ اس سوسائٹی کا صدر دفتر دیوبند میں ہوگا ۔

۳ ۔ اس سوسائٹی کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں ۔

(الف) علوم عربیہ و دینیہ (یعنی قرآن مجید و تفسیر و حدیث و فقہ و عقائد و کلام و دیگر مذہبی فنون کی مسلمانانِ عالم کو تعلیم دینا ۔

(ب) ثانوی مرتبہ میں دیگر علوم و فنون کی تعلیم جو عربی زبان کی تحصیل یا مذہبی اغراض کی تکمیل کے لئے ضروری یا مفید ہو۔ اسی طرح فارسی و اردو و دیگر زبانوں کی بقدرِ ضرورت تعلیم دینا۔

(ج) حفاظت و اشاعت اسلام کی خدمات بذریعہ تحریر و تقریر بجالانا اور مسلمانوں میں دینی تعلیم و تبلیغ اور خیر القرون میں سلف صالحین جیسے اسلامی اخلاق و اعمال اور جذبات پیدا کرنا ۔

(د) دوسرے فنون اور حرفوں کو بقدرِ ضرورت اسی حد تک اختیار کرنا کہ اصل مقصد تعلیم میں نقصان واقع نہ ہو۔ اور جنہیں اصل مقصد کیلئے معین و مددگار سمجھا گیا ہو ۔

(ہ) علوم دینیہ کی اشاعت کے لئے مختلف مقامات پر مدارس عربیہ قائم کرنا اور قائم شدہ مدارس کا دارالعلوم سے الحاق کرنا ۔

۴ ۔ دارالعلوم کے معاملات کا انتظام دارالعلوم کے دستورِ اساسی کے مطابق مجلسِ شوریٰ اور مجلسِ عاملہ کے سپرد ہے۔ جسکے ممبران فی الحال حسب ذیل ہیں ۔

ممبران مجلسِ شوریٰ

پتہ	عہدہ	نام	سلسلہ
دارالعلوم دیوبند	مہتمم دارالعلوم و ممبر مجلس شوریٰ و مجلس عاملہ	مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب	۱
پرنسپل دارالعلوم دیوبند	ممبر مجلس شوریٰ و مجلس عاملہ	مولانا محمد ابراہیم صاحب	۲
شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند		مولانا سید فخر الدین صاحب	۳

سلسلہ نمبر	نام	عہدہ	پتہ
۴ ۔	مولانا سید محمد میاں صاحب	ممبر مجلس شوریٰ و مجلس عاملہ	سکریٹری ٹرسٹ بورڈ جمعیۃ العلماء ہند دہلی
۵ ۔	مولانا مفتی عتیق الرحمٰن 〃	〃 〃	قائم مقام صدر جمعیۃ العلماء ہند دہلی
۶ ۔	مولانا محمد منظور صاحب نعمانی	〃 〃	اڈیٹر الفرقان ۔ کچہری روڈ لکھنؤ
۷ ۔	مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد	〃 〃	استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر نئی دہلی
۸ ۔	مولانا سعید احمد صاحب	〃 〃	ڈین فیکلٹی آف تھیولوجی ، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ
۹ ۔	مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رئیس	〃 〃	محلہ قاضی پورہ ۔ بجنور
۱۰ ۔	ڈاکٹر مصطفےٰ حسن صاحب علوی	ممبر مجلس شوریٰ	مولوی منزل لکھنؤ
۱۱ ۔	مولانا ابوالحسن علی صاحب	〃	ناظم ندوۃ العلماء ، لکھنؤ
۱۲ ۔	مولانا حبیب الرحمٰن صاحب	〃	محلہ پٹھان پورہ ۔ مئو ضلع اعظم گڈھ
۱۳ ۔	مولانا منت اللہ صاحب	〃	خانقاہ رحمانیہ مونگیر (بہار)
۱۴ ۔	مولانا عبدالصمد صاحب	〃	موضع تانڈہ والے منشی مونگیر (بہار)
۱۵ ۔	مولانا مفتی محمود احمد صاحب	〃	مفتی اعظم نابو گنیٹ (مدھیہ پردیش)
۱۶ ۔	مولانا حامد الانصاری غازی صاحب	〃	۸/۲۷ بیگ محمد بلڈنگ ۔ محمد علی روڈ ۔ بمبئی ۳
۱۷ ۔	مولانا محمد سعید صاحب	〃	بزرگ منزل سملک ڈاکخانہ ڈابھیل ضلع سورت
۱۸ ۔	مولانا سید حمید الدین صاحب	〃	شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ ویلزلی اسکوائر ۔ کلکتہ ۱۶
۱۹ ۔	مولانا عبدالقادر صاحب	〃	محلہ رسولپورہ مکان نمبر ۹۴/۳۴ مالیگاؤں (ناسک)
۲۰ ۔	مولانا فضل اللہ صاحب	〃	عابد روڈ ، حیدرآباد

دارالعلوم کے دستور اساسی کی نقل جس کے صحیح ہونے کی تصدیق مجلس شوریٰ کے سات ممبران نے کر دی ہے میں اس میمورنڈم کے ہمراہ منسلک کرتا ہوں ۔

ہم لوگوں نے جن کے پتے ذیل میں درج ہیں ان مقاصد کے لئے جو میمورنڈم میں درج ہیں اپنے آپ کو متحد کر کے اس میمورنڈم میں درج کر دیئے ہیں اور آج سے ہم نے ایکٹ ۲۱ ۱۸۶۰ء کے تحت سوسائٹی قائم کر لی ہے ۔

نمبر سلسلہ	نام و پتہ	دستخط
۱ ۔	مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند	
۲ ۔	مولانا محمد ابراہیم صاحب پرنسپل دارالعلوم دیوبند	
۳ ۔	مولانا سید فخر الدین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند	
۴ ۔	مولانا سید محمد میاں صاحب سکریٹری ٹرسٹ بورڈ جمعیۃ العلماء ہند دہلی	
۵ ۔	مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب قائم مقام صدر جمعیۃ العلماء ہند دہلی	
۶ ۔	مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اڈیٹر "الفرقان" لکھنؤ	
۷ ۔	مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر، دہلی	
۸ ۔	مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایم، اے، ڈین فیکلٹی آف تھیولوجی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ	
۹ ۔	مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رئیس محلہ قاضی پورہ ۔ بجنور	

۱۴؍ نومبر ۱۹۶۳ء

دستخط ۔ مولانا محمد عثمان صاحب، پریسیڈنٹ میونسپل بورڈ، دیوبند

مصدقہ نقل

دستخط و مہر

اسسٹنٹ رجسٹرار

فرمس ۔ سوسائٹیز ۔ وچٹس ۔ یو ، پی ،

میرٹھ ڈویژن میرٹھ

۲۴؍ دسمبر ۱۹۶۳ء

یہ وہ رجسٹریشن جس کی تیسری مرتبہ تجدید ۱۸ جنوری ۱۹۸۱ء کو ہوئی۔ اس موقع پر بھی مولانا محمد طیب صاحب نے رجسٹرار آف سوسائٹیز کو درخواست دی تھی کہ اس سوسائٹی کی تجدید کا حق دار العلوم کے دستور اساسی کے مطابق صرف مجھی کو ہے کیونکہ میں اس سوسائٹی کا سکریٹری، کنوینر اور رجسٹرڈ مہتمم ہوں۔ اور بیلنس شیٹ مکمل ہوتے ہی میں تجدید کی درخواست پیش کر دونگا۔ ملاحظہ درخواست مولانا محمد طیب صاحب کا ۲۵ ستمبر ۸۱ء جس میں وہ لکھتے ہیں :-

مجھے یہ معلوم ہوا کہ مولانا مرغوب الرحمن نے بحیثیت مددگار مہتمم آپ کے دفتر میں ایک درخواست اس سوسائٹی کے رجسٹریشن کی تجدید کے سلسلہ میں پیش کی ہے اور انھوں نے دیگر کاغذات کے علاوہ ۳۱ دسمبر ۱۹۷۶ء سے ۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء تک کی بیلنس اشیٹ بھی اس کے ہمراہ پیش کی ہے مؤدبانہ طور پر میں یہ بات جناب کے نوٹس میں لانا چاہتا ہوں کہ مولانا مرغوب الرحمن یا دوسرا کوئی شخص یا کوئی مددگار، یا نائب مہتمم کو کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں ہے :-

---

(بقیہ صفحہ ۲۳)

اور ابتداءً میں تقرر دو سال کے لئے ہوگا، اس کے بعد مدت تقرر میں توسیع بھی ہوسکتی ہے اور استقلال بھی۔

کلرک اور چپراسی کا تقرر مدرسہ کے قواعد کے مطابق ہوگا۔

اکاڈمی چونکہ دار العلوم کا ہی ایک شعبہ اور اس کا جزو ہے اس لئے وہ مدرسہ کے تمام قواعد و ضوابط کی پابند ہوگی۔

اکاڈمی کے لئے ایک مستقل عمارت کی ضرورت ہوگی اور اس عمارت کا سنگ بنیاد قطر کے وزیر تعلیم کے ہاتھوں رکھا بھی جا چکا ہے اور اس کا نقشہ بھی بن چکا ہے لیکن عمارت کے مکمل ہونے تک فی الحال تین کمروں سے کام شروع کیا جا سکتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۳۴)

فخر الدین صاحب گنگوہی زید فضلہ اور مولانا حافظ محمد جان صاحب پنجابی حال قاضی ریاست ٹونک کے سروں پر دست مبارک سے دستار باندھی اس طرح ایک ہفتہ کے اندر دونوں دینی مدرسوں کے جلسہ دستار بندی سے بخیر و خوبی اور بحسن انتظام و خوش اسلوبی فراغت حاصل ہوئی اور قطب العالم قدس سرہ نے گنگوہ مراجعت فرمائی۔

Regd. No. SHN - L-13-NP-21-83

DARUL-ULOOM MONTHLY
DEOBAND (U.P.)

نورمطبوعہ این ۔جے پرنٹرس دیوبند

ار العلوم دیوبند کا علمی دینی اصلاحی ماہنامہ

A.R.I
10.3.83

دار العلوم

زیر سرپرستی

مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند

مدیر مسئول

ریاست علی بجنوری

نگرانِ اعلیٰ حضرت الحاج مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا علمی ، دینی

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

شمارہ نمبر ۵	فروری ۱۹۸۳ء مطابق جمادی الاول ۱۴۰۳ھ	جلد نمبر ۶۳

زرِ اشتراک

سالانہ	-/۱۸
ششماہی	-/۱۰
فی پرچہ	-/۲

ممالک غیر سے اس کے مساوی
علاوہ محصول ڈاک

مدیر مسئول وطابع وناشر

ریاست علی بجنوری

مطبوعہ

محبوب پرنٹنگ پریس دیوبند

اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرِ تعاون ختم ہوگیا ہے ، آگے سال کی رقم بھیج کر مشکور فرمائیں۔

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
حرف آغاز	مدیر مسئول	۳
دارالعلوم اور اس کی حقیقت	شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی	۶
وضع حدیث کی ابتدا اور اس کے اسباب	مولانا محمد حنیف صاحب ملّی مالیگاؤں	۱۱
قاضی عبد المقتدر دہلوی	محمد ارشد اعظمی۔ مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد	۲۶
اسلام میں دعا کی اہمیت	مولانا حبیب الرحمان قاسمی	۲۷
دعوت فکر و عمل (نظم)	مولانا کفیل احمد علوی کیرانوی	۴۶
کوائف دارالعلوم	مدیر	۴۷

حرفِ آغاز

قرآن کریم انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے خالق کائنات کی عطا کردہ آخری کتاب ہے، جس میں
...لی طور پر دنیا و آخرت میں خیر و فلاح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی جامع ترین ہدایات بیان کردی گئی ہیں جو
...مانہ اور ہر طبیعت کے بالکل مناسب ہیں، ان میں اب کسی ترمیم و تنسیخ اور حذف و اضافہ کی قطعاً کوئی
...ش نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ "مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتَابِ مِنْ شَیْءٍ" اور "الحمد للہ
...ی انزل علی عبدہ الکتاب ولم یجعل لہ عوجاً قیماً" الخ (الآیۃ) میں قرآن حکیم
...سی جامعیت اور ہمہ گیری کو بیان کیا گیا ہے، چنانچہ علامہ عثمانیؒ آخر الذکر آیت کے ذیل میں
...ھتے ہیں:۔

"اس کتاب میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں، عبارت انتہائی سلیس و فصیح، اسلوب نہایت مؤثر و شگفتہ، تعلیم نہایت متوسط و معتدل جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقل سلیم کے عین مطابق ہے۔" (فوائد عثمانی ص۳۸۰)

یہ تغیر پذیر دنیا ہزار کروٹیں بدلے، تمدن و معاشرت اور انسانی مزاج و عادت میں لاکھ تبدیلیاں
...ئیں، اقتصادیات و معاشیات کی قدریں گو یکسر مختلف ہو جائیں، علم و تحقیق کے معیار خواہ کتنی بلندیوں پر
... جائیں، زندگی کے تقاضے اور ضروریات کوئی بھی صورت اختیار کرلیں، قرآن حکیم اور کتاب مبین کی
...مع اور ہمہ گیر ہدایات حیات انسانی کے ہر مسئلہ اور ہر ضرورت کا حل پیش کرتی رہیں گی۔

اسی بنا پر خداوند عالم نے اہل دانش کو قرآن مبین کی آیات میں غور و فکر اور تدبر کی بار بار دعوت
...ہے، چنانچہ ایک موقع پر ارشاد ہے:۔

...ابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا ...يَاتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (سورۂ ص)

(یہ) ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی، تاکہ دھیان کریں لوگ اس کی آیتوں پر اور تاکہ سمجھیں عقل والے۔

لیکن تدبر کی اس عام دعوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ اس کے کلام
...ں ہر شخص اپنے افکار و نظریات اور خیالات و رجحانات کو شامل کر دے، کیونکہ اس آزادی اور ...

کا انجام یہ ہوگا کہ یہ دستور الٰہی اور کتاب ہدایت انسانی افکار و نظریات کا ایک مجموعہ بن کر رہ جائے گی، اسی لئے حق تعالیٰ جل مجدہٗ نے اپنے کلام کی تفسیر و تشریح کیلئے خود اپنے مقرب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو متعین فرما دیا۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ۔ — اور اتارا ہم نے تجھ پر یہ یادداشت (قرآن) تاکہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری ان کے واسطے۔

یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو ایسی کتاب دیکر بھیجا جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انبیاء سابقین کے علوم کی مکمل یادداشت ہے، آپ کا کام یہ ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے اس کتاب کے مضامین خوب کھول کر بیان فرمائیں اور اس کی مشکلات کی شرح اور مجملات کی تفصیل کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مطلب وہی معتبر ہے جو روایت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے موافق ہو۔ (فوائد عثمانی ص ۳۵۱)

اسی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے سے قرآن حکیم کی تفسیر و تشریح کرنے والے کو جہنم کی وعید سنائی ہے، چنانچہ ترجمان قرآن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نبی پاکؐ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

قالؐ من قال فی القرآن برایه او بما لا یعلم فلیتبوء مقعده من النار (اخرجه الترمذی والنسائی وابی داؤد وقال ترمذی هذا حدیث حسن) — جس شخص نے قرآن حکیم میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی یا ایسی بات کہی جس کا علم اسے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) نہیں ہے تو اسے اپنا ٹھکانا جہنم بنا لینا چاہئے۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں ائمہ مفسرین نے قرآن حکیم کی صحیح تفسیر کے لئے کچھ اصول و ضوابط اور معیار مقرر کئے ہیں جو تفسیر اس ضابطے اور معیار کے مطابق ہوگی وہی معتبر اور مقبول ہوگی اور جو اس معیار و اصول سے منحرف اور ہٹ کر ہوگی وہ غیر معتبر اور مردود سمجھی جائے گی، ائمہ تفسیر کے اس ضابطہ کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تفسیر کے مطابق یا کسی مرفوع حدیث یا اقوال صحابہ سے ماخوذ و مستنبط ہو۔

(۲) سیاق و سباق سے ہم آہنگ ہو یعنی قرآن عظیم کی ان آیات سے مربوط ہو جو اس سے پہلے اور بعد میں ہیں۔

(۳) قواعد عربیہ اور اہل زبان کے استعمال کے موافق ہو۔

(۴) اصول شریعت اور دین کے ثابت شدہ ان بنیادی امور کے مطابق ہو جن پر ایمان و اعتقاد لازم ہے۔

(۵) مقاصد قرآن کے ماتحت ہو۔

لیکن قرآن و حدیث اور علماء حق کی ان تمام تر بندشوں کے باوجود ہر عہد اور ہر زمانہ کے علماء سوء اور اہل ہوا، قرآن پاک کے تراجم و تفاسیر میں اپنے باطل عقائد اور فاسد نظریات کو ٹھونس کر کتاب حق کی معنوی تحریفات

ہدایات کو غبار آلود کرنے کی مذموم کوشش اور ناروا جسارت کرتے رہے ہیں، خود ہمارے ملک ہندوستان میں بعض کم فہم مغرب زدہ اور اہل بدعت، دین بیزاروں کے اردو تراجم اور تفسیریں تحریفات اور باطل تاویلات سے بھری ہوئی ہیں، جن میں مولوی احمد رضاخاں بریلوی اور ان کے تلمیذ مولوی محمد نعیم الدین مرادآبادی کا ترجمہ اور تفسیری نوٹ بنام "کنزالایمان" خاص طور پر شرکیہ عقائد اور بدعات ورسوم کی آلودگیوں سے اٹا ہوا ہے جن کی تردید ہمارے علماء دیوبند اپنے خطبات ومقالات اور مستقل تصانیف کے ذریعہ کرتے رہے ہیں تاکہ امت اسلامیہ کم پڑھے لکھے افراد قرآن حکیم کے ذیل میں ان تحریفات کو دیکھ کر مبتلائے فریب نہ ہوجائیں، بحمداللہ ان کی یہ سعی محمود بڑی حد تک کامیاب ہوئی اور ملت کے اکثر لوگ اس ترجمہ کو مردود قرار دے کر اس سے کنارہ کش ہوگئے۔

ادھر چند ماہ ہورہے ہیں رابطہ عالم اسلامی کے سیکریٹریٹ، سعودی عرب کے عالمی دارالافتاء اور متحدہ عرب امارات کی وزارت قانون نے ایک قراردادکے ذریعہ اندرون ملک وبیرون ملک کے تمام مسلمانوں خاص طور پر مساجد کے ائمہ اور خطیبوں سے پرزور اپیل کی ہے "کہ وہ مولوی احمد رضاخاں بریلوی کے ترجمہ (جس پر ان کے شاگرد مولوی محمد نعیم الدین نے حاشیہ آرائی کی ہے) پر کڑی نظر رکھیں اور اس کے نسخے جہاں بھی ملیں انھیں جمع کرکے احراق وغیرہ کے ذریعہ تلف کردیں اور آئندہ اس کا کوئی نسخہ ملک میں داخل نہ ہونے دیں تاکہ اللہ کے کلام کو تحریف سے بچایا جاسکے۔" (ترجمہ قرارداد)

اگرچہ یہ کام آج سے بہت پہلے ہوجانا چاہئے تھا، لیکن "کل امر مرھون باوقاتھا" اس کا وقت یہی قضا وقدر سے مقرر تھا، رابطہ عالم اسلامی، عالمی دارالافتاء، سعودیہ اور وزارت قانون متحدہ عرب امارات کا یہ اقدام تحفظ قرآن کے سلسلے میں یقیناً لائق تحسین ہے اور اس جذبۂ ایمانی پر یہ تینوں ادارے دنیا میں بسنے والے تمام مسلمانوں کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء عنی وعن سائر المسلمین۔

ساتھ ہی ضرورت ہے کہ دیگر ممالک اسلامیہ بھی اس عمل خیر میں اپنے ان بلیغ روؤں کی اقتداء واتباع کریں، بالخصوص پاکستان اور مصر کے ارباب حکومت کو اس معاملہ میں خصوصی توجہ کی ضرورت ہے تاکہ اس قسم کی ناجائز کوششوں کی بیخ بہت شکنی ہوسکے اور آئندہ کوئی قرآن حکیم میں اپنی تحریفات داخل کرنے کی جرأت نہ کرسکے۔

دارالعلوم اور اُس کی حقیقت

ازافادات :- شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ

تاریخ اسلام کی صفحہ گردانی کرنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ آفتاب اسلام کی شعاعیں ظلمت کدہ ہندوستان پر پہلی ہی صدی ہجری سے پرتو افگن تدریجاً اس طرح ترقی پذیر ہوتی رہیں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہر قسم کی مادی اور معنوی شوکت نے ہندوستان کو اپنا گھر بنالیا اور ظاہری و باطنی دونوں قسم کے فیوض سے باشندگان کو مالامال بنانے میں روز افزوں قدم بڑھاتی رہیں یہانتک کہ زمانہ سلاطین مغلیہ میں یہ آفتاب اپنی چمک اور دمک کے ساتھ انتہائی عروج پر پہنچا اور نہ صرف سیاسی حیثیت سے بلکہ علمی اور عملی، اقتصادی اور مذہبی، تجارتی اور صنعتی، مالی اور اخلاقی، روحانی اور جسمانی وغیرہ وغیرہ حیثیات سے بھی ربع مسکون میں عدیم النظیر بن گیا۔

اسی زمانہ میں اگر ہمایوں اور اکبر شاہجہاں اور عالمگیر جیسے اولوالعزم بادشاہ نظر آتے ہیں، تو خواجہ باقی باللہ، حضرت مجدد الف ثانی، خواجہ محمد معصوم، سید احمد بنوری، حضرت خواجہ نظام الدین بلخی، شاہ ابوسعید گنگوہی، شیخ محب اللہ الہ آبادی وغیرہ جیسے اصفیا اور اہل باطن اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ علی متقی صاحب کنز العمال مولانا محمد طاہر نہر والی صاحب مجمع البحار علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، علامہ سید زاہد ہروی، علامہ محب اللہ بہاری، ملا محمود جونپوری وغیرہ جیسے علماء سیکڑوں کی تعداد میں ملتے ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ان اکابر صوفیا اور ان کے خلفاء اور مریدین نے جس طرح اس زمانہ میں اپنی باطنی روشنی سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ کو جگمگا دیا تھا اسی طرح ان علماء ظاہر اور ان کے اقران وتلامذہ کے فیض اور تعلیم نے علوم اسلامیہ کی تیز اور تند شعاعیں کو بحر ہندوستان میں پھیلادی تھیں۔

لاکھوں کی تعداد میں مدارس اور خانقاہیں بنی ہوئی تھیں، علم کا چاروں طرف چرچا تھا۔ روحانیت کا تسلط تھا، ہر طرف امن وامان کا دور دورہ تھا، اسلامی حکومت کی قوت اور سطوت

اس تمدن اور ترقی کو مؤرخین یورپ آج تک اقرار کر رہے ہیں کہ اس زمانہ کی طاقت ہند میں اگر چاہتی تو تمام یورپ کو زیر و زبر کر دیتی۔

کپتان الگزنڈر ہملٹن اپنے سفرنامہ میں کہتا ہے کہ فقط شہر ٹھٹھہ میں جو کہ دار السلطنت سے تقریباً ہزار میل سے زیادہ دوری رکھتا تھا چار سو کالج مختلف فنون اور علوم کے موجود تھے، حالانکہ آج تمام ملک ہندوستان میں ڈھائی سو کی مقدار میں بھی کالج نہیں ہیں، تجارت کی وہ ترقی تھی کہ باوجود سہولت نقل و حرکت اور باوجود ہر قسم کے دخانی اور برقی آلات کے حسب اقرار اہل یورپ آج تک ہندوستان اس درجہ تک نہیں پہنچ سکا، ہر صوبہ اور ہر شہر میں تعلیم اور تدریس کے مراکز کی بے انتہا کثرت تھی دستکاری کا بازار گرم تھا، رعایا نہایت خوشحال تھی، سونے اور چاندی کے دریا بہتے تھے وغیرہ وغیرہ

فلک دوار کی آنکھ بدلی اور اہل ہند خصوصاً مسلمانوں کی خوشحالی پر اس کی ترچھی نظر پڑی، ادبار کی آندھیوں اور بدبختی کی گھٹاؤں کو مسلط کیا، یورپ کے سپید بھیڑیوں کو اسلام کی بھیڑوں کے پھاڑنے کیلئے تجارت کے بہانے سے ہندوستان میں لا ڈالا، ان کی خود غرضیوں اور رقابت اور جوع المال اور جوع الارض کی پالیسی نے وہ ادھم مچائی کہ اورنگ زیب مرحوم کے انتقال ہی سے روز افزوں کسوف نے اسلامی آفتاب کی روشنیوں کو ماند کرنا شروع کر دیا۔

اپنی اغراض کے لئے سیاست کے ساتھ ساتھ مذہبیت علم ظاہر اور باطن، تجارت اور دستکاری، خوشحالی اور تموّل مشرقی اخلاق اور غیرت امن اور رفاہیت وغیرہ سب کے سب رخصت کر دیئے گئے، آہستہ آہستہ ۱۸۵۷ء میں وہ نوبت پہنچی کہ ہندوستان ہر حیثیت سے نہ صرف چٹیل میدان تھا بلکہ ایک خاردار جنگل دکھائی دینے لگا۔

اغیار کے تسلط اور ان کی مردم کش پالیسی کا جال تو ہر طرف بچھ ہی گیا تھا مگر مغربی الحاد اور یورپین دہریت کی تیز و تند باد صرصر بھی ہر طرف چلتی ہوئی دکھائی دینے لگی، مذہبی تقییدات سے تنفر اور روحانی معارج سے اجنبیت نے ہر طرف اپنا پنجہ جما لیا، آزاد خیالی کے جادو اور مادہ پرستی کے عشق نے دلوں اور دماغوں کو مسخر کر لیا، کم و بیش چاروں طرف بے دینی کی آندھی چلنے لگی طوائف الملوکی اور ڈیڑھ سو برس کی بدامنی نے جس جہالت کی تاریکی کو پھیلایا تھا اس نے کریلا اور نیم چڑھا کا کام دیا، کہیں سے الحاد اور زندقہ کے بگولے اٹھے تو کہیں سے نیچریت اور عیسائیت کے زہریلی گیس نمودار ہوئے، کہیں سے عدم تقلید کی وبائیں پھیلیں تو کہیں سے بدعت و شرک کی پلیگ رونما ہوئی، کہیں سے مذہب کے خلاف علم بغاوت بلند کیا گیا تو کہیں سے اعتراضات مذہبیہ کی نئی نئی شکلیں کھڑی کیا

دکھائی گئیں، کہیں سے علم باطن کے خلاف آوازے کسے گئے، تو کہیں سے شریعت اور علم ظاہر پر گولہ اندازی کی گئی، کہیں سے اندرونی فتنے اسلامی قلعوں کو کھودنے لگے، تو کہیں سے بیرونی دشمنوں نے دھواں دھار آتش بازی کی، غرضیکہ مغربی تسلط نے نہ صرف اسلامی سیاست ہند کو تہ و بالا کیا بلکہ اس کی زہریلی روحانی گیس نے اس سے بھی زیادہ قتل و قتال کا بازار گرم کیا۔

اس روز افزوں فتنے نے اہل اللہ کے چھکے چھڑا دیئے، ہوش و حواس باختہ کر دیئے، ان کو صاف دکھائی دینے لگا کہ اگر اس وقت تھوڑی سی بھی غفلت برتی گئی تو حکومت اسلامیہ کی طرح مذہب اسلام اور صحیح عقیدہ و عمل بھی بہت جلد ہندوستان سے رخصت ہو جائے گا۔ اس لئے اپنی کوششوں سے اور صرف اپنی کوششوں سے ایک آزاد ایسی درس گاہ قائم کرنی چاہیئے جو مسلمانوں کی مذہبی صحیح اور واقعی رہنمائی کرتی ہوئی لوگوں کے لئے نمونہ بنے۔ ملک ہندوستان میں مذہب اہل السنت والجماعۃ کی حسب طریقہ اسلاف کرام محافظ ہو، اس کا تعلق علوم والسنہ مغربیہ اور فنون اجنبیہ سے نہ ہو، وہ مسلمانوں میں اخلاص اور تواضع کی اسپرٹ اور اخلاق نبویہ کی شراب طہور پیدا کرے وہ باطنی اخلاص اور روحانی تزکیہ کی اسی طرح ممد و معاون ہو جس طرح وہ علم شریعت اور دینی فنون کی علمبردار رہے وہ نہ صرف ظاہری الفاظ اور ظاہری معانی پر رک کر قشر بلا لب کا جامہ پہنائے اور انداز خشک بنائے بلکہ حقائق اور حکم تفقہ اور تدقیق کی طرف بھی رہنمائی کرے، وہ فلسفہ قدیمہ یونان اور منطق قدیم کی بے معنی دلدل میں بھی نہ پھنسائے۔ اور نہ اہل ظاہر کے میدان تیہ میں سرگرداں کرے، وہ اگر ایک طرف بخاری اور ترمذی کی روحانیت پیدا کرے تو دوسری طرف ابو حنیفہ اور شافعی کی بھی نورانیت کی ذمہ دار ہو، وہ اگر ایک طرف اشعری اور ماتریدی کی تحقیقات کا چسکا نمودار کرے تو دوسری طرف جنید بغدادی اور سری سقطی کی گھٹی پلا دے، وہ نہ صرف اتباع شریعت کا ذوق و شوق پیدا کرے بلکہ سنت نبویہ اور طریقت باطنیہ کا بھی دلدادہ اور فریفتہ بنا دے، وہ اگر ایک طرف اسلام کی اندرونی محافظت کا ملکہ پیدا کرے، تو دوسری طرف مخالفین اسلام کے بیرونی حملوں سے بچانے کی قوت کی بھی کفیل ہو، وہ ایک طرف اگر مخالفین اسلام کے حملوں کی مدافعانہ تقریری قوت کی ذمہ دار ہو تو دوسری طرف تحریری سحر بیانی اور اس کی راسخ طاقت کی بھی تدریس دے، اس میں اگر ایک طرف قال ابو حنیفہ اور قال سیبویہ اور قال ابن سینا کی آواز آئے تو دوسری طرف قال اللہ اور قال الرسول علیہ السلام کی صدا بلند ہو۔

حضرت قطب عالم مولانا الحاج امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ [illegible] کے بعد خیال تھا کہ ایک مذہبی مرکز اور اسلامی دارالعلوم قائم ہو گا مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ نعمت یہاں

اہل دیوبند کی قسمت میں تھی۔

الغرض تقادیر الٰہیہ کے تصرفات اور اہل اللہ کی ہمتوں اور دعاؤں نے چند ایسے باہمت اور پاکیزہ حضرات کو کھڑا کیا جو کہ علم اور عمل کے جامع اور زہد و ریاضت کے معدن تھے، وہ اگر ایک طرف معقولات کے امام تھے تو دوسری طرف منقولات میں مجدد وقت بھی تھے، وہ اگر ایک جانب نسبت مجددیہ اور سکینہ و وقار کے پہاڑ تھے تو دوسری طرف نسبت چشتیہ و قادریہ عشق و جذب کے بحر ذخار بھی تھے، وہ جس طرح اتباع سنت پر جان دیتے تھے اسی طرح سلوک اور تمکین کے بھی قطب تھے انھوں نے ایسے معجون مرکب نصاب اور طرز تعلیم وغیرہ کو مرتب کیا جو کہ ولی اللٰہی حدیث و تفسیر اور نظامی معقول کا جامع تھا۔ اسی طرح حنیفی تفقہ کا حامی اور مجددی اتباع سنت کا محافظ اور اہل سنت والجماعۃ کا آرگن تھا اور فرق مبتدعہ اور ان کے عقائد و اعمال سے بچانے والا، یہی وہ امر تقدیری تھا جس کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دو سو برس پیشتر اپنی روحانی قوت سے ادراک کیا تھا اور بوقت نظربندی دیوبند سے گذرتے وقت فرمایا تھا کہ یہاں سے احادیث نبوی کی خوشبو آتی ہے۔

الغرض دارالعلوم دیوبند ایک خاص جماعت کا تعلیمی اور قومی انسٹی ٹیوشن ہے جو کہ خاص اغراض کیلئے قائم کیا گیا تھا، اور انہیں خاص اغراض کو ایک خاص جماعت نے مسلمانانِ ہند بلکہ مسلمانان عالم کے زمانہ موجودہ میں حقیقی خدمت سمجھی تھی جو کہ واقعیت پر مبنی تھی اور ہے اور اس خدمت کو اس مدرسہ نے بحمد اللہ بڑے پیمانہ تک انجام دیا۔

اس جماعت کی مذکورہ بالا غرض کو فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعۃ نے مذہب اسلام کی حقیقی خدمت سمجھا اور احیاء ملت اسلامیہ کا مفید اور کارآمد وسیلہ خیال کرتے ہوئے اس کی اعانت و امداد کی طرف قدم بڑھایا مستقلین مدرسہ کی ہر طرح کی ہمت افزائی کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ۔

دارالعلوم نے اسلامی مذہبیت کی اس اعلیٰ پیمانہ پر خدمت انجام دی کہ نہ صرف ملک ہندوستان میں تمام قدیم و جدید مدارس دینیہ پر فوقیت لے گیا بلکہ ممالک اجنبیہ افغانستان، بلوچستان، تبت، وسط ایشیا، چین، مشرقی یمن، حجاز، مصر، شام، ایشائے کوچک، روم، روس، مغرب، جاوا وغیرہ دیار اسلامیہ میں بھی عدیم النظیر ثابت ہوا، جامع ازہر قاہرہ اور جامع زیتونہ تونس اور مدارس دینیہ ترکیہ اگر اس کے سامنے اپنی آمدنیوں، طلبہ کی کثرت عمارت کی بلندی اور وسعت سے فخر کرنے کے لئے کھڑے ہوں تو یہ اپنے تربیت دیئے ہوئے فارغین فضلاء کی اعلیٰ قابلیتوں سے ان کو نیچا دکھانے کے لئے تیار ہوگا۔

اس نے تھوڑی سی عمر میں اعلیٰ سے اعلیٰ کمالات رکھنے والے علماء ہزاروں کی تعداد میں پیدا کئے جو کہ علمی و عملی، روحانی اور اخلاقی کمالات میں اپنے زمانہ کے یگانہ اور اپنی اپنی نظر میں مذہبی رہنما اور امام ثابت ہو

ایسے ایسے کمل فضلاء سے اس دارالعلوم نے صرف خطۂ ہندوستان ہی کو منور نہیں کیا بلکہ ہندوستان کے باہر یاغستان افغانستان تبت مشرقی چین، عراق، شام، حجاز وغیرہ، بخارا، قازان، روس وغیرہ کو بھی اپنے فارغ شدہ طلباء کی شعاعوں سے جگمگا دیا، ان مختلف دیار کے رہنے والے افاضل کی فہرستیں عموماً روئدادوں میں ہمیشہ شائع ہوتی رہی ہیں۔

ان فارغ شدہ علماء نے اسلام کی داخلی رہنمائی کی، مدارس قائم کئے، علوم دینیہ کو مسلمانوں میں پھیلایا، وعظ و نصیحت افتاء و تدریس، تربیت و تبلیغ وغیرہ کی خدمتیں انجام دیں، آزادی اور دہریت کی وباؤں سے مسلمانوں کی حفاظت کی بیرونی دشمنوں کے حملوں سے بچایا، عیسائیت کے روز افزوں طوفان کو روکا، سناتنیوں، آریوں، شیعوں، غیر مقلدوں بدعتیوں وغیرہ کی زبانوں کو گنگ اور ان کے قلموں کو شکستہ کیا، مناظرے کئے، رسائل شائع کئے، تقریریں کیں غرضکہ اس پرآشوب زمانہ میں ہر قسم کی مذہبی خدمتوں کو بجا لاکر فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعۃ کی محافظت صحیح طریقہ پر کرتے رہے، اگر خدانخواستہ یہ دارالعلوم اس زمانہ میں ہندوستان میں قائم نہ ہوتا تو مسلمانوں کی آپس کی مذہبی خانہ جنگیاں اور اغیار کے بیرونی حملے خدا جانے اسلام کو کہاں سے کہاں تک برباد کردیتے اور نہ معلوم ان دیار میں مذہبی حیثیت سے مسلمانوں کا کیا حال ہو جاتا۔

دارالعلوم کی پرورش ہمیشہ سے محض ظاہری علوم ہی سے آراستہ ہونے والے نفوس کے ہاتھ میں نہیں رہی بلکہ اس کی باگ ہر زمانہ میں ان اہل اللہ کے ہاتھوں میں بھی رہا کی جو کہ طریقت اور حقیقت کے قطب اور امام اور روحانی کمالات اور معنوی علوم کے آفتاب بھی تھے، ان کے نفوس قبولیت خداوندی کے مظہر اتم اور مقبولان بارگاہ نبوت کے سرگروہ رہا کئے تھے، ریاضت اور تقویٰ سے انھوں نے اپنے آپ کو پاکیزہ بنالیا تھا۔

ابتدا ابتدا میں اہتمام کی باگ حضرت حاجی عابد حسین صاحب مرحوم کے ہاتھ میں رہی اور پھر تھوڑے عرصہ کے بعد مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم کے ہاتھ میں آئی، حضرت حاجی صاحب موصوف تو طریقہ چشتیہ صابریہ کے اعلیٰ درجہ کے بزرگ اور ریاضت و زہد کے مجسمہ تھے ہی، مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم بھی میدان طریقت و حقیقت کے اعلیٰ شہسوار اور نہایت کمل شخص تھے، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی مجددی مہاجر قدس اللہ سرہ العزیز کے خلفاء میں وہ اعلیٰ درجہ رکھتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب مرحوم ان پر فخر کیا کرتے تھے۔

مولانا مرحوم کے روحانی فیوضات کو بھی دارالعلوم کی کامیابی اور فارغ التحصیل طلباء کی تربیت و پرورش میں اسی طرح نمایاں حصہ ہے جس طرح حضرت قطب العالم عارف باللہ مولانا نانوتوی اور حضرت قطب ارشاد عارف باللہ مولانا گنگوہی اور العارف باللہ مولانا محمد یعقوب صاحب وغیرہ اکابر کا عظیم الشان تصرف اور حصہ ہے۔

قسط ۱

وضع حدیث کی ابتدا اور اسکے اسباب

السنۃ قبل التدوین ــ محمد عجاج الخطیب مصری

ترجمہ ــ مولوی محمد حنیف ملّی ۔ مالیگاؤں ۔

خلفائے راشدین کے دور خلافت میں جب تک امت' وحدت کلمہ پر جمی رہی اور جب تک ہوا و ہوس کو مسلمانوں کی صفوں میں گروہ بندی کا موقعہ نہیں ملا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی آئینہ کی مانند بے غبار تھی، نہ اس میں کوئی تبدیلی یا آمیزش ہوئی اور نہ غلط بیانی سے وہ متاثر ہو سکی۔ سب سے پہلا حادثہ جس کی بے چینی اور بدامنی نے سارے عالم کو ہلا کر رکھ دیا وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے، اس کے بعد ہی سے امت کو بڑے اندوہناک حالات سے دوچار ہونا پڑا، جس کے آثار آج بھی موجود ہیں، اس فتنہ کے بعد مسلمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر متحد ہو گئے تاہم جو حوادث رونما ہو چکے تھے ان کے ہوتے ہوئے اطمینان بخش سکون و امن اسلامی سلطنت کے لئے کہاں ممکن تھا، امت کی صفوں میں زبردست انتشار پیدا ہو چکا تھا، ایک لشکر جس میں حجاز و عراق کے باشندے تھے، حضرت علیؓ کا حامی تھا اور دوسری چھاؤنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تھی، جس میں مصری عوام اور شام کے اکثر باشندے مل گئے اور اس فرقہ بندی نے امت کو انتہائی خون آشام جنگوں تک پہنچا دیا، پھر ہی دنوں بعد حکومت کے لئے ثالثی کا مسئلہ پیدا ہوا جو مختلف سیاسی جماعتوں کے ظہور کا باعث ہوا، عوام کی بڑی تعداد حضرت علیؓ کی تائید میں تھی، اس لئے کہ امت نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت پر بیعت کر لیا تھا، دوسری طرف حضرت معاویہ کا گروہ خلیفۂ وقت سے قصاص کا مطالبہ کرتا تھا اور عملاً اسے نافذ کرنے پر اصرار کیا، خوارج دراصل حضرت علیؓ ہی کے لوگ تھے، حضرت علی کی طرف سے ثالثی کا فیصلہ قبول کر لینے کی وجہ سے انھوں نے خلیفہ سے علیحدگی اختیار کر لی، اس لئے کہ یہ ثالثی ان کی نظر میں دین کے خلاف اور قرآنی احکام کے منافی تھی، پھر انھوں نے لاحکم الا للہ کا نعرہ بلند کیا، یہ لوگ حضرت معاویہ کے بھی مخالف ہو گئے

اس لئے کہ حضرت معاویہ خود مسلمانوں کی باگ سنبھالنا چاہتے تھے، جس کی آپس کے مشورے کے بغیر کوئی گنجائش نہیں تھی، خوارج بڑے سخت جان، طاقت ور اور ان میں اکثر سنگدل اور اکثر طرب تھے امیر المومنین حضرت علیؓ سے ان کی خلافت میں بڑی خونریز جنگیں بھی ہوتی رہیں، اسی طرح بنو امیہ کے پورے دور حکومت تک اذیت پہنچانے کی وجہ سے بھی دوسروں پر اپنا بڑا اثر رکھتے تھے حضرت علی کی شہادت کے بعد ان کے بعض ہم نوا اور طرف دار یہ مطالبہ لیکر اٹھے کہ خلافت انکا حق ہے

غرض اس طرح بہت سے فرقے اور جماعتیں دین کا لبادہ اوڑھ کر پیدا ہوگئیں جن کا دینی مذہب بنانے میں غیر معمولی اثر بھی رہا اور ہر گروہ کی یہ کوشش بھی رہی کہ اپنے دعویٰ کی بنیاد قرآن وسنت کو بنائے، ظاہر ہے کہ جب ان فرقوں نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں قرآن کریم اور سنت سے کوئی نص قطعی کو نہیں پایا تو قرآنی آیات میں تاویل شروع کردی اور حدیث کی ایسی تشریح کی جو ناقابل برداشت ہے، بایں ہمہ وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوسکے، خصوصاً قرآن کریم میں تاویل وتحریف کے لئے حفاظ کی کثرت سے انہیں کوئی چور راستہ نہ مل سکا تو حدیث کو نشانہ بنایا اور اس میں تحریف کے ساتھ کمی بیشی کرنے لگے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی باتیں منسوب کرنے لگے جسے آپ نے نہیں فرمایا ہے۔ موضوع حدیث بنانے کی یہ تحریک زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑی تیزی سے بڑھی تا آنکہ صحیح اور موضوع روایات خلط ملط ہونے لگیں، خلفائے راشدین کے علاوہ دوسری اور جماعتوں کے سرداروں کی منقبت میں حدیثیں وضع کی گئیں، پھر ان نام نہاد دینی اور سیاسی جماعتوں کی تقویت اور اس کے استحکام کے لئے کھلم کھلا موضوع حدیث سامنے آئی، جیسے جیسے ٹولیاں، فرقے اور جماعتیں وجود میں آتی گئیں موضوع حدیثیں بھی بڑھتی رہیں، کچھ لوگ جماعتوں کی منقبت میں حدیث گڑھتے اور کچھ لوگ اپنے دفاع میں حدیث وضع کرتے رہے، یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ موضوع روایتوں کا ایک ذخیرہ تیار ہوگیا، جس کی پردہ دری پاکباز اور کھرے کھوٹے میں امتیاز کرنے والے عبقری علماء اور محدثین نے کی، یہ حدیثیں نہ صرف ایک فرد کی منقبت، مذہب کی تائید، فکر و عقیدہ کی صحت تک کے لئے بلکہ حدیث کے مختلف ابواب کے لئے بھی وضع ہوئیں اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو بھی اپنے گھیرے میں لے لیا، فضائل اعمال کی حدیثیں وضع ہوئیں، شہروں اور دنوں کی تعریف، مختلف عبادات، معاملات، آداب، زہد وتقویٰ، خورد ونوش، ذکر ودعا، صحت وبیماری، فتنے اور وراثت کے مسائل وغیرہ تک میں لوگوں نے خوب خوب حدیثیں وضع کیں۔

بھی یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ وضع حدیث کی یہ کوششیں اس صدی میں پھر بھی انتہا کو نہیں پہنچی تھیں، اس لئے وضع حدیث کا یہ فتنہ پہلی صدی ہجری کے نصف اول سے کچھ پہلے شروع ہوا تھا اور موضوع حدیثیں فوراً بے نقاب ہو کر لوگوں کے علم میں آجاتی تھیں اس لئے کہ صحابہ و تابعین کا جم غفیر موجود تھا جو حدیث کو بخوبی جانتے بھی تھے ما سے یاد بھی رکھتے تھے اور وضاعین حدیث (حدیث گڑھنے والوں) سے حدیث لیتے بھی نہیں تھے، علاوہ ازیں وضع حدیث کے اتنے اسباب بھی نہیں تھے اس لئے کہ موضوع حدیث بدعت اور فتنوں کی کثرت سے بڑھتی ہے اور صحابہ و تابعین فتنوں اور بدعت سے بالکل کنارہ کش تھے۔

علامہ ابن تیمیہ نے اس کی حکایت اس طرح فرمائی ہے کہ "صحابۂ کرام بعد کے تمام لوگوں میں فتنوں سے سب سے زیادہ محفوظ تھے، عہد رسالت جیسے جیسے دور ہوتا گیا اختلافات اور گروہ بندی بھی بڑھتی گئی، اسی لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کھلے طور پر کوئی فتنہ نمودار نہیں ہوا لیکن جب وہ شہید ہو گئے اور لوگ بھی گروہ بندی کا شکار ہونے لگے تو دو فرقے وجود میں آئے، خوارج جو حضرت علی کے منکر تھے اور روافض جو حضرت علی کی امامت، عصمت یا ان کی نبوت والوہیت کے دعویدار تھے، پھر جب حضرت عبداللہ ابن زبیر اور عبدالملک کے دور امارت میں صحابہ کرام کا آخری دور آیا تو مرجیہ اور قدریہ پیدا ہوئے، بنو امیہ کے آخری عہد اور تابعین کے ابتدائی دور میں جہمیہ اور مشبہ جیسے فرقے وجود میں آئے حالانکہ صحابہ کرام کے زمانہ میں ان میں سے کوئی بھی فرقہ نہ تھا، اسی طرح جب خنجر آزمائی کا دور شروع ہوا تو لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں متحد ہو کر بر سر پیکار رہے، حضرت معاویہ کے وصال کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، مکہ مکرمہ میں حضرت ابن زبیر کا محاصرہ ہوا، پھر مدینہ میں حرہ کے فتنہ نے سر اٹھایا، یزید کے انتقال کے بعد شام میں مروان اور ضحاک کے درمیان ایک ہنگامہ برپا ہوا اسی دوران مختار بن عبید نے ابن زیاد پر قاتلانہ حملہ کر کے ایک اور فتنہ کو ہوا دی، بعد میں حضرت مصعب ابن عمیر نے آکر مختار بن عبید کو قتل کیا پھر عبدالملک نے مصعب بن عمیر کو قتل کر کے ایک مستقل فتنہ کے لئے راستہ ہموار کیا، اسی دوران حجاج بن یوسف نے مدینہ میں ایک مدت تک عبداللہ بن زبیر کا محاصرہ کر کے انہیں قتل کر دیا جب حجاج بن یوسف عراق کا حاکم ہوا تو محمد بن اشعث نے عراق کی ایک زبردست جمعیت کے ساتھ اس سے بغاوت کی یا یہ دور کا سب سے زیادہ زبردست اور سنگین فتنہ تھا، یہ تمام ہنگامے حضرت معاویہ کی وفات کے بعد ظہور پذیر ہوئے

کچھ عرصہ بعد خراسان میں ابن المہدی کا فتنہ اٹھا جس میں حضرت زید بن علی کے ساتھ لوگوں کی بڑی تعداد قتل ہوئی، پھر ابو مسلم خراسانی وغیرہ خراسان سے اٹھے اور ایسی جنگیں اور فتنے وجود میں آئے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

ہمارے خیال کے مطابق یہ سمجھنا کہ وضع حدیث کا یہ سلسلہ بہت پہلے سے ہے یا نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی نے حضورؐ کی طرف سے کسی موضوع حدیث کی نسبت میں کچھ رعایت کی ہو قطعاً بعید از عقل ہے، بلکہ کوئی مسلمان یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ یا جلہ صحابہ جنہوں نے خدا کے رسول کی دعوت پر اپنا جان ومال اللہ کے راستے میں خرچ کیا ہو، آپ کی ہر طرح سے مدافعت کی ہو، اپنے علاقوں کو خیر باد کہا، زندگی کی تلخیاں اور طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کیں، وہ حضورؐ کی طرف موضوع حدیث کی نسبت گوارا کر لیں گے جبکہ وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں تربیت بھی پائے ہوں، آپ کے مدرسہ سے فیض یاب ہوئے اور آپ کے سرچشمۂ علم سے سیراب ہوئے ہوں، آپ کے ہر عمل کو اسوہ بنایا ہو، اور زہد وتقویٰ کے بڑے مقام پر بھی فائز ہوں، ہم اس خیال کی پوری قوت سے مذمت کرتے ہیں کہ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب کی ہے اور یہ جو بعض ہوا خواہوں نے نقل کر دیا ہے کہ صحابہ میں حضرت ابو ہریرہؓ مغیرہؓ بن شعبہ اور تابعین میں عروہ بن زبیر وغیرہ حضرت علیؓ کی منقصت میں حدیث گڑھتے تھے محض اس لئے کہ حضرت معاویہؓ ان کو معاوضہ دیتے تھے سراسر الزام اور بہتان ہے، اس کی نہ کوئی اصل ہے نہ ثبوت، بلکہ صحابہ کرام کی پوری تاریخ ایسے دعووں اور خیالات کی کھلی ہوئی تردید ہے۔

آپ کی زندگی اور وصال کے بعد کے تاریخی حقائق بھی وضع حدیث کے اس الزام کی تردید کے لئے کافی ہیں بلکہ صحابہ کرام تو اس سے کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع تھے کہ غلط بیانی اور وضع حدیث میں پڑ جائیں، یہی تو وہ پاکباز نفوس ہیں جن کے کانوں نے متعدد بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ "من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار، ان کذباً علیّ لیس ککذب علی احد" جس نے جان بوجھ کر میری طرف غلط بات منسوب کی اس کا ٹھکانا جہنم ہے

پس یہ بات عقل کو کسی بھی طرح گوارا نہیں کہ کوئی ایک صحابی بھی کذب کی ان وعیدوں کو جان لینے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان بے اصل باتوں کی نسبت کرے گا۔ اور یہ بات بھی عقل میں نہیں آتی کہ کوئی صحابی امر نبوت میں تخمینہ اور ظن کی بات کرے گا جو اسکے

قلب و قالب اور روح و جسم میں رچ بس گیا ہو اور وہ بھی کسی خیال کی تائید یا کسی گروہ کی حمایت میں یا کسی فرد کا قرب حاصل کرنے کے لیے۔ صحابہ کرام کا زہد و تقویٰ، معاصی سے گریز، فتنوں، بدعتوں اور بدعات سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی قطعی دلیلیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے صحابۂ کرام کی طرف وضع حدیث کی نسبت کی جو سازش بھی ہوگی تار عنکبوت کی طرح کمزور اور بے حقیقت ہو کر رہے گی، ہاں وہ شریعت کے محافظ تھے اور آئینۂ رسول کو تحریف و تاویل کے زنگ سے بچاتے تھے جس کی بے شمار مثالیں اور دلیلیں موجود ہیں اور اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کرلیں کہ کسی صحابی سے وضع حدیث کا عمل سرزد ہوا ہے تو یہ بھی بعید از قیاس ہے اس لئے کہ اگر کبھی ایسا ہوا بھی تو وہ چھپ نہیں سکے گا اور دوسری حدیثوں کی طرح یہ موضوع حدیث بھی صحابہ تک پہنچ کر رہے گی، یہ بات ہمارے نزدیک زیادہ زوردار اس لئے بھی ہے کہ صحابہ کرام کی حدیث پر خصوصی توجہ تھی جس میں وہ ممتاز اور نمایاں بھی ہیں، علاوہ ازیں حدیث میں ان کا زبردست علمی تبحر اور رسوخ بجائے خود صحیح اور موضوع روایات میں امتیاز کر لینے کے لئے کافی تھا، ان سب سے بڑھ کر اظہار حق کیلئے صحابہ کرام کی جرأت مثالی ہے کہ اگر کبھی آباء و اجداد اور عزیزوں کو بھی حق سے منحرف پایا تو خاموش نہیں رہ سکے، پھر حق کے لئے نہ بادشاہ وقت سے ڈرے اور نہ کسی قوی انسان کے دبدبے گھبرائے بلکہ موقعہ آیا تو پوری جرأت کے ساتھ وقت کے حکام اور علماء وغیرہ کو برملا ٹوکا اور کسی کی ملامت کا اندیشہ محسوس کئے بغیر جو بات صحیح تھی اسے بیان کیا۔ بلاشبہ اسلامی تاریخ اس مقدس گروہ پر فخر کرتی رہے گی، جس نے دنیا کے سامنے اسلام کا انمول نمونہ پیش کیا، اس پر کاربند رہے، اور آنے والی نسل کے لیے بہترین مثال ثابت ہوئے، بہرحال ان تمام تفصیلات سے وہ شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں جسے ایک گھناونی سازش کے تحت تیار کیا گیا تھا۔

جس طرح ہم صحابہ کرام کو وضع حدیث کے الزام سے بری سمجھتے ہیں اسی طرح ان کے شاگرد تابعین کرام بھی اس سے محفوظ ہیں اور ہم یہ بھی قطعیت کے ساتھ لکھ رہے ہیں کہ پہلی صدی ہجری کے نصف اول میں اگر کچھ حدیثیں وضع ہوئی بھی ہیں تو بعض نادان، کم سواد، تہی ظرف علماء کی طرف سے، جنہیں کچھ تو سیاسی اختلاف نے اور کچھ شخصی خواہشات نے کذب بیانی اور وضع حدیث پر آمادہ کیا۔ مگر چونکہ تابعین کے اس دور میں صحابہ کرام کی خاصی تعداد موجود تھی جو حدیث رسول پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ صحیح و سقیم روایتوں کو بیان کر چکی تھی اس لئے وضع حدیث کا موقعہ حدیث کے بدخواہوں کے لئے کم ہی تھا، اس لئے بھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

مبارک دور ختم ہوئے بھی زیادہ مدت نہیں گذری تھی اور امت میں کذب بیانی کی وبا اتنی عام بھی نہیں تھی بلکہ امت اب بھی آپ کی مبارک تعلیم اور دعوت سے متاثر اور اس کی محافظ تھی، خوف الٰہی اور زہد و تقویٰ امت میں عام طور پر باقی تھا، اس وجہ سے بھی اس دور میں وضع حدیث کا زیادہ موقعہ کسی کو نہ تھا، علاوہ ازیں وضع حدیث کے اسباب بھی اس ابتدائی دور میں بہت محدود تھے ہاں بعد کے دور میں ان میں اضافہ ہوتا رہا۔

عراق میں چونکہ ہنگامے زیادہ برپا ہوئے، اس لئے وہاں لوگوں کو حدیثیں گڑھنے کا موقعہ بھی ہاتھ لگ گیا اور خوب حدیثیں وضع ہوئیں اور یہیں مختلف دینی فرقے بھی پیدا ہوئے، اگر اس دور کے علماء اور ناقدین حدیث کی بے لوث تنقیدیں اور بے پناہ کوششیں نہ ہوتیں تو بلاشبہ اس علاقے کے محدثین پر علماء کا اعتماد باقی نہ رہتا، عراق وضع حدیث میں اتنا مشہور ہوا کہ لوگ اسے "دار الضرب" حدیثوں کی مصنوعی ٹکسال کہنے لگے، سکوں کی طرح یہاں حدیثیں گڑھی جانے لگیں، اسی لئے مدینہ کے لوگ عراقیوں سے حدیث بیان کرنے سے بچتے تھے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "انزلوا احادیث اهل العراق منزلة اهل الكتاب لا تصدقوهم ولا تكذبوهم" عراق والوں کی حدیثوں کو وہی درجہ دو جو اہل کتاب کی روایات کا ہے نہ اس کی تصدیق کرو نہ تکذیب۔

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی نے امام مالکؒ سے کہا "ابو عبداللہ ہم نے آپ کے شہر مدینہ میں چالیس دن میں چار سو حدیثیں سنی تھیں، یہاں عراق میں تو اتنی ہی حدیثیں ایک ہی دن میں سن رہے ہیں"۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا: ہم آپ کی طرح حدیثوں کی ٹکسال کہاں سے لائیں آپ کے پاس تو ٹکسال ہے، رات میں تم حدیثیں وضع کرتے ہو اور دن میں بیان کرتے ہو، حضرت ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ یخرج الحدیث من عندنا شبراً فیعود فی العراق ذراعاً ہمارے یہاں سے حدیث چلتی ہے تو ایک بالشت ہوتی ہے اور عراق پہنچتے ہی ایک ہاتھ بڑھ جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے عراق کے لوگوں نے حدیث سننے کا شوق ظاہر کیا تو فرمایا "ان من اهل العراق قوماً یکذبون ویکذبون ویسخرون" عراق میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جھوٹ کہتے اور سنتے ہیں اور دل لگی بھی کرتے ہیں۔

۲ — وضع حدیث کے اسباب:- ہم نے گذشتہ صفحات میں بتایا ہے کہ وضع حدیث

کا بنیادی سبب امت کا وہ سیاسی اختلاف ہے جسے [illegible] دیا ہے اور ہر گروہ نے اپنے موقف کی تائید میں وضع حدیث کی کوشش کی ابتدا انہیں کے [illegible] اسباب بھی [illegible] شروع ہوئے۔ ہم آئندہ اختصار کے ساتھ ان اسباب پر روشنی ڈالیں گے۔

سیاسی جماعتیں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سب سے پہلے شیعان علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ ظاہر ہوا پھر جنگ صفین کے بعد خوارج ابھرے، اب ہم آئندہ اختصار سے کام لیتے ہوئے یہ بتائیں گے کہ ان تمام فرقوں کی سرگرمیوں کا وضع حدیث پر کیا اثر مرتب ہوا

وضع حدیث پر شیعہ اور دوسرے فرقوں کے اثرات

علامہ ابن ابی الحدید اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ فضائل کی روایتوں میں سب سے زیادہ بنیادی جھوٹ شیعہ کی طرف سے شروع ہوا۔ انہوں نے آغاز ہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت اور مخالفین کی دشمنی میں مختلف حدیثیں وضع کیں، قبیلہ بکریہ نے جب شیعہ کی اس حرکت کو دیکھا تو وہ اپنے امیر کی تعریف میں مقابل حدیثیں وضع کرنے میں لگ گئے۔ دکھ کی بات تو یہ ہے کہ بعض ہوا خواہ اور اسلام دشمن لوگوں نے اپنی آرزو کی تکمیل میں تشیع کو آڑ بنا لیا اور بہت سی شورشیں انہی کے نام سے برپا ہوئیں جس کے نتیجے میں اہل بیت پے بہ پے زد میں آگئے اور حضرت علی کے پاکباز لڑکے اور پوتے قربانی کی بھینٹ بھی ہوئے اور ایسے الم ریز حادثے تاریخ عالم نے ریکارڈ کئے، جن سے دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہونے لگتے ہیں اور یہ سب دشمنان اسلام کی طرف سے اہل بیت کے ناموں کے بیجا اور غلط استعمال کا نتیجہ ہے، یہ وہ نادانی ہے جنہوں نے اپنے مشن کی تائید میں نہ صرف حدیث وضع کی بلکہ دوسروں کو بھی اس مکروہ عمل کے لئے اکسایا، بلاشبہ ہم تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ یا محمد بن حنفیہ، امام جعفر صادق، یا زید بن علی رحمہم اللہ جیسے پاک بندوں نے وضع حدیث کے لئے ان ہوا خواہوں سے اتفاق کیا ہو اور اپنے نانا جان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کذب بیانی کی نسبت کی ہو، جب کہ دین کے معاملہ میں ان پاک طینت بندوں کا زہد و تقویٰ مسلم ہے، اور نہ صرف یہ بلکہ اہل بیت تو اس سے بہت زیادہ اعلیٰ و ارفع ہیں کہ کوئی غلط بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیں، اس لئے ہم نے پہلے ہی بتا دینا ضروری سمجھا کہ اہل بیت ان کی [illegible] اور ذلیل حرکتوں سے پورے طور پر محفوظ اور بری ہیں اور کم سواد شیعوں نے ان [illegible]

شیعوں نے کام وضع حدیث کے لئے استعمال کیا ہے خوب حدیثیں وضع کیں اور اپنے امام حضرت علیؓ کے ساتھ حسن سلوک تو کیا کرتے بڑی بدسلوکی کی ہے، علامہ ابو الفرج ابن جوزی فرماتے ہیں " فضائل علی الصحیحۃ کثیرۃ غیران الرافضۃ لا تقنع فوضعت لہ مایضع لا مایرفع "

ترجمہ: صحیح حدیثوں میں حضرت علی کے مناقب تو بیشمار تھے لیکن ان روافض نے اس پر قناعت نہیں کی بلکہ ایسی حدیثیں وضع کیں جس سے منقبت کی بجائے ان کی منقصت سامنے آئی (نعوذ باللہ من ذالک)

شیعہ کی طرف سے روایات اتنی زیادہ وضع ہونے لگیں کہ عراق کی شہرت پر حرف آگیا اور مدینہ والوں نے عراقیوں سے حدیث حاصل کرنے میں احتیاط سے کام لینا شروع کیا، اور ایسے تمام لوگ مشتبہ ہو گئے جو حدیثوں میں تحقیق و جستجو نہیں کرتے تھے، جیسے کوئی اجنبی کسی ایسی بستی میں چلا جائے جہاں آبادی کا نصف حصہ خائن اور جھوٹوں کا ہو تو وہاں سے بیزار رہے گا تاوقتیکہ کوئی سچا اور قابل اعتماد آدمی نہ مل جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی فرماتے ہیں "قاتلھم اللہ ای علم افسدوا" خدا انھیں غارت کرے کیسے علم کو انھوں نے برباد کر دیا۔ حضرت عامر شعبی فرماتے ہیں کہ "ما کذب علی احد فی ھذہ الامۃ ما کذب علی علی رضی اللہ عنہ" اس امت میں حضرت علی سے زیادہ کسی اور کے بارے میں کذب بیانی سے کام نہیں لیا گیا۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں "کذب الرافضۃ مما یضرب لہ المثل" رافضیوں کی کذب بیانی تو ضرب المثل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں "الدین لاھل الحدیث، والکلام والرای لاھل الرای والکذب للرافضۃ" دین محدثین کے لئے، کلام اور حیلہ عقل والوں کے لئے اور دروغ گوئی رافضیوں کی خصوصیت ہے۔ ایک مرتبہ حضرت امام مالک سے روافض کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا "لا تکلمھم ولا ترو عنھم فانھم یکذبون" ان سے نہ بات چیت کرو نہ روایت نقل کرو اس لئے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں "لم أر احدا اشھد بالزور من الرافضۃ" میں نے رافضیوں سے زیادہ جھوٹی شہادت دینے والا نہیں دیکھا ہے، حضرت یزید بن ہارون فرماتے ہیں "یکتب من کل مبتدع اذا لم یکن داعیۃ الا الرافضۃ فانھم یکذبون" روافض کے سوا ہر بدعتی کی بات لکھی جائے اس لئے کہ وہ کذب بیانی سے کام لیتے ہیں۔ حضرت حماد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک بوڑھے رافضی نے (جو بعد میں تائب ہو گیا) بتایا کہ جب ہم متفق ہو کر کسی بات کو [illegible] لیتے

راسے حدیث بنا لیتے۔

شیعہ نے بہت سی حدیثیں تو وضع کیں اور بہت سی حدیثوں کے الفاظ میں اپنی مرضی کے مطابق تحریف کرلی، چنانچہ بہت سی روایات حضرت علی کی تعریف میں اور بہت سی حضرت معاویہ اور بنوامیہ کی مذمت میں وضع کیں، جن سے موضوعات کی کتابیں بھری پڑی ہیں، ہم یہاں مثال کے طور پر ان کے حریفوں کی وضع کردہ کچھ روایات ذکر کرکے بتائیں گے کہ مخالفین پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔

شیعہ کے لئے سب سے زیادہ فکر کی بات حضرت علی کی خلافت تھی، جس کی وصیت ان کے خیال کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی تھی، اسی لئے ان لوگوں نے بے شمار حدیثیں خلافت علی سے متعلق وضع کیں، ان کی چند موضوع حدیثیں ملاحظہ ہوں:۔

"وصی وموضع سری فی اهلی وخیر من اخلف بعدی علی" میرے وصی، میرے خلیفہ، میرے رازداں اور میرے بعد بہترین خلف حضرت علی ہیں۔" یا علی اختصک بالنبوۃ ولانبی بعدی" اے علی میں نبوت تمہارے ساتھ خاص کرتا اگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے "ان لکل نبی وصیا ووارثاً وان وصی ووارثی علی بن ابی طالب" ہر نبی کا ایک وصی اور وارث ہوتا ہے، میرے وصی اور وارث حضرت علی ہیں۔" لما ان عرج بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اراہ اللہ من العجائب فی کل سماء فلما اصبح جعل یحدث الناس عن عجائب ربه وکذب به من کذب به من اهل مکة وصدقه من صدقه، فعند ذلك انقض نجم من السماء فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم فی دار من وقع هذا النجم فهو خلیفتی من بعدی وطلبوا ذلك النجم فوجدوه فی دار علی ابن ابی طالب فقال اهل مکة ضل محمد وغوی وهوی اهل بیته ومال الی ابن عمه فعند ذلك نزلت " والنجم اذا هوی (ترجمہ) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج ہوئی تو خدا نے آپ کو ہر آسمان پر بہت سے عجائب دکھائے، جب صبح ہوئی تو آپ نے اپنے رب کے عجائب لوگوں سے بیان فرمائے، جسے جھٹلانا تھا جھٹلایا اور جس کو تصدیق کرنی تھی تصدیق کی، اتنے میں ایک ستارہ ٹوٹا، آپ نے فرمایا کہ یہ ستارہ جس کے گھر میں گرے گا وہ میرے بعد خلیفہ ہوگا، اس ستارہ کو لوگوں نے تلاش کیا تو حضرت علی کے مکان میں پایا، اس پر مکہ والوں نے کہا محمد اپنے گھر کے لوگوں کی محبت میں گمراہ ہوگئے ہیں اور اپنے

آپ حضرت علی کی طرف متوجہ ہوئے اور والنجم اذا ھوی اسی وقت نازل ہوئی " خلقت وعلی من نور وکنا علی یمین العرش " میں اور حضرت علی دونوں نور سے پیدا ہوئے ہیں اور عرش کے داہنی رخ پر تھے۔

ان نادانوں نے اپنی مرضی کے مطابق وضع حدیث میں فتنہ انگیزی بھی کی ہے امثالیں ملاحظہ ہوں: ستکون فتن فان ادرکہا احد منکم فعلیہ بخصلتین کتاب اللہ وعلی ابن ابی طالب وھو خلیفتی من بعدی: " عنقریب بہت سے فتنے نمودار ہوں گے اور اگر کسی اس فتنہ کو پالیا تو اسے دو باتیں تھام لینا چاہئے ایک کتاب اللہ اور دوسرے علی بن ابی طالب جو میرے بعد ہونے والے خلیفہ ہیں: من لم یقل علی خیر الناس فقد کفر " جس نے حضرت علی کو بہترین انسان نہیں کہا وہ کافر ہے: النظر الی علی عبادۃ " حضرت علی کو دیکھنا عبادت ہے: حب علی یاکل السیئات کما تاکل النار الحطب " علی کی محبت برائیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جیسے سوکھی لکڑی کو آگ"۔ من اراد ان ینظر الی آدم فی علمہ ونوح فی فہمہ وابراھیم فی حکمہ ویحیی فی زھدہ وموسی فی بطشہ فلینظر الی علی " جسے حضرت آدم کا علم، حضرت نوح کا فہم، حضرت ابراہیم کی حکمت، حضرت یحییٰ کا زہد اور حضرت موسیٰ کی سختی دیکھنا ہو تو حضرت علی کو دیکھ لے: من مات وفی قلبہ بغض لعلی بن ابی طالب فلیمت یھودیا او نصرانیا " جس کے دل میں مرتے مرتے حضرت علی کی ذرا بھی نفرت ہو تو اسے یہودی یا نصرانی ہو کر مرنا چاہیے: مثلی مثل شجرۃ انا اصلہا و علی فرعہا والحسن والحسین ثمرتہا والشیعۃ ورقہا فای شئی یخرج من الطیب الا الطیب " میری مثال ایک درخت کی ہے میں اس کی جڑ ہوں، حضرت علی اس کی شاخ، حسنین اس کا پھل اور شیعہ اس کے برگ وبار ہیں اور اچھی چیز سے اچھی چیز ہی نکلے گی: من احبنی فلیحب علیا ومن ابغض علیا فقد ابغضنی ومن ابغضنی فقد ابغض اللہ ومن ابغض اللہ ادخلہ النار " جس کو مجھ سے محبت ہے وہ حضرت علی سے بھی محبت کرے اور جس نے حضرت علی سے نفرت کی اس نے مجھ سے نفرت کی اور جس نے مجھ سے نفرت کی اس نے اللہ سے نفرت کی اور جس نے اللہ سے نفرت کی وہ جہنم رسید ہوگا: یا علی ان اللہ غفر لک ولذریتک ولوالدیک ولاھلک ولشیعتک ولمحبی شیعتک " اے علی بلا شبہ خدا نے آپ کا، آپ کی اولاد کا، آپ کے والدین کا اور آپ کی عیال کا، آپ کی جماعت اور آپ کی جماعت سے محبت کرنے والوں کا

گناہ معاف کر دیا ہے۔

حضرت علی کی تعریف کے ساتھ ساتھ شیعہ نے ایسی بیہودہ حدیثیں بھی وضع کیں جن میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ صحابہ کو نشانہ بنایا اور سمجھتے بھی یہ ہے کہ اس طرح حضرت علی کے مدمقابل ان صحابہ کرام کی نعوذ باللہ تذلیل ہوجائے گی۔ علامہ ابن ابی الحدید فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ اور ناگوار بات جس کا شیعہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منقذ کو بھیجا گیا اور نعوذ باللہ فاروق اعظم نے حضرت فاطمہ کو دیوار اور دروازے کے درمیان دبا دیا اور حضرت علی کی گردن میں رسی ڈال کر کھینچا۔ اس کی نہ کوئی اصل ہے اور نہ یہ واقعہ ہمارے علماء کے نزدیک پایہ ثبوت کو پہنچا ہے، نہ کسی محدث نے اسے نقل کیا ہے اور نہ کوئی اسے جانتا ہے یہ تو صرف شیعہ کی وسیسہ کاری کا نتیجہ ہے۔

مخالف گروہ نے دیکھا کہ ان موضوع روایتوں سے حضرت ابوبکر و عمر، عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص ہوتی ہے تو اس کے مقابل کی حدیثیں وضع کیں تاکہ ان صحابہ کا مقام بلند ہوسکے، اس گروہ کی چند موضوع روایات بھی ملاحظہ ہوں "لما عرج بی الی السماء قلت اللّٰھم اجعل الخلیفۃ بعدی علی بن ابی طالب فارتجت السماوات وھتف بی الملائکۃ من کل جانب یا محمد اقرأ "وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ"، قد شاء اللہ ان یکون بعدك ابوبکر الصدیق" معراج میں جب میں آسمان پر پہنچا تو میں نے دعا کی، خدایا: حضرت علی کو میرے بعد خلیفہ بنا دے، یہ کہتے ہی آسمان لرز اٹھا اور فرشتوں نے تمام سمت سے شور مچایا کہ اے محمد! یہ تو پڑھو کہ خدا جو چاہتا ہے وہ ہوگا اور خدا چاہتا ہے کہ آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں " عن عبد اللہ بن جواد قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتی بفرس فرکبہ ثم قال یرکب ھذا الفرس من یکون الخلیفۃ بعدی فرکبہ ابوبکر" حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، اتنے میں ایک گھوڑا لایا گیا، آپ اس پر سوار ہوئے، پھر فرمایا کہ اس گھوڑے پر تو وہی سوار ہوگا جو میرے بعد خلیفہ ہونے والا ہے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سوار ہوئے " قال ابوبکر للنبی صلی اللہ علیہ وسلم انی کنت معك فی الصف الاول فکبرت وکبرت فاستفتحت بالحمد فقرأتھا فوسوس الی شیء من الطھور فخرجت الی باب المسجد فاذا انا بھاتف

يهتف بي وهو يقول : وراءك فاذا انا بقدح من ذهب مملوء ماء ابيض من الثلج واعذب من الشهد والين من الزبد عليه منديل اخضر مكتوب عليه لا اله الا الله محمد رسول الله الصديق ابوبكر فاخذت المنديل فوضعته على منكبي وتوضأت للصلوة واسبغت الوضوء ورددت المنديل على القدح ولحقتك وانت راكع الركعة الاولى فتممت صلاتي معك يارسول الله ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ابشر يا ابابكر الذي وضاءك للصلوة جبريل والذي مندلك ميكائيل والذي مسك ركبتي حتى لحقت الصلوة اسرافيل" (ترجمہ) حضرت ابوبکر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں آپ کے ساتھ نماز میں پہلی صف میں تھا آپ نے تکبیر کہی میں نے بھی کہا، میں نے سورہ فاتحہ پڑھی، مجھے وضو کے بارے میں کچھ وسوسہ پیدا ہوگیا تو میں مسجد کے دروازے کی طرف نکل آیا۔ میں نے سنا کہ پیچھے سے کوئی آواز دے رہا ہے "پیچھے دیکھو، میں نے دیکھا کہ سونے کے ایک پیالہ میں برف سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ چکنا پانی بھرا ہوا ہے۔ اس پر ایک سبز رومال ہے جس پر لا الہ الا اللہ لکھا ہوا ہے۔ میں نے رومال اٹھا کر اپنے شانے پر رکھ لیا اور نماز کے لئے خوب اہتمام سے وضو کیا پھر رومال پیالہ پر ڈال دیا اور آپ کے پاس آیا تو آپ پہلی رکعت کے رکوع میں تھے میں نے پھر آپ کے ساتھ نماز پوری کرلی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر تمہیں خوشخبری ہو، جس نے تمہیں وضو کرایا ہے وہ جبرئیل تھے اور رومال پیش کرنے والے حضرت میکائیل تھے اور جس نے مجھے روکے رکھا وہ اسرافیل تھے۔" ان الله جعل ابابكر خليفتي على دين الله ووحيه فاسمعوا له واطيعوه ترشدوا" خدا نے میرے بعد ابوبکر کو اپنے دین کا خلیفہ بنایا ہے، ان کی سنو کامیاب ہوجاؤ گے، ان کی مانو ہدایت پاجاؤ گے۔" ان الله في السماء يكره ان يخطأ ابوبكر الصديق" خدا کو پسند نہیں کہ ابوبکر سے کوئی غلطی ہوجائے۔" لما اسري بي رأيت في السماء خيلا موقوفة مسرجة ملجمة رؤسها من الياقوت الاحمر ذوات اجنحة فقلت لمن هذه فقال جبرئيل هذه لمحبي ابي بكر وعمر يزورون الله عليها يوم القيمة" جب میں معراج میں آسمان پر پہنچا تو ایک زین کسا ہوا گھوڑا دیکھا جس کے سرخ یاقوت کے بازو تھے۔ میں نے دریافت کیا یہ کس کا ہے؟ جبرئیل نے کہا یہ ابوبکر و عمر سے محبت

سے والہانہ محبت ابی بکر پر لازم ہو کر یہ لوگ قیامت کے دن خدا کی زیارت کریں گے " عن عبد اللہ بن ابی اوفیٰ قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم متکئا علی علی رضی اللہ عنہ اذا ابوبکر و عمر اقبلا فقال یا ابا الحسن احبہما فبحبہما تدخل الجنۃ " حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کو ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں اتنے میں ابوبکر و عمر آئے، آپ نے حضرت علی سے کہا ابوالحسن ان دونوں سے محبت کرو تو ہی جنت میں جاؤ گے " ان فی السماء الدنیا ثمانین الف ملک یستغفرون اللہ لمن احب ابابکر و عمر و فی السماء الثانیۃ ثمانون الف ملک یلعنون من یبغض ابابکر و عمر " آسمان دنیا پر ستر ہزار فرشتے ہیں جو شیخین سے محبت کرنے والوں کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور دوسرے آسمان میں ستر ہزار فرشتے ہیں جو ابوبکر و عمر سے نفرت کرنے والوں پر لعنت بھیجتے ہیں " ما فی الجنۃ شجرۃ الا مکتوب علی کل ورقۃ منہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ابوبکر الصدیق و عمر الفاروق و عثمان ذی النورین " جنت کے تمام درختوں کے پتوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذی النورین لکھا ہوا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ میں بھی کچھ افترا پردازوں نے بہت سی باتیں وضع کیں، ان میں چند یہ ہیں:۔ " ان جماعۃ من بنی ہاشم سألوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یحول الکتابۃ من معاویۃ فنزل الوحی باختیارہ " بنو ہاشم نے چاہا کہ کتابت وحی معاویہ سے بدل دی جائے تو وحی حضرت معاویہ کی مرضی کے مطابق نازل ہوئی " اس گروہ نے آیت الکرسی سے متعلق بڑی لمبی روایت وضع کی ہے، جیسے موضوعات کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے " ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ القلم من ید علی فدفعہ الی معاویۃ " آپ نے حضرت علی سے قلم لے کر حضرت معاویہ کو دے دیا " الامناء عند اللہ ثلاثۃ انا و جبریل و معاویۃ " خدا کے نزدیک امین تین ہیں۔ حضرت جبریل، معاویہ اور میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ کو تیر دیتے ہوئے فرمایا " خذ ہذا حتی تلقانی فی الجنۃ " یہ تیر لے لو تم مجھ سے جنت میں ملاقات کرو گے " عن ابن عباس قال جاء جبریل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بورقۃ آس مکتوب علیہا لا الہ الا اللہ حب معاویۃ فرض

علی عبادی: حضرت جبرئیل حضور کے پاس سبز کاغذ لیکر آئے جس پر لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ لکھا تھا کہ علی سے محبت کرنا میرے بندوں پر فرض ہے، شیعوں نے جگہ جگہ صحیح حدیثوں میں تحریف بھی کی ہے، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ بن رافع اور عمرو بن رفاعہ کو ان الفاظ کے ساتھ بد دعا دی تھی، اللھم ارکسھما فی الدنیا رکسا ودعھما الی النار دعا" راوی نے اس بد دعا کو امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص کی طرف منسوب کر دیا ہے، حالانکہ ان دونوں صحابی سے ایسی کوئی حرکت سرزد نہیں ہوئی مگر راوی نے نام میں تحریف کر دی۔

اسی طرح حضرت معاویہ کے پیروں میں بعض خود غرض عقیدتمندوں نے بھی حدیثیں وضع کیں مثلاً "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا ھریرۃ ان فی جھنم کلابا زرق الاعین علی اعرافھا شعر کاذناب الخیل لو اذن اللہ تعالٰی لکل منھا ان تبلع السموات السبع فی لقمۃ واحدۃ لھان ذلک علیہ تسلط یوم القیمۃ علی من لعن معاویۃ بن ابی سفیان" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ جہنم میں نیلگوں آنکھوں والے کتے ہوں گے، ان کی گردنوں پر گھوڑے کی دم کی طرح لمبے بال ہوں گے اگر خدا ان کو ساتوں آسمانوں کو نگل جانے کا حکم دیگا تو وہ آسانی سے نگل جائیں گے، یہ کتے قیامت کے دن حضرت معاویہ کو برا بھلا کہنے والوں پر مسلط ہوں گے۔ ایسی بے شمار موضوع روایات ہیں جو ان مختلف خسیس فرقوں کی پیداوار ہیں جو اپنے موقف کو مستحکم بنانے، اپنی جماعت کو اونچا بتانے اور اپنے پیشوا کی قدر و منزلت بڑھانے میں لگے رہے، حالانکہ یہ ممکن تھا کہ وہ ایسی روایات وضع نہ کرتے اس لئے کہ صحابہ کے مناقب و فضائل میں صحیح اور مستند روایات موجود ہیں لیکن نفسانیت نے انہیں یہاں تک پہنچایا اور جہالت نے ان کے دل کی آنکھیں اندھی کر دیں۔

انہی میں کچھ پاک طینت لوگوں نے جب دیکھا کہ لعن طعن کی ان روایات سے نہ صرف صحابہ کی عظمت متاثر ہوگی بلکہ ان کی فضیلت بھی خطرے میں ہے تو صحابہ سے محبت کے جذبے نے انہیں ایسی حدیثیں وضع کرنے پر آمادہ کیا جن سے صحابہ کا مقام بلند ہو سکے، انھوں نے اپنی سادگی اور نیک نیتی سے یہ سمجھا کہ ان حدیثوں کے ذریعہ اس لعن طعن کی بیخ کنی ہو جائے گی جس کا اظہار مختلف جماعتوں کی طرف سے ہوتا رہا ہے، ساتھ ہی امت کی شیرازہ بندی بھی ہو جائے گی جو بجائے خود بڑی نیکی ہے گویا یہ بیچارے نیک نیتی میں یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وہ جھوٹی بات بھی منسوب کر رہے ہیں ان کی موضوع روایات بھی ملاحظہ ہوں ان اللہ امرنی ان اتخذ ابابکر والدا وعمر مشیرا و عثمان مسندا وانت یا علی ظہیرا ... اللہ عز وجل ... الکتاب لا ...

مر من تقی ولا یبغضکم الا منافق شقی وانتم خلفاء نبوتی وعقد ذمتی (ترجمہ) خدا نے
حکم دیا ہے کہ ابوبکر کو والد، حضرت عمر کو مشیر، حضرت عثمان کو سند بناؤں اور تم اے علی میرے معاون ہو
ار ہو جن کے بارے میں قرآن نے عہد لیا ہے، تم سے مومن اور متقی ہی محبت کرے گا اور غلط کار
ق ہی نفرت رکھے گا میرے بعد تم میری نبوت کے جانشین ہو۔ " ینادی مناد یوم القیمۃ
ن تحت العرش این اصحاب محمد فیوتی بابی بکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم
امت کے دن عرش کے نیچے منادی پکارے گا، محمد کے ساتھی کہاں ہیں تو خلفائے راشدین کو پیش
یا جائے گا۔" ابوبکر وزیری والقائم فی امتی من بعدی وعمر حبیبی ینطق علی لسانی
نا من عثمان وعثمان منی وعلی اخی وصاحب لوائی" ابوبکر میرے وزیر اور میرے بعد
ت کا نظام سنبھالنے والے ہیں، عمر میرے دوست ہیں وہ میری زبان میں گفتگو کریں گے
ان میرے اور میں عثمان کا ہوں، علی میرے علمبردار اور میرے بھائی ہیں۔" ابوبکر اوزن امتی
ارحمہا، وعمر خیر امتی اکملہا وعثمان بن عفان احیی امتی واعدلہا وعلی بن ابی
الب ولی امتی واوسعہا وعبد اللہ بن مسعود امین امتی واوصلہا وابوذر ازھد
متی وارقہا وابو درداء اعدل امتی وارحمہا ومعاویۃ بن ابی سفیان احلم امتی
اجودہا" ابوبکر میری امت میں سب سے زیادہ متوازن اور مہربان ہیں، عمر بن خطاب میری امت
ں سب سے زیادہ بہترین اور کامل ہیں، حضرت عثمان سب سے زیادہ حیادار اور انصاف پسند ہیں
حضرت علی سب سے زیادہ ولی کامل ہیں، حضرت عبداللہ ابن مسعود سب سے زیادہ امین اور مہربان
یں، ابوذر سب سے زیادہ زاہد اور رحم دل ہیں، ابودردا میری امت میں سب سے زیادہ مہربان اور عادل
رور ہیں، حضرت معاویہ میری امت میں سب سے زیادہ دریا دل اور عقلمند ہیں۔" من شتم الصدیق
فہو زندیق ومن شتم عمر فمأواہ سقر ومن شتم عثمان فخصمہ الرحمان ومن شتم
علیا فخصمہ النبی علیہ السلام ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا لعنۃ اللہ علی
مبغضی ابی بکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم (ترجمہ) جس نے ابوبکر کو گالی دی وہ زندیق ہے
جس نے عمر کو گالیاں دیں وہ جہنمی ہے، جس نے حضرت عثمان کو برا بھلا کہا تو خدا اس کا خصم ہے اور جس نے
حضرت علی کو برا بھلا کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خصم ہیں۔ پھر فرمایا کہ جن لوگوں کو خلفاء اربعہ سے
بغض رکھنے والا [illegible] لعنت کا مستحق ہے۔" ان روایات کو کتابیں دیکھنے سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ شیعہ
[illegible] دوسروں سے [illegible] زیادہ آگے ہیں بلکہ انہوں نے بہت زیادہ غلو سے کام لیا ہے۔
(باقی آئندہ)

آٹھویں صدی ہجری میں ہند و پاک کی ایک قابل موقر تابناک شخصیت

قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ

(م ۷۹۱ھ)

از قلم ——— محمد ارشد اعظمی۔ فاضل مدرسہ وصیۃ العلوم الٰہ آباد

دیار پورب اور شیراز ہند "جون پور" کی ایک عظیم شخصیت و باکمال ہستی یعنی شیخ ابوالفتح سونبرسی جونپوریؒ (م ۸۵۹ھ) کا تفصیلی تعارف ماہنامہ "برہان" دہلی (شمارہ اپریل ۱۹۷۶ء) میں تذکرہ نگار (محمد ارشد اعظمی) نے پیش کیا، شیخ سونبرسیؒ اپنے جد مکرم قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ (م ۷۹۱ھ) کے جانشین و تلمیذ تھے۔

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ "عظیم پوتے" کا حال یہ تھا کہ:۔

برطریقۂ جد خود فاضل و دانشمند بود و بر حکم وصیت او بدوام درس و افادہ علوم مشغول، فصیح بود

شیخ ابوالفتح جونپوریؒ اپنے جد مکرم قاضی عبدالمقتدر کے شاگرد رشید و صاحب فضل و کمال تھے، ان کی وصیت کے مطابق افادۂ علوم و افاضہ میں مشغول تھے اور ذات والاصفات کو فصیح اللسانی نے چار چاند لگا دیئے تھے (یعنی ہندوستان کے گرامی مرتبت عالم دین اور ایک نامور فصیح و بلیغ متکلم تھے)۔

یہ تو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدح سرائی فرمائی ہے، اور مفتی غلام سرور لاہوریؒ یوں رطب اللسان ہیں کہ:۔

درفقر و ریاضت و وجد و حالت نظیرے نداشت

فقیری اور مجاہدے وجد و حال [illegible] میں آپ کا کوئی نظیر و مثیل [illegible]

وسلوک و نسبت احسانی میں شیخ ابوالفتحؒ جیسا کوئی قصر طریقت اس دور میں [illegible]

لہٰذا جب "پوتے" کو یہ مقام و مرتبہ حاصل تھا تو خود جد مکرم قاضی عبد [illegible]

ذات والاصفات کس شان کی حامل رہی ہوگی، جان صفحات زیر نظر میں قاضی صاحب موصوفؒ کا ہی تعارف ان کی سیرت وسوانح اور کمالات وکارناموں کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہ العزیز کے دربارِ دُربار سے ایک سے ایک مایۂ ناز، فخرِ روزگار ہستیاں نکھر کر اور سنور کر نکلی ہیں جو تختِ ولایت کی تاجدار بنی ہیں۔ اُن ہی میں رشد و ہدایت کے مرکز اور روحانی محفل کے نورانی "چراغ" حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کی ذات والاصفات بہت نمایاں ہے جو اپنے کمالات وکارناموں کی بنا پر کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے اور جب حضرت محمود چراغ دہلویؒ نے "دار الاولیاء" دہلی میں تعلیم وتربیت، ذکر وشغل، احسان وطریقت کی نورانی وروحانی بزم سجائی اور طالبین وسالکین کے لئے "درِ میخانہ" (حبِ حق) وا کیا تو جہاں اس مرکز فضل وکمال سے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ اور مخدوم جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشتؒ جیسے مشائخ کبار فیض پاکر نکلے ہیں وہیں حضرت مولانا خواجگیؒ اور قاضی عبد المقتدر دہلویؒ جیسے علماء نامدار نے بھی کسبِ کمال کیا ہے، جن کے نورِ علم اور مسیحا نفسی سے پورا غیر منقسم ہندوستان جگمگا اٹھا۔ یہ مقالہ چونکہ قاضی عبد المقتدر دہلویؒ سے متعلق ہے اس تاریخی حقیقت کا اظہار ضروری تھا تاکہ تحقیقی انداز پر تفصیل سامنے آجائے۔

(۱) ولادت وطفولیت

قاضی عبد المقتدرؒ کے والد محترم کا اسم گرامی "رکن الدین" تھا نسبی اعتبار سے شریحی کندی کہلاتے ہیں، قاضی موصوفؒ بمقام تھانیسر ۷۰۳ھ میں پیدا ہوئے، لیکن نشو ونما سرزمین دہلی میں ہوئی اور دہلی اس وقت علماء حقانی ومشائخ ربانی کے انوار وبرکات سے معمور اور درخشندہ وتابندہ تھی، قاضی صاحب موصوفؒ کے بچپن کا زمانہ ایسے ماحول میں گذرا جو دینداری کا علمی ماحول تھا، اتقاء وپرہیزگاری، عبادت وشب بیداری کا دلکش دامان افرد سماں بندھا ہوا تھا۔

(۲) تحصیل علم

اس مسعود دور میں یکتائے روزگار علوم ومعارف کے بحر ناپیدا کنار، حضرت شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی، ماضی قریب کے محقق مؤرخ مولوی رحمان علی نے لکھا ہے کہ:-

"شہر دہلی کے اکثر علماء نے حضرت شمس الدینؒ سے نسبت تلمذ پیدا کرکے فخر ومسرت کی دولت حاصل کی۔"

قاضی عبد المقتدرؒ نے بھی اسی باکمال ہستی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اور ابتدائی

کتب درسیہ آپ ہی سے پڑھیں، ان کے علاوہ شیخ الاسلام فریدالدین اودھی آٹھویں صدی میں اود جیسی سرسبز و شاداب اور چمن زار سرزمین کے شیخ الاسلام و مرجع عوام و خواص تھے، حضرت شیخ فریدالدین ممتاز علماء کرام کی صف میں امتیازی مقام رکھتے تھے، اودھ سے لے کر دارالاولیاء دہلی تک آپ کی عظمت کی دھوم مچی ہوئی تھی، علم و معرفت کے تشنگان آب حیات کے اس چشمۂ فیض سے سیراب ہو رہے تھے، مولانا قاضی عبدالمقتدرؒ نے بھی حضرت شیخ الاسلامؒ کے خرمن علم و کمال سے خوشہ چینی فرمائی۔

لیکن قاضی صاحب موصوفؒ کا شوقِ فراواں ان کو بیتاب کئے رہتا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کسب کمال کی صلاحیت و استعداد مرحمت فرمائی تھی لہذا چین و سکون سے کہاں بیٹھنے والے تھے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ رقمطراز ہیں کہ :-

دے در آوان طالب علمی پیش شیخ نصیرالدین محمود می رفت و بحث می کرد، و شیخ او را و بحثہا اورا نکو داشتے و او را تحریض کردے بر تحصیل علم۔

قاضی عبدالمقتدر تحصیل علم کے دوران شیخ نصیرالدین محمود (چراغ دہلویؒ) کی خدمت گرامی میں آیا جایا کرتے تھے اور بعض علمی مسائل پر ان سے گفتگو و بحث کرتے جس کی بناء پر

قاضی صاحبؒ اور ان کے علمی کلام و نکات کو حضرت شیخؒ پسند فرماتے تھے، ساتھ ہی تحصیل و تکمیل علوم پر آپ کو ابھارتے بھی تھے۔

چنانچہ قاضی عبدالمقتدرؒ نے پوری جد و جہد فرمائی اور شیخ موصوفؒ سے استفادۂ علمیہ کے طور پر "اصول بزدوی" و "تفسیر کشاف" پڑھی، یہی وجہ ہے کہ قاضی صاحبؒ اپنے دور کے فاضل اجل و عالم بے بدل ہو کر جگمگائے۔

(۳) سلوک و تصوف

تعلیم سے فراغت کے بعد قاضی عبدالمقتدرؒ نے سلوک و تصوف کی وادی میں قدم رکھا، دولت ظاہری کے حصول کے بعد نعمت باطنی کی طرف خاص توجہ فرمائی، کیونکہ آپ نے آنکھیں ہی کھولی تھیں ایسے پاکیزہ معاشرہ میں جہاں سند فراغ (نصابی و کتابی علوم) کے بعد تزکیۂ قلب ضروری تھا اور جہاں قدم قدم پر علمی ہی نہیں عملی تعلیم و اسوہ نے آپ کو "ذوق آگہی" کا خزینہ اور بادۂ الفت خداوندی کا ایک جرعہ چکھا دیا تھا، جس کے آگے دنیا کے سارے تزک و احتشام ہیچ در ہیچ ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس خزانۂ عامرہ کے بغیر اور لطافت روح و ذوق تصرف کے بغیر صرف ظاہری کمال ہوتی ہے

بے آب کے پھول ہے بغیر خوشبو کے اور شکر ہے بغیر مٹھاس کے، لہٰذا اس کی اہمیت و افادیت کو محسوس کرتے ہوئے شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ نے تو دوران تعلیم ہی اپنے قلب و نظر سے توجہ فرمادی تھی، تعلیمی فراغت کے بعد حضرت چراغؒ سے بیعت ہوگئے اور بڑی تیزگامی سے منزل طریقت کو طے کرلیا، یاد خدا اور ذکر الٰہی کی دولت لازوال نصیب ہوگئی، تصفیہ قلب و جلائے روح حاصل ہوا تو خلافت سے سرفراز کردئے گئے، کیا کہنے ہیں اس عظیم مجاہدے اور ریاضت کے جن کے آئینہ میں قاضی عبدالمقتدرؒ کی رفیع المرتبت ہستی کو چار چاند لگ گئے اور اصطلاح صوفیا میں بخاتیت وجمعیۃ کی حامل ہوگئی اور چمن کیا چمن کی بہاروں میں چہکنے "۔

(۴) کمالات اور کارنامے

اس حقیقت تردیں کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں کہ انسان کی عظمت وشرف و کرامت اس کے کمالات ہی کے آئینہ میں اجاگر اور نمایاں ہوتی ہیں، اس کا کردار و کارنامہ ہی امتیازی شان و خصوصیات کو عیاں کرتا ہے، چنانچہ قاضی العلامۃ، فصیح اللسان قاضی عبدالمقتدرؒ کی بلند و بالا ہستی بھی کردار کا مظہر رہی۔

عصر حاضر کے مؤرخ اسلام قاضی محمد اطہر مبارکپوری تو کہتے ہیں کہ :-

"قاضی عبدالمقتدرؒ اپنے دور میں دہلی کی جامع ترین شخصیت تھے علوم نقلیہ وعقلیہ کے ماہر تھے، ادب و فصاحت و بلاغت اور جودت طبع میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے "۔

مولوی رحمان علی صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"دانشمند و فیاض و درویش کامل "۔

مفتی غلام سرور لاہوریؒ خامہ ریز ہیں کہ :-

شیخ عبدالمقتدر قدس سرہٗ از اعاظم خلفاء شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی است دانشمندے، عالم، و عامل و درویش صاحب باطن و کامل بنہایت فصیح و بلیغ بود۔

شیخ عبدالمقتدر قدس سرہٗ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کے خلفاء کبار میں سے ہیں، دانشمند، عالم باعمل اور صاحب باطن درویش کامل تھے، بڑے فصیح اللسان بلیغ الکلام تھے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نور اللہ مرقدہٗ نے بھی یہی بیان دیا ہے وغیرہ تمام محقق مورخین قاضی عبدالمقتدرؒ کی فصاحت و بلاغت اور صاحب باطن درویش کامل ہونے کی

عقل و دانائی پر مشتمل ہیں۔ آگے شیخ محدث دہلوی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں :-

"قاضی عبدالمقتدرؒ ہمیشہ درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے اور شیخ نصیر الدین محمودؒ اور ان کے اکثر خلفاء کا یہی طریقہ تھا۔"

قاضی اطہر مبارک پوری لکھتے ہیں :-

"قاضی عبدالمقتدرؒ نے اپنے اسلاف کے طریقہ پر پوری زندگی علوم شرعیہ اور فنون ادبیہ و عقلیہ کی تدریس میں بسر کی۔"

دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی اشارہ کیا ہے کہ :-

"آپ کا اکثر وقت افادۂ علم میں گذرتا تھا۔"

ان حقائق و تصریحات کی روشنی میں "قاضی عبدالمقتدرؒ" کی شخصیت عیاں ہو کر رہی اور یہ تابناک منظر اجاگر ہو کر رہا کہ موصوفؒ نے اپنے آپ کو اشاعت علوم و افادۂ درس کے لئے وقف کر دیا تھا۔

(۵) تلامذہ

چنانچہ آپ کی درس گاہ سے مایۂ ناز و نامی گرامی چیدہ و چنیدہ علماء کا ایک بہار آفریں قافلہ نکلا، جس نے غیر منقسم ہندوستان یا تحتی بر اعظم میں اپنے فضل و کمال کا سکہ رواں کر دیا۔

قاضی صاحبؒ کے اصل جانشین اور باعث صد افتخار پوتے "شیخ ابوالفتح سونبرسی جون پوریؒ" نے تو اپنے دور میں جد مکرمؒ کی یاد تازہ کر دی تھی، ان کی شیریں بیانی، قادر الکلامی، فصاحت و بلاغت، بذلہ سنجی، سے حاضرین و سامعین کو "قاضی عبدالمقتدرؒ" ہی گوہر فشاں معلوم ہوتے تھے، عوام و خواص سے کہ اس چشمۂ شیریں کی طرف کھنچے چلے آرہے تھے اور اس دریائے فیض نے بھی پہلے دہلی کو سیراب کیا اور تیموری فتنہ کے بعد جون پور کو اپنی نفحات قدسی صفات کی چمک دمک سے کہکشاں بنا دیا تھا، قاضی عبدالمقتدرؒ نے عظیم پوتے کو جو نصیحت کی تھی وہ زندگی کے آخری لمحوں تک پوری ہی کرتے رہے، رحمۃ اللہ علیہما و قدس اللہ سرہما۔

دوسرے مایۂ ناز شاگرد رشید اور دیار پورب کو جگمگا دینے والے ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ ہیں، تحصیل علم کے دوران ایک بار دولت آبادیؒ کو کہیں سے قیمتی سونا زر مل گیا تھا جسے وہ بحفاظت گھر لے گئے اور تنہائی میں اپنی والدہ ماجدہ سے کہا کہ اسے گھر کے اندر کہیں مخفی کر دینا چاہئے۔

مولانا قاضی عبدالمقتدرؒ کی خدمت بابرکت میں ملک العلماء کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی، ۔۔۔ حصول زر کے بعد جب حاضری ہوئی تو اشتغال تدریس قاضی عبدالمقتدرؒ نے برجستہ ارشاد فرمایا کہ تم تو "سونا" دفن کرنے کے خیال میں ہو، بھلا علم کے ساتھ کیسے نبھ سکتا؟

اور جب استاد نے مس خام کو کندن بنایا تو دولت آبادیؒ کے اندر وہ ذوق و شوق طلب و جستجو، قابلیت و استعداد پیدا ہو گئی کہ قاضی عبدالمقتدرؒ فخریہ انداز میں فرماتے تھے کہ

"میرے پاس ایک ایسا طالب علم آتا ہے کہ جس کا چمڑا ہڈی اور مغز سب علم ہی علم ہے" اس ارشاد گرامی سے مراد قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ ہوتے تھے۔ (۱۵)

یعنی علمی استغراق کا یہ عالم تھا کہ حصول علم کے لئے ہمہ تن یک سو ہو کر جی جان سے لگے ہوئے تھے، کہ سوائے علمی مشغلہ کے کسی اور مشغلہ کا رخ ہی نہیں کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ دیار پورب کے افق سے ملک العلماء بن کر نمودار ہوئے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ تو ملک العلماء کے تذکرہ میں بے خود ہو گئے، قلم رقص میں آ گیا، بے ساختہ ارقام فرمایا ہے کہ:۔

اما شہرتے و قبولے کہ حق تعالیٰ اورا عطا کرد ہیچ کس را از اہل زمان او نکرد۔ — اللہ تعالیٰ نے جو شہرت و قبولیت کہ اس دور میں قاضی دولت آبادیؒ کو عطا فرمائی اس وقت کے اہل زمانہ میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔

اور تیموری حملہ کے بعد قاضی دولت آبادیؒ نے جب "جون پور دارالسرور" میں قیام فرمایا ہے تو اس "چشمہ فیض" کا نقشہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کھینچا ہے، فرماتے ہیں کہ:۔

"اُن (قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ) کے فضل و کمال سے مشرق کی ساری سرزمین لہلہا اٹھی، کڑہ سے لے کر غازی پور تک یکساں ان کا فیض جاری ہوا۔"

اور حضرت شیخ المشائخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو جملہ ارشاد فرمایا ہے وہ تاریخ کے روشن اوراق کی زینت ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

"قاضی شہاب الدین دولت آبادی رحمۃ اللہ علیہ استاذ الشرق والغرب مانے گئے۔"

تیسرے شاگردِ رشید و تلمیذِ سعید "قاضی نصیر الدین گنبدی جونپوریؒ" ہیں، جن کے متعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ:۔

"آپ بڑے دانشمند بزرگ تھے، دنیا اور اہلِ دنیا سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے"

جناب اقبال احمد جون پوری کہتے ہیں کہ:۔

"شروع بعہد ملک الشرق "قاضی جونپور" اور بادشاہ کی نظرِ عنایت بہت زیادہ تھی، بالآخر نمائش دنیا سے آپ کو نفرت ہوئی اور حجرہ میں بیٹھے تو باہر نہ آئے، اسی وجہ سے آپ کو "گنبدی" کہتے ہیں، بجز "تصفیۂ قلب و اشتغالِ باطنی" یا درس و تدریس علوم دینیات کے دوسرا کام نہ تھا، آپ بجز فقر و فاقہ اور کوئی اسباب نہ رکھتے تھے۔ الخ"

حضرت شیخ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:۔

"آپ کے طالب علم آپ کی خانقاہ کی زنجیر پکڑ کر کھڑے رہا کرتے تھے تاکہ فاقہ اور ضعف کی وجہ سے گر نہ جائیں، منقول ہے کہ قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ نے کافیہ کا حاشیہ لکھ کر آپ کی طرف بھیجا اور درخواست کی کہ اس میں کچھ اضافہ فرمادیں تاکہ اور بھی زیادہ مفید ہوجائے، آپ نے کثرتِ مشاغل یا بحث و نزاع کے سدباب کے لئے اس پر سرسری نظر ڈال کر لکھا کہ:۔

"آپ نے یہ کتاب بہترین لکھی ہے اس میں مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے"

آپ کا مزار جون پور میں ہے، نوراللہ مرقدہٗ ورحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ (آدم بزم اص ملخصاً) اگر شاگرد استاذ کا عکس ہوتا ہے، تلمیذ معلم کا آئینہ ہوتا ہے نیز یہ حقیقت ہے تو یہ تلامذہ یقیناً قاضی عبدالمقتدر کے علمی کمالات و باطنی جوہر کے آئینہ دار ہیں، جو خود مستقل ایک دلیل ہے عظمت و کمال کی۔

قاضی عبدالمقتدرؒ کی خوش گفتاری و شیریں بیانی آپ کے ادبی لطائف و ذوقِ شعر گوئی بھی تاریخی مسلمات میں سے ہے۔

مولوی رحمان علی صاحب لکھتے ہیں کہ :-

بیت فصیح وبلیغ بود قصائد وغزلیات
رد، قصیدۂ او کہ در معارضہ لامیۃ العجم
ح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گفتہ
لت دارد بر کمال فصاحت۔

قاضی عبدالمقتدرؒ بہت فصیح وبلیغ عالم دین تھے، غزلیں اور قصیدے آپ کے تاریخ کے اوراق کی زینت ہیں، وہ قصیدہ جسے قاضیؒ نے لامیۃ العجم کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک میں کہا ہے آپ کی کمال فصاحت وبلاغت پر لت کرتا ہے۔

قاضی محمد اطہر مبارک پوری خامہ ریز ہیں کہ :-

" ادب، فصاحت، بلاغت اور جودت طبع میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ان کا قصیدہ نعتیہ لامیہ جو قصیدہ لامیۃ العجم کے جواب میں ہے، ان کی قادر الکلامی فصاحت، بلاغت، ادبیت اور شاعری کے ذوق لطیف پر شاہد عدل ہے"

حضرت شیخ محدث دہلویؒ نے آپ کے نعتیہ قصیدہ کو نقل فرمایا، نمونۃً اور تبرکاً دو شعر ہدیۂ ناظرین ہیں :-

مد خیر خلق اللہ قاطبۃ	ھو الذی جل عن مثل ومشل
المزایا بلا نقص ولا شبہ	ولہ العطایا بلا من ولا بدل

ازیں علاوہ آپ کی دوسری تالیف " مناقب الصدیقین " کا پتہ چلتا ہے، حضرت شیخ عبدالحق دث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ :-

یکے از معتقدان ایشاں کتابے نوشتہ
ست، مسمی بہ مناقب الصدیقین مشتمل
احوال جمیع مشائخ چشت در آنجا از
حوال وکرامات او بسیار نوشتہ۔

قاضی عبدالمقتدر کے مریدین میں سے کسی مرید نے " مناقب الصدیقین " نامی کتاب لکھی ہے جس میں مشائخ چشت کے حالات بیان کئے ہیں، اس کتاب میں قاضی عبدالمقتدرؒ کے احوال وکرامات کا کافی تذکرہ ہے۔

حضرت شیخؒ کے مذکورہ بیان سے تو یہی اشارہ ملتا ہے کہ مناقب الصدیقین میں قاضی صاحبؒ کے حالات درج ہیں، کتاب خود ان کی مرتب کردہ نہیں ہے، چنانچہ معروف نشاپر دانا ہد محقق تاریخ محترم جناب صباح الدین عبدالرحمن صاحب تک کو اس سے

مغالطہ ہو گیا ہے، انھوں نے تو کتاب مذکور کو قاضی صاحبؒ ہی کی جانب منسوب کیا ہے مگر دوسرا تاثر دے دیا ہے یعنی لکھتے ہیں کہ:۔

"(مولانا عبد المقتدرؒ نے) مناقب الصدیقین میں اپنے مرشد کے فضائل تحریر کئے ہیں"

یعنی کتاب کے مرتب تو خود قاضی صاحب موصوف ہی ہیں مگر اس میں اپنے پیر و مرشد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کے فضائل و کمالات کو تحریر فرمایا ہے۔

مفتی غلام سرور لاہوریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

کتاب مناقب الصدیقین کہ از تالیف اوست۔	مناقب الصدیقین کتاب قاضی صاحبؒ ہی کی تالیف ہے۔

فاضل جلیل مولانا فقیر محمد جہلمی ثم لاہوریؒ بھی کہتے ہیں کہ:۔

"مناقب چشت میں ایک کتاب مناقب الصدیقین تصنیف کی ہے"

تذکرہ نگار محمد ارشد اعظمی کا ذوق یہ کہتا ہے کہ "مناقب الصدیقین" قاضی عبد المقتدر کی ترتیب یا تالیف و تصنیف بایں طور ہوگی کہ آپ کے مجلسی ارشادات اور درسی افادات نیز وقتاً فوقتاً کے فرمودات ہوں گے جسے اُن باصفا مرید نے جمع کیا ہوگا، بعد ازاں مریدین و تلامذہ کے جذبۂ محبت و عقیدت کا لحاظ کرتے ہوئے قاضی عبد المقتدرؒ کے حالات و کرامات کا اضافہ فرمادیا ہوگا، اور ایسا ہوتا ہے، کوئی حیرت انگیز و تعجب خیز بات نہیں ہے۔

تذکرہ نگار کے ان خیالات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شیخ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ:۔

شیخ ابو الفتح کتاب از ملفوظات جد خود جمع کردہ است۔	شیخ ابو الفتح جون پوریؒ نے اپنے دادا محترم کے ملفوظات جمع کرکے ایک کتاب ترتیب دی ہے۔

لہٰذا اب قرین قیاس یہی ہے کہ جمع و ترتیب کا کام انجام دینے والے وہ مرید باصفا اور خلیفۂ صادق شیخ ابو الفتح جون پوریؒ ہی ہوں گے اور وہ ملفوظات بنام مناقب الصدیقین ہوں گے، جس میں مشائخ چشت کے حالات و کمالات کے تذکرے ہوں گے اور کہیں [illegible] کردی ہوگی کہ جد مکرم کا حال عظیم پوتے نے الحاقاً ذکر کرکے شامل کتاب کر دیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

تیسری کتاب "میزان المنطق" ہے جو فن منطق میں ایک مختصر رسالہ ہے، شیخ عبدالواحد شاہدی بلگرامیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ:-

"یہ کتاب یعنی "میزان المنطق" صاحب قصیدہ لامیہ قاضی عبدالمقتدرؒ شریحی استاذ شہاب الدین دولت آبادیؒ کی لکھی ہوئی ہے۔"

یہ مختصر رسالہ مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہے، اور قاضی صاحبؒ نے اسے ابتدائی عربی درجہ کے طالب علموں کے لئے لکھا ہے جو اپنی سلاست و سہل الحصول اور افادیت میں اپنی آپ نظیر ہے۔

(۶) قول زریں

آپ کے ملفوظات واقوال زریں نہایت کارآمد و مفید اور نفع بخش ہوتے تھے یہ ایک حقیقت ہے کہ ان علمائے حقانی و بزرگان دین کے یہاں شریعت وطریقت کی جامعیت ملتی ہے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ رقمطراز ہیں کہ:-

وصیت او بطالبان اشتغال علم وحفظ شریعت بود، گفتے فکر دریک مسئلہ شرعی فضل دارد بر ہزار رکعتے کہ مشوب بعجب و ریا کنند۔

قاضی عبدالمقتدرؒ طالب علموں کو علم میں مشغولیت اور شریعت کی حفاظت وپاسداری کی تاکید فرماتے تھے، موصوفؒ کا یہ زریں ارشادِ گرامی تھا کہ:- "ایک مسئلہ شرعی میں غور وفکر کرنا ایسی ہزار رکعت نوافل پر فوقیت رکھتا ہے جس میں ریا کا شائبہ اور خواہشات نفسانی کی آمیزش ہو۔

اس وصیت ونصیحت کا یہ اثر تھا کہ آپ کے خصوصی وہمہ دم کے حاضر باش تلامذہ طریقت میں قدم راسخ رکھنے کے ساتھ شریعت مطہرہ کے حامل اور فقہی مسائل کے بحر ناپیدا کنار رہتے اور اپنے ہر قول وفعل کو شریعت کی میزان میں تولتے رہتے ؎

در کفے جام شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

جو یقیناً دلیل کمال ہے، اور بڑی تیز گامی سے رہ نوردانِ راہ خدا کو کامیابی اور فائز المرامی کی طرف لے جاتا ہے۔

(۷) وصال ومدفن

ساری زندگی قاضی صاحبؒ نے ایمانی وعرفانی، علمی وعملی، باطنی فیوض وبرکات سے بندگانِ خدا وتشنگانِ علوم کو سیراب فرمایا اور ۷۹۱ھ محرم الحرام میں دنیا سے پردہ فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قاضی عبدالمقتدرؒ اور آپ کے والدِ محترم کے مزار خواجہ قطب الدین بختیار کاکی
کے حریم میں ہے۔ نوراللہ مرقدہما۔ "نورِ سعادت" تاریخ وفات ہے۔

فہرست مآخذ و مصادر

۱؎ اخبار الاخیار ص ۱۷۵، ۲؎ خزینۃ الاصفیاء ص ۳۷۵ ج ۱
۳؎ تذکرہ علماء ہند ص ۱۳۳، اور رسالہ معارف اعظم گڈھ، اپریل ۱۹۷۱ء ۴؎
معارف مذکور ۵؎ اخبار الاخیار ص ۱۵۶، ۶؎ ایضاً معارف مصدر سابق، ۷؎ حاصل
از کتب اخبار الاخیار ص ۱۵۰ و تذکرہ علماء ہند ص ۱۳۳ و خزینۃ الاصفیاء ص ۳۷
۸؎ معارف مصدر سابق، ۹؎ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۳۳، ۱۰؎ خزینۃ الاصفیاء ص
۱۱؎ اخبار الاخیار ص ۱۵۰، ۱۲؎ معارف حوالہ سابق، ۱۳؎ تذکرۃ المصنفین ص
۱۴؎ ۱۵؎ ۱۶؎ اخبار الاخیار ص ۱۵۰، ص ۱۵۱، ص ۱۸۰
۱۷؎ ہندوستان کے سلاطین و علمائے مشائخ کے تعلقات ص ۱۶
۱۸؎ ماہنامہ معارف اعظم گڈھ، جون ۱۹۷۱ء
۱۹؎ اخبار الاخیار ص ۳۹۲ (اردو ترجمہ)
۲۰؎ تاریخ شیراز ہند جون پور (کتب خانہ مدرسہ مطلع العلوم بنارس)
۲۱؎ اخبار الاخیار اردو ترجمہ ص ۳۹۲، ۲۲؎ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۳۳
۲۳؎ رسالہ معارف ماہ اپریل ۱۹۷۱ء شہر اعظم گڈھ
۲۴؎ ۲۵؎ اخبار الاخیار ص ۱۵۱ و تذکرہ علمائے ہند ص ۱۳۳، ۲۶؎ بزم صوفیہ ص
۲۷؎ خزینۃ الاصفیاء ص ۳۲۸ ج ۱، ۲۸؎ حدائق الحنفیہ ص ۳۰۰
۲۹؎ اخبار الاخیار فارسی ص ۱۷۵
۳۰؎ سبع سنابل (تصوف) مندرجہ در تذکرۃ المصنفین ص ۵۸
۳۱؎ اخبار الاخیار ص ۱۵۱ و تذکرہ علمائے ہند ص ۱۳۳ و خزینۃ الاصفیاء ص ۳۷
۳۲؎ " " " " "
۳۳؎ " " " " "
۳۴؎ حدائق الحنفیہ ص ۳۰۰

اسلام میں دعا کی اہمیت

مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی

دعا کی لغوی و اصطلاحی تحقیق

لغت میں دعا ندا کے ہم معنی ہے کہتے ہیں دعوت زیدا ای نادیتہ" میں نے زید کو پکارا۔ البتہ دونوں کے طریق استعمال میں فرق ہے کہ ندا تو کبھی بغیر نام لئے یا اور ایا کے ساتھ ہوتی ہے اور دعا میں مدعو کا نام لینا ضروری ہوتا ہے، ہاں مجازاً کبھی کبھی دعا کو بجائے ندا اور ندا کو بجائے دعا بھی استعمال کرتے ہیں، علاوہ ازیں دعا نام لینے اور نام رکھنے کے معنی میں مستعمل ہے

(المفردات فی غریب القرآن للامام راغب ص ۱۶۹)

اصطلاح میں دعا کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے۔

الابتہال والتضرع الی اللہ تعالیٰ بالسوال فی تحقیق المطلوب۔

عاجزی و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنی مراد مانگنا۔

ان معانی کے علاوہ قرآن حکیم میں دعا بمعنی عبادت بھی متعدد مقامات میں آیا ہے، بلکہ حسب تصریح علامہ ابن القیم الجوزی دعا بمعنی سوال و دعا بمعنی عبادت میں باہم تلازم ہے، یعنی ایک دوسرے کے مفہوم کو لازم ہے، چنانچہ علامہ موصوف آیت پاک "ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ انہ لا یحب المعتدین ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا وادعوہ خوفا وطمعا۔ ان رحمت اللہ قریب من المحسنین" کے تحت رقمطراز ہیں:

ہاتان الآیتان مشتملتان علی آداب نوعی الدعاء دعاء العبادۃ ودعاء المسئلۃ فان الدعاء فی القرآن یراد بہ ھذا تارۃ وھذا تارۃ

مندرجہ بالا دونوں آیتیں دعا کی دونوں قسمیں دعاء عبادت و دعاء سوال کے آداب پر مشتمل ہیں، قرآن حکیم میں دعا سے کبھی سوال مراد ہوتا ہے اور کبھی عبادت اور کبھی دونوں کا

وہوادعیہ مجبور عبادہ ماستلازمان (بدائع الفوائد للامام ابن القیم صلا ج ۳)

مجموعہ اور دعاء سوال ودعاء عبادت ایک کو لازم ہیں۔

چونکہ دعاء سوال میں دعاء مانگنے والا اپنے نفع کے لئے سوال کرتا ہے یا مضرت کو دفع کی التجا کرتا ہے اور جو ذات نفع وضرر کی مالک ہو معبود حقیقی وہی ہوگی، جس کا لازمی نتیجہ یہی کہ معبود کے لئے نفع وضرر کا مالک ہونا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے مشرکین کی اس بات پر مذمت کی ہے کہ وہ ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو اپنے نفع ونقصان پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتیں، ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات۔

۱- ا تعبدون من دون اللہ مالا ینفعکم شیئاً ولا یضرکم اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ افلا تعقلون

کیا پھر تم پوجتے ہو اللہ کے سوا اس چیز کو جو نہ تمہارا کچھ بھلا کرے اور نہ برا۔ میں بیزار ہوں تم سے اور اس چیز سے جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو کیا تم کو سمجھ نہیں۔

۲- ویعبدون من دون اللہ مالا یضرھم ولا ینفعھم

اور پرستش کرتے ہیں اس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے ان کو اور نہ نفع۔ پ ۱۱ رکوع

۳- ولا تدع من دونہ مالا ینفعک ولا یضرک

اور مت پکارو اللہ کے سوا اس چیز کو جو تجھ کو نہ نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان۔

(پارہ ۱۱- رکوع ۱۵

قرآن حکیم میں اس مضمون کی بہت سی آیات ہیں بغرض اختصار صرف تین پر اکتفا کیا گیا۔

غیر اللہ سے دعاء، انسان فطری طور پر اپنی حوائج وضروریات کے وقت اپنے سے قوی ہستی کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور تحصیل وتکمیل دعا کے لئے دست سوال دراز کرتا ہے، لیکن مومنین صادقین کے علاوہ دیگر مذاہب

محرومی وگمراہی ہے

وادیان کے ماننے والے اس قوی تر ہستی کے انتخاب میں صحیح راہ سے بھٹک گئے ہیں، کسی نے اپنی حاجت روائی کے لئے آگ کے گرد چکر کاٹا اور اسے پکارنا شروع کر دیا، کسی نے نور وظلمت کو اپنی دعاء ومناجات کا مرکز قرار دیدیا اور کسی نے خود اپنے ہاتھوں تراشے ہوئے اصنام واوثان سے اپنی حاجت برآری متعلق کر دی۔ اللہ جل شانہ نے

ان تمام لوگوں کی اس فکری ضلالت اور حرماں نصیبی کو قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر واضح اور دل نشین دلائل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ مثلاً یہ آیت

یاایھا الناس ضرب مثل	اے لوگو ایک مثل بیان کی گئی ہے سو اس کو
فاستمعوا لہ ان الذین تدعون	غور سے سنو، جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے
من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا	سوا، ہرگز نہ بنا سکیں گے وہ ایک مکھی
ولو اجتمعوا لہ	اگرچہ سارے جمع ہو جائیں، اور اگر کچھ
ان یسلبھم الذباب	چھین لے ان سے مکھی چھڑا نہ سکیں گے
شیئا لا یستنقذوہ منہ	وہ اس سے، بودا ہے چاہنے والا اور
ضعف الطالب والمطلوب	جن کو چاہتا ہے۔ (پ۱۷ رکوع ۱۶)

ان ظلمت پسند مادہ پرست مشرکین کے برخلاف اللہ کے جو مخلص بندے اللہ تعالیٰ کے سامنے دست سوال پھیلاتے ہیں اور اپنے درد والم کا مداوا اسی سے چاہتے ہیں، قبولیت دعا کی بشارت کے ساتھ ان کی مدح و تحسین کی گئی ہے چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام کی قبولیت دعا کو کس دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے ملاحظہ ہو ذیل کی آیت پاک۔

وزکریا اذ نادیٰ ربہ	اور زکریا کو، جب پکارا اس نے اپنے
رب لا تذرنی فردا	رب کو، اے رب نہ چھوڑ مجھ کو اکیلا
وانت خیر الوارثین	اور تو سب سے بہتر وارث ہے، پھر
فاستجبنا لہ ووھبنا لہ	ہم نے سن لی اس کی دعا اور بخشا اس کو
یحییٰ واصلحنا لہ زوجہ انھم	یحییٰ، اور اچھا کر دیا اس کی عورت کو
کانوا یسارعون فی الخیرات	وہ لوگ دوڑتے تھے بھلائیوں پر اور
ویدعوننا رغبا ورھبا	پکارتے تھے ہم کو توقع سے اور ڈر سے
وکانوا لنا	اور وہ ہمارے سامنے عاجز تھے۔
خاشعین۔	(پ۱۷ رکوع ۶)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعا پسند کرتا ہے

چونکہ رب کریم اپنے بندوں کے سوال سے خوش ہوتا ہے اس لیے جو اس سے سوال نہیں کرتا اس سے وہ ناخوش ہوتا ہے

نبی صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من لم یسئل اللہ یغضب علیہ (رواہ الترمذی)

جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا رب العزت اس سے ناخوش ہوجاتا ہے۔

اسی لیے قرآن حکیم میں دعا مانگنے کا حکم بار بار آیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

(۱) قال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین۔ (الغافر)

اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو، میں تمہاری پکار کو قبول کروں گا، بیشک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، اب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہوکر۔ (پ۲۴ ع۱۰)

(۲) واذا سألك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوالی ولیومنوابی لعلھم یرشدون (البقرہ)

اور جب آپ سے سوال کرے میرا بندہ میرے بارے میں (تو آپ کہدیجئے) میں قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا کرنے والے کی دعا کو جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے، لہذا چاہیئے کہ وہ میرا کہا مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ راہ یاب ہوں۔

(۳) ادعو ربکم تضرعا وخفیہ انہ لا یحب المعتدین ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا وادعوہ خوفا وطمعا ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین (الاعراف)

پکارو اپنے رب کو عاجزی اور پوشیدگی سے یقیناً وہ حد سے تجاوز کرنے والے کو پسند نہیں کرتا، اور زمین میں فتنہ نہ پھیلاؤ اس کے درست ہوجانے کے بعد اور پکارو اللہ کو خوف و امید کے ساتھ یقیناً اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔

ان آیات میں صریح طور پر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے اور اس کے سامنے عجز و انکساری کے ساتھ دست سوال دراز کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دعا سے استکبار کرنے والوں کی جہنم کی وعید سنائی گئی ہے، اسی کے ساتھ دعا کی جانب رغبت دلانے کے لیے متعدد حضرات انبیاء کرام کی دعاؤں اور ان کی قبولیت کا تذکرہ بھی نہایت اہتمام سے کیا گیا ہے، ان جملہ امور سے روز روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے

کہ کثرت دعا اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہے ، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فتح لہ باب الدعاء فتحت لہ ابواب الرحمۃ الخ (اخرجہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے دعا کی توفیق عطا کی گئی اس کے لئے رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا ۔

دعا افضل ہے یا سکوت و رضا

ایک بندۂ مومن کے لئے کیا یہ بہتر اور افضل ہے کہ دفع مضرت یا جلب منفعت کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے جو مالک نفع و ضرر ہیں دعا اور سوال کرے یا جس حالت پر وہ ہے اس سے راضی رہتے ہوئے سوال و دعا سے خاموش رہے ۔ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے امام الصوفیہ شیخ ابوالقاسم القشیری اپنے مشہور رسالہ میں لکھتے ہیں کہ علماء کی آراء اس سلسلے میں مختلف ہیں ، بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ دعا افضل ہے کیونکہ حدیث پاک "الدعاء ھو العبادۃ" سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا عبادت ہے اور عبادتِ خداوندی بہرحال مطلوب و مقصود ہے ، علاوہ ازیں دعا کے ذریعہ بندہ مالک کے سامنے اپنے افتقار و احتیاج کا اظہار کرتا ہے جو بنص حدیث اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے ، بعض حضرات اسکے قائل ہیں کہ آقا کی طرف سے جو بھی پیش آئے اس پر راضی رہنا ہی تقاضائے عبودیت ہے اس لئے دعا کے بجائے سکوت و خمود بہتر ہے ، اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ زبان سے تو دعا کرے لیکن قلب سے راضی برضائے مولیٰ رہے تاکہ تقاضائے عبودیت کے ساتھ امر دعا کی تعمیل بھی ہو جائے ۔

علماء کے ان تینوں اقوال کو پیش کرنے کے بعد امام قشیری نے اپنی رائے یوں ظاہر فرمائی ہے کہ علی الاطلاق نہ دعا و سوال افضل ہے اور نہ تسلیم و رضا بلکہ احوال و اوقات کے لحاظ سے کبھی دعا افضل قرار پائے گی اور کبھی سکوت و رضا بہتر ہوگا ۔ پھر فرماتے ہیں کہ اگر قلب میں دعا کا داعیہ پایا جائے تو اس حالت میں دعا کرنا ہی بہتر ہوگا اور جس وقت قلب میں سکوت و خمود کا اشارہ محسوس ہو تو ایسی صورت میں سکوت افضل ہوگا ، اسی طرح اگر دعا سے عامۃ المسلمین کا نفع متعلق ہو تو اس وقت دعا کو افضل قرار دیا جائے گا اور جب

دعا سے صرف اپنی ذات کا نفع ہو تو اس وقت سکوت کو بہتر کہا جائے گا۔ الاذکار للنووی ج

لیکن آیت کریمہ "قال ربکم ادعونی استجب لکم" اور احادیث پاک "الدعاء هو العبادة" اور "من فتح له باب الدعاء فتحت له ابواب الرحمة" کی روشنی میں راقم کے نزدیک قول اول ہی راجح ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

شرائط دعا

قبولیت دعا کے لئے علماء نے قرآن وحدیث کی روشنی میں کچھ شرائط و آداب بیان کئے ہیں، داعی جب ان شرائط و آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے دعا کرتا ہے تو وہ شرف قبولیت سے ہمکنار ہوتی ہے ورنہ وہ دعا رد کر دی جاتی ہے۔ اس لئے دعا کرنے والوں کو دعا سے پہلے اور دعا کرتے وقت ان کا اہتمام نہایت ضروری ہے تاکہ وہ دعا صحیح معنوں میں دعا قرار پائے اور قرآن وحدیث میں اس کے جو ثمرات اور فوائد مذکور ہیں وہ حاصل ہوں۔

(۱) دعا سے پہلے اپنے ظاہر و باطن کو گناہوں کی نجاست سے توبہ واستغفار کے ذریعہ پاک کرلے، اور جہاں تک ہوسکے ذکر اللہ کی کثرت کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر جملہ اعمالِ صالحہ کی اصل ہے، ذکر اللہ سے نفس میں جلاء پیدا ہوتی ہے اور قلب وضمیر خواب غفلت سے بیدار ہو جاتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اتل ما اوحی الیک من الکتاب واقم الصلوٰة ان الصلوٰة تنھی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر واللہ یعلم ما تصنعون (العنکبوت)	آپ تلاوت کیجئے اس کتاب کی جو آپ کی طرف نازل کی گئی اور قائم رکھیے گا نماز بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بُری بات سے اور یقیناً اللہ کی یاد سب سے بڑی ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ (پ ۲۱ ع ۱۴)

یعنی اللہ جل شانہٗ کا ذکر بے حیائی کے کاموں اور گناہوں سے روکنے میں نماز سے زیادہ مؤثر ہے، اس لئے کہ ذاکر جب اپنے قلب کو ذکر اللہ کی جانب متوجہ کرتا ہے اور زبان کو ذکر میں مشغول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے نور سے ڈھانک لیتے ہیں جس سے اس کے ایمان ویقین میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے اور یہی ایمان کی پختگی اور یقین کی مضبوطی انسان کو معصیت سے روکتی ہے، اس لئے تزکیۂ نفس کے لئے

راللہ کی کثرت کرے تاکہ قلب گناہوں کی ظلمت و نحوست سے پاک و صاف ہو کر رحمت وندی کا مستحق ہو جائے۔

) اپنے کھانے پینے اور لباس میں حرام کی آمیزش اور اختلاط سے بچتا رہے ں لئے کہ کھانے پینے یا لباس کے حرام ہونے سے دعا رد کر دی جاتی ہے حضرت ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ :

ن رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم یا ایہا الناس ان للہ طیب لا یقبل الا طیبا ن اللہ تعالیٰ امر المومنین بما امر بہ المرسلین فقال تعالیٰ " یا ایہا الرسل کلوا من الطیبت واعملوا صالحا۔ وقال تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا کلو من طیبت مارزقناکم ثم ذکر الرجل یطیل السفر اشعث اغبر یمد یدیہ الی السماء و یقول یا رب یا رب ومطعمہ من حرام ومشربہ من حرام وملبسہ من حرام وغذی بالحرام فانی یستجاب لہ

(اخرجہ امام مسلم والترمذی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے لوگو اللہ تعالیٰ خود پاکیزہ ہیں پاکیزہ شی ہی قبول فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اسی بات کا مومنین کو حکم دیا ہے جس کا حکم اپنے برگزیدہ رسولوں کو دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے رسولو کھاؤ حلال اور ستھری چیزیں اور اچھے عمل کرو اور فرمایا اے مومنو کھاؤ حلال پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دی رکھی ہیں (اس تمہید کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر کیا کہ طویل سفر کی بنا پر پریشان بال گرد آلود ہے (یعنی اس کے سراپا سے پریشان حالی ظاہر ہو رہی ہے) آسمان کی جانب ہاتھ پھیلائے دعا مانگ رہا ہے، حالانکہ اس کی غذا حرام اس کا پینا حرام اور اس کا لباس حرام ہے اور حرام ہی سے اس کی پرورش ہوئی ہے، پھر کیوں کر اس کی دعا قبول ہو سکتی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عرض کیا! حضور صلی اللہ

علیہ وسلم) میرے لئے دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوۃ بنا دے، تو آپ نے ان کے جواب میں فرمایا "یا سعد اطب مطعمک تستجب دعوتک" اے سعد حلال کھانے پر پابندی کرو تمہاری دعائیں قبول کی جائیں گی۔

اس لئے کہ حرام مال کے استعمال سے قلب مردہ ہو جاتا ہے اور اس پر ظلمت و اوہام کے دبیز پردے پڑ جاتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ رحمت سے دور ہو جاتا ہے، پھر دعا کی قبولیت کی گنجائش ہی کہاں رہ جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق علماء رجال لکھتے ہیں کہ وہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت میں "مستجاب الدعوۃ" کی حیثیت سے مشہور تھے۔

امام بخاریؒ و مسلمؒ نے ان کی دعا کی قبولیت کا ایک عجیب و غریب واقعہ حضرت جابر بن سمرہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ایک بار اہل کوفہ نے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ یہ نماز قاعدے سے نہیں پڑھتے، اس شکایت پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے پاس طلب کر کے صورت حال کے متعلق استفسار کیا (چونکہ حضرت سعدؓ پر یہ ایک اتہام تھا، جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا) اس لئے حضرت سعدؓ نے اس کی پر زور تردید فرمائی اور عرض کیا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق نماز پڑھتا ہوں، اور طریق سنت سے ادنیٰ کمی نہیں کرتا (اور اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا) میں عشاء کی پہلی دونوں رکعتوں کے قیام میں طویل اور آخر کی دونوں رکعتوں میں تخفیف کرتا ہوں۔

یہ تفصیل سنکر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کے متعلق ان لوگوں کا یہ ظن فاسد ہے، اور مزید تحقیق حال کے لئے کوفہ چند لوگوں کو بھیجا کہ جاکر اہل کوفہ سے صحیح صورت حال معلوم کریں۔

چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یہ فرستادہ حضرات کوفہ کی ایک

ایک مسجد میں جا کر معاملہ کی تحقیق کی۔ تمام اہل کوفہ نے بیک زبان اس الزام کی تردید کی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف کی۔

البتہ قبیلۂ بنی عبس کی مسجد میں ابو سعدہ اسامہ بن قتادہ نامی ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نمائندوں سے کہا کہ جب آپ حضرات مجھ سے شہادت طلب کر رہے ہیں تو سچی بات یہ ہے کہ سعد میں تین خرابیاں ہیں:

۱۔ یہ جہاد میں اسلامی لشکر کے ساتھ خود نہیں نکلتے۔
۲۔ مال غنیمت وغیرہ کی تقسیم میں مساوات کا لحاظ نہیں کرتے۔
۳۔ اور معاملات کے فیصلہ میں انصاف سے کام نہیں لیتے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ابو سعدہ کے ان الزامات کا جب علم ہوا، تو انھوں نے ان الزامات کی صفائی دینے کے بجائے اس معاملہ کو اللہ کے سپرد کرتے ہوئے یہ دعا فرمائی:

اللھم ان کان عبدک ھذا کاذبا قام ریاء و سمعۃ فاطل عمرہ واطل فقرہ وعرضہ للفتن

اے اللہ! اگر آپ کے اس بندے نے شہرت طلبی اور نام و نمود کی غرض سے مجھ پر یہ جھوٹے الزامات عائد کئے ہیں تو آپ اسے درازیٔ عمر، زیادتی فاقہ، اور ابتلائے فتنہ کی سزا دیجئے۔

حق جل مجدہ نے اپنے اس بندۂ مخلص کی دعا قبول فرمالی۔ چنانچہ

عبدالملک بن عمیر جنھوں نے اس واقعہ کو حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو سعدہ کو کوفہ کی گلیوں میں اس حال میں دیکھا ہے کہ، بڑھاپے کی وجہ سے اس کی بھویں آنکھوں پر گر گئی تھیں اور اس حال میں بھی وہ راہ میں گزرتی ہوئی باندیوں سے نظر بازی اور چھیڑ خوانی کیا کرتا تھا۔

(اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی بددعاؤں سے ہماری حفاظت فرمائیں)

❊ ❊ ❊

دعوتِ فکر و عمل

از۔ جناب مولانا کفیل احمد علوی کیرانوی

رقص کرتا تھا جہاں تیرے اشاروں پہ کبھی
رشک کرتا تھا ارم تیری بہاروں پہ کبھی
تھے ترے نقش قدم چاند ستاروں پہ کبھی

عبرت انگیز ہے پر آج ترا حالِ زبوں
چل گیا تجھ پہ اداکاریٔ باطل کا فسوں

بے نیازِ غمِ دنیا، غمِ جاں تھا پہلے
امن و انصاف کا عظمت کا نشاں تھا پہلے
رُخ جدھر ہو گیا اک سیلِ رواں تھا پہلے

اب وہ جذبہ ہے نہ وہ جوشِ عمل باقی ہے
نہ وہ بادہ ہے نہ مستی ہے نہ وہ ساقی ہے

بڑھ کے طوفانِ بلاخیز میں گھس جاتا تھا
دل میں اندیشۂ باطل نہ کبھی لاتا تھا
لے کے پیغامِ وفا دور نکل جاتا تھا

شوق یہ تھا کہ اندھیروں میں چراغاں کر دوں
شمعِ ایمان ہر اک دل میں فروزاں کر دوں

زندگی قعرِ مذلت سے نکل سکتی ہے
تیری بگڑی ہوئی تقدیر بدل سکتی ہے
رات پیمانۂ خورشید میں ڈھل سکتی ہے

ہاں مگر اے دوست تجھے رنگ بدلنا ہوگا
پا برہنہ رہِ پُرخار میں چلنا ہوگا

وقت کہتا ہے زمانہ کی فضاؤں کو سمجھ
شاہدِ عصرِ مہذب کی اداؤں کو سمجھ
دورِ موجود کے فنکار خداؤں کو سمجھ

ورنہ دنیا سے ترا نام بھی مٹ جائے گا
یہ سسکتا ہوا اسلام بھی مٹ جائے گا

نکرِ ایماں کی قسم، گردشِ دوراں کی قسم
سازِ وحدت پہ حسیں نغمۂ قرآں کی قسم
عرشِ اعلیٰ کی قسم، رحمتِ یزداں کی قسم

بزمِ عالم کو پھر اک بار درخشاں کر دے
دہر میں مشعلِ یزداں کو فروزاں کر دے

غم و آلام کے امڈے ہوئے طوفاں سے نہ ڈر
موت کا خوف نہ کر، سختیٔ زنداں سے نہ ڈر
اہلِ باطل کے فراواں سر و ساماں سے نہ ڈر

جہد کی آنچ سے ہر چیز پگھل جاتی ہے
سنگ و فولاد کی دیوار بھی گل جاتی ہے

باہمی ربط بڑھا اور منظم ہو جا
طاعتِ حق کے لئے شوق مجسم ہو جا
سعی کر سعی کے انجام سے بے غم ہو جا

تری تخلیق ہوئی حق کی اشاعت کیلئے
امن و ایمان و دیانت کی حفاظت کیلئے

یہ تکالیف و مصائب، یہ ہجومِ آلام
حسرت و یاس کے بڑھتے ہوئے سائے ہر گام
دے رہے ہیں تجھے اک دورِ حسیں کا پیغام

دوربینوں کی نتیجہ پہ نظر ہوتی ہے
شبِ تاریک کے پردے میں سحر ہوتی ہے

اپنے اجداد کی ہمت پہ ذرا غور تو کر
ان کی مردانہ قیادت پہ ذرا غور تو کر
اے کفیلؔ اپنی روایت پہ ذرا غور تو کر

جذب و اخلاص سے معمور تھے سینے ان کے
بحرِ ذخار میں چلتے تھے سفینے ان کے

کوائف دار العلوم

(۱) دار العلوم بحمد اللہ نہایت حسن وخوبی کے ساتھ نونہالانِ ملت کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہے، ملک کے مشہور مصنف اور انشاء پرداز مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی سابق صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے دیوبند آچکے ہیں اور اکاڈمی کے ابتدائی اور بنیادی امور کی انجام دہی کے ساتھ محدث ہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" کا درس بھی دیتے ہیں۔ دار العلوم میں مولانا موصوف کا قیام طلبہ، اساتذہ اور انتظامیہ سب کے لئے مفید ہے اور سب ہی اپنی اپنی صلاحیت و ضرورت کے مطابق مولانا کے علمی، تحقیقی اور انتظامی معلومات و تجربات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

(۲) مہتمم دار العلوم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کو گذشتہ ہفتہ عشرہ کے درمیان دو زبردست سانحے پیش آئے (الف) آپ کے برادر نسبتی محترم انیس الرحمٰن صاحب بسلسلہ ملازمت "جدہ" میں مقیم تھے، ۱۵ فروری کو وطن آنے کا پروگرام طے ہو چکا تھا، جس کی اطلاع انھوں نے بذریعہ فون متعلقین کو دیدی تھی، لیکن اچانک ۲۹ جنوری کو جب کہ موصوف دفتر میں اپنے کام میں مصروف تھے، اچانک قلب کا شدید دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا اور عارضی وطن کے بجائے حقیقی وطن کو سدھار گئے، وہاں موجود متعارفین نے فوراً بجنور اور دہلی بذریعہ فون و ٹیلکس عزیز و اقربا کو اس حادثہ کی اطلاع دی اور مرحوم کی تجہیز و تکفین کا انتظام کر کے ارض مقدس کی اس امانت کو اسی کے حوالہ کر دیا۔ "پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا"

(ب) ۹ فروری کو اسی طرح کا ایک اچانک حادثہ اور پیش آیا، حضرت مہتمم صاحب موصوف دفتر اہتمام میں بیٹھے اپنے کام میں مصروف تھے کہ بجنور سے ایک عزیز گاڑی لیکر دیوبند پہنچے اور اطلاع دی کہ برادر زادہ طالب الرحمٰن کی حالت نازک ہے، میں انھیں ہسپتال چھوڑ کر آرہا ہوں، آپ فوراً تشریف لے چلیں، چنانچہ موصوف بلا کسی تاخیر کے فوراً بجنور روانہ ہو گئے، آج بجنور سے حضرت والا کا

راقم الحروف کے نام ایک پرچہ پہنچا ہے، جس میں موصوف لکھتے ہیں:۔

"کل جب میں مکان پہنچا تو برادرزادہ کا جنازہ تیار تھا، معلوم ہوا کہ کل صبح باہر مجلس میں بیٹھے خوش وخرم گفتگو کر رہے تھے، یکایک متلی ہو کر قلب میں تکلیف شروع ہوئی شفاخانہ بھیجا گیا آکسیجن اور انجکشن دئے گئے مگر اجل کے سامنے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور ایک گھنٹہ کے اندر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں، آمین"

درحقیقت یہ دونوں حادثے نہایت سنگین اور صبر آزما ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مہتمم صاحب اور دیگر متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائیں اور ہر طرح کی آزمائش اور ابتلا سے محفوظ رکھے اور مرحومین کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

گذشتہ مہینہ میں دارالعلوم کے ہر دل عزیز استاذ حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی مدظلہ کی والدہ کا چند ہفتے کی علالت کے بعد انتقال ہو گیا، مرحومہ درازیٔ عمر اور ضعف کے باوجود گھر گرہستی کے کاموں میں چاق و چوبند رہنے کے ساتھ بڑی عابدہ زاہدہ اور صبر ورضا کی مجسمہ تھیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین

(۳) دارالعلوم دیوبند میں زمانۂ قدیم سے جمعیۃ الطلبہ کی ایک انجمن قائم تھی، لیکن آج سے تقریباً ۱۴۔ ۱۵ سال قبل اُس وقت کی انتظامیہ نے اسے ختم کر دیا تھا اور باوجود طلبۂ عزیز کی ہزار کوشش کے انتظامیہ نے جمعیۃ الطلبہ کو بحال کرنے کی اجازت نہیں دی تھی، اب جبکہ دارالعلوم کے حالات بدلے اور پرانی انتظامیہ کے بجائے نیا انتظام قائم ہوا تو نئی انتظامیہ نے نہ صرف طلبۂ عزیز کو اپنی جمعیۃ قائم کرنے کی اجازت دی بلکہ اس کے لئے ایک دستور بھی بنا کر دیا، اس دستور کے مطابق جمعیۃ الطلبہ کے عہدیداروں کا انتخاب الیکشن کے ذریعہ ہوا، اس الیکشن کے موقع کو غنیمت سمجھ کر مخالفین دارالعلوم نے طرح طرح کی افواہیں پھیلا کر طلبۂ عزیز کو باہم ٹکرانے یا کم ازکم انتظامیہ سے بدظن کرنے کی نامسعود کوششیں کیں، لیکن اس انتہائی پرجوش ماحول میں بھی طلبہ نے نہایت ہوش و خرد اور صبر و سکون کے ساتھ الیکشن کی مہم کو انجام دیا بالخصوص پولنگ کے دن ہمارے طلبہ نے جس نظم و ضبط اور ہم آہنگی و یکجہتی کا ثبوت دیا وہ قابل ستائش ہے ۔۔۔ طلبۂ عزیز نے مخالفین کی تمام ریشہ دوانیوں اور گمراہ کن افواہوں کو اپنے عمل سے بے اثر بنا کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہمیں ہر حال میں دارالعلوم اور اس کا وقار عزیز ہے ہم مخالفین کے کسی فریب میں نہیں آئیں گے۔ (ان شاء اللہ العزیز) ۔

Regd. No. SHN - L-13-NP-21-83

DARUL-ULOOM MONTHLY

DEOBAND (U.P.)

مطبوعہ این۔ جے پرنٹرس دیوبند

دارُالعُلوم دیوبند کا علمی دینی اِصلاحی ماہنامہ

A-81
13.4.83

دارُالعلوم

زیرِ سرپرستی

مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

مدیرِ مسئول

ریاست علی بجنوری

نگرانِ اعلیٰ حضرت الحاج مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا علمی دینی

ماہنامہ

دارالعلوم دیوبند

جلد نمبر ۶۳	مارچ ۸۳ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ	شمارہ نمبر ۶

زرِ اشتراک

سالانہ	-/۲۵
ششماہی	-/۱۳
فی پرچہ	۲/۵۰

ممالک غیر سے اس کے مساوی
علاوہ محصول ڈاک

مدیر مسئول
ریاست علی بجنوری

طابع و ناشر
دارالعلوم معرفت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مطبوعہ

محبوب پرنٹنگ پریس دیوبند

اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرِ تعاون ختم ہو گیا ہے
اگلے سال کی رقم بھیجکر مشکور فرمائیں

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
حرف آغاز	مدیر مسئول	۳
دارالعلوم دیوبند اور مولانا قاری محمد طیب صاحب کا عبرتناک رویہ	مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم	۶
وضع حدیث کی ابتدا اور اس کے اسباب	مولوی محمد حنیف ملی۔ مالیگاؤں	۲۵
ابوبکر عاصم الکوفی اور ان کے رواۃ	قاری ابوالحسن اعظمی استاذ دارالعلوم دیوبند	۳۶
کوائف دارالعلوم	مدیر	۴۵
فہرست کتب مکتبہ دارالعلوم		۴۸

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

۱:- ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ فرمائیں۔

۲:- پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ ۔/۲۵ روپے مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد، ضلع ملتان (پاکستان) کو بھیجدیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کرلیں ــ

اس ماہ سے خریداری نمبر بدل دیا گیا ہے، خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں۔ خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

(مدیر)

حرفِ آغاز

(مدیر مسئول)

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب امت کو پیش آنے والے فتنوں اور ضلال کے داعیوں کی اطلاع دی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سوال فرمایا کہ اگر یہ صورت حال ہمارے سامنے پیش آئے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ رہنا، حضرت حذیفہؓ نے پھر سوال فرمایا کہ اگر اس وقت مسلمانوں کی جماعت اور امام بھی نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم ان تمام فرقوں سے الگ رہنا، خواہ تمہیں کسی درخت کی جڑ میں پناہ لینی پڑے۔

چنانچہ ہندوستان میں جب تاریخ کے تدریجی عمل کے نتیجے میں اسلامی حکومت کا چراغ گُل ہوا تو اسلام کے اکابر کو فکر دامنگیر ہوئی، پہلے انھوں نے امامت کے قیام کی کوشش کی، اس میں ناکامی کے بعد انھوں نے طے کیا کہ کم از کم جماعت اور جمہور اہلِ حق کی علامتیں اس طرح مشخص اور معین کردی جائیں کہ حق کے کسی متلاشی کو کسی بھی وقت حیرت اور تذبذب کا شکار نہ ہونا پڑے، چنانچہ انھوں نے مسجد چھتہ میں انار کے درخت کی جڑ میں بیٹھ کر اس قصر شامخ کی بنیادوں کو استوار کرنا شروع کیا جسے آج دنیا دارالعلوم دیوبند کے نام سے جانتی ہے۔

ان اکابر میں سب سے پہلے حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب رحمہ اللہ کو مبشرات کے ذریعہ اس کارِ خیر کی طرف متوجہ کیا گیا، انھوں نے دیوبند کے اربابِ علم و فضل، صاحبانِ زہد و اتقاء اور قرآن و سنت پر گہری نظر رکھنے والے اکابر کو جمع کیا اور ان کے سامنے ایک مدرسہ کے قیام کی ضرورت ظاہر فرمائی، پہلے بحیثیت بانی انہوں نے مجلسِ شوریٰ کی تشکیل فرمائی، پھر مجلسِ شوریٰ نے انھیں اپنا اختیارات سے اس مدرسہ کا مہتمم نامزد کیا، عہدۂ اہتمام سنبھالتے ہی انھوں نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کو دیوبند تشریف آوری کے لئے گرامی نامہ تحریر فرمایا، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فوراً تشریف تو نہیں لائے لیکن انھوں نے اکی بے پناہ مسرت کا اظہار فرمایا اور چند سال کے بعد بنفسِ نفیس اس قافلۂ خیر میں شریک ہوگئے۔

ان اکابر گرامی قدر کا کمال یہ تھا کہ ایک طرف وہ علوم ظاہری میں علم وفن کے امام تھے اور دوسری طرف تزکیۂ باطن اور زہد و تقویٰ میں مثالی کردار کے حامل تھے، اس لئے دارالعلوم دیوبند کی شکل میں

احیاء دین کے لیۓ جو مضبوط قلعہ تعمیر کیا گیا تھا حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب تو اپنے حسن انتظام اور تدبر سے اس کی دیواروں کو سیسہ پلاتے رہے اور دوسرے اکابر نے علم و شریعت کی مثالی خدمات کیساتھ دوسرے میدانوں میں بھی کام شروع فرمادیا، سب سے پہلے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے عیسائی مبلغین کا تعاقب کیا، ان کو ہر میدان میں شکست فاش دے کر روپوشی پر مجبور کر دیا اور علم کلام کی تجدید فرماکر عقائد اسلام کے گرد ایک مضبوط حصار باندھ دیا، قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ نے بدعات کے سیلاب کو روکا بلکہ اسلام کے دامن میں خرافات و بدعات کا انبار جمع کرنے والوں کے خرمن میں آگ لگادی، پھر ان اکابر کے طرزِ عمل کے مطابق بعد میں آنے والے سچّے جانشینوں نے قرآن وسنت کی تعلیم واشاعت کے ساتھ اپنے اپنے عہد میں پیدا ہونے والے فتنوں کی سرکوبی کی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ ردّ بدعت کے ساتھ عدم تقلید کی راہ سے پیدا ہونے والے فتنہ پر زورِ قلم صرف فرماتے رہے، ان کے بعد امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے کتاب و سنت کی اشاعت، بدعت کی تردید، عدم تقلید کے تعاقب کے ساتھ قادیانیت کے فتنے کی سرکوبی کے لیۓ اپنے علم و تقوی کی تمام تر صلاحیتوں کو وقف کر دیا، پھر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے تعلیم و تدریس، رد بدعت، ردّ قادیانیت کے ساتھ اس دور کے ابھرتے والے تازہ فتنے مودودیت کی طرف اہلِ علم کو متوجہ کیا۔

تراثِ علمی کے طور پر ان اکابر کا چھوڑا ہوا یہ اثاثہ ہی دراصل دارالعلوم کا سرمایۂ افتخار ہے اور دارالعلوم کا اصل خدمت گار وہی ہے جو اکابر کے لگائے ہوئے اس چمنستان کو انہی خطوط پر آباد رکھے، کتاب وسنت کی تعلیم سے غفلت یا اس میں کوتاہی ان فرق باطلہ میں سے کسی کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھانا یا اس سلسلے میں مداہنت کو راہ دینا یقیناً دارالعلوم کی روح سے بغاوت کے مرادف ہے۔

مگر افسوس یہ ہے کہ اپنی ہی جماعت کے کچھ افراد نے نہ صرف یہ کہ تعلیم و تدریس پر پابندی عائد کی، نہ صرف یہ کہ انھوں نے جماعت اسلامی کے معاملہ میں مداہنت برتی، نہ صرف یہ کہ انھوں نے اسلامی تعلیمات کے خلاف دارالعلوم میں وراثت کو جاری رکھنے کی کوشش کی بلکہ اب وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیۓ دارالعلوم سے مقدمہ بازی کر رہے ہیں، دارالعلوم کے خلاف محاذ آرائی میں انھوں نے ایک متوازی دارالعلوم قائم کیا ہے، اور اب وہ یہ شور و غوغا کر رہے ہیں کہ مجلس شوریٰ کے تحت چلنے والے دارالعلوم کو ادا کی جانے والی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی مشتبہ ہے۔ یا للعجب

تصور نہیں کیا جا سکتا تھا کہ حضرت حاجی سید عابد حسین، حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی،

حضرت شیخ الہند، حضرت علامہ کشمیری اور حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ اسرارہم کے نام لیوا دنیا کی اس پست ترین سطح تک اتر سکتے ہیں، متوازی دارالعلوم کے قیام کے لئے ان کے پاس ایک ہی استدلال ہے کہ مجلس شوریٰ کے ہمنواؤں نے بھی تو کیمپ دارالعلوم قائم کیا تھا، مگر یہ استدلال کرتے وقت دانستہ ان حقائق پر پردہ ڈالتے ہیں جن کی مجبوری سے کیمپ کا قیام عمل میں آیا تھا اُس وقت دارالعلوم غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیا گیا تھا، دارالعلوم کو مجلس شوریٰ کی تحویل سے نکال کر خود ساختہ ایڈہاک کمیٹی کی تحویل میں دینے کا اعلان کر دیا گیا تھا، اس کے باوجود ہر مصالحت میں یہ دفعہ دہرائی جاتی رہی کہ بلا استثناء تمام طلبہ کو داخل کر لیا جائے کیمپ بند کر دیا جائے گا اُن دنوں وراثت کے ان مدعیوں کی جانب سے جو مضامین شائع کئے جاتے تھے، ان میں یہ بات بہت اچھالی جاتی تھی کہ کیمپ کا قیام دارالعلوم سے مقابلہ آرائی ہے، لکھا جاتا تھا کہ حضرت علامہ کشمیریؒ کے سامنے بھی لوگوں نے متوازی مدرسہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی تھی لیکن حضرت علامہ رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ دارالعلوم دیوبند سے ڈھائی ڈھائی سو میل کے فاصلہ پر کسی مدرسہ کا قیام دارالعلوم کے لئے نقصان دہ ہوگا۔

لیکن اب جبکہ دارالعلوم پوری طرح فعال ہے، مجلس شوریٰ کی تحویل میں چلنے والے اس دارالعلوم میں کسی کے داخلہ پر کوئی پابندی نہیں ہے، کھلنے کے بعد تین بار تمام ملازمین کو کام پر آنے کی دعوت دی گئی، پھر کیا مجبوری تھی کہ چند ملازمین واپس نہیں آئے اور چند طلبہ کو زبردستی روک کر ایک متوازی دارالعلوم کھول دیا گیا، صرف اتنا ہی فرق ہے کہ دارالعلوم کی انتظامیہ سے وراثت کا خواب دیکھنے والوں کی گرفت ختم ہو گئی ہے۔

مگر اب الحمد للہ دارالعلوم دیوبند کا آفتاب ہدایت، وراثت کے گہن سے نکل آیا ہے اور جتنے دن گذر رہے ہیں اس حقیقت کا یقین بڑھ رہا ہے کہ ان شاء اللہ اسلاف کی یہ زندہ امانت، علوم نبوت کا یہ روشن مینار، اور قرآن و سنت کا یہ مضبوط قلعہ مسلمانوں کی رہنمائی علم کی اشاعت اور فرق باطلہ کی تردید کے لئے پھر تازہ دم ہو گیا ہے۔ اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منھم

دارالعلوم دیوبند

اور

مولانا محمد طیب صاحب کا عبرتناک رویہ

از ـــــ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی زیدت محاسنہم

مولانا محمد طیب صاحب نے پاکستان میں اپنے متوازی دارالعلوم جامع مسجد کے سفیر کو روانہ کرتے وقت جو سند سفارت دی تھی، اس سے بہت غلط فہمیاں پھیلنے کا امکان تھا، اس سند سفارت کی نقل بھی اس مضمون کے آخر میں درج کی جا رہی ہے اور اس کے مندرجات کے بارے میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی زید مجدہم کا مبنی بر حقائق مضمون شریک اشاعت کیا جا رہا ہے، اس سے انشاء اللہ غلط فہمیاں ختم ہو جائیں گی ـــــــــــ (مدیر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالعلوم دیوبند کی تاریخ اور اس کے حالات سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ تمام بڑے تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کی طرح اس کا ایک دستور و آئین ہے (جو برابر چھپ کر شائع ہوتا رہا ہے) اور ایک مجلس منتظمہ ہے جس کا نام شروع سے "مجلس شوریٰ" رہا ہے۔ دستور و آئین کی رو سے وہی دارالعلوم کی اعلیٰ اختیاری مجلس ہے اور نظم و نسق کے سارے اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں، دستور میں مجلس شوریٰ سے متعلق پہلی دفعہ کے الفاظ یہ ہیں:-

"دارالعلوم دیوبند کی ایک با اختیار جماعت ہوگی جس کا نام "مجلس شوریٰ" ہوگا اور دارالعلوم کا تمام نظم و نسق اسی جماعت کے ہاتھ میں ہوگا۔"

(دستور و آئین دارالعلوم ص ۷)

مجلس شوریٰ ہی دارالعلوم کے انتظام کے لئے کسی کو مہتمم مقرر کرتی رہی ہے، ۱۳۴۸ھ میں اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کی وفات کے بعد ان کی جگہ مجلس شوریٰ ہی نے قاری محمد طیب صاحب کو مہتمم مقرر کیا تھا اور ان کی تنخواہ سو روپے ماہوار مقرر کی تھی (اس سے چند سال پہلے ان کو نائب مہتمم بھی شوریٰ ہی نے مقرر کیا تھا) نصف صدی سے زیادہ کی اس مدت میں ان کا طرز عمل یہی رہا کہ دستور و آئین کے مطابق مجلس شوریٰ کی ماتحتی میں اس کی تجاویز اور فیصلوں کی روشنی میں دارالعلوم کے اہتمام و انتظام کی خدمت انجام دیتے رہے۔

یہ عاجز چالیس سال سے اس مجلس شوریٰ کا رکن ہے اور موجودہ ارکان میں سب سے قدیم رکن ہے، مولانا قاری محمد طیب صاحب مجھ سے بھی متقدم ہیں، لیکن وہ منتخب رکن نہیں، بلکہ عہدۂ اہتمام کی حیثیت سے رکن تھے ____ وہ ہر حیثیت سے بڑے اور قابل احترام ہیں اور اس عاجز کا رویہ ان کے ساتھ ہمیشہ نیازمندانہ ہی رہا ____ لیکن اب سے قریباً ڈیڑھ سال پہلے ستمبر ۱۹۸۱ء میں جبکہ ان کی عمر نوے برس کے قریب پہنچ چکی تھی (غالباً کبرسنی کے قدرتی اثر سے فہم و فکر کی صلاحیت مضمحل ہو جانے کی وجہ سے) وہ کچھ ناخدا ترس اور فتنہ پرداز لوگوں کی سازش کا شکار ہو گئے۔ اور انھوں نے اپنے قریباً ساٹھ سالہ طرز عمل کے بھی خلاف "مجلس شوریٰ" اور دارالعلوم کے "دستور و آئین" کو کالعدم قرار دے کر دارالعلوم کے نظم و نسق کے سارے اختیارات اور سب کچھ اپنے ہاتھ میں لے لینے کی جدوجہد شروع کر دی، جس کا شرعاً، اخلاقاً، عرفاً اور قانوناً کوئی جواز نہیں تھا۔

اور اس سلسلے میں انھوں نے ایسے لوگوں کا ایک اجتماع دہلی میں کیا جن کے بارے میں ان کو امید تھی کہ وہ اس مقصد میں ان کا ساتھ دیں گے، اور مجلس شوریٰ کے انیس ۱۹ ارکان میں سے آٹھ ارکان سے بھی توقع رکھتے ہوئے ان کو دعوت دی، لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی اس اجتماع میں شرکت نہیں کی، بلکہ ان میں سے بعض اہم ارکان نے خاص طور پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے، اپنے خطوط اور اخباری بیانات کے ذریعہ ان کو اس اقدام سے باز رہنے کا مخلصانہ مشورہ دیا اور صفائی سے لکھا کہ اس سے دارالعلوم میں اور جماعت میں فتنہ برپا ہوگا، اور دوسرے دینی مدارس کے لئے بھی فتنوں کا دروازہ کھل جائے گا لیکن اس کے باوجود انھوں نے وہ اجتماع کیا اور اس میں انتہائی مضحکہ خیز طریقہ سے "مجلس شوریٰ" کے متبادل کے طور پر ایک "ایڈہاک کمیٹی" بنائی۔

راقم سطور نے اس کو "مضحکہ خیز" اس لئے کہا ہے اجتماع میں اس کے دس اور صرف دس بنیادی ارکان نامزد کئے گئے، ان میں سات مجلس شوریٰ کے وہ ارکان تھے جن سے انکو ساتھ دینے کی توقع تھی (ان میں سے کوئی بھی اجتماع میں شریک نہیں تھا) آٹھویں ایک صاحب ارشاد بزرگ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی مدظلہٗ تھے (اور وہ بھی اجلاس میں تشریف فرما نہیں[1] تھے) بہرحال ان آٹھ حضرات کو ان کی عدم موجودگی میں بطور خود اس "ایڈہاک کمیٹی" کا رکن نامزد کردیا گیا۔ لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ رکنیت منظور نہیں کی، ان کے علاوہ دو حضرات وہ رکن نامزد کئے گئے جو اجتماع میں شریک تھے مگر بعد میں صورت حال کو صحیح طور پر سمجھ کر انھوں نے بھی اس " ایڈہاک کمیٹی" سے بے تعلقی اختیار کرلی۔

چنانچہ چند ہی روز کے بعد جب قاری صاحب نے اس کمیٹی کا اجلاس دیوبند میں بلایا اور سب کو دعوت نامہ بھیجا تو ان دس میں سے کوئی ایک بھی اس جلسہ میں شریک نہیں ہوا۔ تو محترم قاری صاحب نے چند دوسرے آدمیوں کو بلا بٹھاکر ان کو " ایڈہاک کمیٹی" قرار دے دیا اور اس کا جلسہ کرلیا اور خود اس عجیب و غریب جلسہ کی صدارت فرمائی اور اس میں پہلی تجویز یہ پاس کی گئی کہ:۔ "مجلس شوریٰ" کالعدم۔ اور دارالعلوم کا موجودہ دستور وآئین "منسوخ" اور مولانا محمد طیب صاحب نے اپنی اس " ایڈہاک کمیٹی" کی یہ انقلابی تجاویز اور پوری کارروائی طبع کراکے اپنے ذاتی خطوط کے ساتھ خاص خاص لوگوں کو بھیجی ___ خدارا کوئی بتائے کہ اس "ایڈہاک کمیٹی" اور اس کی کارروائی کے لئے " مضحکہ خیز" کے لفظ سے ہلکا کون سا لفظ استعمال کیا جائے۔

پھر معلوم نہیں کس طرح خود انھوں نے اور ان کے حواریوں نے یہ سمجھ لیا کہ ان کے اس تماشے سے وہ "مجلس شوریٰ" ختم اور کالعدم ہوگئی، جس کا تسلسل دارالعلوم کے ابتدائی دور سے اب تک ہے اور جس نے خود قاری صاحب کو مہتمم مقرر کیا تھا، اور وہ دستور وآئین ختم ہوگیا جس کے تحت دارالعلوم کا سارا نظام چلتا رہا ہے، اور جس کی پابندی دارالعلوم سے تعلق رکھنے والے

---

[1] راقم سطور کو ابھی حال ہی میں باوثوق ذریعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ممدوح کو اس بات سے اذیت پہنچی کہ ان سے استصواب کے بغیر ان کو ایڈہاک کمیٹی میں شامل کرکے اس جھگڑے میں ملوث کیا گیا۔ نعمانی

ہر بڑے چھوٹے ملازم کے لئے اور مجلسِ شوریٰ کے ارکان کے لئے بھی ضروری ہے، (ہاں دستور ہی کی رو سے مجلسِ شوریٰ کو یہ حق واختیار ہے کہ حالات کے تقاضے اور اپنی صوابدید کے مطابق وہ اس میں کوئی ترمیم وتبدیلی کرے اور یہ برابر ہوتا رہا ہے)

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اب سے اٹھارہ سال پہلے ۱۹۶۵ء میں خود مولانا محمد طیب صاحب نے کسی مصلحت سے مجلسِ شوریٰ سے منظوری حاصل کرکے بحیثیت مہتمم درخواست دے کر "مجلسِ شوریٰ" اور "دارالعلوم کے دستور وآئین" کو سرکاری قانون کے مطابق رجسٹرڈ کرایا تھا اور وہ رجسٹرڈ ہیں۔ اس کے باوجود انھوں نے یہ عجیب وغریب اور مضحکہ خیز فیصلے فرمائے —— یہ سب کچھ ستمبر واکتوبر ۱۹۸۱ء میں ہوا۔

واقعہ یہ ہے کہ قاری صاحب کی ان کارروائیوں نے دارالعلوم سے تعلق رکھنے والی پوری جماعت کو تفرقہ اور فتنہ وفساد کی آگ میں جھونک دیا۔

بہرحال جب انھوں نے اس راستہ کی طرف چلنا شروع کیا تو راقم سطور نے اپنے طرزِ عمل کے بارے میں سوچا، میری طبیعت اور ذاتی حالات کا تقاضہ تھا کہ کسی جھگڑے میں نہ پڑوں خاموشی سے بے تعلقی اختیار کرلوں —— لیکن "مجلسِ شوریٰ" کے ارکان شرعی حیثیت سے دارالعلوم کی امانت کے امین اور محافظ ہیں اور اس کی حفاظت وصیانت ان کی ذمہ داری ہے، ممکن حد تک ذاتی غور وفکر اور متعدد اصحابِ علم وصلاح سے مشورہ کے بعد رائے قائم ہوئی کہ ناخدا ترس فتنہ پردازوں کی اس سازش اور اس کے بُرے نتائج سے دارالعلوم کو بچانے کی اپنے امکان بھر کوشش کرنا ہمارا فرض ہے۔ نتیجہ کے ہم ذمہ دار نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے گا وہ ہوگا —— پھر اس سلسلے میں "الفرقان" میں جو کچھ لکھنا ضروری سمجھا وہ لکھا، حتی الوسع احتیاط اور کوشش کی کہ کوئی بات غلط نہ لکھی جائے اور جہاں تک ہوسکے قاری صاحب کے غلط اقدامات کی بھی تاویل وتوجیہ کی جائے۔ چنانچہ جب "الفرقان" میں ان کی ایڈہاک کمیٹی" وغیرہ سے متعلق مذکورہ بالا غلط اور موجب فتنہ کارروائیوں کا ذکر کیا گیا تو یہ بھی لکھا گیا کہ یہ سب کچھ غالباً اس لئے ہوا کہ کبر سنی کی وجہ سے ظاہری جسمانی اعضاء کی طرح ان کی فہم وفکر کی صلاحیت بھی متأثر ہوگئی ہے اس وجہ سے وہ دوسرے ناخدا ترس فتنہ پرداز لوگوں کی سازش کا شکار ہوگئے۔

اسی طرح جب "الفرقان" میں دارالعلوم کے سلسلے میں قاری صاحب کی طرف سے

عدالت میں دائر کئے جانے والے ان مقدمات کا ذکر کیا گیا جن کے عرضی دعووں میں صریح غلط بیانی کی گئی ہے (جو اگر دیدہ و دانستہ ہو تو بلاشبہ شدید ترین گناہ کبیرہ ہے — فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور) تو راقم سطور نے قاری صاحب کی طرف سے یہ تاویل و توجیہ کی کہ عرضی دعوے جو ان کی طرف سے عدالت میں داخل کئے گئے ہیں معلوم ہوا ہے کہ انگریزی زبان میں ہیں، قاری صاحب نے اپنے لوگوں کے اور وکیل کے کہنے سے ان پر دستخط کئے ہوں گے اور ان کو معلوم بھی نہ ہوا ہوگا کہ ان میں کیا لکھا ہے۔

اسی طرح جب انھوں نے گزشتہ شوال کی مجلس شوریٰ کے موقع پر دارالعلوم کے اہتمام سے صاف، صریح الفاظ میں استعفا لکھ کر بھیجا (جس کو مجلس شوریٰ نے منظور کر لیا) پھر اس کے بعد اخبارات میں قاری صاحب کی طرف سے یہ بیان شائع ہوا کہ میں نے دارالعلوم کے اہتمام سے استعفا نہیں دیا بلکہ میرا وہ استعفا سوسائٹی کی رکنیت سے ہے (جو یقیناً خلاف واقعہ بات تھی) تو راقم سطور نے یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ بیانات ان کی طرف سے ان کے حلقہ کے دوسرے لوگ شائع کرا رہے ہوں گے، خود انھوں نے ایسی خلاف واقعہ بات نہیں کہی اور نہیں لکھی ہوگی۔

الغرض دارالعلوم کے اصل نزاعی مسئلہ میں (یعنی مجلس شوریٰ اور دستور کی حیثیت کے مسئلہ میں) قاری صاحب کے موقف سے سخت اختلاف اور ان کے مذکورہ بالا اقدامات اور مقدمہ بازی کے سلسلے کو قطعاً خلاف شریعت بلکہ شرافت کے بھی خلاف یقین کرنے کے باوجود اپنے نزدیک راقم سطور نے اس کی پوری کوشش کی کہ ان کی بڑی سے بڑی غلطی کی بھی حتی الوسع کوئی توجیہ کی جائے۔

لیکن دارالعلوم ہی کے تعلیم یافتہ ہماری جماعت کے ایک پاکستانی فاضل نے دارالعلوم کے مسئلہ سے متعلق قاری صاحب کی ایک تحریر کی فوٹو کاپی بھیجی ہے ——— افسوس ہے کہ اس کے دیکھنے کے بعد اُن تاویلوں اور توجیہوں کی کوئی گنجائش نہیں رہی جو راقم سطور اب تک کرتا رہا ہے۔

قاری صاحب کی اپنے قلم کی لکھی ہوئی یہ تحریر

قاری صاحب کی اس تحریر کا پس منظر یہ ہے کہ جب ان کی غلط اور موجب فتنہ کاروائیوں ہی کے نتیجے میں مجلس شوریٰ نے عہدۂ اہتمام سے ان کی معطلی کا فیصلہ کیا اور پھر ایسے واقعات ہوئے جن کے نتیجہ میں وہ دارالعلوم سے بے تعلق ہو گئے تو انھوں نے " حقیقی دارالعلوم " کے نام سے دیوبند ہی کی جامع مسجد میں ایک نیا مدرسہ قائم کر لیا، اس کے واسطے چندہ اور فراہمی سرمایہ کے لئے انھوں نے مولوی کرار حسین نامی کسی صاحب کو پاکستان بھیجا ہے، اور غالباً سند سفارت کے طور پر اپنے قلم سے لکھ کر یہ تحریر ان کو دی ہے، تحریر خاصی طویل ہے اس میں دارالعلوم کی موجودہ صورت حال کے بارے میں اور خود اپنے بارے میں قاری صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے قریباً اسی کے الفاظ میں اس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ :-

> دارالعلوم پر ایک سیاسی گروپ نے ناجائز قبضہ کر لیا ہے، اور وہ سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹریشن کے ذریعہ اس کے مسلک و مشرب کو تبدیل اور اسکی سو سو سالہ روایات کو مٹاتا چلا جا رہا ہے، اس رجسٹریشن سے مجلس شوریٰ مینجنگ کمیٹی میں تبدیل ہو چکی ہے اور دارالعلوم وقف لنڈ رہنے کے بجائے اس کی ملک بن گیا ہے، اس کے نتیجہ میں زکوٰۃ، خیرات اور صدقات کے صحیح مصرف ہونے کی شرعی حیثیت بھی مشکوک ہو گئی ہے، اس لئے احقر نے اس سوسائٹی کے نظم سے استعفا دے کر اس سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور صرف منصب اہتمام کو باقی رکھا ہے، لیکن قابض گروپ کی طرف سے میری تحریر میں اضافے کرا کرا سے منصب اہتمام سے استعفا ظاہر کر کے غلط پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے ؎

اس کے آگے جامع مسجد میں اپنے قائم کردہ " حقیقی دارالعلوم " کا ذکر کر کے اس کیلئے مالی امداد کی اپیل کی گئی ہے ——— یہاں بقدر ضرورت حاصل اور خلاصہ درج کیا گیا ہے، پوری تحریر آخر میں بطور ضمیمہ درج کی جارہی ہے ——— ناظرین کرام ملک ۱۲۰ پر ملاحظہ فرمائیں

قاری صاحب نے اپنی اس تحریر میں دارالعلوم کے اور اپنے بارے میں تین باتیں کہی ہیں

(۱) ایک یہ کہ دارالعلوم پر ایک سیاسی گروپ نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔

(۲) دوسری یہ کہ سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹریشن کے ذریعہ قابض گروپ اس کے مسلک و مشرب کو تبدیل اور اس کی سوا سو سالہ روایات کو مٹاتا جا رہا ہے اور اس رجسٹریشن کی وجہ سے دارالعلوم کے زکوٰۃ، خیرات اور صدقات کا صحیح مصرف ہونے کی حیثیت مشکوک ہو گئی ہے۔

(۳) تیسری بات یہ کہی ہے کہ میں نے دارالعلوم کے اہتمام سے استعفا نہیں دیا ہے۔ بلکہ سوسائٹی کے نظم سے استعفا دیا ہے اور قابض سیاسی گروپ یہ غلط پروپیگنڈہ کر رہا ہے کہ میں نے دارالعلوم کے اہتمام سے استعفا دیا ہے۔

اصل حقیقت اور واقعہ

سمجھ میں نہیں آتا کہ کن الفاظ میں اس حقیقت کا اظہار کیا جائے کہ ان میں سے کسی ایک بات میں بھی ذرہ برابر سچائی نہیں ہے ــــــ کاش یہ تحریر قاری صاحب کے قلم کی لکھی ہوئی نہ ہوتی تو ہم یہی سمجھتے اور کہتے کہ ان کے نام سے کسی دوسرے ناخدا ترس آدمی نے یہ تحریر لکھی ہے جس میں کوئی سچائی نہیں ہے۔

چونکہ دارالعلوم کو ان غلط بیانوں سے نقصان پہنچ سکتا ہے اور اللہ کے بندوں کو دھوکے فریب سے بچانا ضروری ہے اس لئے جو اصل حقیقت اور واقعہ ہے اختصار کے ساتھ عرض کیا جاتا ہے۔

دارالعلوم پر قبضہ کا مسئلہ:۔

دارالعلوم پر قبضہ کی بات یہ ہے کہ دارالعلوم کے دستور میں مجلس شوریٰ کے اختیارات و فرائض سے متعلق جو دفعات ہیں ان میں ایک مستقل دفعہ یہ ہے :ــ

"تمام املاک واوقاف دارالعلوم پر قبضہ کرکے ان کی حفاظت کرنا"

اس دفعہ کے مطابق ہمیشہ سے دارالعلوم پر اور اس کی املاک واوقاف پر اصل قبضہ مجلس شوریٰ کا رہا ہے۔ اور اس کے قائم مقام اور اس کے مقرر کئے ہوئے منتظم کی حیثیت

مہتمم کا اور مہتمم کی عدم موجودگی میں قائم مقام مہتمم کا ۔ اس بنا پر جب تک قاری صاحب مہتمم رہے، مجلسِ شوریٰ کے مقرر کئے ہوئے منتظم کی حیثیت سے ان کا اوران کی عدم موجودگی میں قائم مقام مہتمم کا قبضہ رہا ، اور جب وہ مہتمم نہیں رہے (جس کی تفصیل ابھی معلوم ہو جائے گی) اوران کی جگہ مجلسِ شوریٰ نے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو مستقل مہتمم مقرر کر دیا، تو وہی حیثیت ان کی ہے اوران کی عدم موجودگی میں ان کے قائم مقام کی — لیکن مہتمم یا قائم مقام مہتمم کا قبضہ بھی فی الحقیقت مجلسِ شوریٰ ہی کا قبضہ ہے — اور مجلسِ شوریٰ وہی ہے جو اس اختلاف کے آغاز سے پہلے تھی اور اس کے تمام ارکان خاص کر وہ جن کو قاری صاحب کے اقدامات اور رویہ سے شدید اختلاف ہے (جن میں یہ عاجز راقم سطور بھی ہے) وہ ہیں جن میں کسی کا سیاسی گروپ سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ اسی طرح موجودہ مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب وہ ہیں جو دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ کے قدیم اہم ارکان میں سے ہیں ، اور رجب ۱۴۰۱ھ (مئی ۸۱ء) کے مجلسِ شوریٰ کے جلسہ میں قاری صاحب کی اس مضمون کی درخواست پر کہ میں کبر سنی اور ضعفِ پیری کی وجہ سے دارالعلوم کے اہتمام کی ذمہ داریوں کو پوری طرح انجام دینے سے معذور ہو گیا ہوں اس لئے دارالعلوم کے پورے داخلی نظام کی ذمہ داری اور مسؤلیت سے مجھے سبکدوش کر دیا جائے ، اور اس کو کلیۃً نیابتِ اہتمام کے سپرد کر دیا جائے — مجلسِ شوریٰ نے ان مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو مددگار مہتمم اور مولانا محمد عثمان صاحب کو نائب مہتمم مقرر کر دیا تھا — ان کے علاوہ دارالعلوم کے استاذ حدیث مولانا نصیر احمد خانصاحب قدیم سے نائب مہتمم تھے — تو مجلس نے قاری صاحب کی درخواست کو منظور کرتے ہوئے دارالعلوم کے تعلیمی ، مالی وانتظامی تمام شعبوں کے اہتمام وانتظام کی ذمہ داری ان تینوں حضرات ہی کے سپرد کر دی تھی اور قاری صاحب کو اس ذمہ داری اور مسؤلیت سے سبکدوش کر دیا تھا ، اور قاری صاحب نے اس فیصلہ اور اس جدید انتظام سے صرف اتفاق ہی نہیں فرمایا تھا بلکہ مسرت واطمینان کا اظہار بھی فرمایا تھا ، اس جلسہ شوریٰ کی روئداد جو خود قاری صاحب کی ہدایت پر چھپ کر شائع ہوئی تھی اس میں اس کارروائی کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے — نیز ماہنامہ دارالعلوم جو قاری صاحب کے زیر نگرانی شائع ہوتا تھا اس میں مجلس شوریٰ کے اس فیصلے اور اس پر عمل درآمد کے دو مہینے بعد (اگست کے شمارے میں) اہتمام دارالعلوم کے متعلق مجلسِ شوریٰ کے اس فیصلے اور اس جدید نظام پر کئی صفحہ کا اداریہ لکھا گیا تھا اور اس میں خصوصیت

کے ساتھ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اور مولانا محمد عثمان صاحب کے انتخاب پر غیر معمولی مسرتوں کا اظہار کیا گیا تھا اور ان حضرات کی سرگرم کارکردگی پر بھرپور خراج تحسین ادا کیا گیا تھا اور اس کو دارالعلوم کے حق میں بہت مبارک لکھا گیا تھا۔

بہرحال رجب ۱۴۰۲ھ کے اس جلسۂ شوریٰ کے بعد سے دارالعلوم کا سارا نظام ان ہی تینوں حضرات مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اور دونوں نائب مہتمم صاحبان مولانا نصیر احمد خاں صاحب و مولانا محمد عثمان صاحب کے سپرد تھا، اور آج بھی انہی کے ہاتھوں میں ہے اور اسی قدیم مجلس شوریٰ کے حسب ہدایت وہی اس کو چلا رہے ہیں۔

ایسی صورت میں یہ کہنا یا لکھنا کہ دارالعلوم پر کسی سیاسی گروپ نے ناجائز قبضہ کرلیا ہے، ایسی غلط بیانی ہے جس کی تاویل و توجیہ نہیں کی جاسکتی — پورے خلوص کے ساتھ ہم ہر شخص کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ خود دارالعلوم میں آکر دیکھے کہ وہ کون لوگ ہیں جو اس کو چلا رہے ہیں۔

مجلس شوریٰ کے وہ ارکان جنھوں نے قاری صاحب کے دہلی کے اجتماع، ایڈہاک کمیٹی کی تشکیل اور مجلس شوریٰ اور دستور سے بغاوت اور جنگ کے ان موجب فتنہ اقدامات اور مالیات میں سخت بے احتیاطی کے ارتکاب کی بنا پر پہلے عہدۂ اہتمام سے انکی معطلی کا فیصلہ کیا اور اس کے بعد اُن کا استعفا آجانے پر اس کو منظور کرکے دارالعلوم سے ان کی قطعی بے تعلقی کا فیصلہ کیا، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

محدث عصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی

جناب مولانا سعید احمد اکبرآبادی (مدیر "برہان دہلی")

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری (خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رح)

جناب مولانا زین العابدین سجاد میرٹھی

جناب نواب عبیدالرحمٰن خاں شروانی (سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ)

جناب مولانا حکیم انعام اللہ صاحب (سابق پرنسپل طبیہ کالج علی گڈھ)

جناب مولانا محمد سعید بزرگ (مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

جناب الحاج علاء الدین صاحب (بمبئی)

جناب مولانا عبدالقادر صاحب مالیگانوی

جناب مولانا محمد عثمان صاحب (دیوبند)
جناب مولانا معراج الحق صاحب (صدر مدرس دار العلوم دیوبند)
جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند)
اور یہ عاجز راقم سطور محمد منظور نعمانی ــــــ

ان کے علاوہ جناب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور جناب مولانا حکیم محمد زمان حسینی (کلکتہ) مجلس شوریٰ کے اس جلسہ میں شریک تھے جس میں قاری صاحب کا استعفا منظور کیا گیا، اور دیگر تمام ارکان کی طرح ان دونوں حضرات نے بھی اس سے اتفاق اور اس پر اطمینان و مسرت کا اظہار فرمایا ــــــ خدارا کوئی بتائے کہ ان میں سے کون ہے جس کا کسی ایسے سیاسی گروپ سے تعلق ہے۔

مسز اندرا گاندھی اور مولانا اسعد مدنی

راقم سطور یہاں اس سلسلے میں اس بات کا ذکر کرنا بھی مناسب سمجھتا ہے کہ قاری صاحب نے اس تحریر میں تو دار العلوم پر قبضہ کے سلسلہ میں صرف ایک "سیاسی گروپ" کا لفظ لکھا ہے لیکن دوسرے ملکوں میں خاص کر عرب ممالک میں جو پروپیگنڈہ ان کی طرف سے بعض اخبارات و رسائل کے ذریعہ کرایا جارہا ہے اس میں دار العلوم پر قبضہ کے سلسلے میں ہندوستان کی حکومت، اس کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی اور مولانا اسعد میاں مدنی کا نام خاص طور پر لیا جارہا ہے۔ کویت سے ایک رسالہ "البلاغ" نکلتا ہے جو عالم عربی کے کثیر الاشاعت رسالوں میں ہے۔ اس کے تازہ شمارے (بابت صفر ۱۴۰۳ھ نومبر ۱۹۸۲ء) میں لندن کے ایک رسالہ کے حوالہ سے قاری محمد طیب صاحب کا ایک بیان نقل کیا گیا ہے۔ جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ اندرا گاندھی کی حکومت نے اسعد مدنی کے ذریعہ ہندوستان کے سب سے بڑے اسلامی مرکز دار العلوم پر قبضہ کرلیا ہے۔ اور اس سلسلے میں عالم اسلامی اور مسلم حکومتوں سے بڑے مظلومانہ انداز میں فریاد کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ حکومت ہند پر دباؤ ڈالیں اور آگے حکومت ہند کو دھمکی دی گئی ہے ــــ "البلاغ" میں شائع شدہ یہ بیان بہت طویل ہے ورنہ اس قابل تھا کہ اس پورے مضمون کا یہاں ترجمہ کیا جاتا ــــ کویت ہی کا ایک دوسرا رسالہ المجتمع ہے وہ بھی عالم عربی کا کثیر الاشاعت رسالہ ہے اس میں بھی دار العلوم

سے متعلق اس طرح کے مضامین قاری صاحب کے حلقہ کی طرف سے چھپے رہے ہیں جن کا تانابانا کذب وافترا کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

جب اس سلسلہ میں مسز اندرا گاندھی کا ذکر آگیا ہے تو راقم سطور ناظرین کو یہ بتلانا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ قاری محمد طیب صاحب تو دارالعلوم کے اس اختلاف سے پہلے بھی بار بار اندرا جی کے یہاں حاضری دیتے رہے ہیں اور ان کے وزیر اعظم منتخب ہونے پر مبارکباد کے تار بھی دیتے رہے ہیں (ان کے حالات سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص اس کو جانتا ہے اور اخبارات میں اسکی خبریں شائع ہوتی رہی ہیں) لیکن جوار کان شوریٰ ان کو عہدۂ اہتمام سے پہلے معطل کرنے اور اس کے بعد استعفا منظور کر کے ان کو دارالعلوم سے بے تعلق کرنے کے خاص طور سے ذمہ دار ہیں ان میں سے غالباً کوئی ایک بھی نہیں جس نے یہ "شرف" حاصل کرنے کا کبھی ارادہ بھی کیا ہو۔

اس موقع پر راقم سطور اپنا یہ ذاتی واقعہ ذکر کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا کہ اب سے قریباً تین سال پہلے جب دارالعلوم کا صد سالہ اجلاس ہوا تو مجھ کو بھی اس میں شریک ہونا تھا ایک دن پہلے پہنچنے کے حساب سے رزرولیشن بھی کرالیا تھا، لیکن جس دن میں روانہ ہونیوالا تھا اسی دن باوثوق ذریعہ سے مجھے اطلاع ملی کہ مولانا محمد طیب صاحب وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی سے اجلاس میں شرکت یا افتتاح کی درخواست کرنے کے لئے بہ نفس نفیس دہلی تشریف لے گئے تھے۔ انھوں نے پہلے معذرت کی کہ ـــــ دارالعلوم کے جیسے خالص دینی، مذہبی اجلاس میں میری شرکت مناسب نہ ہوگی ـــــ لیکن جب قاری صاحب نے بہت اصرار فرمایا تو انھوں نے منظور کرلیا ہے اور وہ اجلاس کے پہلے دن بلکہ افتتاح ہی کے وقت تشریف لائیں گی ـــــ تو میں نے اس کو دارالعلوم کی روح اور مقدس اسلاف کی ارواح طیبہ پر شدید ظلم سمجھا اور اسی وقت شرکت کا ارادہ فسخ اور رزرویشن کینسل کرادیا ـــــ مجھے ایسا یقین ہے جس پر مجھے قسم کھانا جائز ہے کہ برزخ اور عالم ارواح میں حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند اور حضرت تھانوی وغیرہ اکابر کو اگر اس کی اطلاع ہوئی ہوگی تو ان کی روحوں کو شدید صدمہ پہنچا ہوگا۔

میرے اس احساس اور فیصلہ کا تعلق خاص مسز اندرا گاندھی کی شخصیت یا ان کے وزیر اعظم ہونے کی حیثیت سے نہیں تھا، بلکہ اس کی بنیاد صرف یہ تھی کہ مسز گاندھی یا کسی بھی خاتون کو

جو خواتین کے طرز زندگی اور دائرۂ عمل کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر سے قطعاً مختلف نقطۂ نظر کی نمائندہ ہیں۔ اس اجلاس میں لاکھوں مسلم عوام اور ہزاروں علماء کرام کے سامنے شہ نشین پر متمکن ہونے اور ان کو خطاب کرنے کے لئے بلانا صرف نازیبا ہی نہیں تھا بلکہ ان مغرب زدہ اباحیت پسند متجددین کے لئے سند فراہم کرنا بھی تھا جو اسی اسلام سے متضاد نقطۂ نظر کے حامی و داعی ہیں، اور جن کی دعوت اور کوشش ہے کہ خواتین بھی بے حجاب و بے محابا اسی طرح اسٹیج پر آئیں اور اس معاملہ میں مرد و زن کی تفریق کا یہ طریقہ ختم ہو ــــ اور یہ سند بھی برصغیر کے سب سے بڑے دینی مرکز حضرت نانوتوی و حضرت گنگوہی کے دارالعلوم کی طرف سے۔ !

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قاری صاحب نے مسز گاندھی کو بلانے کے معاملے میں ارکان شوریٰ سے مشورہ نہیں کیا، کیوں کہ ان کو یقین تھا کہ وہ اس کی اجازت ہرگز نہیں دینگے۔ جو کچھ ان سطور میں عرض کیا گیا وہ یہ معلوم کرنے کے لئے کافی ہے کہ قاری صاحب کا مسز اندرا گاندھی کے ساتھ رد یہ اور تعلق کیا ہے اور کس درجہ کا رہا ہے اور ہم ارکانِ مجلس شوریٰ (جن کے خلاف قاری صاحب نے دارالعلوم پر قبضہ ہی کے سلسلہ میں عدالت میں دعویٰ دائر کر رکھا ہے، جن کے اسمائے گرامی اوپر لکھے جا چکے ہیں) اُن کا حال اور ان کی تاریخ اس لحاظ سے کیا ہے ــــ ان باتوں کا اظہار اس پروپیگنڈے کی وجہ سے ضروری ہو گیا جو قاری صاحب کی طرف سے اس سلسلہ میں دوسرے ممالک خاص طور سے عرب ممالک میں کیا جا رہا ہے۔

اسی طرح مولانا اسعد مدنی کے متعلق دارالعلوم کے سلسلہ میں جو پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے (جس کا ذکر کویت کے "البلاغ" کے حوالہ سے اوپر کیا گیا ہے) محض بہتان ہے، وہ نہ مجلس شوریٰ کے رکن ہیں، نہ دارالعلوم کے اہتمام و انتظام سے ان کا کوئی تعلق ہے ؛ ہاں قاری صاحب اور مجلس شوریٰ کے اس اختلاف میں دوسرے ہزاروں فرزندانِ دارالعلوم کی طرح وہ بھی مجلس شوریٰ کے موقف کے حامی اور مؤید ہیں اور اپنے پورے امکانیات کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ ہم اُن کے اور سب مخلص معاونین کے شکر گذار ہیں اور ہم تو ہر مسلمان سے تعاون کے طالب ہیں۔

تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹر کا مسئلہ :-

قاری صاحب نے اپنی اس تحریر میں اس سلسلے میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا پڑھنے والا ہر شخص یہی سمجھے گا کہ دارالعلوم پر جن لوگوں کا قبضہ ہے (یعنی اس کے موجودہ ارباب اہتمام و انتظام اور مجلس شوریٰ کے ارکان) انہی لوگوں نے سوسائٹی ایکٹ کے تحت دارالعلوم کو رجسٹرڈ کرا لیا ہے جو ناجائز ہے اور اس کی وجہ سے دارالعلوم میں ایسی تبدیلی آگئی ہے کہ اس کا زکوٰۃ و صدقات وغیرہ کا صحیح مصرف ہونا بھی مشکوک ہوگیا ہے اور یہ رجسٹریشن انہی لوگوں نے اب کرایا ہے۔

ناظرین کو یہ معلوم کرکے قاری صاحب کے اس بیان پر یقیناً حیرت ہوگی کہ واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ اب سے اٹھارہ سال پہلے ۱۹۶۵ء میں خود قاری صاحب نے مجلس شوریٰ سے منظوری حاصل کرکے بحیثیت مہتمم دارالعلوم اس رجسٹریشن کے لئے خود درخواست دیکر دارالعلوم کی مجلس شوریٰ اور دستور کو سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کرایا تھا (شاید اس لئے کہ اپنے بعض مخالفین سے ان کو یہ خطرہ رہتا تھا کہ وہ کسی وقت ہنگامہ کرکے "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے قانون کے مطابق دارالعلوم کے نظام پر اچانک قبضہ کرلیں۔ اس رجسٹریشن کے بعد قانونی حیثیت سے اس خطرہ کا سدباب ہوجاتا ہے) —— بہرحال یہ رجسٹریشن خود قاری صاحب نے اب سے ۱۸ سال پہلے درخواست دے کر کرایا تھا۔ اور اس وقت سے دارالعلوم، اس کی مجلس شوریٰ اور دستور رجسٹرڈ ہیں اور الحمد للہ اس کی وجہ سے انکو قانونی تحفظ حاصل ہے۔

(واقعہ یہ ہے کہ اس فتنہ وفساد کے زمانہ میں ہر بڑے دینی، ملی ادارے کے لئے یہ رجسٹریشن ضروری ہوگیا ہے، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور اسی طرح کے تمام بڑے دینی ملی ادارے پہلے سے اسی قانون کے تحت رجسٹرڈ ہیں)

اب قاری صاحب کے اس رویہ کے بارے میں ناظرین خود رائے قائم کرلیں کہ جب تک وہ مہتمم رہے یہ رجسٹریشن جائز تھا اور اس سے دارالعلوم کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور جب وہ فتنہ پردازوں کی سازش کا شکار ہوکر ان غلط کارروائیوں کی وجہ سے جن کا کچھ ذکر کیا جاچکا ہے، دارالعلوم سے بے تعلق ہوگئے (جس کی کچھ تفصیل آئندہ سطور سے

معلوم ہوجائے گی) — تو خود ان کا کرایا رجسٹریشن ناجائز ہوگیا اور اس کی وجہ سے دارالعلوم کا زکوٰۃ و صدقات وغیرہ کا صحیح مصرف ہونا بھی مشکوک ہوگیا — اللہ تعالیٰ قاری صاحب کو توفیق دے کہ وہ خود سوچیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور کیا لکھ رہے ہیں۔

قاری صاحب کے استعفے کا مسئلہ :-

قاری صاحب نے اپنے قلم سے لکھی ہوئی تحریر میں تیسری بات یہ فرمائی ہے کہ میں نے استعفا سوسائٹی کے نظم سے دیا ہے۔ دارالعلوم کے اہتمام سے استعفا نہیں دیا، مخالف فالبعض گروپ پروپیگنڈہ کررہا ہے کہ میں نے دارالعلوم کے اہتمام سے استعفا دیدیا ہے " — کاش قاری صاحب ایسی صریح غلط اور خلاف واقع بات اپنے قلم سے نہ لکھتے تو ہم جیسوں کو ان کے بارے میں عذر اور تاویل و توجیہ کی گنجائش رہتی —

استعفے کا واقعہ یہ ہے کہ دارالعلوم سے متعلق قاری صاحب کے مذکورۂ بالا افسوسناک اقدامات اور شدید بے ضابطگیوں، بے عنوانیوں کی بنا پر مجلس شوریٰ نے اپنے متعدد جلسوں میں ضابطہ کی کارروائی اور شرعی اور قانونی لحاظ سے اتمام حجت کے بعد آخر میں ان کو عہدۂ اہتمام سے معطل کردیا تھا، اور ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی تھی کہ اُن کے معاملات کی تحقیق کرکے وہ اپنی رپورٹ اور اپنی رائے بطور سفارش پیش کرے — ۲۴، ۲۵ شوال ۱۴۰۲ھ (۱۵، ۱۶ اگست ۱۹۸۲ء) کو مجلس شوریٰ کا اجلاس تھا — جس میں تحقیقاتی کمیٹی کی پیش کی ہوئی رپورٹ کی بنیاد پر مجلس شوریٰ کو ان کے بارے میں آخری فیصلہ کرنا تھا، اور وہ دارالعلوم کے اہتمام سے ان کی معزولی اور برطرفی ہی کا فیصلہ ہوتا جو تمام ارکانِ شوریٰ کے لئے ناخوشگوار بلکہ سخت کڑوا گھونٹ تھا۔

۲۴ شوال کو جب مجلس شوریٰ کے جلسہ میں اس مسئلہ پر غور ہو رہا تھا، اچانک بمبئی کے دو محترم حضرات جو دارالعلوم کے مخلص معاونوں اور قاری صاحب کے عقیدتمندوں اور ارادتمندوں میں سے ہیں (ایک جناب عزیز الحق صاحب چودھری جن کو اللہ تعالیٰ نے دینداری کے ساتھ دنیوی دولت سے بھی بھرپور نوازا ہے اور دوسرے جناب صوفی عبدالرحمٰن صاحب جو بمبئی کے ایک معزز تاجر خاندان کے فرد اور صوفی صافی بزرگ ہیں اور قاری صاحب کے خواص اہلِ تعلق میں سے ہیں) اچانک تشریف لائے اور انھوں نے قاری صاحب کے قلم کا لکھا ہوا استعفا، شوریٰ کے جلسہ میں پیش کیا —

— جو لفظ بلفظ درج ذیل ہے۔ ناظرین کرام بغور ملاحظہ فرمائیں[1]

قاری صاحب کا استعفا نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بگرامی خدمت فیض درجت حضرات اراکین شوریٰ دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم

سلام مسنون نیاز مقرون۔

آج سے اٹھاون سال قبل حضرات اکابر رحمہم اللہ کے حسب الحکم احقر نے اپنی طالب علمانہ افتاد طبع کے برخلاف محض تعمیلاً للامر کار اہتمام دارالعلوم سنبھالا آپ حضرات میں ابھی چند بزرگ وہ بھی بحمد اللہ موجود ہیں جو اس دور کے اکابر رحمہم اللہ کے طرز تربیت و شفقت اپنے خوردوں کے ساتھ اور اصاغر کا مطیعانہ طرز عمل اپنے بڑوں کے ساتھ دیکھنے والوں میں سے ہیں، ان کو شاہد بنا کر یہ کہنے میں احقر اپنے آپ کو حق بجانب جانتا ہے کہ دارالعلوم کے اس تعلق کے بارے میں از اول تا آخر یہی اعتقاد و یقین قلب میں راسخ رہا کہ یہ اپنی آخرت ہے دنیا نہیں ہے، اسی اعتقاد و یقین پر یہ اٹھاون سال کا زمانہ گذرا۔ لیکن اجلاس صد سالہ کے بعد ایسے امور پیش آئے کہ جن کا تصور و خیال بھی خدام و وابستگان کے وہم و گمان میں نہیں آسکتا تھا فتنوں کا ایک عظیم سیلاب اٹھا جس میں بہت سی چیزیں احقر کے ذوق اور حضرات اراکین شوریٰ کے ساتھ احقر کے با احترام قدیم تعامل کے بھی خلاف پیش آئیں۔ احقر کا دارالعلوم کے ساتھ جو روحانی اور خادمانہ تعلق و رابطہ ہے جو زندگی کے آخری سانس تک باقی رہے گا، اس کے تحت کبھی بھی کسی ممکن خدمت سے دریغ نہ ہوگا۔ لیکن بحالات موجودہ احقر اس رسمی تعلق سے استعفاء پیش کرتا ہے۔

[1] قاری صاحب کے قلم سے لکھے ہوئے اس استعفے کی فوٹو کاپی دارالعلوم کی طرف سے شائع کردی گئی ہے، ایک کارڈ لکھ کر "دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند" سے طلب کی جاسکتی ہے۔

فتنہ کے دوران جو غلطیاں ہوئیں اور ایسے حالات میں فریقین سے ہوتی ہیں
ان سے معذرت کرتا ہوں ـــ زیادہ احترامات

محمد طیب غفرلہٗ

از دیوبند ۹ اگست ۸۲ء

واضح رہے کہ قاری صاحب کو اب بھی اس کا اعتراف ہے کہ یہ استعفا نامہ ان کے قلم کا لکھا ہوا ہے، ۴ جنوری کو دارالعلوم ہی سے متعلق قاری صاحب کی طرف سے سول جج سہارنپور کی عدالت میں دائر کئے ہوئے ایک مقدمہ کے سلسلے میں قاری صاحب کا بیان اسی عدالت میں ہوا تھا معلوم ہوا ہے کہ قاری صاحب نے جج صاحب کے دریافت کرنے پر اس کا اقرار کیا کہ یہ استعفا میرے ہی قلم کا لکھا ہوا ہے، لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ یہ دارالعلوم کے اہتمام سے استعفا نہیں ہے بلکہ سوسائٹی سے استعفا ہے۔ یاللعجب

ناظرین کرام اس استعفا نامہ کے ایک ایک لفظ پر غور فرمائیں اس میں کسی سوسائٹی کو نہیں بلکہ " حضرات اراکین شوریٰ دارالعلوم دیوبند" کو مخاطب کیا گیا ہے اور اس میں صرف چار باتیں لکھی گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ احقر نے اپنی افتادِ طبع کے خلاف صرف اکابر کے حکم کی تعمیل میں اٹھاون سال پہلے کا راہتمام سنبھالا تھا۔ دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ دارالعلوم اس تعلق کے بارے میں اول سے آخر تک اعتقاد یہی رہا کہ یہ اپنی آخرت ہے دنیا نہیں ہے ـــ تیسری بات یہ فرمائی ہے کہ اجلاس صدسالہ کے بعد ایسے امور پیش آئے جن کا وہم و گمان نہیں ہو سکتا تھا ـــ آخر میں چوتھی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ احقر کا دارالعلوم کے ساتھ جو روحانی اور خادمانہ تعلق ہے اس کے تحت کبھی کسی ممکن خدمت سے دریغ نہ ہوگا لیکن بحالات موجودہ احقر اس رسمی تعلق سے استعفاء پیش کرتا ہے۔

آخر میں یہ بھی فرمایا ہے کہ فتنوں کے دوران جو غلطیاں ہوئیں اور ایسے حالات میں فریقین سے ہوتی ہیں ان سے معذرت کرتا ہوں۔

قاری صاحب کے استعفیٰ نامہ کی عبارت سیدھی سادی مولویانہ اردو میں ہے کسی اجنبی زبان میں نہیں ہے، ہر اردو پڑھ سکنے اور سمجھ سکنے والا غور کرے کہ کیا اس کا مطلب دارالعلوم کے اہتمام سے استعفیٰ کے سوا، اور جو غلطیاں ہوئیں ان سے معذرت کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟ ـــ اور کیا اس میں کسی طرح یہ مطلب ٹھونسا جا سکتا ہے کہ یہ کسی سوسائٹی کے نظم سے

استغفار ہے —

کیا اس میں کسی "رمز" کا کوئی ذکر یا اس کی طرف کوئی اشارہ بھی ہے؟ —— ناظرین کرام! غور فرمائیں کہ یہ تاویل و توجیہ ہے یا بھونڈی قسم کی غلط بیانی —— اللہ ہی جانتا ہے کہ اب قاری صاحب کس حال میں ہیں جو ایسی باتیں کہہ رہے ہیں اور اپنے قلم سے لکھ رہے ہیں سبحان اللہ مقلب القلوب۔

عبرت اور سبق :-

دارالعلوم دیوبند کے اس قضیۂ نامرضیہ کے سلسلے میں اب تک جو کچھ ہوتا رہا ہے اور اب سب سے آخر میں قاری صاحب کی اپنے قلم کی لکھی ہوئی اس تحریر میں جو کچھ سامنے آیا ہے اس کا سب سے بڑا سبق ہم سب کے لئے یہ ہے کہ کچھ خبر نہیں کہ کل ہمارا کیا حال ہو۔ ہم میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ سے برابر یہ دعا والتجا کرتے رہنا چاہئے کہ ایمان سلامت رہے۔ خدا کے خوف اور آخرت کی فکر سے دل خالی نہ ہو، شیطان کے فریب یا اپنے نفس کی تسویل سے جو غلطیاں اور گناہ سرزد ہو جائیں ان سے توبہ اور تلافی کی توفیق ملتی رہے، جب تک زندگی ہے اسی حال میں رہیں، اسی حال میں موت آئے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ مغفرت و رحمت کا فیصلہ فرمادے —— ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہے حضرت ام سلمہؓ کی روایت کی ہوئی یہ حدیث پاک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے۔ اللّٰھم مقلب القلوب ثبّت قلبی علیٰ دینک (اے دلوں کے پلٹ دینے والے خداوند! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت و قائم رکھنا!)

ایک دن میں نے عرض کیا کہ کیا بات ہے، آپ یہ دعا بہت زیادہ کرتے ہیں —— ؟ آپ نے فرمایا "اے ام سلمہ ہر آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جس کا چاہے سیدھا رکھے جس کا چاہے ٹیڑھا کردے (فمن شاء اقام ومن شاء ازاغ)

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ضمیمہ

قاری صاحب کے قلم کی لکھی ہوئی تحریر

جس کی فوٹو کاپی پاکستان کے ایک محترم فاضل دارالعلوم نے بھیجی ہے، جس کا گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے، اس کا پورا متن ناظرین کرام ذیل میں ملاحظہ فرمائیں فوٹو کاپی دارالعلوم کے دفتر اہتمام میں محفوظ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت المحترم المکرم زیدت معالیکم

سلام مسنون نیاز مقرون — اس المناک حادثہ سے جناب باخبر ہیں کہ ۲۳ر ۲۴ر مارچ ۸۲ء کو اندھیری رات میں ایک سیاسی گروپ نے ناپسندیدہ عناصر کی مدد سے دارالعلوم کی عمارت پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹریشن کے ذریعہ یہ گروہ اس کی مسلکی و مشربی تغیر، تبدل اور غیر قومی سرمایہ سے بچتے رہنے کی سوا سو سالہ تاریخی روایات کو مٹاتا چلا جا رہا ہے اس ناجائز رجسٹریشن سے جس کی قانونی حیثیت اب آ کر کھلی ہے مجلس شوریٰ قانوناً مینجنگ کمیٹی میں تبدیل ہو چکی ہے اور دارالعلوم وقف للہ رہنے کے بجائے قانوناً اس کی ملک بن گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں زکوٰۃ، خیرات اور صدقات کے صحیح مصرف ہونے کی شرعی حیثیت بھی مشکوک ہو گئی ہے اس لئے احقر نے اس سوسائٹی کے نظم سے استعفا دے کر اس سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور صرف منصب اہتمام کو باقی رکھا ہے، لیکن قابض گروپ کی طرف سے میری تحریر میں اضافے کرا کر اسے منصب اہتمام سے استعفا ظاہر کر کے غلط پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ اس المناک حادثہ کے بعد

حقیقی موقوفہ دارالعلوم کی بقاء اوسکی صحیح متوارث دینی تعلیم اور اوس کے مسلک و مشرب اور مقدس روایات کے تحفظ کے لئے تا اختتام قبضۂ ناجائز حفظ قرآن کریم سے دورۂ حدیث تک تعلیم کا سلسلہ طلبہ کی ایک بڑی تعداد اور قدیم الخدمت منجھے ہوئے تجربہ کار اساتذہ کے ذریعہ شروع کرا دیا گیا ہے، جنھوں نے قابض گروپ کے اس غیر شرعی اور غیر قانونی اقدام کا ساتھ دینے سے قطعی طور پر انکار کر دیا ہے۔ یہ پچاسی اساتذہ و کارکنان بے سروسامانی کے باوجود جامع مسجد میں پوری تندہی سے بحمد اللہ مصروف خدمت ہیں۔ طلبہ کے لئے شہر میں مکانات کرایہ پر حاصل کئے گئے اور مطبخ کے لئے از سرِ نو سامان خرید کر طلبہ کے کھانے کا نظم کیا گیا ہے، اسی کے ساتھ کتابوں کی خریداری بھی کی جا رہی ہے مگر قدم قدم پر سرمایہ کی قلت کی وجہ سے دشواریاں پیش آ رہی ہیں جس سے تاحال ضرورت کی حد تک نظم مکمل نہیں ہو سکا ہے۔ حامل عریضہ مولوی کرار حسین صاحب حقیقی دارالعلوم کے قدیم سفیر اور دارالعلوم کے معتمد و مخلص اور قدیم الخدمت سفراء میں سے ہیں۔ یقین ہے کہ سفیر صاحب موصوف جناب محترم کی توجہات عالیہ سے پورے طور پر مستفید رہیں گے۔ ان اللہ لایضیع اجر المحسنین

والسلام

(دستخط) محمد طیب - مہتمم دارالعلوم دیوبند

۸ ر ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ (مطابق ۲۶ ر ستمبر ۱۹۸۲ء)

قاری محمد طیب صاحب نے اس تحریر میں دارالعلوم کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے ناظرین کو اس کی حقیقت تو پچھلے صفحات میں معلوم ہو گئی۔ لیکن دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم سے مخلصانہ تعلق رکھنے والے بندگانِ خدا سے ہماری درخواست ہے کہ وہ دیوبند تشریف لائیں اور حقیقت حال کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ یہ دارالعلوم کا ان پر حق ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے قاری صاحب میں عمر کی اس آخری منزل میں جو حیرت انگیز تبدیلی آئی ہے اور وہ دارالعلوم کے سلسلے میں جو کچھ اب کر رہے ہیں اس میں ہم سب کے لئے عبرت کا بڑا سامان ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

(قسط ۲)

وضع حدیث کی ابتدا اور اسکے اسباب

السنۃ قبل التدوین ـــــــ محمد عجاج الخطیب مصری

ترجمہ ـــــــ مولوی محمد حنیف ملی ۔ مالی گاؤں

وضع حدیث اور خوارج

ہم کسی ایسے تحریری حوالہ سے واقف نہیں ہیں جس سے خوارج کے وضع حدیث کا اندازہ ہوسکے یا یہ معلوم ہوسکے کہ خوارج نے بھی اپنے موقف کی تائید اور دعوی کے ثبوت میں وضع حدیث کا سہارا لیا ہو، ہاں زیادہ سے زیادہ ابن لہیعہ، علامہ عبدالکریم اور علامہ سیوطی کے بعض حوالوں سے ان کے وضع حدیث کا ثبوت ملتا ہے، ابن لہیعہ فرماتے ہیں کہ "سمعت شیخا من الخوارج تاب ورجع وھو یقول ان ھذہ الاحادیث دین فانظروا عمن تاخذون دینکم انا کنا اذا ھوینا امراً صیرناہ حدیثا" (ترجمہ) میں نے ایک خارجی شیخ سے جو بعد میں تائب ہوگیا یہ کہتے سنا ہے کہ یہ حدیثیں دین ہیں لہذا خوب غور کرلو کہ تم اپنا دین کیسے آدمی سے لے رہے ہو، اور ہم جب کسی بات کو پسند کرتے تھے تو اسے دین بنا لیتے تھے۔

علامہ عبدالکریم فرماتے ہیں "قال لی رجل من الخوارج ان ھذا الحدیث دین فانظروا عمن تاخذون دینکم انا کنا اذا ھوینا امرنا جعلناہ حدیثا" علامہ سیوطی فرماتے ہیں "روی عن مشیخ خارجی انہ قال ان ھذہ الاحادیث دین فانظروا عمن تاخذون دینکم فانا کنا اذا ھوینا امرا صیرناہ حدیثا" یہ ایک مفہوم کی تین روایتیں ہیں جو خوارج کے وضع حدیث کا پتہ دیتی ہیں، لیکن ہمیں کوئی ایسی دلیل نہیں مل سکی جس سے ان کا واضع حدیث ہونا ثابت ہوسکے بلکہ ان کا جھوٹ نہ بولنا ان کے اسی اعتقاد کا نتیجہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے، اور کذب بھی بالاتفاق گناہ کبیرہ ہے۔

خوارج نقل روایت میں سچے ہیں، اس کی اور بھی دلیلیں ہیں، ایک دلیل تو خود علامہ

ابن تیمیہ کا یہ قول ہے جو روافض کی تردید میں ان سے منقول ہے "نحن نعلم ان الخوارج شر منکم ومع ھذا فما نقدر ان نرمیھم بالکذب لانا جربناھم فوجدناھم یتحرون الصدق لھم وعلیھم" ہم جانتے ہیں کہ خوارج تم سے بھی زیادہ برے ہیں تاہم ان پر کذب بیانی کی تہمت ہم نہیں لگا سکتے اس لئے کہ ہم نے انھیں آزمایا سچا پایا، وہ ہر حال میں سچائی کے متلاشی ہیں چاہے ان کے حق میں ہو یا ان کے خلاف۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں "ومن تامل کتب الجرح والتعدیل رای المعروف عند مصنفیھا بالکذب فی الشیعۃ اکثر عنھم فی جمیع الطوائف والخوارج مع مروقھم من الدین فھم من اصدق الناس حتی قیل ان حدیثھم من اصح الحدیث" (ترجمہ) جس نے بھی جرح وتعدیل کی کتابوں پر غور کیا ہے، اس کی رائے یہی ہے کہ شیعہ مصنفین دوسرے طبقوں سے زیادہ کذب بیانی کرتے ہیں اور خوارج دین سے منحرف ہونے کے باوجود اور لوگوں سے زیادہ سچے ہیں، بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ سب سے زیادہ صحیح حدیث خوارج کی ہوتی ہے۔

امام ابو داؤد فرماتے ہیں "لیس فی اصحاب الاھواء اصح حدیثا من الخوارج" ہوا خواہوں اور نفس پرستوں میں خوارج سے زیادہ صحیح حدیث والا کوئی دوسرا گروہ نہیں ہے۔

ان دلیلوں کے ہوتے ہوئے خوارج کے کذب بیانی کا جو ثبوت بعض روایات سے ملتا ہے اس کی وضاحت بھی ہمارے لئے ضروری ہے، اوپر کی ذکر کردہ روایتوں سے خوارج ہی کے کسی شیخ کے بیان کے مطابق وضع حدیث کا پتہ ضرور چلتا ہے لیکن یہ شیخ کون ہیں ہم نہیں جانتے ہاں خطیب بغدادی نے حماد بن سلمہ سے ابن لہیعہ کی طرح کتاب کے اسی صفحہ پر کسی رافضی شیخ سے یہی روایت نقل کی ہے اس لئے اس کا احتمال ہے کہ راوی یا کاتب کی غلطی ہو، اگر اسے خطا تسلیم بھی کرلیں تو دوسری دو روایتیں جن میں غلطی کا کوئی شائبہ بھی نہیں اس کے بارے میں ہمارا کیا موقف ہوگا، اس لئے کہ جن روایات سے خوارج کے صدق کا ثبوت ملتا ہے یہ دونوں روایتیں اس کے بالکل مخالف ہیں، لہذا یہ ضروری ہوا کہ حدیث کو راوی کے وہم پر محمول کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ حدیث کے راوی کو شیخ کے خارجی ہونے نہ ہونے میں وہم ہو گیا ہے، اور اس سے بھی زیادہ راجح بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں روایتیں شیخ کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہیں اور عبد الرحمان بن مہدی سے جو مروی ہے کہ خوارج اور زنادقہ نے یہ حدیث " اذا اتاکم

عنی حدیث فاعرضوا علی کتاب اللہ فان وافق کتاب اللہ فانا قلتہ" ؟ وضع کی ہے اس قول کو تو ڈاکٹر سباعی نے مہمل ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ زندیقیوں کا الزام ہے، غرض س طرح یہ بات واضح ہے کہ خوارج وضع حدیث کے اس دلدل میں غوطہ زن نہیں ہیں، جیسا کہ ان کے احتیاط سے معلوم ہو چکا ہے۔

۲ــــ دشمنانِ اسلام :ــ اسلام نے قیصر و کسریٰ کی حکومت اور ان کی شان و شوکت کو تاراج کر دیا جو سادہ اور غریب عوام پر حکمرانی کرتے تھے، انھیں ہر طرح کی اذیت دیتے، ان کے بچوں کو غلام بناتے اور ان کی نفیس چیزوں پر قبضہ کر لیتے تھے، ان خود سر حکمرانوں کے ارد گرد کچھ استغلال کرنے والے لوگ ہوتے جو ان کی آڑ میں پورا فائدہ اٹھاتے تھے اور رعایا سے نفع خوری کے لئے جن کے پاس مخصوص وسائل بھی تھے، لیکن جب اسلام پھیلا اور ان مظلوم قوموں کے دل ان مسلمانوں سے مانوس ہو گئے تو ان لوگوں نے آزادی کا لطف اٹھایا اور اب انھیں انسانی عظمتوں کا احساس بھی ہوا، اور یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب حکام کے ہاتھ سے اقتدار چھن چکا تھا اور اب ان غریب عوام سے نفع اندوزی کا کوئی موقع بھی نہ تھا جو ظلم وستم سہہ لینے کے بعد زندگی کی قدر و قیمت سمجھ چکے تھے، اس خود غرض گروہ کو نئے اور مفید اسلامی نظام میں کوئی کشش کی چیز نہ تھی، کیونکہ یہ استغلال اور نفع اندوزی کے خوگر تھے، اس لئے انھوں نے اپنے سینوں میں اسلام اور مسلمانوں کی عداوت کو جگہ دی، چونکہ اسلامی حکومت ہونے کی وجہ سے اپنی طمع خام اور ناکام امنگوں کو بزور شمشیر پوری نہیں کر سکتے تھے، اس لئے غلط، بے ہودہ، من گھڑت باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے اسلامی نظام سے مسلمانوں کو برگشتہ اور متنفر کرنے میں لگے رہے تاکہ مسلمان اسلام سے دور ہو جائیں، ان لوگوں نے اسلامی عبادات اور عقائد کی انتہائی بگڑی ہوئی تصویر پیش کی اور مختلف روپ میں یا جداگانہ فرقوں کے نام سے خود کو پیش کرتے رہے، لیکن جو کچھ چاہتے تھے اس کا انھیں کوئی موقع نہ رہا بلکہ اسلام کی شان و شوکت، اس کے عظیم مقاصد اور بے داغ عقیدے کے سامنے ان کی تمام کوششیں کمزور ثابت ہوئیں۔

ہم اس گروہ کی بھی چند موضوع روایتیں اختصار سے پیش کر رہے ہیں جن کے ذریعہ وہ اسلام کے ماننے والوں کو گمراہ کرتے اور اسلام قبول کرنے والوں کو نفرت دلاتے تھے۔ مثلاً "ان نفرا من الیھود اتوا الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا من یحمل العرش فقال تحملہ الھوام بقرونھا فقالوا نشھد انک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" یہودیوں کی ایک جماعت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور دریافت کیا کہ اللہ کے نبی عرش باری کو کس نے اٹھایا ہے، آپ نے فرمایا کہ جانوروں نے اپنی سینگوں پر اٹھایا ہے۔

حضرت علامہ ابوالقاسم بلخی فرماتے ہیں کہ قسم بخدا یہ رسول اللہؐ پر سراسر بہتان ہے، تمام مسلمانوں کا تو اجماع ہے کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے ہیں، اسی طرح "المجرة التی فی السماء عرق الافعی التی تحت العرش" آسمان کے کہکشاں اس سانپ کا پسینہ ہے جو عرش باری کے نیچے رہتا ہے علامہ بلخی فرماتے ہیں کہ ایسی روایتیں تو وہی شخص بیان کرے گا جو دین سے تغافل اور لاپرواہی برتتا ہے اور مسلمانوں نے یہ کب کہا ہے کہ عرش باری کے نیچے سانپ ہے، یہ تو بددین قسم کے لوگوں کی دسیسہ کاری ہے۔ اسی طرح یہ حدیث "یارسول اللہ ممار بنا قال من ماء مرور لا من ارض ولا سماء خلق خیلا فاجراھا فخلق نفسہ من ذلک العرق"۔ ایسی کم روایات کبھی کوئی مسلمان یا سمجھدار انسان ہرگز وضع نہیں کرے گا۔

بے شک یہ لوگ اسلام کے حق میں اوروں سے زیادہ نقصان رساں اور مصیبت کا باعث ہیں ان میں بہت سے ایسے ہیں جو انتہائی غلیظ افترا اور کذب بیانی سے کام لیتے ہیں، انہی میں ایک شخص عبدالکریم بن ابی العوجا بھی ہے، جس نے قتل ہونے سے پہلے وضع حدیث کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا "واللہ لقد وضعت فیکم اربعۃ الاف حدیث احرم فیہا الحلال واحل الحرام" میں نے تقریباً چار ہزار حدیثیں وضع کی ہیں جس میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا ہے۔ حضرت مہدی فرماتے ہیں کہ ایک زندیق (بددین) نے میرے سامنے اعتراف کیا کہ اس نے ایسی چار سو حدیثیں وضع کی ہیں جو لوگوں میں عام ہو چکی ہیں۔ حضرت حماد بن زید فرماتے ہیں "وضعت الزنادقہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اثنی عشر الف حدیث بثوھا فی الناس" زنادقہ نے بارہ ہزار موضوع احادیث وضع کر کے لوگوں میں پھیلا دی ہیں اور بعض روایتوں میں ۱۴ ہزار کا ذکر ہے مگر یہ تمام موضوع حدیثیں علماء حدیث کی نظر سے نہ چھپ سکیں، ان علماء نے انہیں بے نقاب کیا اور ان کذب پردازوں کا تعاقب بھی کیا جو حدیث وضع کرنے میں لگے رہے۔

۳ــــ علاقائی، حکومتی، خاندانی اور قومی عصبیت :-

بنو امیہ نے اپنی حکومت کا نظام چلانے کے لئے تمام تر اعتماد عربوں پر کیا اور قومی عصبیت کا سہارا لیا، یہاں تک کہ بعض عربوں نے غیر عرب مسلمانوں کو ایسی نظر سے دیکھا جو اسلامی روح کے بالکل منافی ہے، قومیت کے اس تعصب کو غیر عرب مسلمانوں نے جنھیں موالی کہا جاتا ہے بڑی شدت

سے محسوس کیا یہ بےچارے عرب اور غیر عرب میں انسانی برابری اور مساوات قائم کرنے کی کوشش کرتے رہے اور اپنے مقصد کے لئے ہر طرح کی شورش سے وابستہ رہے اور عربوں کو ہر طرح کا اعزاز بھی دیتے رہے لیکن ان غیر عربوں کے اس جذبہ نے انہیں اپنی قدر و منزلت بڑھانے کے لئے وضع حدیث پر آمادہ کیا، ان کی چند موضوع روایات یہ ہیں " ان کلام الذین حول العرش بالفارسیۃ وان اللہ اذا اوحی امرا فیہ لین اوحی بالفارسیۃ واذا اوحی امرا فیہ شدۃ اوحاہ بالعربیۃ" جو فرشتے عرش باری پر رہتے ہیں ان کی زبان فارسی ہے اور جب خدا کوئی نرم حکم فرماتے ہیں تو وحی فارسی زبان میں بھیجتے ہیں اور جب کوئی حکم ایسا دیتے ہیں جس میں شدت ہو تو وحی عربی میں کرتے ہیں۔ دوسرے گروہ نے اس کے مدمقابل حدیث وضع کی: " ابغض الکلام الی اللہ الفارسیۃ کلام الشیاطین الخوزیۃ وکلام اھل النار البخاریۃ وکلام اھل الجنۃ العربیۃ" خدا کی نظر میں سب سے زیادہ قابل نفرت زبان فارسی ہے اور شیطان کی زبان خوزیہ ہے اور جہنم والوں کی زبان بخاریہ ہے اور جنت والوں کی عربی ہے۔ ایک اور موضوع حدیث یہ ہے۔ "دعونی من السودان فان الاسود لبطنہ ووجھہ" مجھے سوڈان سے کوئی سروکار نہیں، وہ تو دل اور چہرے دونوں کے کالے ہیں۔

بعض عرب قبیلوں کی تعریف میں حدیث وضع کرنے کی وجہ ہمارے نزدیک اس قومی عصبیت کو ہوا دینے کے سوا کچھ اور نہیں ہے جو یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد اموی دور حکومت میں ظاہر ہوئی تھی، پھر جس طرح قومیت، زبان، برادری کے ساتھ شہروں اور اماموں کی فضیلت میں حدیثیں وضع ہوئیں ہمارا خیال ہے کہ اس پر اسلامی دارالخلافہ کے بدلتے رہنے کا بھی بڑا اور دور رس اثر پڑا ہے جس نے بعض متعصبین کو اپنے علاقوں اور امام کی منقبت میں حدیث وضع کرنے کا موقعہ بھی فراہم کیا۔

بلاشبہ خلفاء کے ساتھ عصبیت کا یہ سلسلہ تیسری صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے جو نادان اور جاہل حامیوں کے ذریعہ ہوا، انہی کی وجہ سے شہروں کی فضیلت میں حدیثیں وضع ہوئیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں " اربع مدائن من مدائن الجنۃ فی الدنیا مکۃ والمدینۃ وبیت المقدس ودمشق" دنیا کے چار شہر جنتی ہیں، مکہ، مدینہ، بیت المقدس اور دمشق۔ " یکون فی امتی رجل یقال لہ محمد بن ادریس ھو اضر امتی من ابلیس" میری امت میں محمد بن ادریس نام ایک شخص ہوگا جو میری امت کے لئے ابلیس سے زیادہ ضرر رساں ہوگا۔ " ویکون فی امتی

رجل یقال لہ ابو حنیفۃ ھو سراج امتی" میری امت میں ابو حنیفہ نامی ایک شخص ہوں گے جو میری امت کے روشن چراغ ہوں گے۔ اور بعض موضوع روایات میں ہے "وسیاتی من بعدی رجل یقال لہ النعمان ویکنی ابا حنیفۃ لیحیین دین اللہ وسنتی علی یدیہ" میرے بعد ایک شخص ہوں گے جن کا نام نعمان کنیت ابو حنیفہ ہوگی، خدا کا دین اور میری سنت دونوں اس کے ہاتھ پر زندہ ہو کر رہیں گے۔

۴۔ واعظین :- خلافت راشدہ کے آخر وقت میں واعظوں کا گروہ بھی نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے عالم اسلام کی مختلف مسجدوں پر قابض ہوگیا، ان میں بعض واعظین کے لئے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ سننے والے بڑی تعداد میں جمع ہوں اور یہ لوگ ان کی مرضی کے مطابق موضوع حدیثیں بیان کریں جن سے ان کے جذبات برانگیختہ ہوں اور ان میں حرکت پیدا ہوسکے، اس وقت کی سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ جو موضوع حدیث بیان کی جاتی اسے نہ یہ واعظ برا سمجھتے تھے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسے بہتان تصور کرتے تھے، بڑے دکھ کی بات یہ بھی تھی کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط نسبت کے باوجود ان موضوع روایتوں کو سنتے ان کی تصدیق کرتے اور اس کی طرف سے مدافعت بھی کرتے تھے، سننے والے لوگ زیادہ تر جاہل اور سادہ لوح ہوتے، جنھیں تلاش و تحقیق سے کوئی مطلب ہی نہیں تھا، ان پیشہ ور واعظوں نے جو حدیثیں وضع کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے" ان فی الجنۃ شجرۃ تخرج من اعلاھا الحلل ومن اسفلھا خیل ابلق من ذھب مرجۃ ملجمۃ بالدر والیاقوت لا تروث ولا تبول ذوات اجنحۃ فتجلس علیھا اولیاء اللہ فتطیر بھم حیث شاءوا" جنت میں ایک درخت ہے جس کے بالائی حصے سے بیش قیمت جوڑے اور نشیبی حصے سے چتکبرے گھوڑے نکلیں گے جن کی لگام یاقوت اور جواہرات کی ہوں گی، نہ انھیں پیشاب کی ضرورت ہوگی نہ پاخانے کی، ان کے بازو ہوں گے اس پر اولیاء اللہ بیٹھ کر جہاں چاہیں گے اڑتے ہوں گے۔

محدثین کرام نے ان خود ساختہ واعظوں کا خوب مقابلہ کیا اور ان کی افترا پردازی کو بے نقاب کرکے چھوڑا، ان واعظوں کے حامیوں کی طرف سے انکار اور اذیت کا سامنا بھی کرنا پڑا، اس سلسلہ کے بہت سے دلچسپ واقعات بھی ہیں، ان میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ امام شعبی نے شام کے کسی علاقہ میں ایک واعظ پر اس کی کذب بیانی پر نکیر کی تو تمام لوگ ان کو مارنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے پیچھے اس طرح پڑ گئے کہ امام عامر شعبی کو اپنی جان بچانے کے لئے واعظ کی بات

تسلیم کرنی پڑی۔

محدثین اپنے شاگردوں اور بھائیوں کو بھی واعظوں کی ان مجلسوں میں بیٹھنے سے روکا کرتے تھے، جیسا کہ امام عاصم فرماتے ہیں "کنا نأتی ابا عبد الرحمٰن السلمی ونحن غلمۃ ایفاع فکان یقول لنا لا تجالسوا القصاص غیر ابی الاحوص وایاکم وشقیقا قال و کان شقیق ھذا یری رأی الخوارج ولیس بابی وائل"۔ ہم جوانی کی عمر میں حضرت عبدالرحمٰن سلمی کے پاس آتے تھے وہ ہمیں فرمایا کرتے تھے کہ ابو الاحوص کے علاوہ کسی اور واعظ کی مجلس میں مت بیٹھنا، اور شقیق کی مجلسوں سے بھی بچو جو خوارج کا ہم خیال تھا، یہ شقیق ابو وائل نہیں ہیں۔

ان میں بہت سے واعظ گداگر بھی تھے جو حدیثیں وضع کر کے لوگوں کو خیرات واحسان کی ترغیب دیا کرتے تھے، جیسا کہ ابن جوزی نے ابو جعفر طیالسی سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے مسجد رصافہ میں نماز ادا کی اتنے میں ایک واعظ کھڑا ہوا اور کہنا شروع کیا "ہم سے امام احمد اور یحییٰ بن معین سے بحوالۂ انس یہ حدیث سنی ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہے گا تو خدا اس کے لئے ہر کلمہ کے بدلے ایسا پرندہ پیدا کرے گا جس کے پَر مرجان کے اور چونچ سونے کی ہوگی" اس واعظ نے ایک قصہ بیان کرنے پر بیس درہم وصول کئے، امام احمد حیرت سے یحییٰ کو اور امام یحییٰ امام احمد کو دیکھنے لگے، اور فرمایا، آپ نے ایسی کوئی روایت بیان کی ہے؟ اس پر فرمایا کہ قسم بخدا یہ روایت تو میں اب اس کی زبان سے پہلی بار سن رہا ہوں، جب وہ شخص قصہ کہہ کر فارغ ہوا اور بہت سا روپیہ بھی وصول کر لیا تو مزید روپیوں کے لالچ میں بیٹھ گیا، حضرت یحییٰ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ یہاں آجاؤ، پیسوں کے لالچ میں آگے بڑھا، حضرت یحییٰ نے اس سے کہا، یہ حدیث تجھ سے کس نے بیان کی ہے؟ اس نے کہا امام احمد اور یحییٰ نے، انھوں نے کہا میں یحییٰ ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں، ہم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی کوئی حدیث نہیں سنی ہے، اس نے کہا: ہم سنا کرتے تھے کہ یحییٰ بن معین احمق ہیں، آج یہ بات ثابت ہوگئی، کیا اس دنیا میں تم دونوں کے علاوہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نامی کوئی اور شخص نہیں ہے؟ میں نے تو تقریباً سترہ احمد و یحییٰ سے یہ حدیث لکھی ہے، یہ سنکر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آستین اپنے چہرہ پر رکھلی اور فرمایا، یحییٰ، اسکو چھوڑ دو، یہ واعظ جیسے دونوں سے مذاق کرتا ہوا چلا گیا۔

ان میں بعض پیشہ ور واعظ ایسے بھی تھے جو طوطے کی طرح چند مشہور حدیثیں یاد کر لیتے، اور عجیب وغریب حدیثیں وضع کر کے بڑی بے حیائی کے ساتھ مشہور سندوں سے جوڑ کر بیان کرتے تھے، جیسا کہ واعظ مذکور نے حضرت امام احمد بن حنبل کے ساتھ کیا تھا اور جیسا کہ ایک دوسرے مکار واعظ نے کیا ہے، جس کی جہالت اور غلط بیانی کا تذکرہ علامہ ابوحاتم لبستی نے کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں ایک مسجد میں آیا، اتنے میں نماز کے بعد ایک نوجوان کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ حدثنا ابو خلیفۃ ثنا ابوالولید عن شعبۃ عن قتادۃ عن النبیؐ اور پھر ایک حدیث ذکر کیا، علامہ لبستی فرماتے ہیں کہ جب وہ وعظ سے فارغ ہوا تو میں نے اسے بلا کر پوچھا تو نے ابوخلیفہ کو دیکھا ہے، اس نے کہا نہیں۔ میں نے کہا پھر یہ روایت تو ان سے کیسے بیان کرتا ہے۔ اس نے کہا ہمارے ساتھ یہ مروت کی کمی کی بنا پر ہے، مجھے یہ سند یاد ہے میں جب کوئی حدیث سنتا ہوں تو اس کو اسی سند سے جوڑ دیتا ہوں۔

حضرت ایوب سختیانی بتایا کرتے تھے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان واعظوں کی وجہ سے بڑا نقصان پہنچا ہے، ان کا قول ہے "ما افسد علی الناس حدیثھم الا القصاص" ان واعظوں ہی نے لوگوں میں غلط حدیثیں پھیلائی ہیں، ایک جگہ فرماتے ہیں "ما امات العلم الا القصاص" علم نبوت کو تو واعظوں ہی نے بے جان اور مردہ کر رکھا ہے، ان واعظوں نے جو حدیثیں وضع کی ہیں پہلی صدی ہجری میں ان کی تعداد بہت کم ہے، بعد کے دور میں اس میں بہت اضافہ ہوا ہے جسے اہل علم نے بے نقاب بھی کر دیا ہے اور اس کے وضع کرنے والوں کی نشان دہی بھی کر دی ہے اور اس قدر تحقیق کی ہے کہ صحیح حدیثیں موضوع اور بے بنیاد روایتوں سے بالکل نمایاں ہو چکی ہیں۔

۵۔ دین میں بیگانگی کے باوجود خیر کی ترغیب:۔ میں پہلے بتا آیا ہوں کہ جو فتنے ظہور میں آئے اور ان کے نتیجے میں جو سیاسی و مذہبی گروہ پیدا ہوا اس نے کبھی اپنے موقف کی تائید میں، کبھی اپنے رہنما کی رفعت شان میں، اور کبھی فریق مخالف کا مقام و مرتبہ کم کرنے کے لئے، حدیثیں وضع کی ہیں، انہی کے بعد کچھ عابد و زاہد اور نیک دل لوگ اٹھے جنھیں امت کا یہ انتشار برا معلوم ہوا اور حدیثیں وضع کرنا شروع کیں تاکہ دونوں مخالف فریق کو قریب کر سکیں اور دونوں کے رہنماؤں کی عظمت بھی بڑھا سکیں، ان سادہ دل بندوں کو زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی نہیں بھایا کہ لوگ آخرت سے غافل ہو کر دنیا میں لگے رہیں، اس لئے

اخلاص کے ساتھ انہوں نے شوق اور خوف پیدا کرنے والی حدیثیں وضع کیں اور دین سے ناواقف ہونے کی بنا پر لوگوں کو اچھے اعمال کی ترغیب دینے کے لئے خوب حدیثیں وضع کیں، گویا احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قیمتی اور مقدس ذخیرہ (جس کی خوبی بیان نہیں کی جاسکتی) نہ ان کے دل صاف کرسکا اور نہ ان کی پیاس بجھا سکا، اس لئے وہ اللہ کے رسول کی طرف غلط، بے بنیاد حدیثیں منسوب کرنے لگے اور جب انہیں اللہ کے رسول کی یہ حدیث "من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار" یاد دلائی جاتی ہے تو کہدیا کرتے کہ ہم نے تو فائدہ پہنچانے کے لئے کذب بیانی سے کام لیا ہے، بڑے افسوس اور حیرت کی بات تو یہ ہے ان کی اس نیکی سے سادہ عوام نے دھوکہ کھا کر ان کی تصدیق بھی کی اور ان پر اعتماد بھی کیا، دوسروں سے زیادہ ان لوگوں سے دین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، اس لئے کہ عوام ان کے زہد و تقویٰ سے واقف ہیں، ان کو دیکھ کر ایک عامی آدمی تو یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ ایسے نیک لوگ بھی جھوٹ بولیں گے، اس سلسلے میں حضرت محمد بن یحییٰ اپنے والد کا قول نقل کر رہے ہیں "لم نر الصالحین فی شیٔ اکذب فی الحدیث" ہم نے حدیث کے باب میں نیک لوگوں کو سب سے زیادہ کذب بیانی کرتے ہوئے دیکھا ہے، حضرت ابو عاصم نبیل فرماتے ہیں مارأیت الصالح یکذب فی شیٔ اکثر من الحدیث" ہم نے حدیث میں نیک لوگوں کو سب سے زیادہ جھوٹ کہتے ہوئے پایا، امام حاکم حضرت ابو عمار مروزی سے نقل کرتے ہیں کہ ابو عصمہ نوح بن مریم سے پوچھا گیا کہ سورتوں کی فضیلت کی اتنی روایات تم نے حضرت عکرمہ سے کیسے حاصل کرلی، جب کہ عکرمہ کے شیوخ کے پاس ایسی کوئی بھی روایت نہیں ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے جب دیکھا کہ لوگ قرآن کریم سے دلچسپی کم لے رہے ہیں اور امام ابو حنیفہ کی فقہ اور امام محمد بن اسحاق کی مغازی سے ان کی دلچسپی بڑھ رہی ہے تو یہ حدیثیں لوگوں کی ترغیب کے لئے نیک نیتی سے میں نے وضع کرلیں، ابن مہدی فرماتے ہیں کہ میں نے میسرہ بن عبدربہ سے کہا تم نے "من قرأ کذا فلہ کذا" جیسی حدیثیں تم نے کس سے اخذ کی ہیں، انھوں نے کہا یہ تو میں نے لوگوں کی ترغیب سے وضع کی ہے، حضرت ابو عبداللہ نہاوندی نے حضرت خلیل کے غلام احمد بن محمد غالب باہلی سے کہا کہ یہ زہد و رقائق کی حدیثیں تم نے کہاں سے حاصل کیں، انھوں نے کہا ہم نے لوگوں کے دلوں کو نرم کرنے کے لئے ان حدیثوں کو وضع کیا ہے، یہ احمد بن محمد ہیں جن کے زہد و تقویٰ کی بڑی دھوم تھی، وہ اس زمانہ میں زاہد بغداد کے نام سے مشہور تھے، جب ان کا انتقال ہوا تو سارا بغداد بند رہا اور ان کی لاش بصرہ لائی گئی، وہ بیک وقت بہت سے علوم کے حافظ تھے، پھر بھی علماء نے ان سے علم حاصل کیا بلکہ ان کے سارے حالات تفصیل سے بیان کردیے

۶ — علم کلام اور فقہی اختلافات :- سیاسی جماعتوں کی طرح فقہ وکلام کے حامیوں نے بھی اپنے موقف کی تائید میں حدیثیں وضع کیں، ان موضوعات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ محمد بن عکاشہ کرمانی سے کہا گیا کہ کچھ لوگ رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے ہیں تو حضرت محمد بن عکاشہ نے مسیب بن واضح کے حوالے سے حضرت انس کی حدیث نقل کی "من رفع یدیہ فی الرکوع فلا صلوٰۃ لہٗ" جس نے رکوع میں رفع یدین کیا اس کی نماز نہیں ہوئی۔ اسی طرح یہ موضوع روایت "کل ما فی السمٰوٰت والارض وما بینہما فہو مخلوق غیر اللہ والقرآن وذلک ان کلامہ منہ بدأ والیہ یعود وسیجیٔ اقوام من امتی یقولون القرآن مخلوق فمن قال منہم فقد کفر باللہ العظیم وطلقت امرأتہ من ساعتہ لانہ لا ینبغی لمومنۃ ان تکون تحت کافر (ترجمہ) زمین و آسمان اور اس کے درمیان جو کچھ ہے خدا اور قرآن کے سوا سب مخلوق ہے، قرآن اس لئے کہ وہ خدا کا کلام ہے اسی کی ذات سے صادر ہوا اور وہیں واپس ہوگا اور میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن کو مخلوق کہیں گے، جن لوگوں نے قرآن کو مخلوق کہا وہ کافر ہیں اور ان کی بیوی فوراً مطلقہ ہوگئی اس لئے کہ کسی مومن عورت کو کافر کے نکاح میں رہنا کسی طرح درست نہیں، اس روایت کا عیب اور الفاظ کا پھسپھسا پن ہی اس کے موضوع ہونے کی ظاہری علامتیں ہیں، اسی طرح زہیر بن معاویہ نے ایک اور روایت محرز ابو رجاء سے نقل کی ہے جو پہلے تقدیر کے منکر تھے بعد میں تائب ہوگئے وہ حدیث یہ ہے "لا ترووا عن احد من اہل القدر شیئا فواللہ لقد کنا نضع الاحادیث ندخل بہا الناس فی القدر نحتسب بہا ولقد ادخلت اربعۃ الاف من الناس" منکرین قدر سے روایتیں مت کرو قسم بخدا ہم حدیثیں وضع کرکے ثواب سمجھ کر لوگوں کو تقدیر کا منکر بناتے تھے اور میں نے خود چار ہزار آدمیوں کو منکرین قدر میں شامل کیا ہے، حضرت زہیر بن معاویہ فرماتے ہیں کہ اب ان لوگوں کا کیا ہوگا جو آپ نے شامل کردیا ہے، انہوں نے کہا میں انہیں اب خارج کررہا ہوں۔

۷ — بادشاہوں کا قرب اور دیگر اسباب :- جہاں تک ہمیں معلوم ہے کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا کہ محدثین وغیرہ نے خلفاء بنو امیہ اور ان کے امراء کی مرضی کے مطابق حدیث وضع کرکے ان کا قرب حاصل کیا ہو، ہاں شیعہ نے یہ تہمت بعض صحابہ اور تابعین پر لگائی ہے جس کی مدلل اور تفصیلی تردید ہم نے تذکرہ ابو ہریرہ کی دوسری فصل میں کردی ہے تاہم یہ بالکل فطری بات ہے کہ بعض ریاکار اور خود غرضوں نے ان بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے حدیثیں وضع کی ہیں، ایسی مثالیں بنو عباس کے دور حکومت میں بھی ملتی ہیں، چنانچہ حاکم نے ہارون بن ابی عبید اللہ سے نقل کیا ہے کہ مہدی نے

کہا ہے کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مقاتل کیا کہتا ہے، اس نے کہا ہے کہ تم چاہو تو عباس کے بارے میں بہت سی روایتیں وضع کردوں، میں نے کہا کہ مجھ کو اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، اسی طرح غیاث بن ابراہیم نے بھی مہدی کے لئے حدیث "لا سبق الا فی نصل او خف او حافر" میں کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے او جناح کا اضافہ اپنی طرف سے اس وقت کیا جب مہدی کو کبوتروں سے جی بہلاتے دیکھا، یہ سنکر مہدی نے اس شوق کو ترک کردیا اور غیاث ابن ابراہیم کو دس ہزار درہم دے کر کبوتر کو ذبح کر ڈالا، بعد میں مہدی نے غیاث کو یہ بھی کہا اشهد علی قفاك انه قفا كذاب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ رسول اللہ پر الزام لگانے والے کا دماغ ہے، لیکن غیاث بن ابراہیم کی جسارت پر مہدی کا صرف انکار کردینا کسی طرح کافی نہیں تھا بلکہ اس کی کذب بیانی پر بیت المال سے دس ہزار دینا بھی نہایت ضروری تھا، مہدی کو اسے متنبہ کرنا بلکہ قتل نہیں تو اس جرم پر قید میں ڈالدینا نہایت ضروری تھا۔

ان کے علاوہ اور بھی کچھ اسباب ہیں جنھیں محدثین نے ذکر کیا ہے مثلاً حاکم سیف بن تمیمی سے نقل کیا ہے "قال كنت عند سعد بن طريف فجاء ابنه من الكتاب يبكي فقال مالك؟ فقال ضربني المعلم قال لاخزينهم اليوم" میں سعد بن طریف کے پاس تھا، کہا تے میں ان کا لڑکا استاذ کے پاس سے روتا ہوا آیا، انھوں نے پوچھا کیا ہوا، اس نے کہا استاذ نے مارا ہے، سعد نے کہا آج میں تو انہیں ذلیل کرکے رہوں گا، پھر ایک موضوع حدیث مرفوعاً ابن عباس کی سند سے نقل کی "معلمو صبيانكم شراركم اقلهم رحمة لليتيم واغلظهم على المسكين" تمہارے بچوں کے معلم بڑے شریر ہیں یتیموں پر بہت کم مہربان اور مسکینوں کے ساتھ سخت ہیں، اسی طرح یہ حدیثیں وضع کی ہیں "خير تجارتكم البز وخير اعمالكم الخرز، من سيادة المرء خفة عارضيه والناس اكفاء الا الحائك والحجام۔

بعض واضعین حدیث نے مشہور سندوں کو پرانی کہاوتوں اور میٹھے میٹھے اقوال سے جوڑ دیا ہے، بعضوں نے نوادرات کے لئے حدیث وضع کی ہیں تاکہ ان کی مدد سے روپیہ کمائیں اور یہ نادانی حدیث نبوی اور علماء کے ساتھ بچوں کی طرح نادانی بھی کرتے ہیں بعضوں نے کچھ مقررہ چیزوں کے لئے حدیث وضع کی مثلاً مخصوص کھانوں کے فضائل میں یا مخصوص حرفتوں کی اہمیت بڑھانے کے لئے حدیث وضع کی، لیکن ہمارے علماء نے ان تمام گوشوں کو بے نقاب کردیا ہے اور حفاظت حدیث کے لئے بڑے دقیق علمی ضابطے بھی مقرر فرمادیئے ہیں۔

امام فی القراءت ابوبکر عاصم الکوفی اور ان کے رواۃ

از:- جناب قاری ابوالحسن صاحب اعظمی

سرزمین کوفہ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام و مرتبہ بخشا ہے اور دیگر امصار و بلاد میں جو امتیاز اسے حاصل ہے، اہل علم کے لئے مخفی نہیں ہے، اپنے گوناگوں اوصاف و خصوصیات، نیز فقہ، لغت اور قرارت میں اپنی مرکزیت کے باعث علماء اور فضلاء کی توجہات کا مرکز رہی ہے۔

امیرالمومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جب عراق کو بدست سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فتح کیا تو آپ نے "کوفہ" کی بناء کا حکم فرمایا، اس طرح علوم و فنون کے اس عظیم مرکز کی بنیاد ۱۷ھ میں پڑی۔

پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے اردگرد قبائل عرب کے فصحاء کو آباد کرایا، پھر اہل کوفہ کی تعلیم اور دینی و مذہبی امور کی نگرانی کے لئے معلم الامت سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ المکنی با بن ام عبد کو مقرر کیا اور ارشاد فرمایا:-

"وقد آثرتکم بابن ام عبد علیٰ نفسی" یعنی میں خود اس بات کا محتاج تھا کہ حضرت ابن مسعودؓ سے استفادہ کروں لیکن تمہیں خود پر ترجیح دیتے ہوئے ابن مسعودؓ کو بھیج رہا ہوں چنانچہ ـــــ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بناء کوفہ کے وقت ہی سے اہل کوفہ کی فقہی اور قرآنی تعلیمات کی جانب خصوصی توجہ فرمائی، حتیٰ کہ کوفہ مفسرین، محدثین، فقہاء اور قراء سے بھر گیا معتبر اہل علم نے وہاں کے علماء کی تعداد چار ہزار تک لکھی ہے، کوفہ کی علمی مرجعیت اور مرکزیت کا یہ عالم تھا کہ وقتاً فوقتاً اجلۂ صحابہ بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس سرزمین کو شرف بخشتے رہے، چنانچہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ جب کوفہ منتقل ہوئے اور کوفہ میں علماء و فقہاء کی

کثرت نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے علمی کارناموں کو بچشم خود دیکھا تو مسرت وحیرت کا اظہار کئے بغیر نہ رہے۔ فرمایا :-

رحم اللّٰہ ابن ام عبد قد ملأ هذه القریة علماً۔ یعنی اللہ تعالیٰ ابن مسعود پر رحمت فرمائے انہوں نے اس قریہ کو علم سے بھر دیا، اسے مالامال کر دیا

چنانچہ کوفہ اپنے علمی اور تعلیمی ماحول کی بنا پر اس قدر مشہور ہوا کہ قرآن وسنت کے علوم اور کوفہ لازم وملزوم سے ہو گئے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک بار کعب احبار سے مختلف ممالک کے بارے میں دریافت فرمایا کعب نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد جو شے جس کے مناسب تھی عطا فرمادی ــ "عقل" نے اہل عراق (کوفہ) کو پسند کیا ــ "علم" نے کہا میں تیرے ساتھ ہوں" (معجم البلدان ص) جتنے فقہا، محدثین، مفسرین اور قراء کوفہ میں تھے اس کی نظیر کسی دوسرے اسلامی شہر میں نہ تھی۔

مذکورہ سطور سے مدینۃ العلم "کوفہ" کی مرکزیت فی الفقہ والحدیث واللغۃ کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے، مزید تفصیل کے لئے مقدمہ "نصب الرایہ لتخریج احادیث الہدایۃ للزیلعیؒ" ملاحظہ فرمائیں۔

رہا فن قرأت اور قرآن تو یہ طغرائے امتیاز اور خصوصیت بجا طور پر سرزمین کوفہ ہی کو حاصل ہے کہ ائمہ قرأت سبعہ میں سے تین جلیل القدر امام اور سبعہ کے بعد قرأت ثلثہ کے ایک امام یعنی امام عاصم کوفیؒ، امام حمزۃ الزیات کوفی، امام کسائی کوفی اور امام خلفؒ بزار کوفی اسی ارض مردم خیز سے اٹھے ہیں۔ علامہ ابو القاسم الشاطبی اندلسیؒ فرماتے ہیں ؎

وبالکوفة الغراء منهم ثلاثة ❊ اذاعوا فقد ضاعت شذا وقرنفلا

(ترجمہ:- روشن کوفہ میں ان ہفت سبعہ میں سے تین امام ایسے ہیں جنہوں نے کوفہ میں علم کو اس طرح پھیلایا کہ یہ شہر عود وقرنفل (لونگ) کی طرح مہک اٹھا۔)

اس مختصر مضمون میں مرکز علم کوفہ کی ایک ایسی ہی شخصیت پر مختصر روشنی ڈالنی ہے جو اپنے زمانے میں امام فن القرأت تھی اور جس کی قرأت کے مطابق نہ صرف برصغیر میں بلکہ تقریباً تمام دنیا میں قرآن پاک پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے ـــ میری مراد ہے امام ابوبکر عاصمؒ اور آپ کے دو مشہور رواۃ ابوبکر شعبہؒ اور ابو عمرو حفصؒ سے، رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

ائمہ سبعہ میں امام ابوبکر عاصم بن ابی النجود (ابن بہدلہ) پانچویں امام ہیں، ابوبکر آپ کی کنیت

اور عاصم نام ہے۔ امام عاصم تابعی ہیں، آپ کی سند عالی اور بلند ہے، چنانچہ اسی علو سند کی وجہ سے امام سادس حمزہ الزیات کوفی اور امام سابع ابوالحسن کسائی کوفی سے پہلے آپ کو بیان کیا جاتا ہے آپ قبیلۂ اسد کے رہنے والے ہیں، اس لئے اسدی کہلاتے ہیں۔ آپ بنو خزیمہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

امام عاصم بڑے فصیح، متقی، فاضل تجوید اور خوش آواز تھے، اس بارے میں اپنی نظیر آپ ہی تھے۔ علامہ جزریؒ رقمطراز ہیں۔

وکان هو الامام الذی انتهت الیه ریاسة الاقراء بالکوفة بعد ابی عبد الرحمٰن السلمی، جلس موضعه ورحل الناس الیه للقراءة وکان قد جمع بین الفصاحة والاتقان والتحریر والتجوید وکان احسن الناس صوتا بالقرآن (نشر ج ۱ ص۱۵۵)

یعنی حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی کے بعد آپ ہی کوفہ کے رئیس القراء تھے، آپ کو مرجعیت حاصل تھی، تحصیل قرآت کے لئے لوگ دور دور سے چل کر آتے تھے، آپ فصاحت و اتقان اور تحریر و تقریر کے جامع تھے اور آپ اپنے وقت کے سب سے عمدہ اور خوش آواز قاری قرآن تھے۔

نیز امام عاصمؒ بڑے عابد و زاہد تھے، نمازیں بکثرت پڑھتے تھے، عبادت کے ساتھ والہانہ ذوق و شغف کا یہ عالم تھا کہ اگر کہیں کسی کام سے جاتے ہوئے راستے میں کوئی مسجد نظر پڑجاتی تو رک کر وہاں دو چار رکعت نوافل ادا کئے بغیر آگے نہ بڑھتے، جمعہ کے دن نماز عصر تک جامع مسجد میں رہتے، پچاس سال تک آپ کوفہ میں مسند قرارت پر متمکن رہے۔

ملا علی قاری کا بیان ہے کہ امام عاصم بن ابی النجود کتاب و سنت، نیز لغت، نحو اور فقہ کے امام تھے، تابعی تھے، حضرت حارث بن حسان رضی اللہ عنہ کے صحبت یافتہ تھے، بکثرت عبادت گذار تھے، جمعہ کے دن عصر تک جامع مسجد میں رہتے، آپ بے حد خوش آواز اور نہایت فصیح تھے۔ (شرح شاطبیہ ص۱۱)

علامہ جزریؒ ارقام فرماتے ہیں :۔

قال ابو بکر بن عیاش: لا احصی ما سمعت ابا اسحٰق السبیعی یقول ما رأیت اقرأ للقرآن من عاصم

یعنی ابو بکر بن عیاش کہتے ہیں کہ میں نے ابو اسحٰق سبیعی سے لاتعداد مرتبہ یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے عاصم سے بہتر قاری نہیں دیکھا

وقال عبد الله بن احمد بن حنبل سألت ابی عن عاصم فقال رجل صالح ثقة خیر وقال بن عیاش دخلت علی عاصم وقد احتضر فجعل یردد هذہ الآیة یحققها حتی کانہ فی الصلوٰۃ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ۔

اور عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے عاصم کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ مرد صالح ہیں ثقہ اور عمدہ آدمی ہیں۔ نیز ابن عیاش فرماتے ہیں کہ میں امام عاصم کی خدمت میں بوقت وفات حاضر ہوا۔ تو وہ آیت ثُمَّ رُدُّوْٓا کی بار بار تحقیق و ترتیل کے ساتھ اس طرح تلاوت کر رہے تھے جیسے حالت نماز میں ہوں۔
(النشر ج ۱ ص ۱۵۵-۱۵۶)

حافظ ابوشامہ فرماتے ہیں کہ صالح بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میں نے امام عاصم کے متعلق اپنے والد سے دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ قرأت کس کی ہے، فرمایا نافع کی قرارت، میں نے عرض کیا کہ اگر وہ نہ ہوں؟ فرمایا عاصم کی قرأت ۔ ایک اور روایت میں ہے کہ فرمایا ۔ اہل کوفہ آپ کی قرأت پسند کرتے ہیں۔ میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں (ابراز المعانی ص ۹)
مسلم بن عاصم کہتے ہیں :۔ کان عاصم ذا نسک وادب وفصاحۃ وصوت حسن۔ یعنی امام عاصم عابد و زاہد ادیب، فصیح اور خوش آواز تھے۔

حدیث میں بھی امام عاصم کا پایہ بلند تھا، صاحب ابراز آپ کو امام فی الحدیث لکھتے ہیں ابوبکر عاصم بن ابی النجود احد السادۃ من ائمۃ القراءۃ والحدیث (ابراز ص ۳۳) ــــ " رجلٌ صالحٌ ثقۃٌ " کی شہادت امام احمد بن حنبل کی ابھی گذری ہے نیز امام فی الحدیث حضرت ابوزرعہ اور ایک جماعت نے بھی آپ کی توثیق کی ہے، علامہ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" میں امام عاصم کو "حسن الحدیث" لکھا ہے ۔ علامہ ذہبیؒ معرفۃ القراء میں "حدیثہ مخرج فی کتب الستۃ" لکھتے ہیں۔ یعنی آپ کی روایت صحاح ستہ میں موجود ہے ــــ علامہ عجلیؒ کہتے ہیں :۔ امام عاصم صاحب سنۃ وقراءۃ ثقہ اور رئیس القراء تھے۔

امام عاصم نے حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب ربیع سُلَمی نابینا، ابومریم زر بن حبیش اسدی اور ابوعمرو بن الیاس شیبانی سے قرآن پاک پڑھا۔ یہ حضرات کوفی ہیں۔

اور عظیم المرتبت تابعی ہیں، ان تینوں نے سیدنا حضرت عثمانؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین سے ان سب نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا۔

نیز امام عاصمؒ نے سیدنا حضرت علیؓ، ابی بن کعب، ابن مسعودؓ اور زید ابن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی قرآن پاک پڑھا، اس طرح امام عاصمؒ کی قرارت ایک ہی واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہے۔

ابوبکر بن مجاہدؒ (صاحب "کتاب السبعة" الامام الحافظ، ابوبکر احمد بن موسیٰ بن العباس بن مجاهد التمیمی البغدادی، م ۲۰ شعبان ۳۲۴ھ) نے امام عاصم کو اگرچہ ائمہ سبعہ کی ترتیب میں پانچویں نمبر پر لکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام رابع ابن عامر شامیؒ کی طرح آپ بھی کبار تابعین میں سے ہیں اور بلحاظ شیوخ وطبقات شامی کے بعد آپ سب سے مقدم ہیں۔

امام عاصمؒ کے سال وفات کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، علامہ جزریؒ نشر میں فرماتے ہیں کہ "امام عاصمؒ کی وفات ۱۲۷ھ کے آخر میں ہوئی، ایک ضعیف قول کے مطابق ۱۲۸ھ ہے، مگر ان کے علاوہ تمام اقوال غیر معتبر ہیں۔ (ص ۱۵۵)

علی قاریؒ ۱۲۷ھ کو معتبر مانتے ہوئے لکھتے ہیں:-

مات بالكوفة او السماوة وهو موضع بالبادية بين الشام و العراق من ناحية الفرات سنة سبع وعشرين ومائة

یعنی امام عاصم کی وفات ۱۲۷ھ میں بمقام کوفہ یا سماوہ ہوئی جو شام اور عراق کے درمیان فرات کے نواحی میں ایک موضع ہے۔

امام عاصمؒ کے بے شمار رواۃ ہیں جیسے مفضّل، حماد، اور امام اعظم ابوحنیفہ وغیرہ لیکن ان سب میں دو رواۃ زیادہ مشہور ہیں اور امام عاصم کی قرأت انھیں دونوں حضرات یعنی ابوبکر شعبہؒ اور ابو عمر حفصؒ کے ذریعہ شائع ہوئی، علامہ شاطبیؒ قصیدہ شاطبیہ میں امام عاصم اور ان دونوں رواۃ کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

فاما ابوبكر وعاصم اسمه — فشعبة راويه المبرّز افضلا
وذاك بن عياش ابوبكر الرضى — وحفص وبالاتقان كان مفضلا

ابوبکر شعبہ ابن عیاش کوفیؒ

امام عاصم کے پہلے راوی شعبہ ابن سالم اسدی کوفی ہیں، آپ کی کنیت ابوبکر ہے، آپ اپنے وقت کے امام اور بڑے عالم تھے، اس لئے آپ کا ذکر ابوعمر حفص سے پہلے کیا جاتا ہے۔

آپ کے نام کے بارے میں تیرہ اقوال ہیں مگر راجح اور صحیح تر "شعبہ" ہی کا قول ہے، علامہ شاطبیؒ وجزریؒ ودیگر حضرات نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے، محمد ابن سعد نے آپ کا شمار اہل کوفہ کے ساتویں طبقہ میں کیا ہے اور "بہت بڑے عابد وزاہد" کہا ہے (ابراز ص۲۴)

آپ حافظ حدیث تھے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ "آپ ثقہ، صدوق، صالح، صاحب قرآن اور صاحب سنت تھے۔

علامہ جزریؒ رقمطراز ہیں :-

وکان اماماً کبیراً عالماً عاملاً حجۃ من کبار ائمۃ السنۃ — یعنی آپ امام کبیر اور عالم باعمل تھے، حجت تھے، کبار ائمہ سنت میں سے تھے (نشر ۱/۱۵۶)

امام شعبہ خود فرماتے ہیں کہ "میں نے کوئی کام خلاف شریعت نہیں کیا، تیس سال سے روزانہ ایک قرآن ختم کرتا ہوں۔ ابن مبارک کہتے ہیں "میں نے آپ سے زیادہ عامل بالسنۃ نہیں دیکھا۔

امام شعبہ کی عبادت وزہد وریاضت کا حال اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ستر سال تک مصروف عبادت رہے، ان میں چالیس اور ایک روایت میں پچاس سال آپ کے لئے بستر نہیں بچھایا گیا، اس عرصہ میں آپ نے رات میں زمین سے پیٹھ نہیں لگائی، چوبیس ہزار بار قرآن پاک ختم کیا۔ آپ نے امام عاصمؒ سے تین بار قرآن پاک پڑھا —— علامہ ابن القاصح عذری (م ۸۰۱ھ) لکھتے ہیں :-

تعلم القرآن من عاصم خمسا خمسا کما یتعلم الصبی من المعلم۔ (سراج القاری ص۱۴-۱۵) — یعنی آپ نے اپنے شیخ امام عاصمؒ سے اس طرح پانچ پانچ آیتیں کرکے پڑھیں جیسے بچے استاذ سے پڑھتے ہیں۔

آپ کے تعلیمی ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ سخت سے سخت گرمی اور بارش میں بھی سبق کا ناغہ گوارا نہ کرتے، بسا اوقات پانی میں گذر کر جانا ہوتا تھا اور پانی بھی کمر تک اور کبھی اس سے بھی اونچا آجاتا تھا۔ آپ کے تعلیمی ذوق وشوق اور قرآن مجید کے ساتھ شغف اور لگاؤ نیز عبادت

وریاضت میں انہماک کے بارے میں ملا علی قاری کے الفاظ ملاحظہ کیجئے:

شعبة بن عياش الاسدی تعلم من عاصم خمساً خمساً كان يأتيه فی الحر والقر وربما خاض من المطر فبلغ حقويه او اكثر (شرح شاطبی ص۱۴)

یعنی امام شعبہ اسدی نے اپنے استاذ عاصم سے پانچ پانچ آتیں کرکے پڑھیں، گرمی اور بارش میں بھی ناغہ نہ کرتے بسا اوقات بارش کے زمانہ میں پانی میں سے ہوکر جانا پڑتا تھا اور پانی کمر تک اور کبھی اس سے بھی زیادہ ہوتا

امام شعبہ کی وفات کے وقت آپ کی ہمشیرہ اپنے چہیتے اور رفیع المرتبت بھائی کے فراق میں رونے لگیں تو امام نے فرمایا! مت روؤ! ذرا مکان کے اس گوشے کی طرف تو دیکھو میں نے اس میں اٹھارہ ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کئے ہیں (نشر ص۱۵۶)

علی قاریؒ رقمطراز ہیں:-

كان عالماً عاملاً، فاضلاً، كاملاً، قيل ختم اربعاً وعشرين الف ختمة، منها ما روى انه قال لولده، يا بنی اياك ان تعصی الله سبحانه فی هذه الغرفة فانی ختمت فيها القرآن ثمانية عشر الف ختمة وقيل لم يفرش على فراش منذ خمسين سنة واليه اشار العلامة الشاطبی "بالرضى" فی قصيدته (شرح شاطبی ص۱۴)

یعنی آپ عالم باعمل تھے، فاضل اور کامل تھے، آپ نے چوبیس ہزار قرآن پاک ختم کیا، ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ بیٹے گھر کے اس گوشے میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی ہرگز نافرمانی نہ کرنا، میں نے اس میں اٹھارہ ہزار مرتبہ قرآن پاک ختم کیا ہے۔ نیز منقول ہے کہ پچاس سال سے آپ کے لئے بستر نہیں لگایا گیا، شاطبیؒ نے اپنے قصیدہ میں لفظ "الرضیٰ" سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

آپ کی ولادت ۹۵ھ میں ہوئی اور وفات جمادی الاولیٰ ۱۹۳ھ میں کوفہ میں (بعمر ۹۸ یا ۹۹ سال) ہوئی۔ سال وفات اور ولادت کے بارے میں علامہ جزریؒ تحریر فرماتے ہیں

وتوفی ابوبكر فی جمادى الاولىٰ سنة ثلاث وتسعين ومائة ومولده سنة خمس وتسعين (نشر ص۱۵۶)۔ یعنی آپ کی وفات ماہ جمادی الاولیٰ ۱۹۳ھ

ں اور ولادت ۹۰ھ میں ہوئی۔ حافظ ابو شامہ صاحب ابراز لکھتے ہیں کہ اسی مہینے میں
نام طوس ہارون رشید کی بھی وفات ہوئی۔ (ص ۲۲)

ابو عمر حفص بن سلیمان کوفیؒ

امام عاصمؒ کے دوسرے راوی ابو عمر حفص بن سلیمان بن مغیرہ اسدی کوفی ہیں، ابو عمر
پ کی کنیت ہے، آپ بھی امام عاصم کے نہ صرف ہم وطن ہیں بلکہ امام عاصمؒ کے ربیب بھی
ں، چنانچہ اسی وجہ سے امام عاصمؒ کے اصحاب میں ان کی قراءت کے سب سے بڑے
آپ تھے۔

امام حفص نے اپنے شیخ امام عاصمؒ سے متعدد بار پڑھا اور دیگر متعدد شیوخ سے
تساب فیض کیا۔ علامہ جزریؒ فرماتے ہیں۔

ن اعلم اصحاب عاصم
تها وة عاصم وكان ربيب
اصم ابن زوجته
(نشر ص ۱۵۶)

یعنی حفص امام عاصمؒ کے تمام تلامذہ میں
سب سے بڑے عاصمؒ کی قراءت کے عالم
تھے، اسی کے ساتھ آپ امام عاصم کے
ربیب بھی تھے۔

ابو بکر خطیب فرماتے ہیں کہ متقدمین حضرات قراءت کے بارے میں حفص کو شعبہ سے
ن اور زیادہ قوی الحافظہ سمجھتے تھے، اور آپ نے جو قراءت امام عاصمؒ سے پڑھی تھی
، کے بارے میں آپ کو ضابط اور حافظ کہتے ہیں، چنانچہ علامہ شاطبیؒ امام حفصؒ کی
ن میں "وحفص وبالاتقان كان مفضلا" جیسے الفاظ استعمال فرمارہے
، ۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں :- اما فی القراءة فثقة، ثبت، ضابط
لاف حاله فی الحديث (نشر ص ۱۵۶) یعنی حفص قراءت میں ثقہ، حجت اور
ابط تھے، البتہ علم حدیث میں یہ حال نہیں ہے۔

یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں کہ امام عاصمؒ کی قراءت کی صحیح روایت وہ ہے جو حفص سے
ی ہے (ایضاً) صاحب ابراز نے بھی مذکورہ بالا بیان کو کم و بیش نقل کیا ہے (ص ۲۶)
ملا علی قاری بھی کچھ ایسا ہی لکھتے ہیں (شرح شاطبی ص ۱۴) علامہ جزریؒ کے الفاظ میں
ر اضافہ ہے، وہ یہ کہ "واقرأ الناس دهراً" (نشر ص ۱۵۶) یعنی آپ اپنے زمانہ میں

اقرار بالقرآن تھے۔

جیسا کہ اوپر گذرا کہ امام حفص نے اپنے شیخ اور دیگر شیوخ سے متعدد بار قرآن پڑھا یا یں ہمہ فرماتے ہیں کہ "میں نے پورے قرآن میں اپنے شیخ عاصم کی کہیں مخالفت نہیں کی سوائے ایک لفظ کے اور وہ ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً" (سورۂ روم) اس آیت میں تینوں لفظ ضعف کی قرارت بالضم حفص نے دیگر شیوخ سے اخذ کی۔

امام عاصم و حمزہ نے اس لفظ پر فتحہ پڑھا ہے، یہ اختلاف اس حدیث کی بنا پر ہے جس کو فضیل ابن مرزوق نے عطیہ عوفی سے اور انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

یہ روایت اختلاف والی متعدد طرق سے مروی ہے۔ علامہ جزریؒ لکھتے ہیں کہ فتحہ اور ضمہ دونوں صحیح ہیں۔ فتحہ عبید، ابو ربیع، الزہرانی، الحبل اور عمرو سے روایۃً ہے اور ضمہ ہبیرہ، قواس، زرعان اور عمرو سے اختیاراً ہے (النشر ج ۲ ص ۳۴۵)

علامہ دانیؒ فرماتے ہیں کہ میں دونوں طرق سے دونوں (فتحہ ضمہ) وجہیں اختیار کرتا ہوں تاکہ امام عاصم کی قرارت کی متابعت ہو جائے اور ضمہ میں حفص کے اختیار کی موافقت۔

علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دونوں وجہیں پڑھی ہیں۔ اور دونوں کو اختیار کرتا ہوں۔

اس کے بعد حسب عادت اس حدیث کی پوری سند بیان کرنے کے بعد روایت نقل کرتے ہیں جس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے یہ حضرت عطیہ عوفیؒ سے مروی ہے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کے سامنے آیت اَللّٰهُ الَّذِي الخ پڑھی تو ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اسی طرح قرارت کی جس طرح تم نے میرے سامنے۔ (بالفتح) تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گرفت فرمائی جس طرح میں نے تمہاری گرفت کی۔

اس روایت کو علامہ جزریؒ بہت عالی قرار دے رہے ہیں، اس روایت کے ناقلین کے بارے میں بعض کا خیال ہے کہ ضعیف ہیں۔ مگر محقق جزریؒ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد اور ترمذی دونوں نے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

وقال الترمذی حدیث حسن۔ یعنی یہ حدیث حسن ہے۔ (ایضاً)

کوائف دارالعلوم

(ادارہ)

دارالعلوم دیوبند، اگرچہ یوم تاسیس ہی سے مجلس شوریٰ کے زیرِ انتظام ہے، لیکن سال گذشتہ چند مہینوں میں ایسے حالات رونما ہوئے کہ دارالعلوم کی بعض عمارتوں کو طلبا سے خالی کرا لیا گیا اور تعلیم ان درسگاہوں میں جاری نہ رہی جو ہمیشہ سے قرآن وسنت کی صداؤں سے گونجتی رہی ہیں، پھر مارچ ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم مجلس شوریٰ کے زیرِ انتظام حسبِ سابق فعال ہو گیا، مارچ ۱۹۸۲ء سے مارچ ۱۹۸۳ء تک کا عرصہ الحمدللہ بڑی خیر وخوبی سے گزرا، اور اس سال یہ نئی بات پیش آئی کہ سالِ گذشتہ کے تعلیمی نقصان کی تلافی کیلئے شعبان ورمضان میں بھی تعلیم جاری رہی، شوال میں سالانہ امتحانات اور امتحاناتِ داخلہ کی ایسی ہنگامی مصروفیات رہیں جن کی نظیر ماضی میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ امتحانات سے فراغت کے بعد پھر نئے سال کا تعلیمی سفر شروع ہوا اور اس کے لئے تقریباً طلبائے عزیز کے دو چند داخلے عمل میں آئے، اس ایک سال کے عرصہ میں بار بار ریشہ دوانیاں کرنے والوں کی جانب سے نئی نئی چالیں چلی گئیں لیکن اللہ نے اپنے فضل وکرم سے دارالعلوم کے خلاف اٹھائے جانے والے ہر قدم کو ناکام، ہر سازش کو بے اثر اور ہر تدبیر کو بیکار کر دیا، اور اب جبکہ ۱۴۰۳ھ کا تعلیمی سال پورا ہونے والا ہے، پوری توجہ، تسلسل اور باقاعدگی کے ساتھ تعلیم ہو رہی ہے، انشاء اللہ نصابِ تعلیم پورا ہوگا اور یہ سال پچھلے کئی سالوں کے مقابلہ پر بہتر قرار دیا جائے گا۔

اس وقت حالات بالکل پُرسکون، ماحول تعلیم کے لئے انتہائی سازگار اور علم کی نشو ونما کیلئے نہایت موزوں ہے، تعلیم کے ساتھ ماحول کو زیادہ سے زیادہ پاکیزہ اور معتدل بنانے کے لئے بھی مساعی جاری ہیں مجلس شوریٰ کی تجویز کے مطابق ہر ہفتہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مدظلہٗ تشریف لاتے ہیں طلبا ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، ذمہ داروں کی ملاقاتیں بھی ہوتی ہیں اور دارالعلوم کے بارے میں تبادلۂ خیال بھی ہوتا ہے، حضرت مفتی صاحب دارالافتا بھی تشریف لے جاتے ہیں اور کبھی کبھی عام جلسوں میں بھی شرکت فرما کر نصائحِ عالیہ سے نوازتے ہیں، جمعیۃ الطلبہ کے زیرِ اہتمام بھی جلسے ہوتے رہتے ہیں جن میں اساتذۂ کرام اور حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی خطاب فرماتے ہیں۔

پہلے دارالاقامہ میں بڑی تنگی تھی، اب رواقِ خالد کی پہلی منزل کی تکمیل کے بعد بڑی حد تک یہ تنگی بھی ختم ہو گئی ہے اور طلبہ آرام کے ساتھ تعلیمی مشاغل میں منہمک ہیں، ابھی چند یوم قبل سال گذشتہ کے

سالانہ امتحان میں کامیاب ہونے والے طلبہ کو حسب سابق ایک اجلاس عام میں کتابیں انعام میں تقسیم کی گئیں، یہ انعامی اجلاس کئی سال سے منعقد نہیں ہورہا تھا، اس لئے کہ یہ انعام سالانہ امتحان میں کامیاب ہونے والوں کو دیا جاتا ہے اور دو سال سے سالانہ امتحان کی نوبت ہی نہیں آئی، ۱۴۰۲ھ میں سالانہ امتحان ہوا، اور اس میں کامیاب ہونے والے ۱۳۰۰ سے زائد طلبہ کو انعام تقسیم کیا گیا، اس اجلاس میں تلاوت کلام پاک کے بعد سب سے پہلے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہم نے مختصر خطاب فرمایا پھر حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی، حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحب، حضرت مولانا وحید الزماں صاحب نے تقریریں کیں، اس کے بعد حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب شیخ الحدیث کے مبارک ہاتھوں سے انعامات کی تقسیم شروع ہوئی، حضرت شیخ الحدیث کے بعد حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی نے انعامات تقسیم کئے، دو دن کے اجلاس کے بعد پھر تعلیم پوری آب و تاب کے ساتھ شروع ہوئی۔

اب ۳۰، ۳۱ مارچ کو غلہ اسکیم کا اجلاس ہو رہا ہے، یہ اجلاس بھی سات سال کے بعد منعقد ہو رہا ہے، توقع ہے کہ اس میں ہزاروں مسلمان اور ہمدردانِ دارالعلوم شریک ہوں گے، قرب و جوار کے ذمہ دار اور بہی خواہانِ دارالعلوم کی ایک مختصر میٹنگ کی گئی تو معلوم ہوا کہ مخلصین کے دلوں میں اخلاص اور ہمدردی کا دریا موجزن ہے، توقع ہے کہ یہ اجلاس انشاء اللہ توقع سے زیادہ کامیاب ہوگا، اس اجلاس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ غلّہ کے ذریعہ دارالعلوم کی ضرورت پورا کرنے والے مخلصین اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ان کی امداد کا کیا مصرف ہے اور اس سال تو دارالعلوم کی یہ ضرورت تقریباً دوگنی ہوگئی ہے اور دارالعلوم ایک بڑے بحران سے گذر کر فعّال ہوا ہے، اس لئے بھی ضروری ہے کہ تمام بہی خواہ اپنی آنکھوں سے دارالعلوم اور اس کی ضروریات کو دیکھ لیں اور پورے اطمینانِ قلب کے بعد دارالعلوم کو اس جانب سے بے نیاز کردیں۔ سال گذشتہ جو امداد فراہم ہوئی تھی وہ حسب سابق تھی لیکن درمیان میں دارالعلوم کے طلبہ کی تعداد دو چند ہوگئی تو یہ غلّہ سال پورا کرنے سے پہلے ختم ہوگیا اور اس وقت غلہ خرید کر ضروریات کو پورا کیا جارہا ہے، توقع ہے کہ بہی خواہانِ دارالعلوم اپنی آنکھوں سے اپنے مرکز کی ضروریات کے مشاہدے کے بعد اس سال کی ضرورت کو پورا کرنے میں دلچسپی لیں گے۔

ان پرسکون حالات کے دوران ایک حادثۂ فاجعہ بھی پیش آیا کہ دورۂ حدیث کے ایک قدیم طالبعلم مولوی صیام الدین بستوی مرحوم کا مختصر سی علالت کے بعد انتقال ہوگیا، مرحوم پر پہلے فالج کا حملہ ہوا جامعہ طبیہ میں علاج ہوا اور وہ روبصحت ہوگئے، پھر اچانک دوسرا خطرناک مرض شروع ہوا، فوراً ہی

میرٹھ اور دہلی لیجایا گیا لیکن وہ جانبر نہ ہوسکے اور اللہ کے راستہ میں طلب علم کیلئے نکلے ہوئے اس مسافر نے اپنی زندگی اللہ کے راستے میں قربان کرکے رضائے خداوندی کی دولت حاصل کرلی، ذمہ داران مدرسہ اساتذۂ کرام اور طلبۂ عزیز نے اشک بار آنکھوں اور دلگداز جذبات کے ساتھ اس کی آخری رسوم ادا کیں ایصال ثواب کیا گیا اور دعا کی گئی کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی بے پایاں رحمت سے ہمکنار کرے، اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ جمعیۃ الطلبہ کی جانب سے ایصال ثواب کا بھی انتظام کیا گیا اور اپنے مرحوم بھائی کی اچانک رحلت پر اظہار جذبات کے لئے ایک جلسہ بھی کیا گیا جسمیں حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری نے قیمتی نصیحتوں سے نوازا اور بتلایا کہ رسمیں کس طرح بدعات میں تبدیل ہوتی ہیں اور ہمیں دارالعلوم کا فرزند ہونے کی حیثیت سے کن چیزوں کا لحاظ کرنا چاہیئے حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی نے فلسفۂ موت بیان کرتے ہوئے صبر جمیل کی تلقین فرمائی اور آخر میں مولانا عبدالرؤف صاحب افغانی مدرس دارالعلوم دیوبند کی رقت انگیز دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

تاریخ طبری ـ اسلامی تاریخ کا ایک عظیم اور مستند سرمایہ

تاریخ طبری اسلام کی سب سے پہلی وہ اہم اور مستند تاریخ ہے جس کے حوالوں کے بغیر کوئی بھی اسلامی تاریخ مکمل نہیں ہو پاتی، درحقیقت ابن جریرؒ کی یہ کتاب اہل علم کے نزدیک ماخذ کا درجہ رکھتی ہے ابعد کی تمام کتب تاریخ اس سے ماخوذ ہیں، خدا کا شکر ہے کہ ادارہ تبلیغ دین، عام افادیت کے پیش نظر اس عظیم کتاب کو سلیس اردو میں قسط وار آفسیٹ سے شائع کر رہا ہے، پانچ قسطیں شائع ہوچکی ہیں۔ قیمت فی قسط -/۱۰ ہے۔ آپ ایک خط لکھ کر ممبر بن سکتے ہیں، ڈاک خرچ بذمہ ادارہ رہے گا، ہر ماہ ایک تازہ قسط -/۱۰ روپے کی وی پی سے آپ تک پہنچتی رہے گی۔ تاریخ طبری ۱۲ جلدوں پر مشتمل ہے، تفصیل یہ ہے • سیرت النبی مکمل • خلافت راشدہ حصہ اول ۱۱ھ سے ۲۳ھ تک • خلافت راشدہ حصہ دوم ۲۴ھ سے ۳۵ھ تک • خلافت علیؓ حصہ سوم کا دوم ۳۵ھ سے ۴۰ھ تک • امیر معاویہؓ و شہادت حسینؓ ۴۱ھ سے ۶۱ھ تک • اموی دور حکومت ۶۱ھ سے ۹۹ھ تک • حضرت عمر بن عبدالعزیز و مروان ثانی ۹۹ھ سے ۱۳۲ھ تک • عباسی دور حکومت ۱۳۲ھ سے ۱۷۰ھ تک • ہارون رشید اور اسکے جانشین ۱۷۰ھ سے ۲۲۷ھ تک • خلافت بغداد کا دور انحطاط ۲۲۷ھ سے ۳۰۲ھ تک۔

ناشر:- ادارہ تبلیغ دین دیوبند۔ یوپی ـــــ 247554

فہرست کتب مکتبہ دارالعلوم دیوبند (شعبۂ نشر واشاعت دارالعلوم)

نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت
فتاویٰ دارالعلوم جلد ۱	22/-	دیوان المتنبی	10/-	انتصار الاسلام	9/-
〃 〃 ۲	15/-	تاریخ دارالعلوم جلد اول	50/-	مصابیح التراویح	6/50
〃 〃 ۳	23/-	〃 〃 دوم	50/-	تفسیر معوذتین	3/-
〃 〃 ۴	28/-	〃 انگریزی	135/-	اسلامی عقائد اور سائنس	2/-
〃 〃 ۵	27/-	سوانح قاسمی جلد اول	40/-	مودودی مذہب	2/50
〃 〃 ۶	33/-	〃 〃 دوم	38/-	مودودی دستور اور عقائد	2/50
〃 〃 ۷	30/-	〃 〃 سوم	12/-	نظریہ ودود قرآن پر ایک نظر	3/50
〃 〃 ۸	25/-	مخطوطات جلد اول	19/-	مکتوبات	3/-
〃 〃 ۹	28/-	〃 〃 دوم	21/-	مکتوبات ثلثہ	4/-
〃 〃 ۱۰	20/-	قبلہ نما	28/-	دو ضروری مسئلے	-/75
〃 〃 ۱۱	10/-	دینی دعوت کے قرآنی اصول	6/50	جماعت اسلامی کا دینی رخ جلد ۱	3/50
الفیۃ الحدیث	11/-	ناقابل فراموش واقعات	26/-	〃 〃 ۲	2/50
مشکوٰۃ الآثار	11/-	المنار الانوار	6/50	〃 〃 ۳	2/50
الفیۃ	3/50	مثنوی فروغ	4/50	〃 〃 ۴	4/50
نفحۃ الادب	6/-	براہین قاسمیہ	9/-	اجتماع گنگوہ	-/75
مقدمہ ابن الصلاح	10/-	حکمت قاسمیہ	2/50	در منثور اول	1/-
تفسیر مدارک والتنزیل	8/-	مدارج سلوک	16/-	〃 دوم	1/-
الاشباہ والنظائر	27/-	جائزہ تراجم قرآنی	11/-	اعفاء اللحیہ	1/-
عقیدۃ الطحاوی	10/-	قرآن محکم	4/-	ایمان وعمل	3/-
حسامی	20/-	حجۃ الاسلام	10/-	دارالعلوم دیوبند کا ایک فتویٰ اور اس کی حقیقت	1/50
ملاحسن	10/-	اسرائیل	4/-		
مقامات حریری	22/-	قرآنی پیشین گوئی	3/75	ماثورہ دعائیں	1/50

Reg. No. SHN-L-13-NP-21-83

DARUL-ULOOM MONTHLY
DEOBAND (U.P.)

کور مطبوعہ این۔جے پرنٹرس دیوبند

دار العلوم دیوبند کا علمی دینی اصلاحی ماہنامہ

دار العلوم

زیر سرپرستی

مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند

مدیر مسئول

ریاست علی بجنوری

نگرانِ اعلیٰ حضرت الحاج مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا علمی، دینی

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

شمارہ نمبر ۱	اپریل ۱۹۸۳ء مطابق رجب ۱۴۰۳ھ	جلد نمبر ۶۴

چندہ سالانہ

ہندوستان سے ۲۵/- روپے
سعودی عرب، کویت، ابوظبی وغیرہ سے بذریعہ ایرمیل
۹۰/- روپے
جنوبی مشرقی افریقہ، برطانیہ وغیرہ سے ذریعہ ایرمیل
۱۰۵/- روپے
امریکہ کناڈا وغیرہ سے ذریعہ ایرمیل ۱۲۶/- روپے
پاکستان سے ذریعہ ریل ۴۵/- روپے
فی پرچہ ۲/۵۰ روپے

مدیر مسئول

ریاست علی بجنوری

طابع وناشر

دارالعلوم معرفت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مطبوعہ

محبوب پرنٹنگ پریس دیوبند

ضروری گذارش

حضرات معاونین وخریداران ماہنامہ دارالعلوم کی خدمت میں گذارش ہے کہ جن حضرات کی مدت خریداری گذشتہ مہینوں میں ختم ہوچکی ہے ان کو مارچ ۱۹۸۳ء کے شمارہ میں سرخ نشان کے ذریعہ مدت خریداری ختم ہونے کی اطلاع دی جاچکی ہے، لیکن جن حضرات کا سالانہ چندہ ابھی تک وصول نہیں ہوا ہے ان کو دوبارہ سرخ نشان کے ذریعہ اطلاع دی جارہی ہے کہ ان کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے لہذا بذریعہ منی آرڈر چندہ ارسال فرماکر مشکور فرمائیں۔ منی آرڈر کے ذریعہ چندہ وصول نہ ہونے کی صورت میں رسالہ کے نام وی، پی کے ذریعہ روانہ کیا جائے گا اور اس صورت میں مصارف میں ۶/- کا اضافہ

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
حرف آغاز	مدیر مسئول	۳
مسئلۂ نجات	حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ	۶
طب اور اسلام	حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری	۲۵
حضرت عمیر بن سعد الانصاری اوسی	مولانا عبدالحفیظ صاحب رحمانی	۳۷
کوائف دارالعلوم	محمد وحید الدین قاسمی	۴۲
شیخ الہندؒ (نظم)	حضرت مولانا محمد عثمان صاحب کاشف الہاشمی	۴۷
فہرست مطبوعات دارالعلوم دیوبند		۴۸

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

۱:۔ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ فرمائیں۔

۲:۔ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۴۵ روپے مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد، ضلع ملتان (پاکستان) کو بھیجدیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کرلیں۔

ماہ مارچ ۸۳ء سے خریداری نمبر بدل دیا گیا ہے، خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں۔ خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

(مدیر)

حرف آغاز

مدیر مسئول

انسان طبعی طور پر حقیقت کا متلاشی، صداقت کا شیدائی اور اپنے مقصد تخلیق کی یافت کے لئے سرگرداں رہنے والی مخلوق ہے، اور اگرچہ خالق کائنات نے دنیا میں اپنی معرفت کی بے شمار نشانیاں اور بے انتہا دلائل پیدا فرما دیئے ہیں اور عقل کی ذراسی جنبش بھی اس ذات ہمہ صفات کی پہچان کیلئے کافی ہے لیکن اس نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت اس دنیا میں غفلت کے بھی اتنے ہی اسباب پیدا فرما دئے ہیں کہ انسان ان میں مبتلا ہو کر اپنے مقصد سے دور ہو جاتا ہے۔

اسی مقصد کی طرف انسان کو متوجہ کرنے کیلئے خداوند رحیم و کریم نے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا اور یہ پاکیزہ نفوس انسانوں کو صراط مستقیم کی دعوت دیتے رہے، نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم چھٹی صدی عیسوی میں مبعوث فرمائے گئے اور آپ کے اوپر مکی زندگی ہی میں تبلیغ دین کا فریضہ عائد کر دیا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن	اپنے پروردگار کی صراط مستقیم کی طرف، حکمت اور پاکیزہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجئے اور اچھے اسلوب کے ساتھ مقابلہ کیجئے۔

حکمت کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے موقف پر جو استدلال کیا جائے وہ انتہائی مضبوط ہو، عقل کی کسوٹی پر جب اس کو پرکھا جائے تو اس میں کسی طرح کی کمزوری نہ پائی جائے، پاکیزہ نصیحت کا خلاصہ یہ ہے کہ انتہائی اخلاص اور سوز و گداز کے ساتھ یہ کام انجام دیا جائے اور اس اہم کام کی انجام دہی میں دل سوزی کی وہ کیفیت ہو کہ سننے والوں کے دل بھی اسی کیفیت میں ڈوب جائیں جس کیفیت سے داعی کا دل سرشار ہے، اور اچھے اسلوب کے ساتھ مقابلہ کا مطلب یہ ہے کہ ضد، سخت کلامی اور سخن پروری سے اجتناب کیا جائے، ان تین ابتدائی اور انتہائی باتوں کی رعایت کرتے ہوئے دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیا جائے، چنانچہ ارشاد ربانی کی تعمیل میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان اور اہل وطن کی شدید مخالفتوں کے دوران بھی مستعدی کے ساتھ اس فریضہ کو ادا فرمایا، قریش مکہ نے کئی بار کوشش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کام سے روک دیں، ایک مرتبہ آپ کے چچا ابوطالب نے قریش مکہ کے زبردست اصرار پر آپ سے کہا کہ آپ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان والوں کو مشکل میں مبتلا نہ کریں تو آپ نے فرمایا کہ اگر لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں اور مجھ سے اس کام کے ترک کرنے کی فرمائش کی جائے تب بھی میں اس کام کو ہرگز نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ خدا اس کو غالب فرما دے یا میں اس کے حصول کی کوشش میں اپنی جان دے دوں۔ آپ کا ایمان و یقین سے لبریز جواب سن کر بے اختیار ابوطالب نے کہا کہ بھتیجے! جاؤ اور جس طرح چاہو تبلیغ کرو، میں خدا کبھی تمہیں کسی کے حوالے نہ کروں گا۔

چنانچہ آپ نے اور آپ کے قابل صد احترام رفقاء یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دنیا کے انسانوں کو خدا کے آخری پیغام اور اسلام کی نعمت سے آشنا کرنے کیلئے اپنی زندگیاں وقف کردیں اور اس سلسلے میں حکمت و موعظت اور اچھے اسلوب کی پابندی کے نتیجہ میں بہت کم عرصہ میں دنیا کے وسیع وعریض رقبہ پر توحید و رسالت کا پرچم لہرانے لگا جس وقت آپ نے دعوت و تبلیغ کا یہ نازک کام شروع فرمایا تھا، اس وقت انسانی معاشرہ انتہائی سقیم حالت میں مبتلا تھا، وہ صرف اخلاقی انحطاط ہی کا شکار نہیں تھا یا مسئلہ صرف کسی ملک و قوم تک محدود نہیں تھا بلکہ مسئلہ یہ تھا کہ انسان اپنے مقصد تخلیق سے غفلت کی وجہ سے گویا اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنانے پر رضامند ہوگیا ہے، اس کے نزدیک اس زندگی کے بعد دوسری اصل اور دائمی زندگی کا کوئی تصور نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو اس ابدی زندگی میں راحت و سکون حاصل کرنے کے لیئے اس زندگی میں اسے کیا کرنا چاہیئے اس کیلئے انسان کے پاس کوئی واضح دستور العمل باقی نہ رہ گیا تھا۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جدوجہد اور دعوت و تبلیغ کی اہمیت ایک روایت میں اس طرح بیان فرمائی ہے کہ "میری اس دعوت و تبلیغ کی مثال جس کے ساتھ مجھے دنیا میں بھیجا گیا ہے ایسی ہے جیسے کسی انسان نے آگ روشن کی جب اس کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی تو آگ میں گرنے والے کیڑے مکوڑے اور پروانے آگ میں کودنے لگے اور اس شخص کی ہزار کوشش کے باوجود وہ اس آگ کا لقمہ بننے سے محفوظ نہ رہے، بالکل اسی طرح تم لوگ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں چھلانگ لگانا چاہتے ہو، اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں اس سے روکنے کی کوشش میں ہوں، قرآن کریم میں بھی یہ مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

كنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها۔

اور تم لوگ جہنم کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ گئے تھے مگر اس نے تم کو بچا لیا۔

آج کے مادی ہندوستان کی کثیر آبادی کا حال، دورِ جاہلیت کے انسان سے مختلف نہیں ہے، مقصد تخلیق سے غفلت کے مرض میں شاید ان کی حالت اس دور سے بھی زیادہ افسوسناک اور قابل رحم ہے، وہ یقیناً مسلمانوں کی نظر کرم اور ان کی مخلصانہ دعوت و تبلیغ کے ضرور تمند ہیں، ایک انسان ہونے کی حیثیت سے بھی ان کے دلوں کی تاریک دنیا کو، ایمان و یقین کی روشنی سے منور کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیئے، اولاد آدم ہونے کی حیثیت سے اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے اس میں کوئی خوشی کی بات نہیں ہے کہ ہمارے برادران وطن اپنی غفلت کے سبب جہنم کا ایندھن بنیں اور ہم انہیں ان کی خطرناک اور بدترین صورتحال پر تنبیہ بھی نہ کریں، خیر امت ہونے کی حیثیت سے ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ اگر قافلۂ انسانیت کے مسافر اپنی منزل کی صحیح سمت سے ہٹ جائیں تو ہمیں صحیح سمت سفر کی رہنمائی کیلئے کوشش کرنی چاہیئے — ہندوستان میں ہماری مساعی کے کامیاب ہونے کے امکانات بھی بہت روشن ہیں، ہمارے ابناء وطن کا ایک بڑا طبقہ انسانیت کے ابتدائی حقوق سے بھی محروم ہے، ذات پات کی

اونچ نیچ اور عدم مساوات نے ان کی زندگی کو اجیرن بنا دیا ہے، خدا کی پیدا کی ہوئی نعمتوں میں سے صرف ہوا اور سورج کی روشنی سے تو وہ استفادہ کر لیتے ہیں لیکن جن نعمتوں پر انسان کا ذرا بھی کنٹرول ہے اس سے اس طبقہ کو محروم کر دیا گیا ہے جیسے پانی کو انسان کی بنیادی ضرورت کے سبب قدرت نے اسے ہر جگہ پیدا فرمایا ہے لیکن جس کنویں پر انسان کا ذرا بھی اختیار ہے یہ طبقہ اس کنویں سے پانی لینے سے بھی محروم ہے، حقوق انسانیت سے محروم اس برادری کو صرف اسلام کے دامن میں پناہ ملتی ہے اگر ہم مضبوط استدلال سے، سوز و گداز کی کیفیت میں ڈوب کر ان گم کردہ راہ انسانوں کو مقصد زندگی کی طرف لانے کی کوشش کریں اور انہیں اسلام و ایمان کی دولت سے ہم کنار کر کے آخرت کے عذاب الیم سے بچانے میں کامیاب ہو جائیں تو یہ انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہوگی۔

پھر یہ کہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کی ذمہ داریاں اس سلسلے میں بہت بڑھی ہوئی ہیں، دارالعلوم کے قیام کے مقاصد میں علوم دینیہ کی اشاعت بھی ہے، اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے جد و جہد بھی ہے اور گم کردہ راہ انسانوں کی ہدایت بھی ہے، اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور آپ کے ذریعہ عام ہونے والی ہدایت کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس ہدایت اور علم کی مثال جس کے ساتھ مجھے دنیا میں بھیجا گیا ہے اس بارش کی طرح ہے جو کسی سرزمین پر برسے کہ اس زمین کا کچھ حصہ تو اس کو قبول کر لیتا ہے اور اس سے سرسبزی و شادابی جنم لیتی ہے اور کچھ حصے اس پانی کو روک لیتے ہیں اور اس رکے ہوئے پانی سے انسان فیضیاب ہوتے ہیں، وہ پانی انسانوں کے پینے کے کام بھی آتا ہے اور اس سے سیرابی کا کام بھی لیا جاتا ہے، اور زمین کا ایک حصہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ نہ سبزہ اگاتا ہے اور نہ پانی کو روکتا ہے۔

بلاشبہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور اس کے فیضیافتہ علماء کرام زمین کے اس حصہ کی طرح ہیں جس نے بارش کا اثر قبول کیا اور اس سے سرسبزی و شادابی کے گلستاں لہلہانے لگے، ملک کے طول و عرض بلکہ کرۂ ارضی پر پھیلے ہوئے یہ علماء کرام اگر آج بھی اپنی مساعی کو تیز فرمادیں، انسانیت کا جو درد ان کے سینے میں ہے وہ دعوت و تبلیغ کی زبان بن کر عصر حاضر کے انسان کے ضمیر کو جھنجوڑنے لگے تو کتنے ہی انسانوں کو خطرناک مستقبل سے بچایا جا سکتا ہے اور فضلاء دارالعلوم کی مؤتمر کو یہ کام کرنا چاہئے، ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء کے صرف یہ معنی نہیں ہیں کہ ہمیں مفلوک الحال اور مصیبت زدہ انسانوں سے ہمدردی ہو، بلکہ جو لوگ خالق کائنات کے عرفان اور اس کے حقوق سے غافل ہیں اور اس غفلت نے انہیں موت کے بعد کی دائمی زندگی کے مستقبل کی پریشانی سے دوچار کر دیا ہے، جو اس دنیا میں پروردگار عالم کی جلوہ گری سے مستفید نہ ہونے کی بنا پر آخرت میں بھی دیدار کی لذت سے محرومی کا سامان فراہم کر رہے ہیں ان پر بھی ہمیں رحم آنا چاہئے، اور ہمیں بار بار پوری دیانت، کامل دلسوزی اور پورے اخلاص کے ساتھ خدا کے آخری دین کی طرف دعوت دے کر انہیں نعمت اسلام سے بہرہ ور ہونے کی جد و جہد کرنی چاہئے، اس طرح نہ صرف یہ کہ ہم ان لوگوں کو صراط مستقیم پر لا سکیں گے بلکہ آپ کے اس ارشاد کا مصداق بن جائیں گے کہ اگر اللہ تمہارے ذریعہ کسی ایک انسان کو بھی ہدایت عطا فرما دے تو تمہارے لئے بھی بڑی نعمت ہے۔

مسئلہ نجات

(از علامۃ العصر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب سابق مدرس دارالعلوم دیوبند)

عرف میں کسی مصیبت سے رستگار ہو جانے کا نام نجات ہے مگر اصطلاح شریعت میں غضب الٰہی اور قہر خداوندی سے بچ جانے کو نجات کہتے ہیں یا بعنوانِ دیگر۔ آخرت کے مصائب سے بچ جانے کا نام نجات ہے۔ گفتگو اب طریق نجات میں ہے، یعنی قہر خداوندی اور عذاب الٰہی سے بچنے کا کیا طریق ہے۔ نصاریٰ نے کفارہ کو طریقۂ نجات ٹھہرایا۔ اور آریوں نے آواگون اور تناسخ کو طریقۂ نجات سمجھا، مگر اسلام نے نجات کا ایک ایسا سہل اور عجیب و غریب طریقہ تبلایا کہ جو عین فطرت اللہ کے مطابق اور عقل سلیم اور فہم مستقیم کے موافق ہے۔ وہ یہ ہے کہ۔

اول انسان حق جل جلالہٗ پر ایمان لائے یعنی اس کو خدائے برحق مانے اور جن چیزوں کے ماننے کا اس نے حکم دیا ہے خلوص دل اور صدق زبان سے ان کی تصدیق کرے۔ دوم یہ کہ جن چیزوں کے کرنے کا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان کو بجا لائے اور جن چیزوں سے اس احکم الحاکمین نے منع فرمایا ہے ان سے پرہیز کرے اور ان کے ارتکاب کو حیاتِ روحانی کے حق میں سم قاتل اور اپنے مولائے حقیقی اور منعم اصلی کے درمیان میں حجاب اکبر سمجھے، پس جو شخص خدائے برحق پر ایمان لایا اور اس کے احکام کی اطاعت کی اور اس کی نافرمانیوں سے احتراز اور اجتناب کیا وہ اللہ کے فضل و رحمت سے غضبِ الٰہی اور عذابِ خداوندی سے نجات پا گیا۔ کما قال تعالیٰ۔

ووقاھم عذاب الجحیم فضلاً من ربک ذٰلک ھو الفوز العظیم	اور اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب دوزخ سے بچا لیا۔ محض اپنے فضل سے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

باوجود ایمان اور عمل صالح کے عذاب جحیم سے نجات پانے کو خدا کے فضل کی طرف اس لئے منسوب فرمایا کہ وہ ارحم الراحمین۔ اگر توفیق حسن نہ عطا فرماتا تو کہاں سے ایمان لاتے اور اگر وہ اعضاء اور جوارح نہ عطا فرماتا تو کہاں سے اس کی عبادت اور بندگی کر سکتے۔

یمنون علیک ان اسلموا	یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان

قل لا تمنوا علیّ اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان ان کنتم صادقین۔

جتلاتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان جتلاتا ہے کہ اللہ ہی نے تم کو ایمان کی توفیق دی بشرطیکہ تم اس دعوئ ایمان میں سچے ہو۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر تھا تو یہ ارشاد فرمایا کہ تجھ کو لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی تفسیر بھی معلوم ہے، میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جاننے والے ہیں۔ فرمایا کہ اس کی تفسیر یہ ہے۔

لا حول عن معصیۃ اللہ الا بعصمۃ اللہ ولا قوۃ علی طاعۃ اللہ الا بعون اللہ (اخرجہ البزار)

کوئی شخص اللہ کی معصیت سے بدون اللہ کی عصمت اور حفاظت کے نہیں بچ سکتا اور کوئی شخص بدون اللہ کی اعانت اور امداد کے اللہ کی اطاعت نہیں کر سکتا۔

جہاں آفریں گر نہ یاری کند   کجا بندہ پرہیز گاری کند

غزوۂ احزاب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی زبانوں پر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ کلمات جاری تھے۔

اللھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا فانزلن سکینۃ علینا۔

اے اللہ اگر تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ کوئی صدقہ کر سکتے اور نہ کوئی نماز ادا کر سکتے، اے اللہ تو ہم پر اپنی سکینت اور طمانیت نازل فرما۔

شکر احسان ترا چوں سر کنم   اندریں رہ گو قدم از سر کنم
جان و گوش و چشم و ہوش و پا و دست   جملہ از دریائے احسانت پر است
ایں کہ شکر نعمت تو می کنم   ایں ہم از تو نعمتے شد مغتنم
شکر ایں شکر از کجا آرم بجا   من کیم از تست توفیق اے خدا
دست و پا و ایں زبان و لفظ شکر   عاریت از تست بے از ہیچ نکر
طاعت و توفیق طاعت ہم ز تو   لطف تو برما نوشتہ صد نکو

پرلوں کا خط جو انصاریوں کے نام ہے اس کے دوسرے باب میں بالتفصیل اسکا ذکر ہے کہ ہم گمراہ تھے

خدا نے محض اپنے فضل سے ایمان اور ہدایت ہم کو عطا کیا۔ اور اپنے فضل سے ہم کو نجات دی۔
چنانچہ باب مذکور کی آٹھویں آیت میں ہے۔
(۸) تم کو ایمان کے وسیلے فضل ہی سے نجات ملی ہے اور یہ تمہاری طرف سے نہیں خدا کی بخشش ہے
(۹) اور نہ اعمال کے سبب سے ہے تاکہ کوئی فخر نہ کرے۔
(۱۰) کیونکہ ہم اسی کی کاریگری ہیں۔

توریت میں جابجا ایمان اور عمل صالح کو مدار نجات ٹھہرایا ہے، چنانچہ توریت کتاب استثنا باب ۲۸ میں ہے۔

(۱) اگر تو کوشش کرکے خدا کی آواز سنے تاکہ ان سب حکموں پر جو آج کے دن تجھ کو فرماتا ہوں۔ دھیان رکھ کے عمل کرے تو تیرا خدا تجھ کو سرفراز کرے گا۔ (۲) اور ساری برکتیں تجھ پر آویں گی اور تجھے پہنچیں گی (۳) سو تو شہر میں مبارک ہوگا اور کھیت میں بھی مبارک ہوگا۔ الخ

باب مذکور کی چودھویں آیت تک خدا کے حکموں پر عمل کرنے والوں کے لئے دنیا اور آخرت کی کیا کیا برکتیں ملیں گی بالتفصیل ان کا تذکرہ ہے، پھر پندرھویں آیت میں ہے۔
(۱۵) کہ اگر تو اپنے خدا کی آواز کا شنوا نہ ہوگا تو ساری لعنتیں تجھ پر اتریں گی۔

اور پھر دور تک نافرمانوں کیلئے وعید اور تہدید کا سلسلہ چلا گیا ہے اور کتاب استثناء باب یازدہم آیت ۲۶ میں ہے۔
(۲۶) دیکھو آج کے دن تمھارے آگے برکت اور لعنت رکھ دیتا ہوں۔ برکت جبکہ تم خدا کے حکموں کو مانو۔ اور لعنت جبکہ خدا کی فرمانبرداری نہ کرو۔ الخ

اور کتاب استثناء کے باب چہارم اور پنجم اور ششم میں یہی مضمون بالتفصیل مذکور ہے جس کا دل چاہے دیکھ لے۔ اور انجیل متی کے باب ۱۹۔ آیت ۱۷ میں اور انجیل مرقس کے باب دہم آیت ۱۷ میں اور انجیل لوقا کے باب ۱۰۔ آیت ۱۸ میں بالتفصیل مذکور ہے کہ انسان ہمیشہ کی زندگی یعنی نجات دائمی کا وارث جب ہوتا ہے کہ جب خدا کے حکموں پر عمل کرے اور انجیل متی کی باب ہفتم آیت ۲۲ میں ہے کہ آسمانی بادشاہت اس کو ملتی ہے جو خدا کی مرضی پر چلتا ہے۔ اور انجیل یوحنا باب سوم آیت ۱۶ میں ہے۔

جو کوئی اس پر (حضرت مسیح علیہ السلام) پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے، کیونکہ خدا نے بیٹے کو دنیا میں اس لئے نہیں بھیجا کہ دنیا پر سزا کا حکم کرے بلکہ اس لئے کہ

دنیا اس کے وسیلے سے نجات پائے جو اس پر ایمان لاتا ہے۔ اس پر سزا کا حکم نہیں ہوتا جو اس پر ایمان نہیں لاتا۔ اس پر سزا کا حکم ہو چکا۔ اس لئے کہ وہ خدا کے اکلوتے بیٹے پر ایمان نہیں لایا اور سزا کے حکم کا سبب یہ ہے کہ نور دنیا میں ۱۹۔ آیا ہے اور آدمیوں نے تاریکی کو نور سے زیادہ پسند کیا اس لئے کہ اُن کے کام بُرے تھے۔ ۲۰۔ کیونکہ جو بدی کرتا ہے وہ نور سے دشمنی رکھتا ہے وہ نور کے پاس نہیں آتا۔ مگر جو سچائی پر عمل کرتا ہے وہ نور کے پاس آتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ نجات کا مدار تین چیزوں پر ہے۔ اول ایمان۔ دوئم اعمال صالحہ۔ سوئم تقویٰ اور پرہیزگاری۔ قال اللہ عزوجل

فاما من تاب وآمن وعمل صالحاً فعسیٰ ان یکون من المفلحین ——
پس جس نے کفر سے توبہ کی اور ایمان لایا اور اعمال صالحہ کئے پس امید ہے کہ وہ کامیاب ہوگا۔

ومن یطع اللہ ورسولہ ویخش اللہ ویتقہ فاولٰئک ہم الفائزون
جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اس کی معصیت سے بچے ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔

ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات کانت لہم جنات الفردوس نزلاً خالدین فیہا۔
تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کئے، ان کے لئے جنت الفردوس ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

مگر جو شخص ایمان ہی نہ لائے اس کی نجات ناممکن ہے، اس لئے کہ جس طرح حق جل شانہٗ پر ایمان لانا اور اس کو خدائے برحق ماننا اور اس کے احکام کو بے چون وچرا تسلیم کرنا نجات دائمی اور حیات جاودانی اور ہمیشہ کی زندگانی کا سبب ہے اسی طرح اس حق جل وعلا پر نہ ایمان لانا اور اس کو جھٹلانا اور اس احکم الحاکمین کی اطاعت سے انکار کرنا اور اس کی بندگی اور فرمانبرداری کو اپنے لئے عار سمجھنا ہلاکت ابدی اور شقاوت سرمدی کا سبب ہے اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذلک۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

خدائے عزوجل پر ایمان لانے سے بڑھ کر کوئی نعمت اور کوئی عزت اور سربلندی اور سرفرازی نہیں اور خدا کے ساتھ کفر کرنے سے بڑھکر کوئی مصیبت اور کوئی ذلت ونکبت خواری اور رسوائی

نہیں، شیطان لعین جو ساری دنیا کے نزدیک ملعون و مردود، رجیم و مطرود، ملوم و مدحور، مغضوب و مقہور ہے وہ صرف اسی کفر و انکار ربانی اور استکبار کی وجہ سے ہے۔ قال تعالیٰ

ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین۔ — اللہ کا حکم ماننے سے انکار کیا اور تکبر کیا اور علانیہ کافروں میں سے ہو گیا۔

سلاطین عالم کے یہاں بھی خطا اور قصور تو معاف ہو جاتا ہے، مگر بغاوت اور سرکشی اور حکومت سے مقابلہ کا جرم کبھی معاف نہیں ہوتا، باغیوں کی سزا سب کے نزدیک قتل یا حبس دوام ہے، اسی طرح جو لوگ اس احکم الحاکمین سے بغاوت کرتے ہیں اور اس کی خدائی اور فرماں روائی کو نہیں تسلیم کرتے اور نہایت بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ اس کے احکام اور وزراء یعنی انبیاء و مرسلین کا مقابلہ کرتے ہیں ان کی سزا بھی سوائے حبس دوام کے اور کچھ نہیں ایسے ہی باغیوں اور سرکشوں کے لئے ایک دائمی جیل خانہ تیار کیا ہے، اس جیل خانہ کا نام جہنم ہے۔ کما قال تعالیٰ

وجعلنا جہنم للکافرین حصیرا — اور ہم نے کافروں کے لئے جہنم کو جیل خانہ بنایا ہے۔

انجیل متی باب ۱۲ درس ۳۱ میں ہے کہ ہر گناہ اور کفر (یعنی کفر عملی) تو معاف کیا جائے گا مگر جو کفر روح کے حق میں ہو وہ معاف نہ کیا جائے گا۔ ۱۲

ہاں جو شخص خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا، اس کے احکام کو تسلیم کیا مگر بمقتضائے بشریت اپنی جہالت اور نادانی سے کسی حکم کا خلاف کر گذرا۔ اور کوئی گناہ اس سے سرزد ہو گیا تو اس رب کریم اور رؤف رحیم نے ہم کو یہ بشارت اور مژدۂ جانفزا سنایا ہے کہ اے میرے گنہگار اور خطاکار بندو! میری رأفت و رحمت اور میرے عفو اور مغفرت سے تم ناامید مت ہو، میری رحمت کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے، جس وقت چاہو معذرت کے لئے حاضر ہو اور عفو اور مغفرت کی استدعا اور درخواست میری بارگاہ میں پیش کرو۔ میں ضرور تمہاری معذرت کو سنوں گا اور عفو اور مغفرت کی درخواست کو قبول کروں گا۔

وانی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحا ثم اھتدیٰ (سورۂ طٰہٰ) — اور میں بلاشبہ ہر اس شخص کو معاف کرنے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل صالح کرے اور پھر ٹھیک سیدھے راستہ پر چلتا رہے

کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ — تمہارے پروردگار نے رحمت اور مہربانی کو اپنے اوپر

انہ من عمل منکم سوء بجہالۃ ثم تاب من بعدہ واصلح فانہ غفور رحیم۔

لکھ لیا ہے کہ جو شخص نادانی سے برا عمل کر بیٹھے اور پھر اس کے بعد توبہ کرے اور آئندہ اپنے اعمال کی اصلاح کرلے تو اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ بڑے ہی مغفرت فرمانے والے اور رحمت فرمانے والے ہیں۔

وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفو عن السیئات ویعلم ما تفعلون۔

اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو خوب جانتا ہے۔

معاذ اللہ وہ غفور رحیم ایسا نہیں جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں کہ وہ خدائے قدوس جب تک گنہگاروں کی طرف سے کسی معصوم اور بے گناہ کو صلیب پر نہ چڑھا لے اس وقت تک نجات نہیں ہو سکتی اور نہ معاذ اللہ وہ ایسا ہے جیسا کہ آریہ کہتے ہیں کہ بندہ ہزار گڑگڑائے اور لاکھ گریہ وزاری کرے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرے مگر جب تک گدھا اور کتا بندر اور سور نہ بنا لے اس وقت تک کسی طرح درگذر نہ کرے سبحانہ وتعالیٰ عما یصفون وہ ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے اس کا ارشاد تو یہ ہے

قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم وانیبوا الیٰ ربکم واسلموا لہ من قبل ان یاتیکم العذاب ثم لا تنصرون

آپ کہیے کہ اے بندو، جنہوں نے کفر اور شرک کرکے اپنے اوپر زیادتی کی ہے تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو اور یہ خیال مت کرو کہ ایمان لانے کے بعد بھی کفر و شرک پر مواخذہ ہوگا، بالیقین اللہ تعالیٰ تمام گذشتہ گناہوں کی مغفرت فرما دینگے اور وہ بڑی رحمت فرمانے والے ہیں البتہ تم کو یہ چاہیئے کہ عذاب آنے سے پہلے تم اللہ کی طرف رجوع کرو اور اسلام میں داخل ہو کر اس کے مطیع اور فرماں بردار بنجاؤ عذاب آنے کے بعد تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے گی۔

گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ   باز آ باز آ از کبر و مستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست   صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

جس طرح ہم نے توبہ کا طریق نجات ہونا قرآن سے نقل کیا ہے اسی طرح کتب سابقہ کے

بھی چند حوالے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

صحیفہ یسعیاہ باب ۵۵ آیت ۷ وہ جو شریر ہے اپنی راہ کو ترک کرے اور بد کردار اپنے خیالوں کو اور خداوند کی طرف پھرے کہ وہ اس پر رحمت کریگا۔ اور کثرت سے معاف کرے گا۔ اھ

تواریخ دوم باب ۷ درس ۱۴ پس اگر میرے لوگ جو میرے نام سے کہلائے جاتے ہیں اپنے تئیں عاجزی کریں اور دعا مانگیں اور میرا منہ ڈھونڈیں اور اپنی بری راہوں سے پھریں تو میں آسمان پر سے سنوں گا اور ان کی خطائیں بخشوں گا اور ان کی زمین کو امان دوں گا۔ اھ

زبور باب ۳۲ درس اول مبارک ہے وہ جس کا گناہ بخشا گیا اور خطا ڈھانپی گئی، مبارک ہے وہ آدمی جس کے گناہوں کو خداوند حساب میں نہیں لاتا، جس کے دل میں دغا نہیں۔

پھر درس پنجم میں ہے۔ میں نے تجھ پاس اپنے گناہ کا اقرار کیا میں نے کہا کہ میں خداوند کے آگے اپنے گناہ کا اقرار کروں گا سو تو نے میری بد ذاتی کے گناہ کو بخش دیا۔

کتاب الامثال باب ۲۸ درس ۱۳ وہ جو اپنے گناہوں کو چھپاتا ہے کامیاب نہ ہوگا پر وہ جو گناہ کا اقرار کرتا ہے اور اسے چھوڑ دیتا ہے، اس پر رحمت ہوئیگی، مبارک ہے وہ انسان جو سدا ڈرتا ہے۔ اھ

انجیل لوقا باب ۱۷ درس ۳ خبردار رہو اگر تیرا بھائی گناہ کرے اسے ملامت کر۔ اگر توبہ کرے اسے معاف کر (۴) اور اگر وہ ایک دن میں سات دفعہ تیرا گناہ کرے اور ساتوں دفعہ تیرے پاس آکر کہے کہ توبہ کرتا ہوں تو اسے معاف کر۔ اھ

تعجب کی بات ہے کہ ایک بھائی تو توبہ سے گناہ معاف کردے مگر نصاریٰ کے نزدیک ارحم الراحمین توبہ کرنے والے کا گناہ معاف نہیں کرسکتا۔

انجیل لوقا باب ۱۵ درس ۳ (بھیڑوں کی تمثیل) جس کی سو بھیڑوں میں سے ایک بھیڑ گم ہوجائے اور پھر وہ گم شدہ بھیڑ مل جائے تو انسان کو بے حد خوشی ہوتی ہے اور دوستوں اور پڑوسیوں کو بھی اس خوشی میں شرکت کے لئے بلاتا ہے اسی طرح ننانوے راستبازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والے گنہگار کی بابت آسمان پر خوشی ہوتی ہے۔

پھر درس ہشتم۔ میں اسی طرح کھوئے ہوئے درہم کی مثال مذکور ہے کہ جس کے پاس دس درہم ہوں اور ایک کھویا جائے اور پھر مل جائے تو بیحد خوشی کرتا ہے کہ میرا کھویا ہوا درہم مل گیا، اسی طرح ایک توبہ کرنے والے گنہگار کی بابت خدا کو فرشتوں کے سامنے خوشی ہوتی ہے۔ اھ

توبہ کیا ھے؟ اپنے گناہ کو برا سمجھ کر دنیا اور آخرت کی خرابی اور بربادی کا باعث جان کر فوراً اس سے باز آجانا اور پھر نہایت ندامت اور شرمساری ذلت اور انکساری کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں عفو اور مغفرت کی درخواست کرنا اور آئندہ کے لئے سچے دل سے یہ مصمم اور پختہ ارادہ کرلینا کہ یہ کام پھر کبھی نہ کرونگا دینِ محمدی میں اس کا نام توبہ ہے۔ محض زبان سے استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ[1] کہہ لینے کا نام توبہ نہیں ہے۔ بقول رابعہ بصری ایسی توبہ اور استغفار تو خود توبہ اور استغفار کی محتاج ہے ہاں اگر دل کی ندامت اور شرمساری کے ساتھ زبان سے بھی توبہ اور استغفار اور اپنے قصور کا اعتراف اور اقرار کرے تو سبحان اللہ نورٌ علیٰ نور ہے۔

<u>**توبہ اور استغفار کے حِکَم اور اسرار**</u> اس علیم وحکیم نے انسان کو خطا اور نسیان سے مرکب پیدا فرمایا ہے۔ لغزش اور تقصیر کو اس کی فطرت اور خمیر میں رکھا ہے۔ پس اگر انسانی لغزشوں اور خطاؤں کی بغیر جزا اور سزا خدا کی طرف سے معافی ناممکن ہو تو پھر نجات کی کوئی سبیل ہی نہیں۔ اس صورت میں نجات ایک لفظ بے معنی رہ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس علیم وحکیم نے انسان کو سراپا تقصیر اس لئے بنایا

(۱) تاکہ خدا کی ذات ستودہ صفات کا بے عیب ہونا اس کو منکشف ہو جائے اور یہ سمجھ لے کہ میں سراپا عیب ہوں اور وہ قدوس وسلام تمام عیبوں سے پاک اور منزہ ہے۔

(۲) اور تاکہ اس علیم وقدیر کی کمال قدرت اور کمال تصرف کا علم ہو کہ وہ مصرف القلوب کس طرح ہمارے ظاہر اور باطن میں متصرف ہے اور کس طرح ہمارے دلوں کو کبھی طاعت کی طرف پھیرتا ہے اور کبھی معصیت کی طرف کبھی نیکی کی جانب اور کبھی بدی کی جانب۔

(۳) اور تاکہ بندہ کو اپنا مجبور ومقہور ہونا معلوم ہو جائے اور یہ اس پر منکشف ہو جائے کہ بدون حق جل وعلا کی عصمت واعانت اور بدون اس کی امداد اور توفیق کے کوئی طاعت اور نیکی نہیں ہو سکتی جب وہ اپنی اعانت اور توفیق روک لیتا ہے اسی وقت بندہ سے خطائیں اور لغزشیں شروع ہو جاتی ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

(۴) اور تاکہ اس کی ستاری اور پردہ پوشی کا کچھ اندازہ کر سکے کہ وہ علیم وخبیر کہ جس کی بے چون وچگون نگاہ سے قلب اور سینہ کا کوئی حال مخفی نہیں وہ میری خطائیں دیکھ رہا ہے مگر پھر پردہ پوشی کر رہا ہے لوگوں میں مجھ کو رسوا نہیں کیا۔

(۵) اور تاکہ اس علیم وحلیم کے حلم اور بردباری کا علم ہو کہ اس نے اپنے حلم اور کرم سے میری خطا پر

---

[1] ترجمہ۔ میں اللہ سے ہر گناہ کی معافی چاہتا ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

فوراً کوئی گرفت نہیں کی اگر چاہتا تو فوراً زمین ہی میں دھنسا دیتا، یا کسی عذاب سے ہلاک کر ڈالتا مگر وہ حلیم و کریم ہے مواخذہ میں جلدی نہیں فرماتا ہے بلکہ مہلت دیتا ہے شاید بندہ پھر اس کی طرف رجوع کرے ؎

دو کونش یکے قطرہ در بحر علم ۔۔۔ گنہ بیند و پردہ پوشد بحلم
اگر بر جفا پیشہ بشتافتے ۔۔۔ کہ از دست قہرش اماں یافتے
پس پردہ بیند عملہائے بد ۔۔۔ ہمو پردہ پوشد بآلائے خود

بعض خدا کے بندے خطا اور لغزش کے بعد تھوڑی دیر کے لئے اپنی خطا اور لغزش سے تو غافل ہو جاتے ہیں مگر اس حق جل شانہٗ کی کریمی اور ستاری، حلیمی اور بردباری کے مشاہدہ اور مراقبہ میں مستغرق ہو جاتے ہیں جس کا ثمرہ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ندامت و خجالت، پشیمانی اور شرمساری میں اور غرق ہو جاتے ہیں اور سرگرداں ہیں حق جل شانہٗ کی محبت کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں کہ ہم تو روسیاہ اور گنہگار ہیں اور وہ حلیم و ستار ہے ؏

گنہ بیند و پردہ پوشد بحلم

گناہ دیکھ رہا ہے اور اپنے حلم سے پردہ پوشی کر رہا ہے۔

(۶) اور تاکہ بندہ تذلل اور تمسکن، خشوع اور خضوع، عجز اور انکسار، احتیاج اور افتقار کے کل مدارج و مراحل طے کر کے مولائے برحق کا کامل عبد اور بندہ بن سکے اور نفس امارہ فرعونیت کے مادہ سے بالکل پاک اور صاف ہو جائے۔

نفس۔ حقیقت میں شیطان کا عینی اور توام بھائی ہے اس کے مزاج میں بھی وہی علو اور استکبار ہے جو ابلیس کے مزاج میں ہے جب موقع ملتا ہے فرعون کی طرح انا الحق کہکر خدائی کا مدعی بن جاتا ہے اور علی الاعلان اس دعویٰ کی نشر و اشاعت کرتا ہے اور جب مجبور ہو جاتا ہے تو دعویٰ خدائی کو مخفی اور مضمر رکھتا ہے ؎

نفس اژدرہاست کے مردہ است ۔۔۔ واز غم بے آلتی افسردہ است

اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد نفس کو جہاد اکبر فرمایا ہے اس لئے کہ یہ اندرونی اور قریبی دشمن ہے کفار اور مشرکین تو بیرونی دشمن ہیں اور ظاہر ہے کہ اندرونی دشمن کا استیصال زیادہ اہم اور ضروری ہے

وقال تعالیٰ

یاایہا الذین اٰمنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ۔۔۔ اے ایمان والو قریب کے کافروں سے قتال کرو

اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریبی کافر اور اندرونی دشمن یعنی نفس کے جہاد کو

جہاد اکبر فرمایا ہے، اسی وجہ سے آپ نفس کے شر سے پناہ مانگنے کا بہت اہتمام فرماتے تھے ہر خطبہ میں نعوذ باللہ من شرور انفسنا ضرور فرماتے یعنی ہم کو اللہ کی اعانت اور امداد کے ذریعہ اپنے نفوس کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اللّٰھم لا تکلنی الیٰ نفسی طرفۃ عین

اے اللہ ایک لمحہ کیلئے بھی مجھکو میرے نفس کے حوالہ نہ سپرد نہ فرما یعنی اگر نفس کے حوالہ ہو گیا تو سوائے ہلاکت کے اور کیا انجام ہوگا۔

عبودیت کا تذلل ہی نفس کو فرعونیت کے شائبہ سے پاک کر سکتا ہے، تذلل کے مراتب کہ جن کے بغیر نفس کا تزکیہ نہیں ہو سکتا۔ حسب ذیل ہیں۔

<u>پہلا مرتبہ ذلت احتیاج</u> یہ ذلت تمام مخلوق میں مشترک ہے اس لئے کہ سبع سموات اور سبع ارضین اور کائنات کا ہر ہر ذرہ اس کا محتاج ہے اور وہ غنی حمید سب سے مستغنی اور بے نیاز ہے اس لحاظ سے ساری مخلوق اس کبیر متعال اور عزیز ذوالجلال کے سامنے ذلیل اور حقیر ہے۔

<u>دوسرا مرتبہ ذلت اطاعت</u> یہ اختیاری تذلل ہے جو مطیعین کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کہ ہر مطیع اپنے مطاع کے سامنے اور ہر عابد اپنے معبود کے سامنے ذلیل اور پست ہے عبادت نام ہی اس کا ہے کہ کسی کو عظیم وجلیل سمجھ کر اس کے سامنے تذلل اور تمسکن خشوع اور خضوع کو اختیار کیا جائے۔

<u>تیسرا مرتبہ ذلت محبت</u> یہ ذلت محبین اور مخلصین، عشاق اور والہین کے ساتھ مخصوص ہے، محبت کی اساس اور بنا ہی ذلت پر ہے ہر محب اپنے محبوب کے سامنے ذلیل اور خوار ہے ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن — دل بدست دگرے دادن وحیراں بودن

أذلّ لمن اھویٰ لاکسب عزۃ — وکم عزۃ قد نالھا المرأ بالذل

اپنے محبوب کے سامنے ذلیل ہوتا ہوں تاکہ عزت حاصل کروں اور بہت سی عزتیں ذلت ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔

اذا کان من تھویٰ عزیزا ولم تکن — ذلیلا لہ فاقرا السلام علی الوصل

اگر تیرا محبوب عزیز ہو اور تو اسکے سامنے ذلیل نہ ہو تو پھر وصل پر بھی سلام پڑھنا۔

<u>چوتھا مرتبہ۔ ذلت خطا و تقصیر</u> یہ ذلت گناہگاروں کے ساتھ مخصوص ہے، حق جل شانہٗ کی معصیت اور نافرمانی کے بعد انسان اپنے اندر ایک خاص ذلت اور خواری کو محسوس کرتا ہے، جب انسان میں یہ ساری ذلتیں جمع ہو جائیں اپنے کو محتاج اور فقیر مطلق اور حق تعالیٰ شانہٗ کو بے نیاز اور غنی مطلق اپنے کو بندہ اور اس کو معبود اپنے کو محب اور اس کو محبوب اپنے کو روسیاہ اور خطاکار، گنہگار اور اس کو

غلام سمجھنے لگے، تب عبودیت کا خلعت اس کو عطا ہوتا ہے کہ جس سے بڑھ کر اور کوئی خلعت نہیں۔

لا تدعنی الا بیا عبدھا فانہ اشرف اسمائی

مجھ کو مت پکارا کرو مگر اس کا عبد اور غلام کہہ کر اس لئے کہ یہی نام میرا سب سے بہتر ہے۔

اگر یک بار گوید بندۂ من — از عرش بگذرد خندۂ من

داغ غلامیت کرد پایۂ خسرو بلند — میر ولایت شود بندہ کہ سلطان خرید

(۷) اور تاکہ ذنب اور معصیت میں مبتلا ہونے سے نفس میں کثرت عبادت کی وجہ سے جو عجب پیدا ہوگیا ہے اس کا ازالہ ہو جائے جب نفس میں اپنی عبادت کی وجہ سے اعجاب اور خود پسندی کا مرض پیدا ہو جائے تو ایسی حالت ذنب اور معصیت میں مبتلا ہونا ہزار طاعتوں سے زائد نافع اور مفید ہوتا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ بعض مرتبہ صحت اور عافیت اتنی مفید اور کارآمد نہیں ہوتی جتنا کہ مرض مفید اور کارآمد ہوتا ہے اس لئے کہ مرض کے آتے ہی طبیعت علاج کی طرف متوجہ ہو جاتی اور طبیب کی رائے سے تنقیہ اور مسہل لیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فاسد مادہ خارج ہو کر طبیعت پہلے سے زیادہ صاف ہو جاتی ہے اور اس کے بعد لطیف غذاؤں کے استعمال سے پہلے سے زائد قوی ہو جاتا ہے۔

اسی طرح گناہ میں مبتلا ہو کر بارگاہ خداوندی میں تضرع اور ابتہال گریہ اور زاری کرنا عجب اور خود پسندی کے مادۂ فاسدہ کا بالکل استیصال کر دیتا ہے اور پہلے سے زائد بہتر ہو جاتا ہے چنانچہ ایک اثر الٰہی ہے،

انین المذنبین احب الیّ من تسبیح المسبحین — یعنی گنہگاروں کی آہیں اور نالے تسبیح والوں کی تسبیح سے میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔

(۸) اور تاکہ اس کی شان عفو اور مغفرت کا اظہار ہو اس لئے کہ اس کے اسماء حسنیٰ میں غفور رحیم اور عفو کریم اور تواب حلیم بھی ہے اس لئے ضروری ہے کہ دیگر اسماء حسنیٰ کی طرح ان اسماء حسنیٰ کے آثار بھی اس عالم میں ظاہر ہوں، اس محی اور ممیت نے شان احیاء اور اماتت کے ظاہر کرنے کیلئے موت اور حیات کو پیدا فرمایا اسی طرح اس ارحم الراحمین نے شان عفو و مغفرت اور شان حلم و کرم ظاہر کرنے کیلئے گنہگاروں کو پیدا فرمایا تاکہ ان کے گناہوں کی مغفرت اور ان کی خطاؤں کو معاف فرمائے۔ اگر گنہگار نہ ہوں تو پھر مغفرت کس کی ہو اور خطائیں کس کی معاف کی جائیں اور ستاری اور پردہ پوشی کس کی ہو اور توبہ اور معذرت کس کی قبول ہو، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

لو لم تذنبوا لذھب اللہ بکم ولجاء بقوم یذنبون — اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو فنا کر دیتا اور تمہارے بدلے میں ایسی قوم لاتا کہ جو گناہ کرے

یستغفرون اللہ فیغفر لہم — اللہ سے استغفار کرتی اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتا۔

(۹) اور تاکہ بندہ ذنب اور معصیت میں مبتلا ہو کر بارگاہ خداوندی میں تضرع اور زاری عجز اور انکسار کے ساتھ رجوع کرے تو حق جل شانہٗ کی طرف سے اس کو محبوبیت کا خلعت عطا ہو، حبیب اللہ کے لقب سے سرفراز ہو کما قال تعالیٰ

ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین — اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

بارگاہِ خداوندی میں کوئی قربت اور کوئی طاعت اس قدر پسندیدہ اور محبوب نہیں جس قدر کہ توبہ اور استغفار، عجز اور انکسار، استدعا اور سوال، تضرع اور ابتہال اس کو پسندیدہ اور محبوب ہے اس لئے کہ حق جل شانہٗ نے تمام کائنات اور تمام مخلوقات میں سے انسان کو اپنا محبوب بنایا ہے، تمام مخلوقات پر اس کو شرف اور فضیلت عطا کی، تمام کائنات کو اس کے لئے پیدا کیا اور اس کو اپنے لئے پیدا کیا، خود دست قدرت سے اس کو بنایا اور اپنی طرف سے خاص روح اس میں پھونکی، مسجود ملائک بنایا، زمین کو اس کے لئے فرش اور آسمان کو چھت بنایا، قسم قسم کے لذائذ و طیبات، فواکہ و ثمرات زمین سے اس کے لئے اگائے ملائکۃ اللہ کو ان کی حفاظت کے لئے مقرر کیا کہ سوتے اور جاگتے، سفر اور حضر میں ان کی حفاظت کریں کہ جنات اور شیاطین ان کو اچک نہ لیں، علم اور معرفت، خلافت اور امامت، نبوت اور رسالت، محبت اور خلعت سے اس کو سرفراز کیا، ان کے دشمن اور حاسد ابلیس لعین کو مقام قرب سے نکالا اور بتلادیا کہ یہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اس سے موالات اور دوستی نہ کرنا اور اس کے بہکانے میں نہ آنا اور یہ بھی بتلادیا کہ ہم اکرم الاکرمین اور ارحم الراحمین اور اجود الاجودین ہیں یعنی سب سے زائد کرم کرنے والے، سب سے زائد رحم کرنے والے، سب سے زائد جود و انعام کرنے والے ہیں ہماری رحمت ہمارے غضب پر ہمارا حلم ہماری عقوبت، ہمارا عفو ہمارے مواخذہ پر سابق اور مقدم ہے، ہمارے نزدیک عفو انتقام سے، رحمت عقوبت سے، فضل عدل سے کہیں زاید محبوب اور پسندیدہ ہے، تمام خیر ہمارے قبضہ میں ہے، رحمت کے بے شمار خزائن ہمارے ہاتھ میں ہیں اگر تمام آسمان اور زمین والے، اولین اور آخرین، جن اور انس، خشک اور تر سب مل کر ہم سے وقت واحد میں سوال کریں اور ہم اپنے ایک ادنیٰ اشارہ سے سب کی حاجتیں ان کے وہم و گمان سے زائد پوری کردیں تو ہمارے خزائن رحمت میں ایک ذرہ برابر بھی کمی نہ ہوگی۔

ہم جواد مطلق ہیں ہم باوجود غنائے مطلق اور بے نیازی کے جُود اور احسان، انعام اور اکرام سے اس قدر مسرور اور خوش ہوتے ہیں کہ تم باوجود فقیر مطلق ہونے کے خدا کی نعمتوں کو لے کر اس کا عشر عشیر بھی مسرور اور خوش نہیں ہوتے، ایک شاعر اپنے بادشاہ کی مدح میں کہتا ہے۔

کأنّ کل سوال فی مسامعہ قمیص یوسف فی اجفان یعقوب

سائلین کا سوال بادشاہ کے کانوں کو اس قدر خوشگوار معلوم ہوتا ہے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کا کرتہ یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر۔

اذا سألوا شکرتہم علیہ وان سکتوا سألتہم السؤالا

اگر لوگ تجھ سے سوال کرتے ہیں تو سائلین کا ممنون اور مشکور ہوتا ہے اور اگر خاموش رہتے ہیں اور تجھ سے سوال نہیں کرتے تو ان سے سوال کا سوال کرتا ہے، یعنی تو اُن سے یہ درخواست اور یہ سوال کرتا ہے کہ آؤ میں جواد اور کریم ہوں مجھ سے سوال کرو اور مانگو۔

دیکھا کہ مخلوق کو انعام اور احسان کس درجہ لذیذ اور خوشگوار ہے تو اس سے کچھ اندازہ لگاؤ کہ ارحم الراحمین اور اجود الاجودین کو انعام و احسان کس درجہ محبوب اور پسندیدہ ہوگا، فقراء اور مساکین انعام لیکر اس قدر خوش نہیں ہوتے جتنا کہ سخی اور کریم لوگ انعام دے کر مسرور ہوتے ہیں، مساکین اس کریم کی دی ہوئی نعمت کی مسرت اور خوشی میں مشغول ہیں، ان کو معلوم نہیں کہ منعم اور محسن کا قلب کس قدر فرحت اور مسرت سے لبریز ہے بندہ جب اپنے ہم جنس کی مسرت اور فرحت کا کما حقہ اندازہ نہیں کر سکتا تو اس اجود الاجودین اور اکرم الاکرمین کے جود و کرم کے بے چون و چگوں مسرت کا کہاں اندازہ کر سکتا ہے، چنانچہ انجیل لوقا باب ۱۵ درس ۲۲ میں حضرت مسیح علیہ السلام سے کھوئے ہوئے بیٹے کی تمثیل ذکر کی گئی ہے کہ ایک باپ کے دو بیٹے تھے ایک فرمانبردار اور دوسرا نافرمان۔

چند روز کے بعد وہ نافرمان بیٹا نادم ہو کر باپ کے پاس واپس اور اپنے قصور کا اقرار کرنے کے لئے آیا ہی تھا کہ باپ کو ترس آیا۔

(۲۱) اور دوڑ کر اس کو گلے لگالیا، اور بوسے لئے اور اس کے لئے عمدہ لباس اور نیا جوتہ اور نئی انگوٹھی تیار کرائی اور اس خوشی میں ایک پلا ہوا بچھڑا ذبح کیا اور احباب کی دعوت کی اور کہا کہ آؤ ہم سب کھا کر خوشی منائیں کیونکہ یہ میرا بیٹا مردہ تھا، اب زندہ ہوا، کھویا ہوا تھا اب ملا ہے، تیسویں درس تک اس تمثیل کا ذکر ہے۔

اسی طرح خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال بیان فرمائی ہے

کہ ایک شخص اونٹنی پر سوار تھا، اسی پر اس کا ناشتہ اور پانی تھا ایک لق ودق میدان میں ایک درخت کے نیچے اترا، وہاں آرام کیا سو کر جو اٹھا تو دیکھا کہ اونٹنی ندارد ہے، سخت حیران اور پریشان ہوا، بہت تلاش کیا کہیں نام ونشان نہ ملا، جب بالکل ناامید ہوگیا اور سمجھ لیا کہ اب زندگی محال ہے۔ یکایک دیکھتا کیا ہے کہ اونٹنی چلی آرہی ہے اور ناشتہ اور پانی سب اسی طرح موجود ہے، اس حالت میں جو گم شدہ اونٹنی ملنے کی اس کو مسرت اور فرحت ہوتی ہے حق جل شانہٗ کو جب اس کا گم شدہ بندہ تائب ہو کر واپس آتا ہے اس سے لاکھ درجہ بڑھ کر مسرت اور خوشی ہوتی ہے۔

اصل یہ کہ انسان کی جو شان ہے وہ کسی مخلوق کی نہیں! وہ رب العالمین کا محبوب ہے اس پر خدا کا جو ں وکرم مبذول ہوا وہ کسی مخلوق پر نہیں ہوا، ماں اپنے بچے پر وہ رحم نہیں کرسکتی جو اس ارحم الراحمین نے نے بندوں پر فرمایا، اس پر بھی اگر بندہ اپنے مولا اور منعم حقیقی سے سرتابی کرے اور اس کو چھوڑ کر اس کے ن یعنی شیطان سے موالات اور دوستی شروع کردے تو کیا اس ارحم الراحمین کو شاق نہ گذرے گا؟

رِ مہربان جس ماں نے اپنے بچے کو ہزار ناز و نعمت میں پرورش کیا ہو اگر وہ بچہ ماں کی اطاعت رے تو ماں اس کو گھر سے نکال کر دروازہ بند کرلیتی ہے لیکن اگر وہ بچہ یہ سمجھ کر کہ میں نے غلطی کی، ماد مہربان ے زائد میرے لئے کوئی شفقت اور مہربانی کرنے والا نہیں یہ سمجھ کر نہایت ندامت اور شرمساری کے ساتھ پس ہوا اور دروازہ کی چوکھٹ پر سر رکھ کر نہایت ندامت کے ساتھ اپنے قصور کی معذرت کرنے لگا اور کہنے لگا کہ اے ماں تجھ سے زائد میرا کوئی شفیق اور مربی نہیں، مجھ سے قصور ہوا آئندہ سے ایسا نہ ہوگا ، وقت ماں کی مسرت اور خوشی کا حال نہ پوچھو کہ اس کا بھاگا ہوا لخت جگر اور نور بصر پھر واپس آگیا ں مسرت اور جوش محبت میں بچے کو سینہ سے چمٹا لیتی ہے، اور یہ کہتی ہے کہ اے میرے نادان بچے کہاں چلا گیا تھا، میرے سوا تیرا کہاں ٹھکانا تھا، مجھ سے زائد تیرا کون شفیق اور مہربان اور خیر خواہ ر ہمدرد تھا۔

اسی طرح جب خدا کا بھاگا ہوا بندہ اور اس کا حبیب مخصوص، اس کے جود و کرم اور اس کے شمار آلاء و نعم کو یاد کرکے پھر واپس آتا ہے اور خدا کے در پر سر رکھ کر نہایت تضرع اور زاری اور عجز رانکساری، ندامت اور شرمساری سے اپنے قصور کی معافی چاہتا ہے اور یہ عرض کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار تیرے سوا میرا کوئی ماوی اور ملجا نہیں، تیرے سوا میرا کوئی سہارا اور پناہ نہیں، تو ارحم الراحمین ر تواب و رحیم اور جواد کریم ہے، ہم تیرے فضل کے محتاج ہیں اور تو ہمارے عقاب سے مستغنی اور بے نیاز ہے

تیری بارگاہ میں عفو، انتقام سے زیادہ محبوب ہے، رحمت عقوبت سے زیادہ پسندیدہ ہے، فضل عدل سے زیادہ مجھ کو عزیز اور پیارا ہے۔

اس وقت حق جل شانہٗ کی رحمت واسعہ کا دریا اس قدر جوش میں آجاتا ہے کہ ماں کے جوش محبت کو اس کے دریائے رحمت سے وہ نسبت بھی نہیں ہوتی جو ایک قطرہ کو دریا کے ساتھ ہے کیونکہ وہ ارحم الراحمین ماں سے کہیں زائد مہربان ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

اللہ ارحم بعبادہٖ من الام بولدھا — اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں سے کہیں زائد مہربان ہیں

اس وقت ارحم الراحمین یہ فرماتے ہیں کہ اے بندے میں نے تیرا قصور معاف کیا اور اپنے غضب کو رضا اور خوشنودی سے اور شدت کو رحمت سے اور عقوبت کو عفو سے اور مواخذہ کو حلم اور بردباری سے اور تیری سیئات کو حسنات سے بدل دیا۔ کما قال تعالیٰ

الا من تاب وآمن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات وکان اللہ غفوراً رحیما	جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اعمال صالحہ کئے۔ ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

اس لئے کہ جب توبہ کرنے والے نے ہر سیئہ کو ندامت اور پشیمانی، خجالت اور شرمساری سے بدل دیا تو اللہ جل شانہٗ نے اپنی رحمت سے ہر سیئہ کو حسنہ سے بدل دیا۔

اور ابلیس لعین جب دیکھتا ہے کہ بندہ پر ندامت اور شرمساری اور آہ وزاری کے ساتھ توبہ کرنے پر ارحم الراحمین کی جانب سے یہ رحمتیں برس رہی ہیں تو غیظ وغضب سے اپنے سر پر خاک ڈالنے لگتا ہے اور ابلیس لعین بندہ سے گناہ کرا کر اس قدر پچھتاتا ہے کہ بندہ بھی خود اس قدر نادم اور پشیمان نہیں، اس حاسد ازلی کو یہ گوارا نہیں کہ بندہ گناہ کے بعد پھر بارگاہ خداوندی میں تقرب اور محبت کے ساتھ سرفراز ہو، چنانچہ کتاب یسعیاہ باب اول درس ۱۶ میں ہے۔

اپنے بُرے کاموں کو میری آنکھوں سے دور کرو بدفعلی سے باز آؤ، نیکوکاری سیکھو، خداوند کہتا ہے اگرچہ تمہارے گناہ قرمزی ہوویں پر برف کے مانند سفید ہو جائیں گے اور ہر چند وہ ارغوانی ہوویں پر اُون کی طرح اُجلے ہوں گے۔ اھ

اس عبارت کا صاف مطلب یہی ہے کہ جو شخص بدی سے باز آجائے یعنی برے کاموں سے توبہ کرے اور نیکوکار بن جائے اور اعمال صالحہ کرنے لگے تو اس کی سیئات کو حسنات سے بدل دیا جائیگا

توبہ اور استغفار کے یہ اسرار و حِکَم ہم نے حافظ شمس الدین ابن قیم قدس اللہ سرہٗ کی مدارج السالکین سے اقتباس کر کے ہدیۂ ناظرین کئے ہیں۔ اب اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اصل مقصد کی طرف رجوع

خلاصہ یہ کہ گنہگار کی نجات کا ایک طریقہ توبہ اور استغفار ہے جو عین فطرت اور عقل سلیم کے مطابق ہے۔

آریہ لوگ توبہ اور استغفار کی حقیقت اور اس کے اسرار سے بالکل بے خبر ہیں اس لئے وہ لوگ توبہ کے منکر ہیں، چنانچہ دیانند جی ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۹۲ میں لکھتے ہیں کہ۔

توبہ سے گناہ معاف نہیں ہو سکتے اس لئے کہ خدا منصف ہے کبھی ظلم نہیں کرتا، گناہ معاف کرنے سے توبے انصاف ہوتا ہے جیسا گناہ ہو ایسی ہی سزا دینی منصف کا کام ہے۔

انتہیٰ کلامہ۔ سبحان اللہ کیا دانائی اور فراست ہے کہ اگر خدا توبہ اور معذرت سے بندوں کے قصور معاف فرما دے تو ظلم ہو جائے۔ مگر دیانند جی کو یہ معلوم نہیں کہ ظلم کے معنی دوسروں کے حق تلف کرنے کے ہیں، دوسروں کے حق نہ دینا یا حاکم ہو کر دوسروں کے حق نہ دلوانا یہ بے شک ظلم ہے مگر اپنے حق کا معاف کر دینا دنیا میں کسی عاقل کے نزدیک ظلم نہیں اور اگر بالفرض اپنا حق معاف کر دینا بھی ظلم ہے تو پھر بتلائیں فضل و کرم کیا چیز ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عدل کی وجہ سے بندوں کے حقوق توبہ سے معاف نہیں فرماتا بلکہ اس میں اپنی شان عدل سے ایک دوسرے کے حقوق ضرور دلائے گا اپنے حقوق میں رحم و کرم فضل اور احسان سے کام لیتا ہے، بندوں کے حق میں عدل اور انصاف سے کام لیتا ہے بلکہ اگر حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل سے حقوق العباد بھی معاف فرما دیں تو بھی خلاف عدل نہیں اس لئے کہ وہ مالک ہے اور سب اسی کے مملوک ہیں، پس حقوق العباد کا بھی حقیقۃً وہی مالک ہے اگر آقا اپنے غلام کے قرضہ کو معاف کر دے تو کوئی ظلم نہیں۔ پنڈت جی کے نزدیک خدا کو اپنے حقوق سے بھی درگذر کرنے کا حق نہیں۔ حالانکہ ساری دنیا کے نزدیک اپنے حقوق سے درگذر کرنا عین لطف و کرم ہے، لالہ جی بھی اگر چاہتے ہیں (گو بہت ہی کم) تو اپنا حق کبھی نہ کبھی معاف کر ہی دیتے ہیں۔ مگر معاذ اللہ خدا کو اتنا بھی اختیار نہیں جتنا کہ ایک لالہ جی کو ہے۔ خدا اگر معاف کر دے تو دائرۂ عدل و انصاف سے نکل جاتا ہے۔ پنڈت جی کے نزدیک صاحب حق پر اپنے حق کا تقاضہ لازم اور واجب ہے اگر صاحب حق تقاضہ نہ کرے تو یہ عدل اور انصاف کے خلاف ہے۔

پنڈت جی ذرا غور سے کام لیں اور سمجھیں کہ جس طرح ذاتِ خداوندی تمام موجودات کی اصل ہے اسی طرح کمالات خداوندی کمالات مخلوق کی اصل ہیں، مخلوق میں جو کمال ہے وہ اسی کے کمال کا

پرتو اور عکس ہے۔ آفتاب میں اگر نور نہ ہوتا تو زمین کہاں سے منور ہوتی۔ اسی طرح اگر خالق میں کمال نہ ہوتا تو مخلوق میں کہاں سے کمال آتا۔ جود وکرم فضل اور احسان، عفو، تقصیرات، اپنے مجرموں کی خطاؤں کا معاف کرنا بالاتفاق صفات کمال ہیں اور بسا اوقات یہ کہتے ہیں ع

در عفو لذتے ست کہ در انتقام نیست

تو پھر خدا کے ذات منبع الکمالات کے لئے یہ صفت کمال تسلیم کرنے میں کیوں تامل ہے، علاوہ ازیں اگر توبہ سے قصور معاف نہیں ہوسکتے تو پھر پنڈت جی بتلائیں کہ خدا کے سامنے رونے اور گڑگڑانے اور دعائیں مانگنے سے کیا فائدہ اگر وہ تمہاری توبہ قبول کرے اور دعا کو سنے تو تم اس کو ظالم ٹھہرانے کو تیار ہو، پنڈت جی لکھتے ہیں کہ دھرم کی پابندی چونکہ بغیر خدا کی مدد اور اعانت کے نہیں ہوسکتی اس لئے ایشور سے اس طرح مدد مانگنی چاہیئے۔

"اے اگنی (پرمیشور) عہد وصداقت کے مالک ومحافظ میں سچے دھرم پر چلوں گا اے پرمیشور مجھے سچے نیک چلن اور دھرم پر عمل کرنے کی طاقت ہو، میرا یہ سچ دھرم کا عہد آپ کی عنایت سے پورا ہو، عہد یہ ہے کہ میں آج سے دھرم کی پابندی اور جھوٹ، کھوٹے چال چلن سے دوری اختیار کرتا ہوں

یجروید ادھیائے ۔۱۔ منتر ۵۰

خدا سے یہ عہد کرنا کہ میں تیری اطاعت کروں گا اور تیری نافرمانی سے بچوں گا اسی کا نام توبہ ہے جس کے پنڈت جی منکر ہیں، نیز پنڈت جی ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۵۲ باب ہفتم کے ۱۴ سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ۔

"خدا کی حمد اور ثنا اور مناجات سے بھی مکتی یعنی نجات حاصل ہوسکتی ہے"

لہٰذا توبہ سے بدرجۂ اولیٰ نجات حاصل ہونی چاہیئے اس لئے کہ توبہ میں ندامت اور پشیمانی اور اپنے عجز اور انکساری اور خدائے عزوجل کی عظمت وجلال اور اس کی شان استغنا اور بے نیازی کو ملحوظ رکھ کر خدا کی حمد اور ثنا ہوتی ہے۔

نجات کا دوسرا طریقہ جس طرح توبہ موجب [illegible] ہے اسی طرح اعمال صالحہ بھی موجب نجات ہیں۔ دنیا میں اگر کسی سے کوئی قصور ہو جاتا ہے تو بعض اوقات اس شخص کے گذشتہ کارنامے ہی اس قصور کی معافی کا سبب بن جاتے ہیں۔

وإذا الحبيب أتى بذنب واحد جاءت محاسنه بألف شفيع

جب دوست سے کوئی گناہ صادر ہو جاتا ہے تو اس کے محاسن ہزار شفیع بن کر سامنے آجاتے ہیں۔

اسی طرح جب کسی سے خدا کا کوئی گناہ صادر ہو جاتا ہے تو اس کے گذشتہ اعمال صالحہ اور مخلصانہ کارنامے جو اس نے محض اللہ کے لئے کئے تھے اور خدا کی راہ میں جو جان ومال سے جان نثاری کی تھی وہ سب اس کی شفاعت کرتے ہیں اور اس کے قصور کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔

ان الحسنات یذھبن السیئات ومن یومن باللہ ویعمل صالحاً یکفر عنہ سیئاتہ ویدخلہ جنٰت تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا ابدا ذٰلک الفوز العظیم (تغابن)

بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور عمل صالح کرے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ کرے گا اور اس کو جنت کے باغوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

انجیل متی باب ۶ ورس ۱۴ میں ہے "اگر تم آدمیوں کے قصور معاف کرو گے تو تمہارا آسمانی باپ بھی تمہیں معاف کرے گا۔ (۱۵) اور اگر تم آدمیوں کے قصور معاف نہ کرو گے تو تمہارا باپ بھی تمہارے قصور معاف نہ کرے گا۔ اھ"

معلوم ہوا کہ نیک عمل کی وجہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں اس لئے کہ قصور کا معاف کرنا ایک نیک عمل ہے۔ کما تدین تدان۔ جیسا عمل کرو ویسی جزا ملے گی۔

اور انجیل لوقا باب ۷ ورس ۴۷ میں ایک عورت کا واقعہ مذکور ہے کہ جس کے گناہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعظیم وتکریم کی وجہ سے معاف ہوئے اس لئے کہ نبی کی تعظیم اعلیٰ درجہ کا نیک عمل ہے۔ انجیل لوقا باب ۱۹ ورس ۸ میں ہے۔

"اے خداوند دیکھ میں اپنا آدھا مال غریبوں کو دیتا ہوں اور اگر کسی کا ناحق کچھ لے لیا ہے تو اسکو چوگنا ادا کرتا ہوں۔ یسوع نے اس سے کہا کہ آج اس گھر میں نجات آئی۔ اھ"

اس آیت میں فقرا اور مساکین پر صدقہ کرنے کو موجب نجات بتلایا ہے۔

نجات کا تیسرا طریقہ گنہگار کی نجات کا ایک طریقہ یہ ہے کہ انبیاء کی شفاعت سے اس کا قصور معاف کر دیا جائے۔ سلاطین عالم اگر کسی سے ناراض ہو جاتے تو جس طرح عجز اور انکساری کے ساتھ

معذرت کرنے سے قصور معاف ہو جاتا ہے، اسی طرح بعض مرتبہ وزراء اور مقربین بارگاہ سلطانی کی سفارش سے بھی قصور معاف ہو جاتا ہے، چنانچہ توریت کے کتاب عدد باب ۱۴ درس ۱۹ میں ہے

> اب تو اپنی رحمت کی فراوانی سے اس امت کا گناہ بخشدیجئے، جیسا تو مصر سے لیکر یہاں تک بخشتا رہا ہے۔ خداوند نے فرمایا کہ میں نے تیرے کہنے سے بخشا۔ الخ

اس درس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شفاعت سے گناہ کا بخشا جانا مذکور ہے۔ کتاب خروج باب ۱۰ درس ۱۶ میں ہے۔

> تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون کو جلد بلایا اور کہا کہ میں خداوند تمہارے خدا کا اور تمہارا گنہگار ہوں، سو اب میں تمہاری منت کرتا ہوں فقط اس مرتبہ میرا گناہ بخشو اور اپنے خدا سے شفاعت کرو کہ فقط اسی موت کو مجھ سے دور کرے چنانچہ وہ فرعون کے پاس سے نکل گیا اور خداوند سے شفاعت کی۔

اور اسی طرح کتاب خروج کے باب ۸۔ آیت ۸۔ اور آیت ۲۹۔ اور آیت ۳۰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شفاعت کا ذکر ہے، پورا باب ہی شفاعت کے بیان میں ہے اور اسی طرح کتاب خروج باب نہم آیت ۲۸ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شفاعت کا ذکر ہے۔ بنی اسرائیل نے جب گوسالہ پرستی کی اور ان پر خدا کا قہر بھڑکا تو اس وقت بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شفاعت سے وہ قہر دفع ہوا جیسا کہ کتاب خروج کے باب ۳۲ میں مذکور ہے، تواریخ دوم باب ۳۰ درس ۱۸ سے درس ۲۱ تک میں حضرت حزقیاہ کے دعا سے قصور سے معاف ہونا مذکور ہے۔

نجات کا چوتھا طریقہ وہ یہ کہ حق جل شانہ بلا کسی توبہ اور استغفار اور بغیر کسی کی شفاعت کے محض اپنے فضل و کرم سے کسی کے گناہ معاف فرمادیں، جیسے بعض مرتبہ سلاطین عالم مراحم خسروانہ سے کسی مجرم کو بغیر سزا رہا کر دیتے ہیں ۱۲

اے طالبان نجات اخروی اور اے خواستگاران حیات ابدی اگر نجات کا صحیح اور ٹھیک راستہ معلوم کرنا چاہتے ہو تو یہ ہے کہ جو اسلام نے تم کو تلقین کیا اور تمام کتب سماویہ اور صحف الٰہیہ نے حرف بحرف اس کی شہادت دی اور فطرت سلیمہ اور عقول مستقیمہ نے اس کی تائید کی۔

سوچ لو اور خوب سوچ لو کہ نجات کا اس سے بہتر راستہ کہیں نہیں مل سکتا، یہی ایک راستہ جنت کا ہے اور اس کے سوا سب راستے جہنم کے ہیں۔

طب اور اسلام

از ــــــــــ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری

جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند کے جلسہ تقسیم انعام میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے "طب اور اسلام" کے موضوع پر جو تقریر فرمائی تھی، وہ بغرض افادہ شریک اشاعت کی جارہی ہے۔
ــــــ ادارہ ــــــ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔

جناب صدر! حضرات اطباء اور برادران عزیز!

جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند کا انعامی جلسہ بعض وجوہ سے دارالعلوم دیوبند کے انعامی جلسہ سے علیحدہ ہورہا ہے، جس کے اسباب پر پرنسپل جامعہ طبیہ جناب مولانا حکیم محمد عمر صاحب نے اپنی رپورٹ میں روشنی ڈالی ہے، ہمیں اس کوتاہی کا احساس ہے عقلاً اور اصولاً جامعہ طبیہ کے انعامات کی تقسیم دارالعلوم کے طلباء کے ساتھ ہی ہونی چاہیے، کیونکہ جامعہ طبیہ دارالعلوم ہی کا ایک شعبہ ہے اور جامعہ کے طلبہ دارالعلوم ہی کے طلبہ ہیں اور یہاں کی تعلیم بھی دین ہی کی تعلیم ہے مگر جو مقدر ہوتا ہے وہ ہوتا ہے اور عالم اسباب میں اس کے اسباب بن جاتے ہیں، اب اس مسئلہ کو حل کرنے کی سوائے اس کے کوئی صورت نہیں ہے کہ آپ دو ہفتہ کی تاخیر سے ہونے والی اس نشست کو دارالعلوم کے جلسۂ انعامیہ کی چوتھی نشست قرار دیں، دارالعلوم کے انعامات تین نشستوں میں تقسیم ہوئے تھے، آج اس کی چوتھی نشست کو اسی کا تتمہ سمجھنا چاہیئے اور ہفتہ دو ہفتہ کے فصل کو نظر انداز کردینا چاہیئے۔ مجھے ایک واقعہ یاد آیا کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب میں سالانہ قومی میلے ہوتے تھے اور ان میں مشاعروں کے پروگرام رکھے جاتے تھے، شعراء اپنی سال بھر کی کاوشیں پیش کرتے تھے، اور صدر جلسہ ان کی پوزیشن متعین کیا کرتا تھا، ایک بار عکاظ کے مشاعرہ میں عراق کے کسی شاعر نے کلام پڑھا، صدر جلسہ نے اس کی پوزیشن واضح کرتے ہوئے اعلان کیا کہ أَنْتَ أَشْعَرُ

مَنْ بِالْعِرَاقِ یعنی آپ عراق کے تمام شعراء میں اول نمبر ہیں۔

مشاعرہ ختم ہوگیا، لوگ گھر لوٹ گئے، شعراء سال بھر مشقِ سخن کرتے رہے اور ا[پنی] صلاحیتوں کو اجاگر کرتے رہے، اگلے سال جب دوبارہ مشاعرہ ہوا تو وہ شاعر اپنا نیا کلام لے [کر] شریکِ جلسہ ہوا، اتفاق سے امسال بھی صدرِ جلسہ وہی استاذ تھے جنہوں نے سالِ گذشتہ صدارت کی تھی، جب اس شاعر نے اپنا تازہ کلام سنایا تو چونکہ وہ سال بھر کی محنت سے آ[گے] آگے نکل چکا تھا کہ صدرِ اجلاس نے اعلان کیا وَمَنْ بِالْحِجَازِ! یعنی آپ حجاز کے تمام شع[راء] میں بھی اول نمبر ہیں، صدرِ جلسہ نے اس جملہ کا عطف سالِ گذشتہ بولے ہوئے جملہ پر کیا۔ الغرض جب معطوف، معطوف علیہ میں سال بھر کا فصل ہوسکتا ہے تو ایک جلسہ کی مختلف نشستوں میں ہفتہ دو ہفتہ کا فصل کیوں نہیں ہوسکتا۔

آپ آج کے اس جامعہ طبیہ کے جلسۂ انعامیہ کو جلسۂ معطوف سمجھئے اور اس کو دارالعلوم کے جلسہ کا تتمہ خیال کیجئے!

برادرانِ عزیز! علم طب کے بارے میں ایک عام غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ یہ دنیوی علم ہے، علم دین سے اس کا براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے، خدمتِ خلق کی نیت کے ذریعہ اس کا دین سے جوڑ لگایا جاتا ہے۔ میں آج کی گفتگو میں اس بات کو صاف کرنا چاہتا ہوں کہ یہ خیال غلط ہے اور یہ پیدا ہوا ہے کسی کے اُس مقولہ سے جو زبان زدِ خاص و عام ہے کہ العلم علمانِ: علم الادیان وعلم الابدان۔ معلوم نہیں یہ بات کس نے کہی ہے[1]، جس نے بھی کہی ہے غلط کہی ہے۔

علم طب، علم شریعت کا ایک لازمی جزء ہے اور دین کا ایک اہم باب ہے اور سیرت نبوی کا ایک اہم گوشہ ہے، آپ اس سلسلہ میں تین باتوں پر غور کریں، آپ خود یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہونگے کہ یہ خیال بالکل ہی بے اصل ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ حدیث شریف کی کسی بھی کتاب کو اٹھا کر آپ دیکھ لیں تو آپ کو ہر کتاب میں "کتاب الطب والرُّقیٰ" ضرور ملے گی، اگر علم طب علمِ دین کا جزء نہ ہوتا تو کتبِ احادیث میں اس باب کو شامل کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا، اس لئے یہ بات بدیہی اولیٰ ہے کہ جس طرح

---

[1] موضوعات کی کتابوں میں اس کو موضوع حدیث کہا گیا ہے (المصنوع فی الاحادیث الموضوع لعلی القاری ص۱۲۳)۔

نماز، زکوٰۃ، حج، روزے، بیع و شراء، مزارعہ، اجارہ، اوقاف اور میراث کتب حدیث کے ابواب ہیں اور دین کے اجزاء ہیں اسی طرح علم طب بھی علم شریعت کا ایک شعبہ اور علم دین کا ایک جزو لاینفک ہے۔

البتہ یہ فرق آپ ضرور ملحوظ رکھیں کہ دین کے سب اجزاء ہم رتبہ نہیں ہیں، کوئی فرض عین ہے تو کوئی فرض کفایہ، کوئی واجب ہے تو کوئی سنت اور مستحب، اس لئے دلائل کی روشنی میں اس پر تو گفتگو کی جاسکتی ہے کہ علم طب کا دین میں کیا مقام ہے، فرض کفایہ ہے یا سنت مستحب ہے؟ مگر اس بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ علم طب علم دین ہے یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ حکیم انسانیت، فخر کائنات، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ دَآءً اِلَّا اَنْزَلَ لَہٗ شِفَاءً یہ حدیث شریف صحت کے اعلیٰ معیار پر ہے صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے، مسلم شریف میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں لِکُلِّ دَآءٍ دَوَاءٌ فَاِذَا اُصِیْبَ دَوَاءُ الدَّآءِ بَرَأَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ۔ یعنی ہر مرض کا علاج ہے، کوئی بیماری ایسی نہیں ہے جس کا علاج خالق کائنات نے پیدا نہ فرمایا ہو، یہ علاج اسی لئے ہے اور یہ دوائیں اسی لئے پیدا کی گئی ہیں کہ ان کو استعمال کیا جائے، اور اس ارشاد نبوی کا مقصد بھی امت کو علاج کرنے کی ترغیب دینا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف قولاً بلکہ عملاً بھی خود اپنا علاج فرمایا ہے اور اپنے دست مبارک سے یا اپنے زیر انتظام اپنے صحابہ کا علاج کیا ہے اور اسی وجہ سے پوری امت متفق ہے کہ بیماری کا علاج سنت نبوی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے جو مسلم شریف میں وارد ہوا ہے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ جب کوئی نئی بیماری جنم لے تو اس کے علاج کی کھوج لگائیں، کیونکہ اس ارشاد میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جب دوا بیماری کے موافق ہو جاتی ہے تو بحکم الہٰی شفا ہوتی ہے، بے سوچے سمجھے علاج کرتے رہنا اور شفاء کی امید رکھنا اسلامی تعلیمات کی رو سے صحیح نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ ہر شخص بیماریوں کی دوائیں متعین نہیں کرسکتا، یہ فریضہ حضرات اطباء کا ہے کہ وہ ہر اس بیماری کا علاج دریافت کریں جو نئی پیدا ہوئی ہے، مثلاً ایک زمانہ میں لقوہ، سل، دق لاعلاج مرض سمجھے جاتے تھے مگر کھوج جاری رہی،

تلاش و جستجو ہوتی رہی اور جوئندہ یابندہ آج اطباء نے اس کا علاج دریافت کرلیا، دوا بیماری کے مطابق حاصل ہو گئی، چنانچہ اب یہ امراض لاعلاج نہیں سمجھے جاتے اور میں یہ کہوں تو شاید مبالغہ نہ ہو کہ آج پچھتر فیصد مریض بحکم الٰہی شفایاب ہو جاتے ہیں مگر زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ بیماریاں بھی نئی نئی پیدا ہوتی رہتی ہیں، مثلاً آج کینسر لاعلاج مرض سمجھا جاتا ہے، مسلمان اطباء کو ان کے دین نے یہ تعلیم دی ہے کہ کوئی مرض لاعلاج نہیں ہے، کینسر کا بھی کائنات میں معقول اور صد فیصد علاج موجود ہے، مسلمان اطباء کو دینی فریضہ سمجھ کر جد و جہد جاری رکھنی چاہیے اور تجربات اور تحقیقات کے ذریعہ اس کی واقعی دوا ڈھونڈ نکالنی چاہیے، اگر طلب صادق رہی اور جہد مسلسل ہوتی رہی تو انشاء اللہ وہ دن دور نہیں ہے کہ اس مرض کے مطابق دوا دریافت ہو جائے گی اور انسانیت کو بڑی راحت ملے گی۔

الغرض نئی پیچیدہ اور خطرناک بیماریوں کے بارے میں تجربات اور تحقیقات کرتے ہوئے یہ خیال غالب نہیں رہنا چاہیے کہ جس طرح کیمیا بنانے والے کی محنت رائیگاں جاتی ہے اس کی جد و جہد بھی بے فائدہ ثابت ہوگی بلکہ اس حدیث شریف کی روشنی میں اسے جزم و یقین کے ساتھ جد و جہد جاری رکھنی چاہیے، انشاء اللہ وہ دیر سویر اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوگا۔

بلکہ میں تو آگے بڑھ کر یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ دونوں باتیں شرعاً مامور بہ ہیں مجمع علماء کا ہے، آپ سب ہی حضرات یہ نکتہ جانتے ہیں کہ حدیث شریف "خبر" ہے اس میں دو باتوں کی اطلاع دی گئی ہے ایک یہ کہ ہر بیماری کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسباب شفا پیدا فرمائے ہیں، دوسری اطلاع یہ دی ہے کہ جب دوا بیماری کے مطابق آتی ہے تو بحکم الٰہی شفا ہوتی ہے، الحاصل یہ دونوں خبریں اور اطلاعات ہیں جو سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو دی ہیں اور ہر خبر انشاء کو متضمن ہوتی ہے، پس جب ہم اس نقطۂ نظر سے اس ارشادِ نبوی کو پڑھتے ہیں تو ہمارے سامنے دو شرعی حکم آتے ہیں ایک یہ کہ بیمار ہونے پر اسباب شفا اختیار کرنے چاہئیں، مرض کا علاج کرنا چاہیے اور دوسرا حکم یہ ہے کہ ہر نئی بیماری کی دوا ڈھونڈنی چاہیے، پہلا حکم ظاہر ہے کہ عام انسانوں سے متعلق ہے مگر دوسرا حکم سب کی مشترک ذمہ داری ہے، عام انسانوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ ایک علاج سے فائدہ نہ ہو تو ہمت ہار کر نہ بیٹھ رہیں، بلکہ دوسرا علاج اختیار کریں، اس خیال سے کہ ہو سکتا ہے دوسرا موافق آجائے۔ اور ارباب فن کی یہ ذمہ داری ہے اور آپ حضرات پر شرعاً یہ فریضہ عائد ہوتا ہے

ہر نئی بیماری کا علاج تلاش کریں۔

اس کو آپ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ شریعت نے اطباء کو علاج میں اجتہاد کا حکم دیا ہے
طرح ترقی پذیر دنیا میں، نئے نئے رونما ہونے والے معاملات میں فقیہ زمانہ مامور ہے
جتہاد کرے اور نئے معاملات کے شرعی احکام واضح کرے، اسی طرح بیماریاں نت نئی
ہوتی رہتی ہیں، اس لئے حضرات اطباء پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اجتہاد کریں اور نئی
یوں کی مخصوص دوائیں دریافت کریں۔

میں اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہوئے نہایت دکھ محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے متقدمین
انے تو اپنی ذمہ داری محسوس کی تھی، انھوں نے انتھک کوششوں سے فن کو چار چاند لگا
، ابو علی سینا کی کتاب "القانون" کا صدیاں گزرنے کے بعد بھی فن طب میں ایک اہم
ا ہے، مگر افسوس ہے کہ متاخرین اطباء نے نہ صرف یہ کہ فن کو اپنی مجتہدانہ صلاحیتوں سے
م رکھا بلکہ وہ اسلاف کے ورثہ کی حفاظت بھی کما حقہ نہیں کر سکے، قرون متوسطہ کی کتابوں
ہیں نہ صرف فن جرّاحی، سرجری اور آپریشن کا نظریہ ملتا ہے بلکہ ہمیں ان کتابوں میں آپریشن
یب عجیب آلات کی تصویریں بھی ملتی ہیں مگر افسوس ہے کہ آج ہمارے اطباء سرجری کو
ب کا طریقہ سمجھتے ہیں اور ان کے یہاں پھوڑے پھنسی تک کی جراحی کے آلات نہیں ہیں
نوں کا یہ فن غیروں نے اپنا لیا اور اپنی مجتہدانہ جدوجہد سے اتنا آگے بڑھا دیا کہ آج مشکل
سے کوئی شخص یہ اعتراف کرے گا کہ فن جراحی مسلمانوں کی ایجاد ہے۔

تیسری بات جو میں آپ کے غور کے لئے پیش کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ مذہب
ا کی بنیادی کتاب قرآن کریم ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے
ہ تبیاناً لکل شیئ ہے، اس آیت کریمہ کا مطلب جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم
علوم دینیہ کی طرح تمام علوم دنیویہ کا بھی تذکرہ ہے یہ صحیح نہیں ہے، اس موضوع پر
یلی گفتگو کا یہاں موقع نہیں ورنہ میں اس بات کی غلطی واضح کرتا، البتہ آپ کے غور
ئے اتنا اشارہ کئے دیتا ہوں کہ دین کے جو اصل حامل ہیں یعنی علماء کرام جو درحقیقت
ن کے رمز شناس ہیں اور جن کا شب و روز کا مشغلہ قرآن و حدیث میں غور و فکر کرنا ہے،
بھی کسی ایسے عالم سے یہ دعویٰ نہیں سنیں گے کہ قرآن کریم میں تمام دنیوی علوم بیان
گئے ہیں، یہ دعوے آپ انگریزی پڑھے لکھے دانشوروں سے سنیں گے وہ قرآن کریم

تعظیم اور اس کی عظمت کو دوبالا کرنے کے لئے اپنے مخاطبین کے سامنے اس قسم کے دعوے رہتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم ایک دینی کتاب ہے اور دین کے متعلق تمام امور اور انسان کی تہذیب و تربیت سے متعلق تمام مضامین اس میں نہایت خوبی کے ساتھ تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، اصول کی روشنی میں قیامت تک کی تمام ضروریات سمیٹ لی گئی ہیں

اس لئے ہمیں غور کرنا ہے کہ علم طب کے بارے میں قرآن کریم نے کیا موقف اختیار کیا ہے، علامہ ابن القیمؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ علم طب کے بنیادی اصول تین ہیں، قرآن کریم نے وہ تینوں اصول ملحوظ رکھے ہیں[1]۔

پہلا اصول۔ حفظانِ صحت ہے، یعنی اس طرح زندگی گزارنی چاہئے کہ آدمی بیماریوں سے محفوظ رہے، ان شکلوں سے بچنا چاہئے جو بیماریوں کو دعوت دیتی ہیں یا جن میں بیمار پڑنے کا اندیشہ ہے، مثلاً آج کل موسم بدل رہا ہے، ٹھنڈا گرم ہو رہا ہے، دن گرم ہوتا ہے رات ٹھنڈی ہو جاتی ہے، ایسے زمانہ میں پہننے کے کپڑوں میں بے احتیاطی برتنا یا بے پروائی سے باہر کھلی جگہ میں سو جانا حفظانِ صحت کے اصول کے خلاف ہے۔

حفظانِ صحت کے بہت سے اصول ہیں مگر ان میں جو بنیادی چیز ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم نے ارشاد فرمایا ہے کہ كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو یعنی حد سے زیادہ نہ کھاؤ، اللہ تعالیٰ مسرفین کو پسند نہیں فرماتے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم اپنی مملوکہ حلال و طیب چیز کھا رہے ہیں تو ہمارا جی چاہے اتنی کھا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسراف سے کیوں منع فرما رہے ہیں اگر ہم غیر کا مال حالتِ مخمصہ میں کھا رہے ہوتے تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ جان بچانے کی حد تک کھانے کی اجازت دی گئی ہے اور زائد از ضرورت کھانے سے اس لئے منع کیا گیا کہ وہ کھانا غیر کا ہے، مگر جب ہم اپنا ہی مملوکہ کھانا کھا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُدْرِلِمِتْ کھانے سے کیوں منع فرما رہے ہیں؟ میں اسی سلسلہ میں عرض کر رہا تھا کہ کھانے پینے میں اسراف کی یہ ممانعت حفظانِ صحت کے اصول کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے ہے، یہ بات صحیح ہے کہ کھانا اپنا ہے مگر ناڑی کی بندوق کی طرح پیٹ بھر لینے سے بجائے فائدے کے نقصان ہو سکتا ہے

---

[1] قواعد الطب الابدان ثلثة: حفظ الصحة، والحمية عن المؤذي واستفراغ المواد الفاسدة فذكر سبحانه هذه الاصول الثلاثة الخ زاد المعاد صفحہ ۵۹ ج ۲۔

اس لئے حفظانِ صحت کے اصول کا تقاضا یہ ہے کہ ہم کھانے میں اعتدال کا خیال رکھیں۔

میرے عزیزو! اگر آپ غور کریں گے تو بیشتر بیماریوں کا سبب اسی پُرخوری کو پائیں گے آج لوگوں کا یہ حال ہے اور ان کے کھانے کی ہوس اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ وہ بھوک کے طبعی تقاضے سے نہیں کھاتے ہیں اور نہ طبعی تقاضے پر اکتفا کرتے ہیں، اشتہا رصادق نہیں ہوتی پھر بھی چٹنیوں اچاروں، کچومروں اور سلادوں کی مدد سے کھاتے ہیں، ایک وقت بھی ناغہ نہیں کرتے، اور جو لوگ بھوک لگنے پر کھاتے ہیں وہ طبعی اشتہار پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ چٹنیوں کی مدد سے کھانے کو دھکے دے دے کر گلے تک لبالب بھر لیتے ہیں، پھر بیمار نہیں پڑیں گے تو کیا ہوگا؟

مجھے ایک واقعہ یاد آیا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سلطنت روم نے ایک حکیم کو مدینہ منورہ بھیجا تاکہ مطب کرے اور مسلمانوں کے بارے میں رپورٹ اپنی حکومت کو بھیجتا رہے کہتے ہیں کہ وہ مدینہ منورہ آیا اور مطب کرلیا، پورا ایک مہینہ انتظار کرتا رہا مگر ایک مریض بھی اس کے پاس نہیں پہنچا۔ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے اس شہر میں کوئی بیمار ہی نہیں ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم بھوک لگنے پر کھاتے ہیں اور بھوک باقی ہوتی ہے اور کھانا چھوڑ دیتے ہیں، وہ حکیم یہ کہتا ہوا اپنی دوکان بڑھا گیا کہ یہاں کوئی بیمار ہو ہی نہیں سکتا۔

کھانے کے آداب میں اسلام نے اس ادب کو بڑی اہمیت دی ہے کہ پیٹ کے تین حصّے کئے جائیں، ایک حصہ کھانے کے لئے، دوسرا حصہ پانی کے لئے اور تیسرا حصہ سانس کے لئے رکھا جائے، یعنی بھوک لگنے پر بھی ایک تہائی پیٹ کھایا جائے، یہ ادب اسلامی اسی آیتِ کریمہ کی تفسیر ہے، جس میں اپنی صحت کی حفاظت کے لئے کھانے پینے میں احتیاط اور اعتدال کی تعلیم دی گئی ہے۔

دوسرا بنیادی اصول علم طب کا تجربہ یعنی پرہیز ہے۔ یعنی پوری احتیاط کے باوجود اگر آدمی بیمار ہو جائے تو اُسے پوری احتیاط کرنی چاہئے، اور ان چیزوں سے بچنا چاہئے جن سے بیماری کو بڑھاوا ملتا ہے۔

یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہو سکتا ہے کہ جب حفظانِ صحت کے اصولوں کی پوری پوری رعایت رکھی جائے گی تو پھر بیمار ہونے کا کیا سوال؟ اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ "اوّل تو انسان ہمہ وقت بھول چوک سے دوچار رہتا ہے، انسان سے یہ مستبعد نہیں ہے کہ وہ بھول کر

یا چوک کر حفظانِ صحت کے اصول کی خلاف ورزی کر بیٹھے اور اس کے نتیجہ میں بیمار پڑ جائے، ثانیاً حفظانِ صحت کے اصول بیماری سے بچنے کے اسباب ہیں، علتیں نہیں ہیں، اسباب فیل بھی ہو سکتے ہیں اور متعارض بھی ہو سکتے ہیں، نیز انسان حوادث سے بھی دوچار ہوتا رہتا ہے اور اس سلسلہ میں کوئی احتیاط اور کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی، مقدراتِ الٰہی کے ہاتھوں انسان مجبور ہوتا ہے، الغرض حفظانِ صحت کے اصولوں کی رعایت رکھتے ہوئے بھی بیمار پڑنے کی بہت سی راہیں ہیں، پس جب بیمار پڑ جائے تو اب فن طب میں جو بنیادی ہدایت مریض کو دی جاتی ہے وہ حمیہ یعنی پرہیز ہے اللہ تعالیٰ نے اس اصول کی رعایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا۔ یعنی بیمار کو جسے پانی نقصان پہنچاتا ہے پانی کی موجودگی میں بھی تیمم کی اجازت ہے، تفصیل علم فقہ میں ہے کہ کن کن صورتوں میں ضرر تیمم کو مباح کرتا ہے۔ مجھے اجمالاً یہ بات عرض کرنی ہے کہ بیماری کی حالت میں تیمم کی اجازت نیز بیماری کی حالت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت جو ایک دوسری آیت میں وارد ہوئی ہے اسی حمیہ یعنی پرہیز کی رعایت فرماتے ہوئے دی گئی ہے۔

علم طب کا تیسرا بنیادی اصول :۔ استفراغ مادۂ فاسد ہے یعنی علاج ظاہری اور سرسری نہ ہونا چاہئے بلکہ جو فاسد مادہ مرض کا سبب ہے اس کا ازالہ ہونا چاہئے، اس اصول کی رعایت فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے، فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ، اس آیت کریمہ کے شانِ نزول میں ایک واقعہ مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، صحابہ کا بڑا مجمع ساتھ تھا، ایک صحابی حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے سر میں جوئیں ہو گئیں اور اس بری طرح ہو گئیں کہ سر میں سے جھڑ جھڑ کر نیچے گرنے لگیں، ایک منزل میں پڑاؤ تھا، وہ بیٹھے ہانڈی پکا رہے تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پاس سے گذر ہوا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حال ملاحظہ فرمایا اور دریافت فرمایا کہ أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ ؟ کیا یہ جوئیں آپ کو ستاتی ہیں؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا، جس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور انھیں اجازت دی گئی کہ وہ حالتِ احرام میں سر منڈا دیں اور فدیہ ادا کریں کیونکہ جوؤں کا عارضی علاج کچھ زیادہ کارگر نہیں جب تک سر منڈا کر میل کچیل دور نہ کیا جائے

ر مسامات کھل کر متعفن ریاح خارج نہ ہوں، کامل علاج نہیں ہو سکتا۔

الغرض قرآن کریم نے علم طب کے تینوں بنیادی اصولوں کی طرف نہ صرف اشارہ فرمایا ہے بلکہ احکام
ں ان کی پوری پوری رعایت فرمائی ہے، پھر ایسے علم کو دنیوی علم کہنے کی گنجائش کیونکر ہو سکتی ہے؟
ں لئے آپ حضرات اپنا ذہن بالکل صاف کرلیں، علم طب دنیوی علم ہرگز نہیں ہے۔ ہمارا یہ جامعہ طبیہ
چند سالوں سے قائم ہوا ہے مگر علم طب کی تعلیم دارالعلوم میں روزِ اول ہی سے جاری ہے کیونکہ یہ
م شریعت کا ایک اہم باب ہے، دارالعلوم ایک دینی ادارہ ہے وہ جس دین کی تعلیم دے رہا ہے
ں کی تکمیل علم طب کی تعلیم کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے، دارالعلوم کے سب سے پہلے سرپرست
ضرت اقدس مولانا گنگوہی قدس سرہٗ نہ صرف علم طب جانتے تھے بلکہ علاج معالجہ بھی کرتے تھے
ی طرح دارالعلوم کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی
س سرہٗ حاذق حکیم تھے۔ حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہٗ تو غالباً حکیم نہیں تھے مگر ان کے
ائی حکیم تھے، حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عمر میں علم طب کا مطالعہ فرمایا تھا
ر اس درجہ مہارت حاصل کرلی تھی کہ دیوبند کے مشہور معالج حکیم محفوظ صاحبؒ انہی کے فیض یافتہ
ے، جامعہ طبیہ کے قیام سے پہلے قانونچہ، نفیسی اور شرح اسباب درس نظامی کا جزء تھے،
ر ہمارے حکیم محمد عمر صاحب پرنسپل جامعہ طبیہ اس وقت بھی یہ کتابیں پڑھاتے تھے، اور
س وقت کے ان فیض یافتہ تلامذہ آج ملک کے نامور اطباء ہیں۔

الغرض آپ حضرات نیتیں بدلیں اور ذہن سے یہ خیال نکالدیں کہ آپ دنیوی علم حاصل کر رہے
ں بلکہ یہ سمجھیں کہ آپ ایک خالص دینی علم حاصل کر رہے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ
بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِءٍ مَّا نَوٰی، اگر آپ حضرات اپنی نیتیں صحیح کرلیں گے تو
قیقی معنی میں آپ دینی طالب علم بن جائیں گے اور آپ کا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا
ض ہر حرکت و عمل عبادت بن جائے گی اور آپ کائنات کی دعاؤں کے حقدار ہوں گے فرشتے
پ کی تعظیم کریں گے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ لَتَضَعُ
اَجْنِحَتَہَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ۔ آسمان و زمین کے درمیان جو ملائکہ مامور ہیں اور اپنے
امیں مشغول ہیں جب وہ کسی طالب علم کو دیکھتے ہیں تو اپنے پر رکھ دیتے ہیں یعنی اپنی پرواز
مد کردیتے ہیں اور طالب علم کو خوش کرنے کے لئے تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔

غرض کہ آپ کا مقام بہت بلند ہے بشرطیکہ آپ کی نیت درست ہو اور اگر کسی کو یہ

تعجان ہو کہ حکیم ڈاکٹر تو علاج کے پیسے لیتے ہیں، اگر علم طب دینی علم ہے اور علاج معالجہ دینی کام ہے تو اس پر اجرت لینا کیونکر درست ہے؟ تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ علم طب کا رتبہ بہت بڑھایا جائے تو فرض کفایہ کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے، فرض عین بہر حال اس کو نہیں کہا جا سکتا اور فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ادائیگی فریضہ کے لیے متعین نہ ہو تو وہ عمل کی اجرت لے سکتا ہے مثلاً مسلمان کی تجہیز و تکفین فرض کفایہ ہے، اگر گورکن اس کام کے لیے متعین نہیں ہے بلکہ دوسرے مسلمان اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے موجود ہیں تو گورکن قبر کھودنے کی، غسال نہلانے کی اور درزی کفن سینے کی اجرت لے سکتا ہے۔ لیکن اگر یہی حضرات اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے متعین ہو جائیں یعنی تجہیز و تکفین کے لیے دوسرے مسلمان موجود نہ ہوں یہی کفن دوز، غسال اور گورکن ہی موجود ہوں تو اب ان میں سے کسی کے لیے اجرت لینا جائز نہیں ہے، اب یہ ان کا دینی فریضہ ہے کہ میت کو نہلائیں، کفن پہنائیں اور قبر کھود کر دفن کریں۔

اسی طرح اگر کسی مریض کے علاج کے لیے کوئی حکیم یا ڈاکٹر متعین نہیں ہے تو اس کیلئے علاج و معالجہ کی اجرت اور فیس لینا جائز ہے لیکن اگر کسی موقع پر کسی مریض کے علاج کے لیے کوئی حکیم یا ڈاکٹر متعین ہو جائے اور سوائے اس کے کوئی علاج کرنے والا موجود نہ ہو تو اب اس کا دینی فریضہ ہے کہ اجرت اور فیس کے مطالبہ سے بالاتر ہو کر اس مریض کی جان بچانے کے لئے اپنی آخری توانائی تک صرف کر دے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حکیم ڈاکٹر اپنے پاس سے دوا بھی دیتے ہیں اور دوا کی قیمت لینا جائز ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ عوض عبادات محضہ کا لینا جائز نہیں ہے جیسے نماز پڑھنا، حج کرنا، وغیرہ وغیرہ، ان میں بھی فقہاء متاخرین نے اذان و امامت اور تعلیم قرآن کی تنخواہ لینے کو جائز کہا ہے، بہر حال عبادات محضہ کا عوض لینا جائز نہیں ہے اور علم طب ظاہر ہے کہ عبادت محضہ نہیں ہے بلکہ از قبیل معاملات فیما بین الناس ہے اس لئے مذکورہ شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ اب بات اچھی طرح منقح ہو گئی ہے اور وقت بھی کافی ہو گیا ہے اور جلسہ کا اصل مقصد یعنی انعامات کی تقسیم ابھی باقی ہے، اب قبلہ حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم اپنے دست مبارک سے آپ حضرات کو انعام دیں گے، اس لئے میں بات کو مختصر کرتے ہوئے ایک آخری بات کہہ کر گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔

انعام۔ انعام ہوتا ہے وہ آپ کی جدوجہد کا بدل نہیں ہے، نہ اس کا صلہ دینا ممکن ہے دارالعلوم اپنی بساط کے مطابق بہت معمولی سا انعام پیش کرتا ہے، آپ اسے قبول فرمائیں اور اس کی جو اہمیت ہے اس کو ذہن نشین رکھیں۔

حدیث شریف میں ایک واقعہ آیا ہے، کسی غزوہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مراجعت فرمائے مدینہ منورہ ہو رہے تھے اور حسب معمول لشکر کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے تاکہ ضرورتمندوں کی دستگیری فرمائیں، لشکر میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے مگر ان کے پاس سواری کیلئے جو اونٹنی تھی وہ نہایت ہی لاغر تھی، قافلہ کے ساتھ نہیں چل سکتی تھی جس کی وجہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ قافلہ سے پیچھے رہ گئے تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قافلہ کے پیچھے تشریف لارہے تھے، راستہ میں حضرت جابر سے ملاقات ہوئی، حضورؐ نے وجہ پوچھی کہ قافلہ سے پیچھے کیوں رہ گئے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اونٹنی بہت لاغر ہے، قافلہ کے ہمراہ چلنے کی سکت نہیں رکھتی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھڑی سے اس اونٹنی کو چونکایا، بس چونکا لگنا تھا کہ اس کے جسم میں ایک بجلی سی دوڑ گئی اور نہایت برق رفتار ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹنی تو بہت تیز چل رہی ہے، حضرت جابرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ آپ کی برکت ہے ورنہ وہ تو بیر گھسیٹ رہی تھی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جابر ساتھ ساتھ باتیں کرتے ہوئے روانہ ہوئے، راستہ میں حضورؐ نے حضرت جابرؓ سے پوچھا کہ اونٹنی میرے ہاتھ بیچتے ہو، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بیچنے کا کیا سوال، یہ تو آپ کی نذر ہے، حضورؐ خاموش ہوگئے اور چلتے رہے، کچھ دیر بعد حضورؐ نے پھر وہی بات دہرائی اور حضرت جابر نے حسب سابق بیچنے سے معذرت کی اور ہدیہ کی پیش کش کی، حضورؐ پھر خاموش ہوگئے اور چلتے رہے، کچھ دیر بعد حضورؐ نے پھر وہی بات دہرائی، بار بار انکار نامناسب سمجھتے ہوئے حضرت جابرؓ نے فروختگی کے لئے رضامندی ظاہر فرمادی۔

حضورؐ نے فرمایا کہ میں یہ اونٹنی ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم میں خریدتا ہوں اور مدینہ منورہ تک سواری کی تمہیں اجازت دیتا ہوں۔

گھر پہنچ کر حضرت جابر نے اپنے ماموں سے ذکر کیا کہ میں نے اونٹنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بیچ دی ہے۔ ماموں نہایت برافروختہ ہوئے اور سخت سست کہا کہ تم نے بیچی کیوں تمہیں چاہیئے تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتے، حضرت جابرؓ نے تفصیلی واقعہ سنایا، کہ میں نے یہ پیش کش کی تھی مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے

منظور نہیں فرمایا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ جس شام مدینہ منورہ پہنچے اس کی صبح کو اونٹنی لیکر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جابرؓ کو اونٹنی کی قیمت ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم دو، اور ایک قیراط یعنی درہم کا چھٹا حصہ زائد دو۔ حضرت بلال رضؓ نے حکم کی تعمیل کی، حضرت جابرؓ اونٹنی باندھ کر اور قیمت لے کر جانے لگے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس بلایا اور فرمایا کہ اونٹنی کی قیمت بھی لے جاؤ اور اونٹنی بھی لے جاؤ، اونٹنی اب میری طرف سے ہدیہ ہے۔

یہ واقعہ حدیث شریف کی تمام کتابوں میں موجود ہے، البتہ اس میں ایک جز ہے جو نسائی شریف[له] میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اونٹنی کی قیمت تو خرچ کر دی مگر وہ ایک قیراط یعنی درہم کا چھٹا حصہ جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور انعام عطا فرمایا تھا اسے تبرک سمجھ کر بٹوے میں نہایت حفاظت سے محفوظ رکھا۔

یہ تبرک ان کے پاس تقریباً ساٹھ سال محفوظ رہا تا آنکہ ۶۳ھ میں واقعہ حرّہ پیش آیا اور اس میں وہ تبرک ضائع ہوگیا۔ جس کا حضرت جابرؓ کو بہت افسوس ہوا، وہ بڑے تحسر سے فرماتے تھے کہ افسوس جس تبرک کو ساٹھ سال تک نہایت احتیاط سے رکھا وہ اس بلوے کی نذر ہوگیا۔

اس واقعہ سے آپ تبرک اور انعام کی اہمیت سمجھ سکتے ہیں کہ انعام اگرچہ تھوڑا ہوتا ہے مگر بہت قیمتی ہوتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

له فقال لبلال رضؓ: یا بلال، زِنْ لهُ اوقیة، و زِدْهُ قیراطاً
قلت: هٰذا شیئٌ زادنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فلم یفارقنی، فجعلته فی کیس، فلم یزل عندی حتی جاء اهل الشام یوم الحرّة، فاخذوا منا ما أخذوا

(نسائی شریف ص ۲۲۷/۲۲)

حضرت عمیر بن سعد الانصاری اوسیؓ

از ——— مولانا عبدالحفیظ رحمانی (لوہرسن بستی)

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی رسول ہیں۔ صحابۂ کرام میں آپ کا فضل وزہد مسلّم تھا
د کی وفات کے بعد ان کی والدہ نے جلاس بن سوید بن صامت سے نکاح کر لیا تھا، جلاس نے منافقت
بنا پر غزوۂ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی، مدینہ میں رہ کر وہ مسلمانوں کی تضحیک کر رہا تھا۔ حضرت عمیرؓ نے
س کی زبان سے یہ ایمان سوز جملہ خود ہی سنا کہ "اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں"
عمیر سچے پکے مسلمان تھے، جلاس کی بات سنکر بیقرار ہو گئے اور فرمایا، "جلاس! بخدا تم
مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے اور بہترین معاون بھی، تمہاری پریشانی میرے اوپر ہر چیز سے
اری تھی لیکن ابھی تم نے ایک ایسی بات کہدی ہے کہ میں چاہوں تو اس کے سبب تم کو رسوا کردوں
ر خاموش رہ جاؤں تو دین وایمان غارت ہو جائے، مگر یہی چیز دوسری کے مقابلہ میں آسان ہے"
چنانچہ حضرت عمیرؓ نے اپنے عزم وارادہ کے مطابق نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تک بات
نچادی، جلاس کی بارگاہ نبوت میں طلبی ہوئی تو اس نے بہ حلف کہہ دیا کہ عمیرؓ نے میرے اوپر
وٹا الزام لگایا ہے، میں نے یہ بات نہیں کہی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل
فرمائی :

یحلفون باللہ ما قالوا	وہ لوگ اللہ کی قسمیں کھا جاتے ہیں کہ ہم نے
ولقد قالوا	(خلافی بات) نہیں کہی، حالانکہ یقیناً انھوں نے

اسدالغابہ ج ۴ ص ۱۴۴

جلاس بن سوید بن صامت انصاری منافق تھا، دیکھئے سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۴۱ - ۱۵۳
نافقین کے اسماء) جلاس نے بعد میں بھی توبہ کرلی اور تادم آخر اسلام پر ثابت قدم رہے، توبہ کی توفیق
زوۂ تبوک کے بعد ہوئی۔ اصابہ ج ۱ ص ۲۵۲ — اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۹۲ -
تیعاب ج ۱ ص ۲۶۴ — نیز ج ۴ ص ۱۴۴

كلمة الكفر، وكفروا بعد
اسلامهم وهموا بما لم ينالوا
وما نقموا الّا انْ اغناهم الله
ورسوله من فضله فان
يتوبوا يك خيرلهم وان
يتولوا يعذبهم الله
عذابا اليما
في الدنيا والاخرة
وما لهم في الارض من
ولي ولا نصير[1]

کفر کی بات کہی تھی اور (وہ بات کہہ کر) اپنے اسلام (ظاہری) کے بعد (ظاہر میں) بھی کافر ہو گئے، اور انھوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی، اور یہ انھوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے رزق خداوندی سے مالدار کر دیا، سو اگر (اس کے بعد بھی) توبہ کریں تو ان کے لئے (دونوں جہان میں) بہتر ہوگا اور اگر روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک سزا دے گا، اور ان کا دنیا میں نہ کوئی یار ہے اور نہ مددگار۔

آیت پاک نازل ہونے کے بعد جلاس نے بھی توبہ کر لی اور عمر بھر اپنی اسلام پسندی اور نیکوکاری میں نیک نام رہے اور[2] حضرت عمیرؓ کو بھی زندگی بھر ان سے شکایت نہیں ہوئی۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول آیت کے بعد حضرت عمیرؓ سے فرمایا تھا "لڑکے تم نے ٹھیک ہی سنا تھا، تمہارے رب نے تمہاری تصدیق کر دی[3]"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس موقع پر لڑکا کہہ کر مخاطب کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت عمیرؓ اس وقت نابالغ لڑکے تھے، اسی وجہ سے شرف صحابیت تو حاصل ہوا لیکن نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں غزوات میں شریک ہونے کی سعادت حاصل نہ ہو سکی، جب اس قابل ہوئے تو اس میدان کے ممتاز مجاہد بن کر سامنے آئے۔

حضرت عمیرؓ نے شام کی فتوحات میں شرکت فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جوہر قابل

---

[1] سورۂ توبہ آیت ۷۴۔ ان آیات سے متعلق منافقین کا ایک قصہ تفاسیر میں منقول ہے جنھوں نے آنحضرتؐ کے قتل کی سازش کی تھی، تعداد بارہ تک بیان کی گئی ہے، ان میں جلاس بھی تھا۔

[2] سیرت ابن ہشام ج ۲ - ص ۱۴۱-۱۴۲ - اصابہ ج ۵ - ص ۳۲ - اسد الغابہ ج ۴ - ص ۱۴۲
استیعاب ج ۳ ص ۱۲۱۵- ۱۲۱۶ -

[3] استیعاب ج ۳ - ص ۱۲۱۶ - اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۴۲

[4] اصابہ ج ۵ ص ۳۲

ہ کر حضرت عیاض بن غنم کو لکھا کہ عمیر بن سعد کو عین الوردہ کی طرف روانہ کر دو[۱]۔ حضرت عیاض نے حکم
نعین کی اور مقدمۃ الجیش حضرت عمیرؓ کے آگے بھیجدیا، عمیرؓ کی مڈبھیڑ پہلے کسانوں سے ہوئی، یہ
پا ہو کر بھاگ گئے[۲] اور غنیم کے مویشی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ لیکن شہر والوں نے شہر پناہ کا دروازہ
بند کرلیا اور منجنیق نصب کر کے مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کی بارش کر دی جس کے نتیجے میں بہت
مسلمان شہید ہو گئے[۳]۔

حضرت عیاض بن غنم راس عین پر پہلے چڑھائی کر چکے تھے لیکن کامیابی حضرت عمیرؓ کی
ر تھی، چنانچہ عمیرؓ نے دوبارہ حملہ کیا اور شدید ترین نبرد آزمائی کے بعد مسلمان شہر پر قابض ہو گئے
رہیں شہر کے باشندوں نے مصالحت کرلی اور زمین اصل مالکوں کو واپس کر کے ہر فرد پر
دینار جزیہ مقرر کر دیا گیا۔ عورتوں اور لڑکوں کو بھی قیدی نہیں بنایا گیا[۴]۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عمیرؓ کی خدمات، ان کے استقلال اور دیگر امتیازی
صاف کی وجہ سے بہت متاثر تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں عمیر جیسے لوگوں کو پسند کرتا ہوں
دن حضرت عمیرؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن سے کہنے لگے کہ شام میں تمہارے
سے افضل کوئی شخص نہیں ہے[۵]۔

سیرت نگاروں نے حضرت عمیرؓ کو زاہد، متقی، صاحب ورع، فعال، متحرک، قائد
اقدام پسند لکھا ہے، انھیں اوصاف کی بنا پر حضرت عمرؓ نے ان کو جزیرہ کا حاکم مقرر کیا تھا
سعید بن عامر بن حذیم کے بعد[۶] حمص کا گورنر بنایا[۷]

: عین الوردہ، راس العین ایک ہی مقام کے دو نام ہیں۔ جزیرہ کا مشہور شہر۔ معجم البلدان ج ۶ ص ۲۵۹
: البلاذری ۱۸۱ ۔ ابن الاثیر ج ۲ ص ۲۰۷
: اصابہ ج ۵ ص ۳۲ ـــ [۴] البلاذری ص ۱۸۱
سعید بن عامر بن حذیم القرشی الجمحی ۔ مشہور جلیل القدر صحابی ہیں، فتح خیبر سے پہلے مسلمان
ئے، خیبر اور دیگر غزوات میں شرکت فرمائی، حضرت عمرؓ نے حمص کا گورنر بنایا، آپ کی
ا اور زہد مشہور تھا، سنہ ۲۰ھ میں وفات ہوئی، طبقات ج ۴ ص ۲۶۹ ۔ استیعاب ج ۲
۶۲۴ ۔ اسدالغابہ ج ۲ ص ۳۱۱ ۔ اصابہ ج ۳ ص ۹۹
: طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۴۰۲ ۔ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۰۷

حضرت عمرؓ ان افسروں کو قدر و رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے، جو عوام کے کاموں کو نمٹاتے رہتے تھے، اور ان کی بہت تعریف کرتے تھے۔ حمص میں قیام کے دوران حضرت عمیرؓ کو دارالخلافہ سے حضرت عمرؓ نے لکھا کہ تم نے مسلمانوں سے جو خراج وصول کیا ہے اسے لے کر آجاؤ۔ عمیرؓ دارالخلافہ حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے خراج کا سوال کیا، عمیرؓ نے کہا۔ میں آپ کے حکم کے مطابق حمص پہنچا اور میں نے اول ہی وہلہ میں وہاں کے نیک لوگوں کو جمع کر کے خراج کی وصولی ان کے سپرد کر دی۔ جب انھوں نے جمع کر لیا تو میں نے خراج مناسب مواقع پر خرچ کر دیا اگر کچھ پس انداز ہوتا تو پیش خدمت کر دیتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تو تم کچھ نہیں لائے؟ پھر جب یقین ہو گیا کہ عمیرؓ نے اہل حمص پر سب کچھ خرچ کر دیا ہے تو فرمایا کہ عمیر کے عہد میں تجدید کر دو[1]

حضرت عمیرؓ نے ایک مرتبہ حمص میں خطبہ کے دوران فرمایا کہ "جب تک حکمراں سخت رہے گا اسلام ناقابل فتح قلعہ بنا رہے گا، لیکن اسلام کی سختی کا مطلب تلوار سے مارنا نہیں، یا کوڑے برسانا نہیں، بلکہ حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور انصاف پر قائم رہنا ہے[2]۔

یہی حضرت عمیرؓ کا شعار اور خوبی تھی، آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ جیسے افراد کا تعاون کیوں چاہتے تھے؟

ایک بڑی خوبی حضرت عمیر رضی اللہ عنہ میں دنیا سے بے رغبتی تھی، آپ کے زہد کا حال یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حمص والوں کے پاس لکھا کہ تم اپنے شہر کے فقیروں کے نام مجھے لکھ کر بھیجو۔ حکم کے مطابق فقراء کی فہرست لے کر ایک وفد حاضر خدمت ہوا، فقراء کی فہرست میں حضرت عمیرؓ کا نام بھی درج تھا۔ حضرت عمرؓ جب اس نام پر پہنچے تو حیرت سے پوچھا کہ یہ عمیر بن سعد کون ہیں؟ اہل حمص نے کہا ہمارے امیر عمیر بن سعد انصاری فرمایا کیا وہ فقیر ہیں؟ لوگوں نے کہا جی ہاں، حمص میں ان سے زیادہ نادار کوئی اور نہیں ہے

---

[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں حضرت عمیر رضی اللہ عنہ حمص اور قنسرین کے گورنر تھے، دیکھئے ابن اثیر ج ۳ ص ۸۔ اور ج ۳ ص ۳۰۔ اور ج ۳ ص ۴۴۔ طبری جلد ۳ ص ۱۲۷ اور جلد ۳ ص ۲۰۴۔ اور ج ۳ ص ۳۳۹۔

[2] الفاروق عمر مصنف ڈاکٹر ہیکل ج ۲ ص ۲۲۴

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر یہ اپنا وظیفہ کیا کرتے ہیں؟ جی یہ سب تقسیم کر دیتے ہیں اپنے لئے کچھ نہیں رکھتے۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ حال سنا تو سو دینار ان کے پاس بھیج دئے، عمیرؓ نے یہ عطیہ بھی فقراء میں تقسیم کر دیا، بیوی نے کہا کم از کم ایک دینار تو اپنے لئے رکھ لیتے، فرمایا تم نے پہلے ذکر کیا ہوتا تو رکھ لیتا ۱؎۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت عمیرؓ حمص اور قنسرین کے گورنر تھے، حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں بیمار ہوئے تو اپنا استعفیٰ بھیج دیا اور حضرت عثمانؓ سے اجازت لے کر اپنے اہل و عیال میں چلے آئے، حضرت عمیرؓ کی سبکدوشی کے بعد حضرت عثمانؓ نے حمص اور قنسرین کی امارت بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی ۲؎۔ ادھر حضرت عمیرؓ کے مرض میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا کوئی علاج کارگر نہیں ہوا ۳؎، بالآخر حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت ہی ۴؎ میں ۳۱ھ مطابق ۶۵۱ء ۶؎ اس دار فانی سے رخصت ہو کر شام میں مدفون ہوئے ۵؎۔ حضرت عمیرؓ کا شمار رواۃ صحابہ میں ۷؎ ہے اور اصحاب فتویٰ میں بھی ۸؎۔ علاوہ ازیں آپ زہد و تقویٰ، فوجی قیادت، صداقت و ذکاوت، مہمان نوازی اور کریم النفسی میں ممتاز تھے بلکہ حضرت عمرؓ کی وصف بیانی کے مطابق اپنی نظیر آپ تھے، حضرت عمیرؓ کے وقار و شجاعت کا عالم یہ تھا کہ وہ کسی خطہ کی بڑی سے بڑی طاقت اور رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، خواہ دشمن جنگی ساز و سامان سے لیس ہو یا غنیم پوری قوت کے ساتھ قلعہ بند ہو کر دفاع کر رہا ہو، اور یہی نہیں بلکہ وہ شہر بھی حضرت عمیرؓ ناقابل تسخیر نہیں سمجھتے تھے جن کا لوہا پچھلے فاتحین نے مان لیا ہو۔ درحقیقت حضرت عمیرؓ مستقل مزاج تھے اور انھیں اپنی ذمہ داریوں کا پورا احساس تھا، لوگوں کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آتے تھے، انھیں اپنے رفقاء پر اعتماد تھا اور یہی حال رفقاء کا بھی تھا لیکن معاملات میں نرمی اور رعایت حضرت عمیرؓ کی مضبوط شخصیت سے دور کی چیز تھی، طبیعت میں سکون و استقلال بہت تھا، کسی معاملہ اور اہم کام سے پریشانی ظاہر نہیں ہوتی تھی، راحت ہو یا تکلیف دونوں حالتوں میں فرق محسوس نہیں ہوتا تھا، وہ ہمیشہ مقصد کو پیش نظر رکھتے تھے اور پورا کرنے کی تدبیریں کرتے تھے، ایک دوسرے کا تعاون حاصل کرنا اور شیرازہ بند رہنا ان کا مزاج تھا۔

۱؎ اخبار عمر للطنطاویین ص ۱۹۷-۱۹۸، محض الف، با ۲؎ طبری ج ۳ ص ۲۴۹-ابن اثیر ج ۳ ص ۴۴ ۳؎ الطبری ج ۳ ص ۲۴۹ ۴؎ اصابہ ج ۵ ص ۳۲-حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں حضرت عمیرؓ کی وفات ثابت نہیں ہے۔ ۵؎ استیعاب ج ۳ ص ۱۲۱۴۔ ۶؎ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۴۰۲۔ اصابہ ج ۵ ص ۳۲-اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۴۳ ۷؎ اصحاب الفتیا من الصحابۃ ومن بعدہم علی مراتبہم (ابن حزم) ملحق بجوامع السیرۃ ص ۳۲۳

کوائف دار العلوم

اجلاس غلّہ اسکیم دارالعلوم دیوبند کی رپورٹ

اعلان و پروگرام کے مطابق غلّہ اسکیم دارالعلوم دیوبند کا عظیم الشان اجلاس ۳۰ مارچ ۱۹۸۳ء کو بوقت ساڑھے نو بجے شب زیر صدارت حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند منعقد ہوا، دارالعلوم کے کارکن، اساتذہ اور طلبہ کئی دن سے اس کی تیاری میں مصروف تھے۔

۳۰ مارچ کی صبح ہی سے تمام کارکنان اپنی اپنی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے مستعد تھے جمعیۃ الطلبہ کے کارکنان نے اسٹیشنوں پر استقبال کے لئے صبح ہی سے انتظار شروع کر دیا تھا، مگر ظہر کے بعد مہمانوں کی آمد شروع ہوئی، رات تک دفتری اعداد و شمار کے مطابق چودہ ہزار سے زائد مہمانان کرام دیوبند پہنچ گئے تھے، عام طور پر مہمانوں کا قیام دارالعلوم کی درسگاہوں میں تھا، اور خصوصی مہمان محمود ہال کی جدید عمارت میں قیام پذیر تھے، جلسہ گاہ کے لئے وسیع پنڈال جامعہ طبیہ کے قریب تیار کیا گیا تھا، تلاوتِ کلام پاک کے بعد حضرت مولانا وحید الزماں صاحب ناظم تعلیمات دارالعلوم نے حضرت مہتمم صاحب کے اسم گرامی کا صدارت کے لئے اعلان فرمایا۔

حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کو اجلاس کی کارروائی کے لئے اناؤنسر مقرر کیا گیا تھا، آپ نے اعلان میں فرمایا کہ حضرت مہتمم صاحب مجلسِ شوریٰ کے قدیم ممبر ہیں، اُس وقت بھی دارالعلوم پر اپنا کوئی مالی بار نہیں ڈالتے تھے اور اس وقت بھی جب سے وہ مہتمم ہوئے ہیں بلامعاوضہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب نے افتتاحی خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ میں دارالعلوم کا ایک خادم ہوں، ہم خدام دارالعلوم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ آج

نو سال کے بعد اس نے یہ موقع نصیب فرمایا کہ غلہ اسکیم کا یہ اجلاس ہو رہا ہے اور آپ حضرات زحمت سفر گوارہ فرما کر تشریف لائے ہیں، آپ بچشم خود ملاحظہ فرمائیں گے کہ دارالعلوم میں اللہ کے فضل و کرم سے یہ اجلاس ہو رہا ہے اور آپ حضرات کے تعاون سے قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں پھر بلند ہو رہی ہیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا معراج الحق صاحب جو دارالعلوم کے بہت قدیم استاد ہیں اور پہلے ایک عرصہ تک موصوف نائب مہتمم بھی رہے ہیں، دارالعلوم کے لئے ان کی خدمات قابل فخر ہیں آج کل وہ صدر المدرسین ہیں، انھوں نے بھی مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور دارالعلوم کے ماضی و حال کے حالات پر مختصر تبصرہ فرمایا۔

آپ نے فرمایا کہ پہلے سالوں میں تقریباً ڈیڑھ ہزار یا اس سے بھی کم طلبہ تعلیم پاتے تھے اور چھ سات سو طلباء کو امداد ملا کرتی تھی، لیکن الحمد للہ اس سال دارالعلوم میں ڈھائی ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں اور ڈیڑھ ہزار طلبہ کی مکمل کفالت دارالعلوم کی طرف سے ہو رہی ہے، آج کا یہ جلسہ غلہ اسکیم کے عنوان سے ہو رہا ہے، ضرورت ہے کہ ہمارے کاشت کرنے والے برادران اسلام دارالعلوم کے لئے زیادہ سے زیادہ غلہ جمع کر کے دارالعلوم کو پہنچائیں، درسی کتابوں کی خریداری، دارالاقامہ کی توسیع اور جدید مدرسین کے تقرر اور دوسری ضروریات کے باعث اس وقت دارالعلوم کو امداد کی شدید ضرورت ہے۔

اس کے بعد دارالعلوم کے تین طالب علموں نے مل کر مولانا ریاست علی صاحب کا لکھا ہوا "ترانۂ دارالعلوم" خوش الحانی کے ساتھ پڑھا، اس موقع پر اس ترانہ کو دارالعلوم کا ترانہ تسلیم کیا گیا اور مولانا ریاست علی صاحب کو مبارک باد دی گئی۔

اس کے بعد مولانا وحید الزماں صاحب ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند نے حالات دارالعلوم پر تفصیلی خطاب فرمایا، اور مؤثر و مدلل انداز میں گذشتہ و موجودہ حالات پر روشنی ڈالی، آپ نے فرمایا کہ اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم کی عالمگیر شہرت میں چار چاند لگے تھے، مگر افسوس چند دن بعد ہی کچھ لوگوں نے دارالعلوم کو اپنی جدی میراث بنانے کا پروگرام بنایا جس میں وہ ناکام ہو گئے، اجلاس صد سالہ کے بعد وراثت کا ذہن رکھنے والوں نے دارالعلوم کو اپنے مفادات کے لئے مخصوص کر لیا، مگر الحمد للہ اب وہ پھر مجلس شوریٰ دارالعلوم، مدرسین دارالعلوم، طلبۂ عزیز اور عام مسلمانوں کا بدستور ایک مشترک ادارہ بن گیا ہے جو سب کا ہے اور سب کیلئے ہے

مولانا وحید الزماں صاحب کی طویل اور مؤثر و مدلل تقریر کے بعد حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری رکن مجلس شوریٰ دار العلوم و خلیفہ حضرت اقدس مولانا وصی اللہ صاحب و خلیفہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہم اللہ نے مؤثر و دل نشین وعظ فرمایا، کاشت کاری اور صدقات کی فضیلت پر توجہ دلائی۔

آپ کے بعد دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے معزز رکن حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ڈائرکٹر شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم نے بھی اپنے مخصوص عالمانہ انداز میں عوام سے خطاب فرمایا۔

پروگرام کے مطابق ان کے بعد حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری کی تقریر تھی ــ مگر موصوف مہمانان کرام کے کھانے کے نظم میں معروفیت کے سبب تقریر نہ فرما سکے۔

آپ کے بعد مولانا نصیر احمد خاں صاحب نائب مہتمم دار العلوم نے غلہ اسکیم کمیٹی دار العلوم کی جانب سے غلہ کے سلسلہ میں سال گذشتہ کی رپورٹ پیش فرمائی۔

اس کے بعد حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نے اہم تقریر فرمائی اور پونے دو بجے شب اجلاس کی یہ پہلی نشست مولانا عبد الحلیم صاحب کی دعا پر ختم ہوئی۔

فرزندانِ توحید کا یہ عظیم اجتماع کاشت کار مہمانوں" دیوبند کے شہری حضرات اور طلبار کی ۲۰-۲۵ ہزار کی تعداد پر مشتمل تھا، اتنی بڑی تعداد اور افادیت کے اعتبار سے ایک یادگار اجتماع ہوگیا۔

اس موقع پر دار العلوم کے مدنی گیٹ سے جامعہ طبیہ کے صدر دروازہ تک اور جامعہ طبیہ کے عقب کے میدان میں جہاں کو شاندار وسیع پنڈال اور اسٹیج بنا ہوا تھا، اجلاس گاہ تک مختلف دوکانیں، مکتبہ وغیرہ لگائے گئے تھے، جامعہ طبیہ کے میدان میں دو بڑے کیمپ مہمانوں کو کھانا کھلانے کے لئے لگائے گئے تھے، جس میں بیک وقت چار ہزار مہمانوں کو کھانا کھلانے کا انتظام کیا گیا تھا، اجلاس میں باہر سے آنے والے سب ہی مہمانان کرام کو ۳۰ر مارچ کی دوپہر سے ۳۱ر مارچ کی دوپہر تک بلا کسی پابندی کے کھانا پیش کیا گیا۔

دوسری نشست

۳۱ر مارچ کی صبح پونے نو بجے اجلاس زیر صدارت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند منعقد ہوا۔

تلاوت کلام مجید کے بعد مولانا محمد عثمان صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند (نواسۂ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ) نے افتتاحی خطاب فرمایا۔

آپ کے بعد مفتی اعظم حضرت مولانا محمود حسن صاحب گنگوہی خلیفہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے حاضرین کو اپنے مواعظ حسنہ سے مستفید فرمایا۔

آپ کے بعد حضرت مولانا قاری محمد ہشام صاحب آرگنائزر جمعیۃ علماء ہند نے موثر و مدلل تاریخی تقریر فرمائی۔

آپ کے بعد حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحب رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے علالت طبع کے باوجود تاریخی حوالہ جات سے، ہندوستان میں اسلام کس طرح پھیلا؟ کے عنوان پر روشنی ڈالی، اور اس سلسلہ میں خاندان شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ کی خدمات کا تذکرہ فرمایا۔

اس کے بعد مولوی محمد عثمان صاحب صدر جمعیۃ الطلبہ دارالعلوم نے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے گذشتہ حالات پر تبصرہ فرمایا۔

اس کے بعد قریبی اضلاع کے مختلف مدارس اسلامیہ کے مہتمم و ذمہ داران اور نمائندوں نے اجلاس کو خطاب فرمایا۔

جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں

جناب مولانا عبداللہ صاحب۔ اجراڑہ، میرٹھ

جناب مولانا شریف احمد صاحب، بجنور

جناب مولانا محمد حنیف صاحب، باغونوالی، مظفرنگر

جناب مولانا مشتاق احمد صاحب، ہاپوڑ، غازی آباد

جناب مولانا زاہد حسن صاحب، سہارنپور

جناب مولانا محمد کامل صاحب، گڑھی دولت، مظفرنگر

آخر میں مولانا معین الدین صاحب شیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ مرادآباد نے سلام" تزکیۂ نفس" اور دارالعلوم کی خدمات کے سلسلہ میں تفصیلی تقریر فرمائی۔ اور حضرت مولانا وقار علی صاحب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی نمائندگی فرماتے ہوئے دارالعلوم کو خراج تحسین پیش کیا اور ہمہ جہت تعاون کی یقین دہانی کی۔

اس کے بعد صدر اجلاس مولانا سید اسعد صاحب مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے تقریر فرمائی۔

حضرت موصوف نے جامع مسجد کے متوازی دارالعلوم کی جانب سے کی جانے والی غیر مہذب پوسٹر بازی اور ان کے مندرجات کا جواب دیا۔

آخر میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مہمانان کرام کا شکریہ ادا کیا کہ وہ دارالعلوم کی نسبت سے زحمت گوارہ فرماکر یہاں تشریف لائے اور یہ بھی فرمایا کہ ہم حق میزبانی ادا نہیں کر سکے، آپ حضرات کو اگر کوئی تکلیف پہنچی ہے تو اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب دامت برکاتہم نے دعا کرائی اجلاس کی یہ دوسری نشست ایک بجے دن میں بحمداللہ نہایت کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لانے والے مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران اور عام مسلمانوں نے اطمینان کا اظہار کیا کہ دارالعلوم نے اس مختصر عرصہ میں ہمہ جہتی ترقی کی ہے، تعلیم کا بہتر انتظام کیا گیا ہے قابل اساتذہ کو جمع کر کے معیار تعلیم کو بلند کیا ہے، نیز ادارہ میں رہائشی ضرورتوں کو پورا کیا گیا ہے۔ "رواق خالدؓ" کی ایک منزل کی تعمیر مکمل کر کے اس میں طلباء کو رہائش دی گئی ہے، اور اب دوسری منزل کا کام شروع کیا جا رہا ہے۔ اور ایک لاکھ سے زائد کی درسی کتابیں خریدی گئی ہیں ـــ اور اس کے علاوہ کتنے ہی ترقیاتی منصوبے اور اصلاحی پروگرام زیر عمل ہیں۔

فالحمد للہ اولاً و آخراً

شیخ الہندؒ

از:- مولانا محمد عثمان صاحب کاشف الہاشمی

وہ ابرِ گہر پاش و دریا بدست
اٹھا سر زمینِ دیوبند سے

مٹاتا ہوا فرقِ پست و بلند
نبوت کی رعنائیوں کو لئے

دمِ تیغ کی طرح آئینہ دار
شفق کی طرح لالہ پوشی میں فرد

تبسم میں بجلی کی شورش لئے
ہوئی جس سے توقیرِ دار و رسن

چمن جس کے پرتو سے خاور نصیب
نفس جس کا زندہ کنِ زندگی

دلوں کے لئے آفتابِ یقیں
جلو میں لئے ایک تازہ جہاں

بہم کر دیئے جس نے سیف و سبو
قدم زہرووں کے اٹھے تیز تیز

نقوشِ سلف آئینہ بن گئے
شبِ تار کی ظلمتیں چھٹ گئیں

نگاہیں نظارے کی خوگر ہوئیں
کچھ اس طرح اٹھے قدم عشق کے

کچھ ایسی تھی خونیں قبا عشق کی
محبت نے اک طرح نو ڈالدی

جنوں زندگی سے ہوا ہمکنار
وہ فیضانِ مدرار کی ابتدا

لئے ساتھ امواجِ بادِ صبا
دکھاتا ہوا بحر کو آئینہ

دلوں کو لبھاتا، بڑھاتا ہوا!
جبینِ سحر کی طرح پرُضیا

ستاروں کی صورت منازل نما
ادائیں لئے کیف صدق و صفا

چلی جس سے گلشن میں رسمِ رضا
گل و لالہ جس سے بہار آشنا

نظر جس کی پیغامِ سعیِ بقا
لبِ حرّیت کی مچلتی دعا

دکھاتا ہوا عالمِ من سعیٰ
دلِ سنگ خارا سے مچلنے لگا

لبِ خامشی پر تھی بانگِ درا
بدلنے لگی بحر و بر کی ہوا

ہوا نور آگیں اُفق ہند کا
ہوئی شوق کو خواہشِ ابتدا

زبانوں پہ نامِ وفا آگیا
کہ خود حسن کہنے لگا مرحبا

طلب کے لئے کھل گیا راستہ
قبا چاکیوں کا اشارا ملا

سیاست درِ دیں پہ ختم ہوگئی
خدائی کو مردِ خدا مل گیا

فہرست کتب مکتبہ دارالعلوم دیوبند (شعبۂ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند)

نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت
فتاویٰ دارالعلوم جلد ۱	22/-	دیوان المتنبی	10/-	انتصار الاسلام	9/-
〃 〃 ۲	15/-	تاریخ دارالعلوم جلد ۱	50/-	مصابیح والتراویح	6/50
〃 〃 ۳	23/-	〃 〃 ۲	50/-	تفسیر معوذتین	3/-
〃 〃 ۴	28/-	〃 انگریزی	35/-	عقائد اور سائنس	2/-
〃 〃 ۵	27/-	سوانح قاسمی جلد اول	40/-	[illegible]ودودی مذہب	2/50
〃 〃 ۶	33/-	〃 دوم	38/-	مودودی دستور اور عقائد	2/50
〃 〃 ۷	30/-	〃 سوم	12/-	نظریہ دو قرآن پر ایک نظر	3/50
〃 〃 ۸	25/-	مخلوطات جلد اول	19/-	مکتوبات	3/-
〃 〃 ۹	28/-	〃 〃 دوم	21/-	مکتوبات ثلٰثہ	4/-
〃 〃 ۱۰	20/-	قبلہ نما	28/-	دو ضروری مسئلے	-/75
〃 〃 ۱۱	10/-	دینی دعوت کے قرآنی اصول	6/50	جماعت اسلامی کا دینی رخ ۱	3/50
الفیۃ الحدیث	11/-	ناقابل فراموش واقعات	26/-	〃 〃 ۲	2/50
مشکوٰۃ الآثار	11/-	المنار الانوار	6/50	〃 〃 ۳	2/50
الفیہ	3/50	مثنوی فروغ	4/50	〃 〃 ۴	4/50
نفحۃ الادب	6/-	براہین قاسمیہ	9/-	اجتماع گنگوہ	-/75
مقدمۃ ابن الصلاح	10/-	حکمت قاسمیہ	2/50	درمنثور اول	1/-
تفسیر مدارک والتنزیل	8/-	مدارج سلوک	16/-	〃 دوم	1/-
الاشباہ والنظائر	27/-	جائزہ تراجم قرآنی	11/-	اعفاء اللحیہ	1/-
عقیدۃ الطحاوی	10/-	قرآن محکم	4/-	ایمان وعمل	3/-
حسامی	20/-	حجۃ الاسلام	10/-	دارالعلوم دیوبند کا ایک	
ملاحسن	10/-	اسرائیل	4/-	فتویٰ اور اس کی حقیقت	1/50
مقامات حریری	22/-	قرآنی پیشین گوئی	3/75	ماثورہ دعائیں	1/50

دار العلوم دیوبند کا علمی، دینی، اِصلاحی ماہنامہ

دار العلوم

زیر سرپرستی

مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند

مدیر مسئول

ریاست علی بجنوری

نگران اعلیٰ حضرت الحاج مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا علمی، دینی

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

شمارہ نمبر ۲	مئی ۱۹۸۳ء مطابق شعبان ۱۴۰۳ھ	جلد نمبر ۶۷

چندہ سالانہ

ہندوستان سے ۲۵/- روپے

سودی عرب، کویت، ابوظبی وغیرہ سے بذریعہ ایرمیل ۹۰/- روپے

جنوبی مشرقی افریقہ، برطانیہ وغیرہ سے بذریعہ ایرمیل ۱۰۵/- روپے

امریکہ، کناڈا وغیرہ سے ذریعہ ایرمیل ۱۲۶/- روپے

پاکستان سے ذریعہ ایرمیل ۴۵/- روپے

فی پرچہ ۲/۵۰ روپے

مدیر مسئول

ریاست علی بجنوری

طابع وناشر

دارالعلوم معرفت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

مطبوعہ

محبوب پرنٹنگ پریس دیوبند

ضروری گذارش

ماہنامہ دارالعلوم کے خریداروں سے گذارش ہے کہ جن حضرات کی مدت خریداری گذشتہ مہینوں میں ختم ہو چکی ہے ان کو ہر شمارہ میں بذریعہ سرخ نشان برابر اطلاع دی جا چکی ہے [illegible] کے شمارہ میں بھی ان کو اور جن کی مدت خریداری میں ختم ہو رہی ہے ان کو بذریعہ سرخ نشان مطلع کیا جاتا ہے کہ [illegible] سالانہ چندہ ۲۵/- روپیہ [illegible] [illegible] روپیہ [illegible]

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
حرف آغاز	مدیر مسئول	۳
وضع حدیث اور صحابہ کی ذہانی کوششیں	ترجمہ۔ مولانا محمد حنیف ملی مہتمم مالیگاؤں	۶
بدعت	مولانا سرفراز صاحب صفدر	۱۹
مسئلہ آخرت قرآن کریم میں	مولانا محمد مالک صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور	۲۵
غزوۂ تبوک کا ایک خطبۂ رسالت	مولانا محمد اسلام صاحب فاضل دیوبند	۳۲
بلاد روس میں اسلام کی اشاعت	پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ	۳۶
احوال و کوائف دار العلوم	مدیر مسئول	۴۴
اعلان داخلہ دار العلوم دیوبند	مہتمم صاحب دار العلوم دیوبند	۴۸
فہرست کتب مطبوعات دار العلوم دیوبند		۴۸

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

۱:۔ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ فرمائیں

۲:۔ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ ۔/۳۵ روپے مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان (پاکستان) کو بھیج دیں، اور انہیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دار العلوم کے حساب میں جمع کرلیں،

ماہ مارچ ۶۳ء سے خریداری نمبر بدل دیا گیا ہے، خریدار حضرات پتہ کے صحیح نمبر محفوظ فرمالیں۔ خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

حرفِ آغاز

(مدیر مسئول)

حامداً و مصلیاً! بلاشبہ ایک مسلمان کیلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اسوۂ حسنہ ہے آپ کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ، آپ کے سفر زندگی کا ایک ایک نقش قدم انسانیت کیلئے فلاح و کامرانی کا ضامن ہے، اس لئے کہ آپ نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ فریضۂ رسالت کی ادائیگی اور احکام خداوندی کی تبلیغ کے سوا کچھ نہیں ہے آپ کو حکم دیا گیا تھا۔

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس - ان اللہ لا یہدی القوم الکافرین۔

اے پیغمبر! آپ پروردگار کی جانب سے نازل کردہ احکام کی تبلیغ کرتے رہیں، اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو آپ نے پیغمبری کا حق ادا نہ کیا اور اللہ آپ کو انسانوں سے محفوظ رکھے گا، بیشک اللہ کفر پیشہ لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس آیت کریمہ میں آپ کو فریضۂ رسالت کی اہمیت بتلائی گئی تھی اور فرمایا گیا تھا کہ اگر تبلیغ احکام میں کچھ بھی کوتاہی ہوئی تو سمجھا جائے گا کہ آپ نے فریضۂ رسالت ادا نہیں کیا، پھر اس سلسلہ میں خداوند قدوس کی جانب سے اس ضمانت کا بھی اعلان تھا کہ انسانوں کی جانب سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا، نیز اس اندیشہ کو بھی صاف کر دیا گیا تھا کہ کفار کے اثر قبول کرنے پر آپ ملول اور دلگیر نہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا دروازہ ان کیلئے بند کر دیا ہے مگر آپ اپنا فریضہ ادا کرتے رہیں۔

چنانچہ آپ نے اپنی زندگی میں جتنے کام کئے اُن سب میں دعوت الی اللہ کی روح کارفرما ہے، یہ وہ مقصد تھا جس نے آپ کو زندگی بھر بے چین رکھا، سفر ہو یا حضر، خوشی کا موقع ہو یا غم کا، پیدائش کی مبارکباد ہو یا موت کی تعزیت آپ بازار میں ہوں یا مسجد میں، میدان جہاد میں ہوں یا پُرامن، ہر حال میں آپ کی زبان دعوت الی اللہ میں مصروف رہی، آپ کا ہر عمل انسانوں کو راہ ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا رہا اور آپ کا قدم شاہراہ تبلیغ پر گامزن رہا۔

بلاشبہ تاریخ انسانیت میں کوئی ایک انسان بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ایسا نہیں ہے جس کی پوری زندگی داعیاً الی اللہ باذنہ کی تفسیر ہو، کبھی آپ بیمار [illegible] [illegible] ہے [illegible] یا ال فہم [illegible] عاقب کی [illegible] اور [illegible] ہے [illegible] میں دعوت و تبلیغ کا کام [illegible] ہے [illegible] کے پیٹ [illegible]

مگر زبان دعوت وتبلیغ کے فرائض کی ادائیگی میں مشغول ہے، کبھی عکاظ کے سالانہ میلے میں پہنچے ہوئے ہیں ابولہب
تعاقب کر رہا ہے اور آپ کو دیوانہ بتا رہا ہے لیکن آپ کی زبان پر یاایہاالناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا
(اے لوگو! لاالٰہ الا اللہ کا اقرار کرو تو فلاح یاب ہو سکو گے) کا ورد جاری ہے، کبھی مکہ سے باہر کی تاریک ترین عقبہ
نامی پہاڑیوں کی طرف رواں دواں ہیں جہاں اہل یثرب کا قافلہ ٹھہرا ہوا ہے، اس خطرناک مقام میں آپ صرف اس لئے
تن تنہا پہنچے ہیں کہ شاید کوئی ایک بندۂ خدا کے دل پر توحید کی دستک اثر کر جائے، کبھی کوہ تنعیم کے دامن میں آرام
فرما ہوئے ہیں اور ایک دشمن نے آپ کو محو آرام اور تنہا پا کر آپ کی تلوار پر قبضہ کر لیا ہے اور ننگی تلوار ہاتھ میں سونت کر
آپ سے پوچھ رہا ہے کہ اب تمہیں کون بچائے گا، اس وقت بھی آپ دعوت وتبلیغ کے فریضہ سے غافل نہیں ہوئے ہیں
بلکہ اس دشمن کو بھی وہی نام مبارک سنا رہے ہیں جس کا اعتراف واقرار انسان کی انسانیت اور زندگی کی روح
ہے، کبھی اپنے محبوب وطن مکہ کو کفار کی ایذا رسانی اور حکم خداوندی کی تعمیل میں چھوڑ کر سفر کر رہے ہیں، دشمن
تعاقب کر رہا ہے، صرف دو تین مخلصین ہمرکاب ہیں، اس خطرناک اور تیز گامی کے سفر میں بھی دعوت وتبلیغ کا فریضہ
ادا کیا جا رہا ہے، ام معبد الخزاعیہ، سراقہ بن مالک مدلجی، بریدہ بن حصیب اسلمی اور ان کے کتنے ہی رفقاء
اسی سفر کے دوران مشرف باسلام ہوئے ہیں، کبھی شادی کے موقع پر شریک ہو رہے ہیں تب بھی یہی لگن ہے
ربیع بنت معوذ ایک دن کی دلہن ہیں، انصار کی بچیوں نے فخر کے طور پر حربیہ اشعار پڑھنا شروع کئے اور آپ
کی جانب سے عقائد صحیحہ کی تلقین اور دعوت وارشاد کا فریضہ ادا کیا گیا ہے، کبھی صاحبزادہ حضرت ابراہیم
کو آخری وقت میں سانس توڑتے ہوئے دیکھا ہے تو زبان مبارک سے ارشاد ہو رہا ہے کہ آنکھیں اشکبار ہیں
دل غمگین ہے لیکن ہماری زبان اس کی پابند ہے کہ رضائے الٰہی کے سوا کوئی بات اس سے نہ نکلے۔ اے ابراہیم
ہم حکم الٰہی کے سامنے تیرے کیا کام آسکتے ہیں، پھر اسی دن سورج گہن ہو گیا، کچھ حضرات کی زبان پر آیا کہ
سورج ابراہیم کی وفات کے سبب گہن میں آگیا ہے، تو فوراً آپ نے فریضہ تبلیغ ادا کرتے ہوئے عقیدے
کی تصحیح فرمائی اور خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ بے شک سورج اور چاند کسی کی موت سے گہن میں نہیں آیا کرتے
یہ تو اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جب تم گہن دیکھا کرو تو نماز کی طرف سبقت کیا کرو۔

آپ کی زندگی کے ہزاروں واقعات میں سے یہ چند واقعات ہیں جن میں دعوت وتبلیغ کی روح کارفرما
ہے، آپ کے اس حکیمانہ طرز تعلیم کے ساتھ زندگی کے حوادث میں سے ہر موقع پر آپ کی دعوت وتبلیغ اور
بارگاہ خداوندی میں انسان کو سربسجود کرنے کی کوشش نمایاں نظر آتی ہے، کبھی ہوائیں تیز چل رہی ہیں تو
آپ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے ہیں اور دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ اس ہوا کو ہمارے لئے مبارک
بنا دے اس کو عذاب کا ذریعہ نہ بنا، کبھی بادل گھر آئے ہیں یا بجلیاں گرجتے اور کڑکتے ہیں تو

دعاؤں کی تلقین فرما رہے ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جس کی تسبیح یہ بجلیاں کر رہی ہیں اے اللہ ہمیں عذاب سے ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہی ہمیں عافیت عطا فرما دے۔

اسی پیغام خداوندی کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے وفود متعدد قبیلوں میں بھیجے، خود سلاطین عالم کے نام گرامی نامے تحریر کرائے، مختلف قبائل میں ازدواجی تعلقات قائم فرمائے اور تبلیغ کی راہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا۔

تبلیغ اور دعوت الی اللہ کے سلسلے میں آپ کی سرگرمیوں کا اندازہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ مرض الوفات میں بیماری کی شدت کے سبب پاؤں کے بل کھڑا ہونا دشوار ہے، دردِ سر اس قدر شدید ہے کہ سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی ہے مگر دعوت و تبلیغ کی سرگرمی کا یہ حال ہے کہ حضرت عباس اور حضرت علی کے کاندھوں پر سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے ہیں، ممبر پر چڑھ نہیں پاتے تو آخری سیڑھی پر بیٹھ جاتے ہیں اور دعوت و تبلیغ کا حق ادا کرتے ہیں اور بالکل آخری وقت میں بھی الصلوٰۃ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم کی نصیحت زبان پر جاری ہے کہ نمازوں میں کوتاہی نہ کرنا اور مملوکین کے حقوق کا خیال رکھنا۔

غرض زندگی بھر آپ انسانیت کے گم کردہ راہ قافلہ کو صراط مستقیم پر لانے کی جدوجہد فرماتے رہے، اور اس سلسلے میں آپ نے ہر طرح کی محنت، جدوجہد اور قربانی پیش کی، اور خداوند قدوس نے آپ کی مساعی کو کامیاب، آپ کی کوششوں کو بارآور اور آپ کی جدوجہد کو اتنا نتیجہ خیز بنایا کہ جب آپ نے دنیا میں آنکھ کھولی تو دنیا میں تاحد نظر تاریکیوں کے سوا کچھ نہ تھا اور جب آپ نے آنکھ بند فرمائی تو بساطِ انسانیت نور کے ستاروں سے جگمگا رہی تھی اور ہر رہ گذر پر قافلۂ انسانیت کو روشنی دکھانے والے چراغ روشن کئے جا چکے تھے۔

اگر ہم آج بھی آپ کی اس جدوجہد اور سعی بلیغ کو سامنے رکھ کر دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیں تو اولادِ آدم کو آخرت کے عذاب الیم سے بچایا جا سکتا ہے۔

متوسلین مدرسہ کا پتہ

جناب مولانا مرغوب الرحمن صاحب دار العلوم دیوبند

وضع حدیث اور صحابہ کی دفاعی کوششیں

مصنف ــــــــــ محمد عجاج الخطیب مصری

ترجمہ ــــــــــ مولانا محمد حنیف ملّی، معہد ملت، مالی گاؤں

اگر خداوند عالم کی مہربانی اور اس کا کرم شامل حال نہ ہوتا تو حدیث کے وضع کرنے والے دین کو نقصان پہنچانے میں لگے رہتے روئے اسلام کو اپنی کذب بیانی سے داغدار کرتے رہتے اور اسلامی تعلیمات میں ایسی بہت سی باتیں آمیز کرتے جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے خدا کا کرم کہ اس نے ایسے امین مخلص اور دردمند افراد کو کھڑا کیا جنھوں نے واضعین حدیث کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ان کا تعاقب کیا اور حق و باطل سے ممتاز کر دیا اگر یہ کوششیں جو صحابہ و تابعین نے صرف کی ہیں نہ ہوتیں تو واضعین حدیث کی ریشہ دوانی سے بہت سے دینی احکام و مسائل لوگوں کی نظر میں مشتبہ رہ جاتے بلاشبہ ایک انصاف پسند انسان جب غور کرتا ہے کہ صحابہ نے تدوین حدیث کے ساتھ دین کو موضوع روایتوں سے محفوظ رکھنے اور اس کی نشر و اشاعت کے لئے حدیث مدون ہونے تک کتنی زبردست کوشش کی ہے تو اسے ان کی عظمت کا یقین ہو جاتا ہے بلکہ اس کی حیرت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ حفاظت حدیث کے لئے کیسے لطیف اور علمی قواعد ان علماء نے مرتب کئے ہیں خود ہم کو بھی علماء کی تلاش و جستجو، وقت نظر صبر و ضبط کے ساتھ موضوع روایات کی نقاب کشائی اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو جاتا ہے جس کا احاطہ زبان و قلم سے کسی بھی طرح ممکن نہیں ہے ان واضعین کی سرگرمیوں کو جاننے کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ دشمنان اسلام نے بقول حضرت حماد بن زید چار ہزار حدیثیں وضع کی ہیں، عبدالکریم بن ابی العوجاء نے بھی خود چار ہزار موضوع حدیثوں کا اعتراف کیا ہے اور میسرہ ابو عبد قدری نے بھی [illegible] کی فضیلت میں حدیثیں وضع کرنے کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں نے خود چار ہزار حدیثیں وضع کی ہیں علاوہ

گیا بہت سے واضعین حدیث تھے ہیں ہمارے علماء کا جوش اور ان کی پیہم غیر معمولی احتیاط اور عقلی الحفظ
خصوصیات کیونکہ یہ جو اشتعال انگیز اور دشوار گزار تھا ہم خدا کے فضل وکرم سے امت کے معتاد
اور مایہ ناز علماء کے ہاتھوں دینے فضل وکمال، علم وفضل اور حسن معاملہ کا اعتراف مشرق ومغرب کو
بھی ہے، یہ تمام مشکلات آسان ہوئیں اور حدیث پاک دور از کار بے ہودہ اغراض چند اور خود ساختہ
علماء کے دست برد اور ان کی گرفت سے محفوظ رہی، حضرت عبداللہ بن مبارک نے ایک سوال کے
جواب میں کیسی اچھی بات فرمائی ہے ان سے کسی نے پوچھا کہ ان موضوع روایتوں کا کیا ہوگا فرمایا "
تعیش لها الجهابذ " اس کی سرکوبی کے لئے فضل وکمال والے علماء ابھی زندہ ہیں، پھر یہ آیت
تلاوت کی " انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون " ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی
اسکے محافظ ہیں۔ حفاظت حدیث کے لئے ان علماء نے بے پناہ کوشش کی اور روایت ودرایت ہر پہلو سے
حدیث پر بحث کی اور ایسے اقدامات کئے جو حفاظت حدیث کے لئے بلاشبہ ضمانت ہیں ہم آئندہ
اختصار کے ساتھ اسے پیش کریں گے۔

۱۔ سندوں کا غایت اہتمام

: مسلمان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے حضرت عثمان کی شہادت تک کذب بیانی سے محفوظ رہے
اور کسی نے بھی کوئی غلط بات کسی سے بھی نہیں کہی بلکہ ان کے سینے اعتماد سے معمور اور دل کی دنیا ان کے
ایمان سے آباد تھی لیکن جب فتنہ واقع ہوا اور گروہ بندی نے زور پکڑا تو ہوا خواہوں کی بن آئی اور
ان ناعاقبت اندیش لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف کذب بیانی کو اپنی ہوا وہوس کا
ذریعہ بنالیا ادھر پہلے ہی سے صحابہ کرام بھی حدیث رسول کی حفاظت کے لئے پوری قوت کے ساتھ سینہ سپر
ہوگئے اور اسناد کو حدیث پاک کا لازمی جز سمجھ کر ہر راوی سے پوری شدت کے ساتھ سندیں طلب
کرنے لگے اسلئے کہ انسانوں کے نسب کی طرح حدیث کی سند بھی نہایت ضروری ہے حضرت محمد بن سیرین
فرماتے ہیں لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالکم
فینظر الی اهل السنة فیؤخذ حدیثهم وینظر الی اهل البدع فلا یؤخذ حدیثهم۔
(ترجمہ) پہلے جب کوئی حدیث بیان کرتا تو سند نہیں پوچھتے تھے پھر جب فتنہ عام ہوا تو لوگوں نے کہا
راوی کی نشاندہی کرو اگر ہم دیکھ لیں کہ راوی اہل سنت ہے تو ان کی روایت قبول کریں گے اور اگر بدعتی
ہے تو ان کی روایت نہیں لیں گے۔
اور یہ مطلب بھی نہیں کہ صحابہ کرام فتنے سے پہلے حدیثیں بغیر سند کے ذکر کرتے تھے بلکہ

صحابہ کی سند بیان کرتے اور کبھی نہیں کرتے تھے اس لئے کہ وہ خود صداقت و امانت اور اخلاص و بے
نفسی کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے انہیں اس کی ضرورت محسوس نہ تھی تاہم ایسی واضح مثالیں بھی موجود ہیں جن سے
معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی صحابہ سندوں کا اہتمام کرتے تھے انہی میں حضرت علیؓ کی یہ روایت بھی ہے جو
براء بن عازب سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بیان کرتی ہیں " ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
امرھا ان تحمل فحلت ونضحت البیت بمنضوح " اسی طرح حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ
عنہ حضرت ابو ہریرہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تمام حدیثیں بیان کرتے ہیں جسے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو ایوب نے نہیں سنا ہے اور دوسرے صحابہ نے بھی ایک دوسروں کی سند سے
رسول اللہ کی حدیثیں بیان کی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ فتنہ سے پہلے بھی سندوں کا ہمیشہ اہتمام مسلمانوں
نے نہیں کیا ہے اسلئے کہ وہ سچائی اور امانت پر فائز تھے اور سچ یہ ہے کہ عربوں کے لئے سندوں کا اہتمام
کوئی نئی چیز بھی نہیں ہے اسلئے کہ قبل از اسلام بھی عہد جاہلیت کے اشعار اور مختلف واقعات بھی بحوالہ
سند بیان کرتے تھے ہاں فتنوں کے ظہور کے بعد کہ جس صحابہ اور تابعین کے زمانے میں انہوں نے سندوں کا
خوب اہتمام کیا اور خوب احتیاط سے کام لیا گیا کہ امام مسلم اپنی متصل سند سے حضرت مجاہد کا قول
نقل کر رہے ہیں کہ بشیر بن کعب عدوی حضرت ابن عباس کے پاس آئے اور حدیث بیان کرنے
لگے " قال رسول اللہ، قال رسول اللہ " حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی باتوں پر کان نہیں
دھرا اور نہ ان کی طرف متوجہ ہوئے، بشیر نے کہا ابن عباس آخر کیا بات ہے کہ آپ میری حدیث نہیں
سن رہے ہیں حالانکہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کر رہا ہوں، حضرت ابن عباس
نے فرمایا ایک وقت تھا جب ہم کسی شخص سے یہ سنتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا
ہے تو ہماری آنکھیں فوراً اسکی طرف اٹھتیں اور ہمارے کان سننے کے لئے متوجہ ہو جاتے لیکن جب سے
لوگ اچھی بری راہ چلنے لگے تو ہم نے لوگوں سے روایت بیان کرنا چھوڑ دی بجز ان حدیثوں کے
جسے ہم جانتے ہیں بعض روایتوں میں ہے کہ ابن عباس نے بشیر سے کہا کہ فلاں فلاں حدیث پھر
دہراؤ انہوں نے دوبارہ بیان کی حضرت عبداللہ نے ان سے پھر کہا فلاں حدیث پھر دہراؤ اور
کہا میں نہیں سمجھ سکا تم نے میری بیان کردہ سب حدیثیں پہچانیں اور اسی کو منکر سمجھا یا سب حدیثوں
کو منکر سمجھا اور اسی کو پہچانا حضرت ابن عباس نے جواب دیا ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کی حدیث بیان کرتے تھے جب آپ کی طرف کذب بیانی کی نسبت نہیں ہوتی تھی پھر جب لوگ بھی بری
راہ چلنے لگے دیکھا گیا اور غلط سب قسم کی روایات نقل کرنے لگے [illegible]

صحابہ کے بعد تابعین بھی سندیں دریافت کرنے کا التزام کرتے رہے جیسا کہ علامہ ابن عبدالبر نے حضرت
عامر شعبی سے بحوالہ ربیع بن خیثم یہ حدیث نقل کی ہے "من قال لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک
لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علی کل شیء قدیر عشر مرات کن لہ
کعتق رقاب او رقبۃ" اس روایت کو سنکر حضرت شعبی نے ربیع بن خیثم سے کہا یہ حدیث تم سے کس نے
بیان کی ہے انہوں نے کہا عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ نے، پھر ابن ابی لیلیٰ سے ملا میں نے کہا یہ حدیث تم
سے کس نے نقل کی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو ایوب انصاری نے حضرت
یحییٰ ابن سعید فرماتے ہیں کہ یہ پہلی سند ہے جس کی تحقیق و تلاش کی گئی ہے۔

حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ ہم بصرہ میں صحابہ کی کوئی حدیث سنتے تو جب تک خود وہاں
پہنچکر صحابہ کی زبان سے نہ سن لیتے ہمیں اطمینان نہیں ہوتا تھا اسی طرح تابعین اور تبع تابعین بھی سندوں
کی تحقیق کے لئے وصیت فرماتے تھے حضرت ہشام بن عروہ فرماتے ہیں "اذا حدثک رجل
بحدیث فقل عمن ھذا" جب کوئی شخص تم سے حدیث بیان کرے تو اس سے پوچھ لو تم
نے یہ حدیث کس سے لی ہے۔ امام زہری حدیث بیان فرماتے تو سند بھی ذکر کرتے اور فرماتے
"لا یصلح ان یرقی السطح الا بدرجۃ" مکان کی چھت پر زینہ بزینہ چڑھا جاتا ہے امام
اوزاعی فرماتے ہیں "ما ذھاب العلم الا ذھاب الاسناد" علم کا زوال سندوں کے زوال
پر منحصر ہے۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں "الاسناد سلاح المومن فاذا لم یکن معہ
سلاح فبای شیء یقاتل" سندیں مومن کا ہتھیار ہیں اگر ہتھیار ہی نہ رہے تو پھر وہ کیسے لڑے گا۔
حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں "الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من
شاء ما شاء" سندیں دین کا جز ہیں اگر یہ نہ ہوں تو ہر شخص جو چاہے کہے گا انہی کا قول ہے "بیننا
وبین القوم القوائم یعنی الاسناد" سندیں ہمارے اور دوسروں کے درمیان ستون ہیں۔

تابعین نے بھی اسناد میں بڑی باریکی اور اتقان سے کام لیا ہے وہ دوسرے علوم کی طرح علم الاسناد
میں بھی ممتاز اور نمایاں ہیں جیسا ابوداؤد طیالسی کا قول ہے "وجدنا الحدیث عند اربعۃ:
الزھری، وقتادۃ وابی اسحاق والاعمش وکان قتادۃ اعلمھم بالاختلاف والزھری
اعلمھم بالاسناد وابو اسحاق اعلمھم بحدیث علی وابن مسعود وکان عند
الاعمش من کل ھذا" (ترجمہ) ہم نے حدیث چار علماء کے پاس پایا۔ امام زہری، ابو قتادہ، ابو اسحاق
اور اعمش، ابو قتادہ اختلاف روایت اور مسلک کے اختلاف کے بڑے جانکار تھے، امام زہری سندوں کے سب

زیادہ علم رکھتے تھے، ابو اسحٰق حضرت علی اور ابن مسعود کی مرویات کے بڑے عالم تھے اور امام اعمش کے پاس بیک وقت یہ سب کچھ تھا۔

مسئلہ اسناد سب کی نظر میں ایک مسلمہ اور بدیہی حقیقت بن چکا ہے جیسا کہ امام لغت علامہ اصمعی کے قول سے ظاہر ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان ابن عیینہ کی مجلس میں موجود تھا اتنے میں ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا محترم آپ کا مزاج کیسا ہے حضرت سفیان نے فرمایا الحمد للہ اچھا ہوں پھر اس نے کہا یہ بتاؤ اگر کوئی عورت طواف سے پہلے حائضہ ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے انہوں نے کہا دوسرے حاجیوں کی طرح طواف کے علاوہ حج کے سارے مناسک ادا کرتی رہے اعرابی نے کہا اسکی کوئی نظیر بھی ہے حضرت سفیان نے کہا ہاں! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی طواف سے پہلے حائضہ ہونے پر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا تو آپ نے ان کو طواف کے علاوہ سارے مناسک ادا کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ اعرابی نے کہا اس کی کوئی سند بھی ہے، حضرت سفیان نے فرمایا ہاں وہ یہ ہے حدثنا عبد الرحمن بن القاسم عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا بذالک، اعرابی نے کہا آپ نے بڑی موثر اور بہترین سند پیش کردی ہے خدا آپ کو ہدایت دے، علامہ مدائنی فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے ایک شخص سے بغیر سند کے کچھ حدیثیں سنیں تو کہا، "ترسلھا بلا زمام ولا خطام"، تم اسے بے لگام کیوں چھوڑ رہے ہو۔

ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ تابعین بھی سندوں کا غیر معمولی اہتمام اور دقت فرماتے تھے لیکن اس پر کسی کو یہ اشکال نہ ہو کہ بعض تابعین سے مرسل روایت بیان کرنے کا ثبوت ملتا ہے اسلئے کہ اگر کسی تابعی نے کوئی روایت مرسل بیان بھی کی ہے تو کسی کے پوچھنے پر اس نے اپنے شیخ کا نام اور پوری سند ذکر کرکے غلط فہمی کو دور بھی کر دیا ہے اسکی مثال علامہ عبد البر کی وہ متصل روایت ہے جو حضرت امام مالک سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ "ہم امام زہری اور محمد بن منکدر کی مجلس میں شریک ہوتے تو امام زہری فرمایا کرتے "قال ابن عمر کذا وکذا"، وہ جب بیٹھ گئے تو ہم نے دریافت کیا کہ جو روایت آپ نے ابن عمر سے نقل کی ہے وہ آپ سے کس نے بیان کی ہے انہوں نے کہا حضرت ابن عمرؓ کے صاحبزادے سالم نے۔ حضرت حبیب بن شہید فرماتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن سیرین نے کہا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھو کہ انہوں نے عقیقہ والی روایت کس سے سنا ہے چنانچہ میں نے پوچھا تو فرمایا کہ حضرت سمرہ رضہ سے۔ حضرت ابو عمر ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ ثقہ راویوں نے اسی طرح مرسل روایتوں کو [illegible] کرنے پر ثقہ راوی کی طرف منسوب کرکے شبہ دور کر دیا ہے۔ حضرت سلیمان اعمش فرماتے ہیں

کہ میں نے حضرت ابراہیم سے کہا تم مجھ سے کوئی حدیث بیان کرو تو سندوں کے ساتھ بیان کرو حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ میں جب عن عبداللہ کہوں تو سمجھ لو کہ وہ کسی اور سے نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ اکثر راویوں نے اگر مرسل حدیث ذکر بھی کی ہے تو وہ بڑے علم والے تھے وہ سندوں کو خوب جانتے تھے انہوں نے محض اختصار کے جذبہ سے راوی کا نام نہیں ذکر کیا ہے جیسا کہ حماد بن سلمہ کے قول سے ظاہر ہے فرماتے ہیں کہ ہم قتادہ کے پاس آتے تو وہ کہتے تھے کہ یہ حدیث ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی ہے یہ حدیث حضرت عمر بن خطاب سے اور فلاں حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے لیکن سند نہیں ذکر کرتے تھے پھر جب حماد بن سلیمان بصرہ پہنچے تو وہ فرماتے تھے "حدثنا ابراہیم و فلاں فلاں" جب اس اہتمام کی اطلاع حضرت قتادہ کو ہوئی تو وہ فرماتے تھے "وسالت مطرفا وسالت سعید بن المسیب، وحدثنا انس بن مالک" یعنی انہوں نے سندوں کی خبر دی یہ لوگ قوم کا اعتماد حاصل ہونے کی بنا پر سند کی بابت دریافت بھی نہیں کرتے تھے اور نہ خود ان سے کوئی پوچھتا تھا، چنانچہ حضرت معمر کے قول سے ظاہر ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نوجوان تھے تو حضرت قتادہ کی مجلس میں بیٹھتے تھے اور ان سے سندیں دریافت کرتے تو جو بزرگ حضرت قتادہ کے اردگرد ہوتے فرماتے ذرا ٹھہر جاؤ ابوالخطاب (یہ قتادہ کی کنیت ہے) تو خود سند ہیں، غرض اس طرح وہ لوگ ہمیں دریافت کرنے سے روک دیتے تھے، حضرت شعبہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت قتادہ کے یہاں بیٹھا تھا وہ جب بھی کوئی بات بیان فرماتے تو میں کہہ دیتا تھا کہ اس کی سند کیا ہے تو مجلس میں شریک بزرگ فرماتے کہ قتادہ تو خود سند ہیں تو میں چپ سادھ لیتا تھا میں حضرت قتادہ کی مجلس میں بکثرت شریک ہوتا تھا بسا اوقات وہ کچھ ذکر کرتے تو میں انھیں یاد دلاتا پھر وہ حدیث کے ساتھ سند بھی بیان کر دیتے تھے غرض اس طرح تابعین کے دور میں بھی متصل سندوں کے ساتھ حدیث ذکر کرنے کا غایت درجہ اہتمام اور توجہ کیا جانے لگی حتیٰ کہ ایک محدث کے لئے اپنی روایت کی سند بیان کرنا اسکے فرائض میں شامل ہو گیا اور بعض علماء نے تو بغیر سند کے حدیث بیان کرنے کو ایسے مکان سے تشبیہ دی ہے جس کی چھت اور ستون نہ ہو۔

والعلم ان فاته اسناد مسند
کالبیت لیس له سقف ولا طنب

(ترجمہ) جس علم کی کوئی سند نہ ہو وہ بے ستون و چھت کے مکان کی طرح ہے۔

گوناگوں علمی نشاط اور احتیاط حدیث

صحابہ کا مختلف علاقوں اور ملکوں میں پھیل جانا یہ بھی مسلمانوں پر خدا کا زبردست احسان ہے

اور بعض صحابہ کرام کے لئے تو فتنوں کے پے بہ پے کذب بیانی کے ظہور کے ساتھ ساتھ تا زندگی حدیث رسول کی حفاظت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ہی مقصد ہو چکا ہے چنانچہ علم کے شوقین کسی غیر صحابی سے حدیثیں سنتے تو خود اصحاب کے پاس جاتے تھے تاکہ اپنی سنی ہوئی حدیث کی تصدیق کر کے اور بھی پختہ کر لیں صحابہ کرام بھی صحیح اور سقیم روایتوں کو الگ کر دیا کرتے تھے تاکہ کسی کو دھوکہ نہ ہو اس کی مثال حضرت عبد اللہ بن عباس کا وہ طرز عمل ہے جو انہوں نے ابن ابی ملیکہ کے ساتھ کیا تھا ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا کہ میرے لئے ایک کتاب لکھدو اور اسے راز میں رکھو، حضرت ابن عباس نے فرمایا لڑکا خیر خواہی کی بات کرتا ہے اسکے لئے راز دارانہ طور پر میں ضرور کچھ باتوں (حدیثوں) کا انتخاب کروں گا پھر انہوں نے حضرت علی کے فیصلوں کو منگوایا ان میں سے کچھ باتیں لکھے اور کچھ نظر انداز کر دیتے اور فرماتے تھے قسم بخدا! حضرت علی نے ایسا فیصلہ نہیں کیا اگر کیا ہو تو وہ بھٹک گئے (لیکن ان سے غلطی ہوئی) اور بیت سے طالبین حدیث تو صحابہ کرام سے ملنے کے لئے سفر کرتے اور کوہساروں کی لمبی لمبی مسافت طے کرتے تھے اور یہ سب صرف اس حدیث کی تصدیق کے لئے ہوتا تھا جو انہوں نے کسی تابعی سے سنا ہے اور یہی مطلب ابو العالیہ کے اس ارشاد کا بھی ہے کہ: ہم بصرہ میں صحابہ کرام کی کوئی حدیث سنتے اگر اطمینان ہوتا تو تصدیق کیلئے مدینہ آکر ان کی زبان سے سن لینے پر اطمینان ہو جاتا تھا حدیث کی تصدیق و توثیق کا یہ جذبہ صحابہ کرام میں بھی بے پناہ تھا چنانچہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت عقبہ سے ملنے کے لئے مصر کا سفر کیا، حضرت جابر نے ایک حدیث کے لئے عبد اللہ بن انیس کے یہاں شام کا سفر کیا ان علاقوں میں اور بھی صحابہ نے مختلف مقامات کا سفر کیا ہے۔

تابعین اور تبع تابعین نے بہت اونچے پیمانے پر مذاکرہ حدیث کے ساتھ ثقہ راویوں سے حدیث حاصل کرنے کے لئے سفر کیا ہے ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو ایک حدیث کے لئے دمشق حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اسی طرح ابن شہاب زہری نے عطاء بن یزید، ابن محیریز، اور ابن میسرہ سے ملاقات کے لئے شام کا سفر کیا یحییٰ بن کثیر نے مدینہ کے صحابہ سے ملنے کے لئے مدینہ کا سفر کیا، محمد بن سیرین نے حضرت عبیدہ اور عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے ملاقات کے لئے کوفہ کا سفر کیا امام اوزاعی نے یحییٰ سے ملاقات کے لئے یمامہ کا سفر کیا اور بصرہ تک آئے، اسی طرح حضرت سفیان ثوری نے یمن کا سفر کیا۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ میں تو ایک حدیث کی تلاش و تصدیق میں کئی دن اور کئی رات سفر کرتا تھا بعض روایتوں میں صرف ایک حدیث کے لئے تین دن اور تین رات

مسلسل سفر کا تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت مسروق بھی مذاکرہ حدیث کے لئے بڑے جہاں گشت اور سرگرم سفر تھے، تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت شعبیؒ نے ایک حدیث نقل کی اور مخاطب سے فرمایا اس حدیث کو ہم سے مفت لے لو جبکہ صرف ایک حدیث طلب کرنے کے لئے لوگ مدینہ کا سفر اور اس کے مصارف برداشت کرتے تھے۔

حضرات تابعین اور ان کے شاگرد حدیث کا مذاکرہ کرتے مشہور روایت لے لیتے اور منکر کو چھوڑ دیا کرتے تھے امام اوزاعی فرماتے ہیں «كنا نسمع الحديث فنعرضه على اصحابنا كما يعرض الدرهم الزيف على الصيارفة فما عرفوا منه اخذنا وما تركوا تركنا» ،، ہم حدیثیں سنکر اپنے ساتھیوں کے سامنے پیش کرتے تھے جس طرح کھوٹا سکہ صیرفی کے یہاں دیا جاتا ہے جسے وہ معروف سمجھتے ہیں ہم سے لے لیتے اور جسے وہ چھوڑ دیتے ہم بھی ترک کر دیتے تھے اور ہمارے یہ اسلاف قابل اعتماد اور ثقہ علماء ہی کی طرف رجوع ہوتے تھے مثلاً سعید ابو بلال، حضرت شعبہ، حضرت قتادہ کے بارے میں اختلاف کرتے تو حضرت ہشام الاستوائی کی طرف رجوع کرتے تھے اور حضرت شعبہ اور سفیانؒ ثوری میں اختلاف ہوتا تو دونوں فرماتے تھے کہ چلو حضرت مسعرؒ کے پاس چلیں جو اس فن میں میزان کامل ہیں حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعی حدیث کے صیرفی تھے مجھے لوگوں سے کوئی حدیث بھی ملتی تو اطمینان خاطر کے لئے حضرت ابراہیم کے پاس پیش کر دیتا تھا حضرت زیدؒ بن وہب اور ان جیسے محدثین کے پاس تو میں مہینہ میں ایک ہی مرتبہ جاتا تھا مگر ابراہیمؒ نخعی کے یہاں کبھی ناغہ نہیں کرتا تھا۔

اس زمانہ کے محدثین اور ائمہ بھی حدیث کے بڑے جان کار اور علوم حدیث پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے وہ صحیح، ضعیف، موضوع، سب کی طرح کی حدیثیں محض اسلئے یاد رکھتے تھے تاکہ حدیثیں خلط ملط ہونے نہ پائیں اور موضوع و غیر موضوع حدیثیں ممتاز رہ سکیں حضرت سفیانؒ ثوری فرماتے ہیں کہ میں تین طرح کی حدیثیں بیان کیا کرتا ہوں ایک قسم کی حدیث تو سنکر اور دین کی بنیاد سمجھ کر بیان کرتا ہوں اور بعض حدیثیں سنکر محض واقفیت کے لئے روایت کرتا ہوں اور بعض کی حدیثوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی پھر بھی محض جان لینے کے لئے اسے سنتا بھی ہوں اور بیان بھی کر دیتا ہوں۔ حضرت ابوبکر بن اثرم فرماتے ہیں کہ امام احمد نے صنعاؔ میں کہیں یحییٰؒ بن معین کو حضرت معمرؒ کے صحیفہ لکھتے دیکھا جسکی سند تھی «عن معمر عن ابان عن انس رضي الله عنه» ،، اس صحیفہ کو جب میں دیکھنا چاہتا تھا تو امام یحییٰؒ اسے چھپا لیتے تھے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، یحییٰؒ! یہ جانتے ہوئے بھی کہ معمر کی حدیثیں موضوع ہیں اسکے صحیفہ کو لکھ رہے ہو؟ اگر کوئی یہ اعتراض کر بیٹھے کہ تمہیں معمر پر کلام بھی ہے ان کی حدیثیں بھی نقل کرتے ہو تو

کیا جواب دو گے امام یحییٰ نے کہا ! ابوعبداللہ خدا آپ پر مہربان ہو میں یہ صحیفہ عن عبد الرزاق عن معمر اس سند سے لکھ کر یاد کر لیتا ہوں حالانکہ مجھے اسکے موضوع ہونے کا علم بھی ہے تاکہ بعد میں آنے والا کوئی شخص ابان کے بجائے ثابت کا نام بدل کر دو عن معمر عن ثابت عن انس بن مالک منہ کرنے پائے اگر کوئی یہ تحریف کرے گا تو میں فوراً کہہ دوں گا تو جھوٹا ہے یہ حدیث عن معمر عن ابان ہے عن معمر عن ثابت " نہیں ہے .

۳۔ جھوٹ کہنے والوں کی تلاش

علماء و محدثین احتیاط حدیث کے ساتھ ساتھ کذب بیانی سے کام لینے والوں کا کھل کر مقابلہ کرتے اور روایت حدیث سے انہیں روک دیا کرتے بلکہ حاکم وقت کے پاس بھیج دیا کرتے تھے، حضرت عامر شعبی ایک مرتبہ مفسر ابو صالح کے پاس گذر رہے تھے ان کا کان پکڑ کر فرمایا بڑا افسوس ہے کہ جب آپ قرآن ٹھیک سے نہیں پڑھ سکتے تو اس کی تفسیر کیسے کرتے ہو، حضرت امام شافعی فرماتے ہیں " لولا شعبة ما عرف الحديث بالعراق "، اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا کوئی جاننے والا نہ ہوتا وہ حدیث کے بیان کرنیوالوں سے فرمایا کرتے تھے کہ حدیث بلا احتیاط مت بیان کیا کرو ورنہ بادشاہ سے سختی کرنے کی میں درخواست کر دوں گا ۔ حضرت شعبہ کذب بیانی کرنے والوں کے حق میں بہت زیادہ سخت تھے ، حضرت عبدالملک ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت شعبہ کو بہت زیادہ برافروختہ اور غصہ میں پایا میں نے کہا ابو بسطام ذرا طیش میں نہ آؤ اس پر حضرت شعبہ نے اینٹ اٹھا کر بتائی اور فرمایا کہ میں جعفر بن زبیر کو مار کر رہوں گا جس نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف کذب کی نسبت کی ہے بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف چار حدیثیں گڑھ کر منسوب کی ہے ۔

حضرت حماد بن زید فرماتے ہیں کہ عباد بن عباد، جریر بن حازم اور میں نے حضرت شعبہ سے ایک شخص کی بابت گفتگو کی ہم نے کہا کہ آپ اس آدمی سے دور رہیے تو بڑا اچھا ہوتا حماد فرماتے ہیں کہ یہ سنکر شعبہ کچھ دیر تو نرم پڑ گئے پھر جواب بھی دیا حماد کہتے ہیں کہ میں ایک دن جمعہ کی نماز کے ارادے سے گیا تو دیکھا کہ حضرت مجھے پیچھے سے آواز دے رہے ہیں ذالك الذى قلتم لى فيه لا اراه يصدق ۔

حضرت احمد بن سنان فرماتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمان بن مہدی سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے جب عیسیٰ بن میمون پر ان حدیثوں سے متعلق سختی کی جو حضرت قاسم سے نقل کرتے تھے تو انہوں نے کہا آئندہ ایسا نہیں ہوگا حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بھی جھوٹ بولنے والوں کے

ساتھ بہت سخت تھے وہ ان کے عیوب اور کمزوریاں ظاہر کرنے سے ذرا بھی نہیں چوکتے تھے جیسا کہ ابن ابی عُتبہ فرماتے ہیں ،، ما رأیت رجلا اصفق وجھا فی ذات اللہ من سفیان الثوری ،، میں نے اللہ کی ذات کے لئے سفیان ثوری سے زیادہ برافروختہ اور ترش روکسی اور کو نہیں پایا حماد مالکی ذجو جھوٹا تھا ایک مرتبہ کوئی حدیث بیان کی اتنے میں حضرت عمرو المالکی آگئے اور اس سے فرمایا قسم بخدا جب تک میں اس دلیری پر تجھے سزا نہ دے لوں تو یہاں سے جا نہیں سکتا یہ سنتے ہی حماد نے فوراً کہہ دیا کہ یہ حدیث حسن سے نہیں سنی ہے اور آئندہ ان سے حدیث نہ بیان کرنے کی قسم بھی کھالی، حضرت عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے پھر اس سے قسم لی اور عہد و پیماں بھی لکھوا لیا بعض محدثین ان خواہش پرستوں کے کذب کو برداشت نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو مارنے اور قتل کرنے کی دھمکی دیا کرتے تھے حضرت امام مسلم نے حمزہ زیات سے نقل کیا ہے کہ مرۃ ہمدانی نے حارث اعور سے کوئی حدیث سنی اور کہا تم دروازہ پر بیٹھو اندر گئے حارث کو قتل کرنے کے ارادے سے تلوار اٹھائی حارث نے اس خطرہ کو محسوس کر لیا اور اسی وقت فرار ہو گیا۔

ان کوششوں اور بیداری کا جہاں یہ اثر ہوا کہ بہت سے کذب پرور غائب ہو گئے اور کذب بیانی سے بھی باز آ گئے وہیں عام مسلمانوں میں عام بیداری بھی پیدا ہوئی اب وہ بھی حدیث سے کھیلنے والوں اور ثقہ لوگوں میں امتیاز کرنے لگے یزید بن ہارون بحوالہ ابن حجر نقل کرتے ہیں کہ جعفر بن زبیر اور عمران بن حدیر ایک مسجد میں نماز پڑھتے فراغت کے بعد جعفر کے پاس کافی رش ہوتا اور عمران کے پاس کوئی بھی نہ ہوتا ایک مرتبہ حضرت شعبہ گذر رہے تھے یہ دیکھتے ہی فرمایا کہ بڑی حیرت ہے لوگ ایک مہا جھوٹے کے پاس بڑی کثرت سے جمع ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ سچے انسان کو چھوڑے ہوئے ہیں یزید بن ہارون کا بیان ہے کہ چند دنوں کے بعد صورت حال اسکے برعکس ہو گئی میں نے دیکھا کہ لوگ بڑی تعداد میں عمران بن حدیر کے پاس آنے لگے اور جعفر کو بالکل ہی چھوڑ دیا۔ حضرت سفیان ثوری کے زمانے میں تو لوگ کذب بیانی کی جرأت ہی نہیں کرتے تھے اسلئے کہ حضرت سفیان ان کے ساتھ بہت سخت گیر تھے وہ ان کے عیوب اور کمزوریاں بے نقاب کر دیتے تھے اسی کو قتیبہ بن سعید نے فرمایا ہے ،، لولا سفیان الثوری لمات الورع ،، اگر سفیان ثوری نہ ہوتے تو تقویٰ دم توڑ دیتا۔

۴۔ احوال راوی کا بیان

صحابہ، تابعین اور بعد کے لوگوں کے لئے رواۃ حدیث کا علم بھی ضروری تھا تاکہ وہ انکے صادق و کاذب ہونیکا فیصلہ کر سکیں اور وقت ضرورت صحیح حدیث کو موضوع سے الگ بھی کر سکیں اسی لئے انہوں نے راویوں

کی زندگی کا مطالعہ کیا۔ ان کی تاریخی حیثیت کو جانا اور ان کی زندگی کے مختلف گوشوں کو بے نقاب کیا اور خوب چھان بین کی یہاں تک کہ سب سے زیادہ قوی الحفظ، الفاظ حدیث میں تام الضبط اور اسناد کی سب سے زیادہ صحبت پانے والوں کی تفصیلی معلومات بھی حاصل کی حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں "لما استعمل الرواۃ الکذب استعملنا لھم التاریخ" جب راویوں نے حدیث میں کذب بیانی سے کام لیا تو ہم نے اسکے ازالہ کے لئے تاریخ کا سہارا لیا۔

یہ بزرگ راویوں کے حالات بے غرض ہو کر بیان کرتے ان پر بجا تنقید کرتے اور یہ سب کچھ لوجہ اللہ ہوتا نہ کوئی کسی کا اندیشہ محسوس کرتا نہ کسی کی مہربانی پر مجبور ہوتا بلکہ حدیث کے بارے میں اپنے باپ، بھائی کسی کی بھی طرف داری نہیں کرتا تھا، یہ زید بن ابی انیسہ ہیں فرماتے ہیں "لاتاخذوا عن اخی" میرے بھائی سے حدیث مت لو، حضرت علی بن مدینی نے اپنے والد سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا "سلوا عنہ غیری" والد کے بارے میں کسی اور سے پوچھ لو، لوگوں نے پھر پوچھا تو علی بن مدینی نے سر اٹھا کر فرمایا "ھو الدین، انہ ضعیف" یہی دین ہے اور فرمایا کہ والد ضعیف راوی ہیں۔ حضرت وکیع بن جراح کے والد جو کہ بیت المال کے نگراں اور محافظ تھے اسلئے ان سے حدیث بیان کرتے وقت حضرت وکیع کسی اور راوی کو بھی ساتھ لے لیتے تھے۔

ائمہ جرح و تعدیل نے تو رجال کے حالات اور اسکی تفتیش کے لئے چند دن مقرر کر لئے تھے، حضرت ابو زید انصاری نحوی فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن بارش میں حضرت شعبہ کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا کہ آج حدیث کا بیان کرنے کا دن نہیں ہے بلکہ غیبت کا دن ہے آؤ ہم سب ان جھوٹوں کی برائیاں بیان کریں علماء اپنے بھائیوں اور شاگردوں تک کو ایسے راویوں کے حالات بیان کرنے کا حکم دیتے تھے جو حدیث میں متہم ہوں اور جن سے غلطی بکثرت ہوتی ہو، حضرت عبدالرحمان بن مہدی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبہ، عبد اللہ بن مبارک، سفیان ثوری اور امام مالک سے اس آدمی کے بارے میں دریافت کیا جس پر تہمت کذب لگی ہو تو انہوں نے کہا کہ اسکے اس عیب کو عام کرو کہ یہی دین ہے حضرت یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری، شعبہ، امام مالک، اور ابن عیینہ سے پوچھا کہ ایک شخص حدیث کی روایت میں غیر معتبر ہو اور کوئی صاحب اس کا حال مجھ سے پوچھیں تو میں اس کا عیب بیان کردوں یا چھپا لوں ان سبھوں نے کہا بیان کردو اسلئے کہ وہ معتبر نہیں ہے۔

طرح بھی ایک سے دریافت کرتے اور راویوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے ان سے مراسلت بھی کرتے تھے جیسا کہ امام مسلم نے اپنی سندوں کے ساتھ عبداللہ بن معاذ کے والد سے نقل کیا ہے، حضرت معاذ بن عنبری فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا ہے کہ میں نے شعبہ کو مقام واسط کے قاضی ابوشیبہ کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے خط لکھا تو انہوں نے جواب میں لکھا "لا تکتب عنہ ومزق کتابی" اس کی کوئی روایت مت لکھو اور پڑھنے کے بعد میرا خط چاک کر دو۔

ناقدین حدیث بھی راویوں اور رجال پر حکم لگانے میں بڑی باریک بینی سے کام لیتے تھے اور ہر محدث کے معائب و محاسن بڑی دقت نظر سے معلوم کر لیا کرتے ہیں، حضرت عفان بھی فرماتے ہیں "ھو واللہ لو اصبت تسعا وتسعین مرۃ واخطأت مرۃ لعدوا علی تلک الواحدۃ" قسم بخدا اگر میں کوئی بات ننانوے بار صحیح کہدوں اور صرف ایک بار غلطی کر جاؤں تو محدثین اسے میرے لئے بڑی اہم بات شمار کرتے ہیں۔ اللہ کے ان بندوں کو ظاہری چمک دمک کبھی فریب میں نہیں رکھ سکتی تھی وہ ہر اہم کام اخلاص و للہیت سے کرتے بلکہ دین کی خدمت اور شریعت کا فرض سمجھ کر حق و باطل میں امتیاز کرتے تھے جو ان کے قلب و ضمیر کے لئے بھی سرمایہ تسکین ہوتا تھا۔ حضرت یحیی بن معین فرماتے ہیں "انا لنطعن علی اقوام لعلھم قد حطوا رحالھم فی الجنۃ منذ اکثر من مائتی سنۃ" ہم تو ایسے لوگوں پر بھی جرح کرتے ہیں جو دو سو سال سے بھی پہلے سے جنت میں اپنا خیمہ لگا چکے ہیں، امام سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ نیک و صالح لوگ تو ہیں لیکن حدیث کے جانکار نہیں۔ ابوبکر بن خلاد فرماتے ہیں کہ میں نے یحیی بن سعید قطان سے کہا آپ اس بات سے کیوں نہیں ڈرتے کہ یہ لوگ جن کی آپ نے حدیثیں نہیں لی ہے کہیں خدا کے یہاں آپ کے مخالف نہ بن جائیں فرمایا یہ لوگ میرے خصم ہو جائیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے خصم بنیں اور آپ مجھے یہ فرماتے ہوں کہ یحیی تم نے ایسے شخص سے میری حدیث کیوں بیان کی جس کی دروغ گوئی کا تمہیں علم تھا۔

یہ جرح و تعدیل کا ہمہ گیر علم ہے جس کی داغ بیل صحابہ، تابعین اور ان کے بعد اسلاف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور شریعت محمدی کی روشنی میں رکھی ہے جو خدا کی عین مرضی بھی ہے، قرآن کریم میں ہے "یا ایھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین" (ترجمہ) اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے بئس اخو العشیرۃ۔ اور تعدیل کی مثال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا فرمان "ان عبد اللہ رجل صالح" ہے۔ علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ جن علماء نے رجالِ حدیث پر کلام کیا ہے دراصل وہ آسمانِ ہدایت کے روشن ستارے اور گمراہیوں کو دور کرنے کے لئے تاریکیوں میں روشن فانوس ہیں ان کی مجموعی تعداد صحابہ کرام کے زمانہ میں کیا تھی آج اس کا اندازہ ممکن نہیں ہے، ہاں ابن عدی نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اپنے دور ۳۶۵ھ تک کی تعداد ذکر کی ہے جن صحابہ کا انہوں نے ذکر کیا ہے ان میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، عبداللہ بن سلامؓ، عبادہ بن صامت، حضرت انس بن مالک، اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قابل ذکر ہیں اور تابعین میں عامر شعبی، محمد بن سیرین، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر لیکن ان کی تعداد کم ہے اسلئے کہ ان سے پہلے کا دور صحابہ کا ہے جو سب کے سب عادل ہیں اور دوسرے دور میں تابعین میں جن کی اکثر ثقہ ہیں بلکہ پہلی صدی ہجری تک جس میں اجلہ صحابہ اور تابعین اٹھ چکے ہیں حارث اعور اور مختار کذاب جیسے ایک دو کے علاوہ کوئی ضعیف راوی نہیں ملتا لیکن دوسری صدی ہجری شروع ہوئی تو اسکی ابتدا میں تابعین کے حلقوں میں کچھ ضعیف لوگ جن کا یہ ضعف ـــــ حفظ اور ضبط حدیث کے لحاظ سے نمایاں ہوا۔

۱۵۰ھ میں جب تابعین کا مبارک دور ختم ہوا تو اماموں کے پورے ایک گروہ نے جرح و تعدیل کا اپنے کلام سے اظہار کیا چنانچہ سراج الائمہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ما رأیت اکذب من جابر الجعفی "میں نے جابر جعفی سے بڑا دروغ گو نہیں دیکھا، حضرت اعمشؒ نے ایک پوری جماعت کو ضعیف قرار دیا اور دوسروں کی توثیق بھی کی حضرت امام شعبہؒ نے بھی رجال پر نقد و نظر سے کام لیا وہ خود بھی ثقہ تھے اور ثقات ہی سے روایت کرتے تھے یہی حال امام مالک کا بھی ہے ان بزرگوں کے علاوہ اور جن کے اقوال بلا تامل مقبول تھے ان میں حضرت معمرؒ، ہشام دستوائی، امام اوزاعی، سفیان ثوری، ابن ماجشون، حماد بن سلمہ، لیث بن سعد وغیرہ ہیں ان کے بعد جرح و تعدیل کا دوسرا گروہ پیدا ہوا جس میں حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت ہشیم، ابو اسحاق فزاری، معافی بن عمران موصلی، بشر بن مفضل، اور سفیان بن عیینہ قابل ذکر ہیں ان علماء نے بڑی دلسوزی کے ساتھ مقبول اور مردود راویوں کا ذکر کر دیا ہے اور عدالت اور اسکے لوازمات کے ساتھ جرح اور اسکے اسباب بھی بتا دیا ہے۔

بدعت

(بدعات کی خوبی اور ان کیلئے پیش کئے جانے والے دلائل کی حقیقت)

شحۂ قلم ——————— حضرت مولانا سرفراز صاحب صفدر

دنیا میں شاید ہی کوئی چیز ایسی ہو جس میں اس کی خرابی کے باوجود اس میں کوئی خوبی نہ ہو، شراب
ر جوئے جیسی بدترین چیز کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد یوں ہے۔

فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (پ۲۔ بقرہ۔ رکوع ۲۷)
ان دونوں میں گناہ بڑا ہے اور لوگوں کے لئے ان میں کچھ منافع بھی ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ ان میں گناہ بہت ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان میں فی الجملہ منافع کا ذکر بھی کیا ہے لیکن ان قلیل منافع کی وجہ سے ان کو جواز کا درجہ حاصل نہ ہو سکا، بلکہ ان کے مضرات اور مفاسد کے پہلو کو غالب قرار دے کر ان کو ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا گیا اور اکبر الکبائر کی مد میں ان کا شمار کیا گیا جب بھی کسی گمراہ فرقے نے کوئی بد سے بدتر بدعت دین کے نام پر ایجاد کی ہے تو اس نے اس میں محاسن اور خوبیوں کا دعویٰ بھی ضرور کیا ہے اور اس کی ترویج اور اشاعت کے لئے خدا اور مذہب کے نام پر رسول اور اولیاء سے عشق اور محبت کے نام پر کچھ نہ کچھ دلائل بھی تراشے ہیں اور ضرور ایسا پیرایہ اختیار کیا ہے جس سے ایک عام اور سادہ لوح مسلمان خواہ مخواہ مغالطے میں مبتلا ہو سکتا ہے، مشرکین عرب نے شرک جیسے بدترین اور قبیح ترین فعل کو جائز اور مستحسن ثابت کرنے کے لئے تقرب الٰہی کا نام ہی تو لیا ہے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ۔ (پ۲۳۔ زمر۔ رکوع ۱)
(مشرکوں نے کہا) ہم ان (درمیانی وسائط) کی پوجا نہیں کرتے مگر صرف اس لئے کہ یہ ہمیں خدا تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں

اور دوسرے مقام پر ذکر فرمایا کہ مشرکوں نے یہ کہا :-

هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ (پ۱۱۔ یونس۔ رکوع ۲) یہ بزرگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے

دیکھا آپ نے مشرکین نے شرک کے اثبات کے لئے قربِ خداوندی کے حصول کی الفاظ سے تسکین قلب کا سامان مہیا کیا، پھر انہیں مشرکین نے جب ایک بدترین بدعت یہ ایجاد کی کہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے وقت وہ بالکل مادرزاد ننگے ہو جاتے تھے، حتی کہ عورتیں بھی ایک معمولی سے چیتھڑے کے علاوہ (جو شرمگاہ کو ڈھانپنے کے لئے بھی کافی نہ ہوتا تھا) تمام لباس اتار کر یہ کہتے ہوئے طواف کرتی تھیں: الیوم یبدو بعضہ او کلہ۔ فما بدا منہ فلا احلہ (مسلم ج ۲ ص ۴۲۲ وسنن الکبریٰ وغیرہ) اور اس قبیح فعل کی توجیہ یوں نقل کی گئی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ کپڑے پہن کر ہم روزمرہ گناہ کرتے ہیں، پھر ان ہی کپڑوں میں اللہ تعالیٰ کے پاک گھر کا طواف کیسے کریں؟ نیز ہم کپڑے پہن کر فی الجملہ دنیا دار رہتے ہیں اور رب العزت کے گھر کا طواف ہم دنیا کی تمام آلائشوں سے پاک ہو کر کیوں نہ کریں؟ مگر آپ نے دیکھا خدا تعالیٰ نے (قرآن کریم میں) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس باطل اور بے ہودہ تصرف کی کیسی خبر لی؟ اور کس طرح سنہ ۹ھ میں جب کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام حج میں یہ اعلان کروایا کہ خبردار آج کے بعد کوئی مشرک یا کوئی برہنہ طواف نہیں کر سکتا (بخاری وغیرہ) صدیوں کی بدعت اللہ کے پیارے رسول نے یوں ختم کی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کیا ہی پتہ کی بات ارشاد فرمائی ہے:

اما بعد! اوصیک بتقوی اللہ و الاقتصاد فی امرہ واتباع سنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم وترک ما احدث المحدثون بعد ما جرت بہ سنتہ وکفوا مؤنتہ فعلیک بلزوم السنۃ فانہا لک باذن اللہ عصمۃ ثم اعلم انہ لم یبتدع الناس بدعۃ الا قد مضیٰ قبلہا ما ہو دلیل علیہا او عبرۃ فیہا فان السنۃ انما

اما بعد۔ میں تجھے خدا تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کے حکم میں میانہ روی اختیار کرنے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اتباع کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور یہ وصیت کرتا ہوں کہ اہل بدعت نے جو بدعتیں ایجاد کی ہیں ان کو ترک کرنا جبکہ سنت اس سے قبل جاری ہے اور سنت کی موجودگی میں بدعت کی ایجاد کی کیا مصیبت ہے سنت کو مضبوطی سے پکڑنا کیونکہ خدا کے حکم سے سنت تیری حفاظت کا ذریعہ ہے اور جان لے کہ لوگوں نے جو بدعت ایجاد کی ہے اس سے قبل وہ چیز گذر چکی ہے جو اس پر دلیل ہو سکتی تھی یا اس میں عبرت ہو سکتی تھی کیونکہ سنت ان

سنها من قد علم ما فی خلافها من الخطأ والزلل والحمق والتعمق فارض لنفسك مارضی به القوم لانفسهم فانهم علی علم وقفوا وببصر نافذ کفوا ولهم علی کشف الامور کانوا اقوی وبفضل ما کانوا فیه اولی فان کان الهدی ما انتم علیه لقد سبقتموهم الیه

(ابوداؤد، ج ۲، ص۲۷۷)

ان پاک نفوس کی طرف سے آئی ہے جنہوں نے اس کے خلاف خطا، لغزش، حماقت اور تعمق کو بنور دیکھ لیا تھا اور اس کو اختیار نہ کیا، تو بھی صرف اسی چیز پر راضی رہ جس پر قوم راضی ہو چکی ہے، کیونکہ انہوں نے علم پر اطلاع پائی اور دور رس نگاہ سے دیکھ کر بدعت سے اجتناب کیا اور البتہ وہ معاملات کی تہ تک پہنچنے پر قوی تر تھے اور جس حالت پر وہ تھے وہ افضل تر حالت تھی، سو اگر ہدایت وہ ہے جس پر تم گامزن ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ان سے فضیلت میں بڑھ گئے ہو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ارشاد واضح ہے کہ سنت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کا بتلایا ہوا اور متعین کیا ہوا طریقہ ہے۔ سنت کے خلاف جو بدعت تھی اس طریقہ پر بھی اُن کی نگاہ اٹھی ہے مگر انہوں نے ہرگز اس کو اختیار نہیں کیا، اور آج جو دلائل اہل بدعت پیش کرتے ہیں بعینہٖ یہ دلائل اس وقت بھی موجود تھے مگر نہ تو ان کو ان دلائل سے بدعت کا جواز معلوم ہوا اور نہ ان میں ان کے نزدیک کوئی آنکھ کو بھانے والی عبرت ہی نظر آئی، پھر کیا وجہ ہے کہ آج اُن دلائل سے بدعات کا جواز اور ثبوت مل سکتا ہے اور اس وقت نہ مل سکا؟ لہٰذا تم اسی چیز کو اپنے لئے پسند کرو جس کو وہ پسند کر چکے ہیں، وہ بڑی فضیلت کے مالک اور دور رس نگاہ رکھنے والے تھے اور ہدایت مستقیم پر تھے، پھر اگر آج یہ بدعات جائز اور کار ثواب ہیں تو اس کا یہی مطلب نکلے گا کہ ہم علم و تقویٰ میں، دیانت اور ہدایت میں ان سے سبقت لے گئے ہیں کہ یہ عبادات اور طاعات ان کو باوجود عمدہ ہونے کے نہ سوجھیں اور ہمیں دستیاب ہو گئیں (العیاذ باللہ)

علامہ شاطبیؒ تحریر فرماتے ہیں:

انك لا تجد مبتدعا ممن ینسب

تم کسی ایسے مبتدع کو نہ پاؤ گے جو اہلِ ملت

الى الملة الا وهو يستشهد على بدعته بدليل شرعى فينزله على ما وافق عقله وشهوته

(الاعتصام ج ۱ ص ۱۷۱)

وابستگی کا مدعی ہو مگر یہ کہ وہ اپنی بدعت پر کسی شرعی دلیل سے ضرور استشہاد کرتا اور اس طریقہ سے وہ اس کو اپنی عقل اور خواہش کے مطابق بنا لیتا ہے۔

اور حضرت مجدد الف ثانیؒ ارقام فرماتے ہیں:

"زیرا که ہر مبتدع وضال عقائد فاسده خود را بزعم فاسد خود از کتاب وسنت اخذ می کند لیں ہر معنی از معانی مفہومہ از ینہا معتبر نه باشد"

(مکتوبات حصہ سوم ص ۵ مکتوب ۱۹۳)

کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے فاسد عقائد کو اپنے فاسد خیال کے مطابق کتاب اور سنت سے اخذ کرتا ہے، لیکن ہر معنی معانی مفہومہ سے حجت اور معتبر نہیں ہو سکتا۔

ان عبارات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہر مبتدع اور گمراہ جو ملت اسلام سے وابستگی کا دعویٰ کرتا ہے اپنے باطل اور فاسد عقائد اور خود تراشیدہ بدعات پر کتاب و سنت سے تسکین قلب یا الزام خصم کے لئے ضرور دلائل تلاش کرتا ہے اور ان دلائل کو اپنی نارسا عقل اور اپنی خواہش کی زنجیروں میں جکڑنے کی کوشش کرتا ہے، مگر اس کا قرآن اور حدیث کا نام لے کر خود فریبی میں مبتلا ہونا اور لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا کسی طرح صحیح نہیں نہ اس کی سمجھ درست ہے اور نہ قرآن کریم اور حدیث شریف سے پیش کردہ دلیل ہی صحیح ہے کیونکہ یہی دلائل صحابۂ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کے سامنے بھی تھے مگر ان کو یہ فاسد عقائد اور خود تراشیدہ بدعات ان سے سمجھ میں نہ آسکیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج ان سے یہ عقائد باطلہ اور بدعات فاسدہ ثابت ہوں۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے منکرین تقدیر کے ایک مغالطہ کو (کہ قرآن کریم میں ایسی آیات بھی موجود ہیں جن سے تقدیر کی نفی معلوم ہوتی ہے۔) دور کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا کہ:

لقد قرؤا منه ما قرأتم وعلموا من تاويله ما جهلتم وقالوا بعد ذلك كله بكتاب وقدر۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۵)

یعنی صحابہ کرام و تابعین وغیرہ سلف صالحین نے یہ آیتیں بھی پڑھی ہیں جن کو تم پڑھتے ہو لیکن وہ ان کے مطلب کو سمجھے ہیں اور تم نہیں سمجھے اور انھوں نے یہ سب آیات پڑھنے کے باوجود تقدیر کا اقرار کیا ہے۔

مطلب واضح ہے کہ اگر تمہاری طرف سے پیش کردہ آیات کا وہی مفہوم ہوتا جو تم پیش کرتے ہو تو یہ آیات صحابۂ کرام اور اہل خیر القرون کے سامنے بھی تو تھیں پھر کیا وجہ ہے کہ ان آیات سے ان کو یہ مطلب سمجھ میں نہ آسکا اور تم اس مطلب کو سمجھ گئے۔ کیسے باور کر لیا جائے کہ تم حق پر ہو اور وہ باطل پر تھے حضرت

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ (المتوفی سنہ ۱۲۳۹ھ) نے کیا ہی فیصلہ کن بات ارشاد فرمائی ہے:

«میزان در معرفتِ حق و باطل فہم صحابہؓ و تابعین ست، چنانچہ این جماعت از تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بانضمام قرائن حالی و مقالی فہمیدہ اند و در آں تخطیۂ ظاہر نکردہ واجب القبول است الیٰ ان قال اگر بر خلافِ قرنِ اول حمل می کند پس در بدعت او ملاحظہ باید نمود اگر مخالفت ادلۂ قطعیہ یعنی نصوص متواترہ و اجماع قطعی است او را کافر باید شمرد و اگر مخالفت ادلۂ ظنیہ قریبۃ الیقین است مانند اخبار مشہورہ و اجماع عرفی گمراہ تواں فہمید دون الکفر»
(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۵۶)

حق و باطل کے سمجھنے کیلئے میزان اور معیار صحابہ کرامؓ اور تابعین کا فہم ہے، جو کچھ اس جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے حالی اور مقالی قرائن کے انضمام کے ساتھ سمجھا ہے جبکہ اس فہم میں خطا ظاہر نہ کی گئی ہو تو وہ فہم واجب القبول ہے (پھر آگے فرمایا) اگر قرن اول کے خلاف کسی بدعتی نے کوئی مفہوم لیا تو اس کی بدعت کو ملاحظہ کرنا ہوگا، اگر اس کا متعین کردہ مفہوم کسی قطعی دلیل مثلاً نصوص متواترہ اور اجماع قطعی کے خلاف ہے تو ایسے بدعتی کو کافر شمار کرنا چاہئے اور اگر یہ مخالفت ظنی دلائل کی ہے جو یقین کے قریب ہیں مثلاً اخبار مشہورہ اور اجماع عرفی تو ایسے بدعتی کو گمراہ سمجھنا چاہئے نہ کہ کافر۔

ان عبارات سے چند امور نہایت وضاحت سے ثابت ہوتے ہیں (۱) یہ کہ کوئی بدعتی اور گمراہ محض دعویٰ کر کے ہی خاموش نہیں ہو جاتا بلکہ وہ اپنے اس دعویٰ پر دلائل پیش کیا کرتا ہے۔ (۲) دلائل بھی محض عقلی نہیں بلکہ قرآن کریم اور احادیث سے وہ اپنے مزعوم پر دلائل لاتا ہے۔ (۳) مگر قرآن کریم اور حدیث سے جو کچھ اس نے سمجھا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں ہے (۴) اس لئے کہ یہی قرآن اور حدیث صحابہ کرام اور تابعین وغیرہ سلف صالحین کے سامنے بھی تھے مگر انہوں نے ان سے یہ مفہوم نہیں سمجھا جو اہل بدعت سمجھے ہیں۔ (۵) قرآن کریم اور حدیث کا صحیح مفہوم صرف وہی ہوگا جو صحابہ کرام اور تابعین نے سمجھا ہے۔ (۶) اہل بدعت کا پیش کردہ مفہوم اگر دلائل قطعیہ کے خلاف ہے تو کفر ہوگا اور اگر ظنی دلائل کے خلاف ہے تو بدعت اور گمراہی ہوگا۔ بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس زبان سے ناواقف ہو جس میں قرآن کریم نازل ہوا تھا، اور اسی طرح جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور تابعین کی منقول تفسیر کو نہیں جانتا تو اس کیلئے فن تفسیر میں سرے سے دخل دینا ہی حرام ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

اقول یحرم الخوض فی التفسیر لمن لا یعرف اللسان الذی نزل القرآن بہ ولما اثر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ والتابعین من

میں کہتا ہوں کہ جو شخص اس زبان سے ناواقف ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے اور اسی طرح جو شخص غریب الفاظ، شان نزول اور ناسخ و منسوخ سے بے خبر ہو جو آنحضرت

شرح غریب وسبب نزول وناسخ ومنسوخ
(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۴۲)

صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور تابعین سے منقول ہے تو ایسے شخص کیلئے تفسیر میں دخل دینا حرام ہے۔

اور اہل بدعت کی اپنی بدعت کی تائید میں ہر تفسیر نہ صرف یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ و تابعین سے منقول وماثور ہی نہیں ہوتی بلکہ اسکے بالکل خلاف ہوتی ہے اور لطف یہ کہ وہ بھی محض خود تراشیدہ اور خودساختہ اور ایسے ہی لوگوں کی خود تراشیدہ تفاسیر نے امت مرحومہ کا شیرازہ بکھیر کر انھیں گمراہ کردیا ہے۔ سچ ہے

ع ایں چنیں ارکانِ دولت ملک را ویراں کنند

اور اگر کوئی تفسیر ماثور اور منقول بھی وہ پیش کرتے ہیں تو اس کی بنیاد بھی جعلی موضوع، معلول، شاذ اور منکر وضعیف وغیرہ روایات اور آثار پر قائم کی جاتی ہے اور صحیح تفاسیر سے عمداً اغماض کیا جاتا ہے اور اگر کوئی روایت سند کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہے تو اس کا معنی غلط لیا جاتا ہے اور یہی کچھ وہ قرآن کریم سے کرتے ہیں کہ اپنے باطل عقائد اور آراء کو اس میں دخل دیتے ہیں، چنانچہ امام سیوطیؒ المتوفیٰ ۹۱۱ھ لکھتے ہیں کہ:-

مثل طوائف من اهل البدع اعتقدوا مذاهب باطلة وعمدوا الى القرآن فتاولوه على رأيهم وليس لهم سلف من الصحابة والتابعين لا فى رأيهم ولا فى تفسيرهم

جیسے اہل بدعت کے مختلف گروہوں نے باطل اعتقادات قائم کرلئے اور قرآن کریم سے اپنی باطل آراء پر استدلال کرکے اپنی مرضی پر اس کو ڈھال لیا حالانکہ صحابہ کرامؓ اور تابعین میں انکا کوئی بھی پیش رو نہیں نہ رائے میں اور نہ تفسیر میں۔

پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

وفى الجملة من عدل عن مذاهب الصحابة والتابعين وتفسيرهم الى ما يخالف ذلك كان مخطئاً فى ذلك بل مبتدعاً لانهم كانوا اعلم بتفسيره ومعانيه كما انهم اعلم بالحق الذى بعث الله به رسوله

(تفسیر اتقان جلد دوم ص۱۸۲ طبع مصر)

حاصل کلام یہ ہے کہ جس نے صحابہ کرامؓ اور تابعین کے مذاہب اور ان کی تفسیر سے اعراض کیا اور اس کے خلاف کو اختیار کیا تو وہ شخص خطاکار بلکہ مبتدع ہوگا کیونکہ صحابہ کرامؓ اور تابعین قرآن کریم کی تفسیر اور اس کے معانی کو زیادہ جانتے تھے جیسا کہ وہ اس حق کو زیادہ جانتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے رسول کے ذریعہ بھیجا تھا۔

اور یہی علامت ہے غلط مذہب کی کہ اس کی بنیاد غلط روایات اور بے بنیاد روایت پر رکھی جاتی ہے، اگر اہل بدعت حضرات صرف اسی اصول کو اچھی طرح سمجھ لیں تو اُن کو جملہ محدثات اور بدعات پر دوراز کار دلائل پیش کرنے سے یقیناً رستگاری حاصل ہوجائے

من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

مسئلۂ آخرت قرآن کریم میں

از ـــــــــــ مولانا محمد مالک صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

مسائل اعتقادیہ اور علوم نظریہ میں قرآن کریم نے مسئلۂ آخرت اور بعث بعد الموت نہایت ہی اہتمام اور بڑی ہی تحقیق اور بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے کیونکہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسول آخرت پر ایمان و یقین ہی پر موقوف ہے، سورۂ بقرہ کی ابتدا ہی میں قرآن کریم کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے جہاں یہ فرمایا کہ یہ کتاب ان لوگوں کے واسطے ذریعہ ہدایت ہے جو تقویٰ اور ایمان بالغیب یعنی اللہ اور اس کے رسول اور اس کی وحی پر یقین رکھتے ہوئے فرائض اسلام کی تعمیل و تکمیل پر آمادہ و مستعد ہیں اسی کے ساتھ ان لوگوں کی یہ صفت بیان فرمائی گئی۔

وبالآخرۃ ہم یوقنون (سورۂ بقرہ) اور آخرت پر وہی لوگ یقین و ایمان رکھتے ہیں

اس سے واضح ہو گیا کہ ایمان باللہ والرسول، ایمان بالآخرت سے منفک اور جدا نہیں بلکہ ایمان باللہ والرسول کا دارومدار ایمان بالآخرت ہی پر ہے "آخرت اور یوم آخرت"، قرآن کریم نے متعدد مواقع پر دونوں ہی عنوان اختیار کئے ہیں، عالم آخرت کا آغاز، دنیا اور دنیا کا آخری دن ہے، اسی وجہ سے یوم آخرت کہا جاتا ہے، حق تعالیٰ نے انسانی زندگی دو عالموں سے متعلق فرمائی ہے، ایک زندگی ولادت کے بعد سے اور دوسری زندگی موت کے بعد مبعوث اور دوبارہ اٹھنے کے بعد سے جنت وجہنم کی لازوال حالتوں تک۔ پہلی زندگی کو دنیا کہا گیا اور دُنیا لغت کے لحاظ سے قریب تر چیز کو کہا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ زندگی انسان کو پہلے حاصل ہوتی ہے اس لئے اس کا نام دنیا ہوا، اور مرنے کے بعد مبعوث ہونے پر جو زندگی ہے وہ بعد میں ہے تو اس کو عقبیٰ و آخرت فرمایا گیا، اسی اعتبار سے دنیوی زندگی کو النشأۃ الاولیٰ (یعنی پہلی پیدائش) اور اُخروی زندگی کو النشأۃ الاُخریٰ (یعنی دوسری اور آخری پیدائش) فرمایا ہے اسی وجہ سے حیاتِ انسانی کے ان دونوں ادوار کو الاولیٰ اور الآخرۃ جیسے متقابل عنوان سے قرآن کریم تعبیر کرتا ہے۔ والآخرۃ خیر لک من الاولیٰ۔

مفسرین کی ایک جماعت اس آیت کی مراد یہی بیان کرتی ہے کہ آخرت کی زندگی تیری

نعمتیں دیں گی وہ زندگی اور اس کی راحتوں سے زائد بہتر ہے۔ بعض حضرات علماء نے آسمان وزمین کے پھٹ جانے اور چاند سورج اور ستاروں کے ٹوٹ جانے اور تمام دنیا کا نظام درہم برہم ہونے کو بھی آخرت قرار دیا ہے اس لحاظ سے کہ یہ ابتدائے یوم آخرت کا مبدا و آغاز ہے ورنہ اصل یوم آخرت تو وہ ہے جب دوبارہ نفخ صور کے بعد تمام انسان اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور اللہ رب العزت کے روبرو حاضر کر دیئے جائیں گے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَا ھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ

(سورۃ الزمر)

اور جس روز کہ صور پھونکا جائے گا تو بیہوش ہو کر گر پڑیں گے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں مگر جس کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ اس صور میں پھونکا جائے گا تو فوراً وہ سب کھڑے ہو جائیں گے درانحالیکہ وہ دیکھتے ہوں گے۔

تو دوبارہ نفخ صور پر جب مخلوق مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوگی اس وقت دنیا اور حیات دنیاوی کا کوئی حصہ باقی نہ رہے گا اور پھر اس دن کے بعد نہ کبھی رات آئے گی اور نہ رات کے ختم ہونے پر دوسرا دن آئے گا، دنیا تو اس جہان کی صفتِ حیات کا نام ہے جب حیات ہی باقی نہ رہے گی تو دنیا کا وجود کیونکر رہے گا؟ اہل حق کا اجماع ہے کہ انسان دنیا میں ایک ہی مرتبہ پیدا ہوتا ہے اور جب مر جاتا ہے تو پھر کبھی دوبارہ اس کو دنیا کی حیات حاصل نہیں ہوتی اور دنیا کی جب تمام ضروریات ختم ہو جائیں گی اور جو کچھ چیزیں دنیا میں ہیں وہ فنا ہو جائیں گی تو اس وقت حشر اموات ہوگا بس اسی کا نام آخرت ہے۔

یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ

(سورۂ ابراہیم)

وہ دن جب کہ یہ زمین ایک دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور اسی طرح آسمان کو بھی اور سب لوگ اللہ واحد قہار کے سامنے پیش ہوں گے اور نکل کھڑے ہوں گے۔

اس روز کو حق تعالیٰ شانہ کے دربار میں حاضری اور پیشی کا دن فرمایا گیا ہے کہ اس دن لوگ کھڑے ہوئے ہوں گے رب العالمین کے سامنے۔

قیام قیامت اور یوم آخرت کو قرآن نے "الساعۃ" کے عنوان سے بھی تعبیر کیا ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوالات کرتے ہیں کہ اس کے واقع ہونے کا وقت کب ہے آپ

لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً۔
(سورۃ الاعراف)

کہہ دیجئے اس کا علم تو صرف میرے پروردگار ہی کو ہے وہی ظاہر کرے گا اس کے وقت پر وہ بہت ہی بھاری ہے آسمانوں اور زمین میں وہ تمہارے سامنے نہیں آئے گی مگر اچانک

اس روز جب کہ اولین و آخرین میدان حشر میں حیران و پریشان کھڑے ہوں گے اور ہر ایک مبہوت و بدحواس اور کرب و بے چینی میں مبتلا ہوگا کہ اچانک رب العالمین اور احکم الحاکمین نہایت ہی عظمت و جلال کے ساتھ بندوں کے فیصلہ کے لئے نزول اجلال فرمائیں گے ہر طرف فرشتوں کا پہرہ ہوگا، اسی منظر کو ان کلمات نے بیان کیا۔

وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا
(والفجر)

اور (اے مخاطب) تیرا رب (فیصلے کیلئے) آئے گا اور فرشتے جوق در جوق قطار در قطار کھڑے ہوں گے۔

جبریل امینؑ اور تمام ملائکہ مقربین اور عالم سمٰوات و ارضین کے فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور خداوند عالم کی عظمت و جلال اور ہیبت سے کسی کو بولنے کی مجال نہ ہوگی انبیاء و مرسلین بھی حیران و متفکر ہوں گے، سب سے پہلے حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے انبیاء و مرسلین کو خطاب فرمایا جائے گا۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ
(سورۃ مائدہ)

جس دن کہ اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر ان سے فرمائے گا (بتاؤ) تم کو کیا جواب دیا گیا (تمہاری امتوں کی طرف سے) عرض کریں گے اے پروردگار (ظاہر میں جو جواب دیا گیا وہ تو معلوم ہے لیکن) حقیقت کا ہمیں کوئی علم نہیں، بے شک چھپی ہوئی باتوں کا تو ہی خوب جاننے والا ہے

علماء متکلمین نے لکھا ہے کہ یوم حشر صرف اجساد و ابدان ہی کا حشر اور جمع نہیں ہے بلکہ اس روز تمام مخلوق کے ابدان و اجساد کے جمع کرنے کے ساتھ انسانوں کے تمام اعمال و افعال اور احوال بھی جمع کر دیئے جائیں گے اور اعمال صالحہ اور سیئہ ہر ایک کے اس کے سامنے موجود ہوں گے انسان ان کا مشاہدہ کرتا ہوگا، اور جب انسان یہ دیکھے گا کہ اس کی ایک ایک بات اور ہر حرکت

سامنے آرہا ہوتو یاس انگیز جذبات حسرت اور ملال کے ساتھ کہے گا۔

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً
وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا وَوَجَدُوْا
مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا
(سورۂ کہف)

کیا ہوا اس کتاب (نامۂ اعمال) کو کہ اس نے کوئی بھی عمل خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ایسا نہیں چھوڑا اگر اس کو کتاب نے لکھ نہ لیا ہو، اور سب لوگ اپنے ان تمام اعمال کو سامنے موجود پائیں گے جو انہوں نے کیے۔

ایمان بالآخرۃ اور حشر و نشر اور بعث جسمانی دین کے بنیادی اصول میں سے ہے جس طرح کوئی شخص خداوند عالم اور اس کے رسول پر ایمان لائے بغیر مومن نہیں ہو سکتا اسی طرح قیامت اور روز آخرت پر ایمان لائے بغیر بھی شریعت کے نزدیک مومن کہلانے کا کسی طرح مستحق نہیں۔

کفار مکہ اور مشرکین قریش خاص طور پر دو چیزوں کا بڑی شدت سے انکار کرتے تھے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دوسرے قیامت کا، وہ ہرگز اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور قیامت قائم ہوگی، ہر چند دلائل و بینات کے مشاہدے کے بعد بھی یہی کہتے کہ:

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا
وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ
(سورۂ انعام)

اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ یہ ہماری دنیاوی زندگی ہے (اسی میں ہماری حیات و موت ہے) اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔

بلکہ کفار مکہ تو بعث بعد الموت کے بیان پر استہزاء اور تمسخر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے۔

هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ
يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا
مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ
لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ اَفْتَرٰى
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ
(سورۂ سبا)

کہ کیا ہم تمہیں ایک ایسے شخص کا پتہ نہ بتائیں جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ تم جب کہ ریزہ ریزہ کر دیئے جاؤ گے (مرنے کے بعد) تو پھر تم کو یقیناً ایک نئی پیدائش کے ساتھ اٹھایا جائے گا، کیا یہ بات اللہ پر جھوٹ بہتان نہیں ہے یا کہ اس شخص کو کچھ سودا (جنون) ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے اس مسئلہ کو نہایت وضاحت کے ساتھ بار بار [illegible]

فرمایا!

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ (سورۃ الجاثیہ)

آپ کہہ دیجئے کہ خدا ہی تم کو حیات و زندگی عطا کرتا ہے پھر وہی تم کو مارتا ہے اور پھر وہی تم سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں۔

مسئلہ بعث بعد الموت میں تردد کرنے والوں کو قرآن کریم نے ایک نہایت سادہ معقول اور فطری انداز میں سمجھایا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (سورۃ الاحقاف)

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوا تو کیا وہ اس پر قادر نہ ہوگا کہ مردوں کو زندہ کردے بیشک وہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

یعنی جب ایک چیز کو اللہ تعالیٰ عدم سے وجود اور ظہور میں لانے پر قادر ہے اور کائنات کو عدم محض سے پیکر وجود اسی نے عطا کیا تو اس کے اعادہ اور اس کو دوبارہ پیدا کرنے میں تردد کرنا خلاف عقل ہے حالانکہ کسی چیز کی ایجاد سے اس کا اعادہ آسان اور سہل ہوتا ہے تو ایسے لوگ عقل و شعور سے کس قدر بعید ہیں کہ خالق کائنات کیلئے مخلوق کو دوبارہ قیامت میں اٹھانے کا انکار کرتے ہیں۔ کفار کہ کا یہ سوال قرآن کریم نے نقل کر کے یہی استدلالی جواب ارشاد فرمایا۔

قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (سورۃ یٰس)

کافروں نے کہا کون ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جبکہ وہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں گی (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ وہی خدا ان کو دوبارہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

انسان کی اولی تخلیق اور اعادہ تخلیق کے نمونے ذکر کرتے ہوئے اوہام و شکوک کی ظلمتوں سے نکالنے کیلئے اس مسئلہ کو ایسے دل نشین انداز میں دلائل کے ساتھ بیان فرمایا کہ اس کو سن کر کوئی بھی صحیح العقل انسان ادنیٰ تردد اور شبہ کی گنجائش نہیں پائے گا فرمایا!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ

اے لوگو! اگر تم مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے بارے میں شک میں ہو تو ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ...

نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ
مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَ
نُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ
إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ
نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ
لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنكُم
مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن
يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ
لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن
بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَرَى
الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا
أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ
اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ
مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ذَٰلِكَ
بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ
يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا
رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ
مَن فِي الْقُبُورِ۔

(لنبین لکم) بے شک ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا (یعنی آدم علیہ السلام کو) پھر ہم نے ان کی نسل کو نطفہ سے پھر بستہ خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے (بوٹی) سے جو نقشہ بنی ہوئی ہے اور بعض نقشہ بنی ہوئی ہے تاکہ ہم (اپنی قدرت) کھول کر دکھلا دیں تم کو۔ اور پھر ٹھہرائے رکھتے ہیں ہم تم کو پیٹ میں جب تک بھی ہم چاہیں مدت معینہ تک پھر ہم نکالتے ہیں تم کو ایک بچہ ہونے کی صورت میں پھر یہ کہ تم پہنچ جاؤ اپنی جوانی کی قوت اور زور تک۔ اور تم میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جن کو قبض کر لیا جاتا ہے اور بعض وہ ہوتے ہیں جن کو ارذل عمر یعنی عمر کے آخری حصے تک لوٹایا جاتا ہے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ سمجھنے اور جاننے کے بعد بھی کسی چیز کو نہیں سمجھتا (قویٰ بیکار ہو جاتے ہیں) اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے ایسی حالت میں کہ وہ خراب اور خشک پڑی ہے، پھر ہم نے جب پانی برسایا اس پر تو وہ تر و تازہ ہو گئی اور ابھری اور اگانے لگی قسم قسم کی رونق کی چیزیں (پھل اور پھول) یہ سب کچھ اس واسطے ہے کہ بے شک اللہ ہی قادر مطلق اور ذات برحق ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور یقیناً وہی ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے اور قیامت بے شک آنے والی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں اور یقیناً وہ پروردگار دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا ان مردوں کو جو قبروں میں (مدفون) ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کو یہ دھوکہ لگ رہا ہے کہ انسان کے ریزہ ریزہ ہو چکنے کے بعد [illegible] زندگی کس طرح دی جائے گی تو انسان کو چاہیے کہ خود اپنی پیدائش [illegible] کے برسنے کے بعد طرح طرح کے سبزے اور شادابی [illegible]

للہ تعالیٰ مُردوں کو بھی دوبارہ حیات و زندگی عطا فرمائے گا، جب زمین میں ہر تخم اور بیج ڈالے جانے
ے بعد ریزہ ریزہ ہوکر زمین کے اجزاء میں اس طرح خلط ملط ہوچکے اور مٹی کر ذرۂ خاک بن کر بھی پھر
تخم ایک درخت کی صورت میں زمین پر نمودار ہو رہا ہے تو اسی طرح اگر انسان کی ہڈیاں اور اس کا گوشت
ت بھی تو اور زمین میں مل کر خاک ہو چکے ہوں یا ہواؤں میں اس کے ذرات اڑ رہے ہوں یا پانی میں بہہ
ہے ہوں تو ان سب اجزاء کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندگی دیدے تو کیا تعجب ہے، زمین پر اُگنے والا
درخت اور گھانس کا تنکہ بعث بعد الموت کا ایک کامل ترین نمونہ ہے۔

اس سائنسی دور میں اگر فضا میں منتشر شدہ آوازیں ضبط کی جاتی ہیں تو یہ بات مادہ پرست
نسان تسلیم کرنے میں کیوں تردد کرتا ہے کہ پروردگار عالم اپنی قدرت کاملہ سے انسانی اجسام
بدن کے پراگندہ اجزاء حتی کہ مٹی اور پانی میں تحلیل شدہ گوشت و پوست کو بھی جمع کر کے دوبارہ
ہوش فرماوے گا۔ ☆

دینی مکالمے " نیا ایڈیشن دو حصے

جن میں ۶۵ مکالمے مختلف موضوعات پر عصر حاضر
کے اذہان کو سامنے رکھ کر دینی مدارس کے طلبا اور عام
لوگوں کے نفع کے لئے لکھے گئے۔

— مصنف —
مولانا ذوالفقار احمد صاحب گوالیاری
مدرس دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر ضلع سورت گجرات

کتابت و طباعت معیاری ——— قیمت حصہ اول ۹/- حصہ دوم ۷/-
ملنے کا پتہ
MAKTABA-E-SAEEDIYA. P.O. TADKESHWAR 3941.
DIST. SURAT. GUJRAT.

غزوۂ تبوک کا ایک خطبۂ رسالت

محمد اسلام فاضل دیوبند

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم رجب ۹ھ میں تبوک کے لئے نکلے تھے اور رمضان میں واپس ہو ئے۔ بیس دن کے قریب آپ تبوک میں قیام فرما رہے، اٹھائیس دن آنے جانے میں صرف ہوئے۔

اس موقع پر آپ نے جو خطبے ارشاد فرمائے ان میں سے ایک نہایت اہم خطبہ جسے حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں نقل کیا ہے۔ ہر فقرے کو الگ الگ کرنے میں یہ مصلحت ہے کہ ہر جزء پر خوب غور و خوض کیا جا سکے، نیز علم نبوت کے ان جواہر پاروں کو یاد کرنے میں سہولت رہے۔

۱- فان اصدق الحدیث کتاب اللہ	صدق و راستی میں سب سے بڑھا ہوا کلام اللہ کی کتاب ہے۔
۲- واوثق العری کلمۃ التقویٰ	بھروسہ کی چیز کلمۂ تقویٰ ہے
۳- وخیر الملل ملۃ ابراھیم	تمام ملتوں سے بہتر ملت ابراہیم علیہ السلام کی ہے (ملت ابراہیم حنیفا)
۴- وخیر السنن سنۃ محمدؐ	تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے۔
۵- واشرف الحدیث ذکر اللہ۔	تمام باتوں پر اللہ تعالیٰ کے ذکر کو شرف و برتری حاصل ہے۔
۶- واحسن القصص ھذا القرآن۔	تمام بیانات سے پاکیزہ ترین اور خوب ترین بیان قرآن مجید ہے۔
۷- وخیر الامور عوازمھا۔	بہترین کام عزیمت کے کام ہیں۔
۸- وشر الامور محدثاتھا۔	بدترین امور محدثات و بدعات ہیں۔
۹- واحسن الھدی ھدی الانبیاء	بہترین ہدایت انبیاء کی ہدایت ہے۔

۱۰۔ واشرف الموت قتل الشهداء	بہترین موت راہِ حق کے شہیدوں کی موت ہے۔
۱۱۔ واعمی العمی الضلالة بعد الهدیٰ	سب سے بڑھ کر بے بصارتی اور کوری وہ گمراہی ہے جو انسان ہدایت پانے کے بعد اختیار کرے۔
۱۲۔ وخیر الاعمال ما نفع	بہترین اعمال وہ ہیں جن سے انسان کو دینی، اخلاقی اور روحانی نفع حاصل ہو۔
۱۳۔ وخیر الهدیٰ ما اتبع	بہترین ہدایت وہ ہے جس کی پیروی کی جا سکے۔
۱۴۔ وشر العمی عمی القلب	بدترین اندھاپن دل کا اندھاپن ہے۔
۱۵۔ ویدا العلیا خیر من ید السفلیٰ	بلند ہاتھ پست ہاتھ سے بہتر ہے۔
۱۶۔ وما قل وکفی خیر مما کثر والهیٰ	تھوڑا مال جو جائز ضرورتوں کے لئے کفایت کرے اس کثیر مال سے بہتر ہے جو انسان کو غفلت میں ڈالدے
۱۷۔ وشر المعذرة حین یحضر الموت	بدترین عذر خواہی اور توبہ وہ ہے جو جانکنی کے وقت کی جائے۔
۱۸۔ وشر الندامة یوم القیامة	بدترین ندامت وشرمساری وہ ہے جو قیامت کے دن ہوگی۔
۱۹۔ ومن الناس من لا یاتی الجمعة الا دبراً	بعض لوگ جمعہ کے لئے آتے ہیں مگر ان کے دل پیچھے لگے ہوتے ہیں۔
۲۰۔ ومن لا یذکر الا هجرا	بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کو کبھی کبھی یاد کرتے ہیں۔
۲۱۔ ومن اعظم الخطایا اللسان الکذب	گناہوں میں سے عظیم تر جھوٹی زبان ہے

۲۲۔ وخير الغنى غنى النفس	بہترین تونگری دل کی تونگری ہے[1]
۲۳۔ وخير الزاد التقوىٰ	انسان کے لیے بہترین توشہ تقویٰ ہے۔
۲۴۔ وراس الحكمة مخافة الله عزوجل	دانائیوں کا تاج خدائے عزوجل کا خوف ہے۔
۲۵۔ وخير ما وقر في القلوب اليقين	دل نشینی کے لئے بہترین چیز یقین ہے
۲۶۔ والارتياب من الكفر	شک وریب کفر کی ایک شاخ ہے۔
۲۷۔ والنياحة من عمل الجاهلية	مردے پر نوحہ کرنا یعنی بیان کرکے رونا جاہلیت کا کام ہے۔
۲۸۔ والغلول من جمر جهنم	خیانت دوزخ کی آگ ہے
۲۹۔ والسكر كيٌّ من النار	نشہ آگ کا داغ ہے
۳۰۔ والشعر من ابليس	شعر گوئی شیطانی کام ہے
۳۱۔ والخمر جماع الاثم	شراب گناہوں کا مجموعہ ہے
۳۲۔ وشر الماكل مال اليتيم	یتیم کا مال کھانا بدترین روزی ہے۔
۳۳۔ والسعيد من وعظ بغيره	سعادت مند وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرتا ہے۔
۳۴۔ والشقي من شقي في بطن امه	اصل بدبخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی بدبخت ہو۔
۳۵۔ وملاك العمل خواتمه	انسان کا سرمایہ عمل اس کا بہترین انجام ہے۔
۳۶۔ وشر الرويا رؤيا الكذب	بدترین خواب جھوٹا خواب ہے
۳۷۔ وكل ما هو آتٍ قريب	جو بات ہونے والی ہے اس کا وقت قریب ہے۔
۳۸۔ وسباب المومن فسوق وقتاله كفر	مومن کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے

---

[1] توانگری بہ دل است نہ بمال (سعدیؒ)

۳۹۔ واکل لحمہ من معصیۃ اللہ	مومن کا گوشت کھانا یعنی اس کی غیبت کرنا خدا کے گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔
۴۰۔ وحرمۃ مالہ کحرمۃ دمہ	مومن کا مال بھی اسی طرح اس کے لئے حرام ہے جس طرح خون حرام ہے۔
۴۱۔ ومن یتال علی اللہ یکذبہ	جو خدا سے استغنا کرتا ہے خدا اسے جھٹلاتا ہے۔
۴۲۔ ومن یغفر یغفر لہ	جو کسی کے عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے اس کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے گا۔
۴۳۔ ومن یعف یعف اللہ عنہ	جو دوسروں کے ساتھ عفو ودرگزر سے پیش آتا ہے خدا اس کے ساتھ عفو ودرگزر کا برتاؤ کرے گا۔
۴۴۔ ومن یکظم الغیظ یاجرہ اللہ	جو غصہ پی جائے گا، خدا اسے اجر سے نوازے گا۔
۴۵۔ ومن یصبر علی الرزیۃ یعوضہ اللہ	جو نقصان پر صبر کرتا ہے خدا اسے اچھا بدلہ دے گا۔
۴۶۔ ومن یتبع السمعۃ یسمع اللہ	جو چغلی پھیلاتا ہے خدا اس کی رسوائی عام کردیتا ہے۔
۴۷۔ ومن یصبر یضعف اللہ لہ	جو صبر کرتا ہے خدا اسے بڑھاتا ہے۔
۴۸۔ ومن یعص اللہ یعذبہ اللہ۔	جو خدا کی نافرمانی کرتا ہے خدا اسے عذاب دے گا۔

آخر میں تین مرتبہ کلمۂ استغفار فرمایا۔ (مؤلف)

بلادِ روس میں اسلام کی اشاعت

پروفیسر ٹی، ڈبلیو آرنلڈ

"پریچنگ آف اسلام" پروفیسر آرنلڈ کی شہرۂ آفاق کتاب ہے، اس میں موصوف نے مختلف ملکوں اور قبیلوں میں اسلام کی دعوت و اشاعت کی تاریخی سرگذشت بیان کی ہے اور بتلایا ہے کہ مسلمان مبلغین نے کس طرح اللہ کی اس نعمت کو عام کرنے اور انسانیت کو اس نعمت سے بہرہ ور کرنے میں کیا کیا قربانیاں دی ہیں یہ مضمون اسی کتاب کے ایک حصہ کا ترجمہ ہے، اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۸۹۶ء میں شائع ہوا تھا۔

(مدیر)

لتھوانیا کے مسلمان

اس موقع پر لتھوانیا کے تاتاریوں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے جن کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اس ملک میں پندرھویں صدی کی ابتداء سے آباد ہیں۔ یہ مسلمان مہاجر عیسائی آبادی کے درمیان رہتے ہیں، لیکن وہ اپنے قدیم مذہب پر قائم رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مذہب کو پھیلانے کی کبھی کوشش نہیں کی اور اس کے اسباب غالباً سیاسی ہیں۔ اُن کے ہاں لتھوانیا اور پولینڈ کی عورتوں سے شادی بیاہ کرنے کا عام دستور رہا ہے جن کی اولاد کی تربیت ہمیشہ اسلامی طریقے پر ہوتی تھی، لیکن اس کے برعکس کسی مسلمان لڑکی کو کسی عیسائی مرد کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت نہ تھی۔ پندرھویں صدی میں اس ملک کے عیسائی حاکم اپنے تاتاری لشکریوں کو عیسائی عورتوں سے شادی کرنے کے لئے حوصلہ افزائی کرتے تھے، اور ان کو زمینیں اور دوسرے حقوق عطا کرتے تھے۔

قرغیز قبائل میں اسلام کی اشاعت

اشاعت اسلام کی تاریخ میں سب سے عجیب و غریب واقعہ ایشیا کے قرغیز قبیلوں کا قبول اسلام ہے جن کو تاتاری ملاؤں نے مسلمان کیا تھا۔ یہ تاتار وہ تھے جنہوں نے روسی حکومت کے سفیروں کی حیثیت سے اشاعت دین

صدی میں ان کے ہاں اسلام کی تبلیغ کی تھی۔ قرغیز قوم کے لوگ ۱۷۳۱ء سے سلطنت روس کے محکوم ہونے شروع ہوئے اور ایک سو بیس سال تک ان کے ساتھ تمام سرکاری خط و کتابت اس خیال سے تاتاری زبان میں ہوتی رہی کہ وہ دریائے والگا کے تاتاریوں کے ہم نسل اور ہم قوم ہیں ان کے بارے میں روسی حکومت کو دوسری غلط فہمی یہ ہوئی کہ اس نے قرغیز کو مسلمان سمجھا۔ حالانکہ اٹھارھویں صدی میں قرغیز کے تقریباً تمام لوگ شامانی مذہب رکھتے تھے۔ اور ان کے بہت سے افراد انیسویں صدی کے وسط تک اسی مذہب پر قائم رہے۔ جس وقت ان کا ملک روسی سلطنت میں شامل ہوا تو ان کے چند خوانین اور سرداروں کے علاوہ کسی کو دینِ اسلام کا علم نہ تھا۔ ان کو اسلام کا جو کچھ علم تھا وہ بھی غیر واضح اور مبہم سا تھا۔ قرغیز قوم کے تمام علاقے میں نہ تو کوئی مسجد تھی اور نہ ہی اسلام کا کوئی معلم تھا۔ ان میں اسلام کی اشاعت کا سبب یہ ہوا کہ روسی حکومت نے ان کو مسلمان سمجھ کر ان سے مسلمان رعایا کا سا سلوک کیا۔ مسجدوں کی تعمیر کے لئے ان کو بڑی بڑی رقمیں دیں اور ان کے ہاں مدارس جاری کرنے اور بچوں کو دینی تعلیم دینے کے لئے ملّا اور معلم روانہ کئے، قرغیز طالب علموں کو گذر اوقات کے لئے روزینہ ملتا تھا۔ اور ان کے والدین کو تحائف اور دوسرے ذرائع سے اس بات کی ترغیب دی جاتی تھی کہ وہ اپنے بچوں کو مدرسوں میں بھیجیں۔ قرغیز کے علاقوں میں اسلام کی اشاعت روسی حکومت کی جانب سے ہوئی۔ اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ قرغیز کے جو قبیلے یورپ سے متصل آباد تھے، وہی سب سے پہلے مسلمان ہوئے، ان کا قدیم شامانی مذہب انیسویں صدی تک ان قبیلوں میں باقی رہا جو، خیوا، بخارا، اور خوقند کے قرب و جوار میں خانہ بدوشوں کی زندگی بسر کر رہے تھے، حالانکہ یہ شہر صدیوں سے مسلمان چلے آرہے تھے۔

غالباً یہ واحد نظیر اس بات کی ہے کہ ایک عیسائی حکومت نے نادانستہ طور پر اسلام کی اشاعت میں مدد دی ہو۔ یہ بات اس لحاظ سے اور بھی لائقِ توجہ اور قابلِ غور ہے کہ عین اسی زمانے میں روسی حکومت یورپ میں اپنی مسلمان رعایا کو جبراً عیسائی کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی یہ کوشش اس وقت سے جاری تھی جب سے روسیوں نے سولہویں صدی میں قازان کی اسلامی ریاست کو فتح کیا تھا۔

بہت سے قرغیز قبیلے جو ان میدانوں میں آباد تھے جو [illegible] سے [illegible] طرف ترکستان تک پھیلے ہوئے تھے۔ انیسویں صدی کی ابتدا تک بت پرست تھے [illegible]

حکومت سے درخواست کی گئی کہ عیسائیت کی اشاعت کے لئے ان کے ہاں ایک تبلیغی مرکز قائم کرنے کی اجازت دی جائے، لیکن روسی حکومت نے اس درخواست کو یہ کہہ کر نامنظور کر دیا کہ وہ یہ لوگ ابھی تک اس قدر وحشی اور جنگلی ہیں کہ وہ انجیل کی تعلیم کو قبول کرنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ لیکن اس کے بعد جلد ہی دوسرے مذہب کے مبلغ، جنہوں نے کسی حکومت کی رضامندی کا سہارا نہیں ڈھونڈا تھا اور جو زیادہ مذہبی جوش اور فہم و فراست کے مالک تھے، اس میدان میں آنکلے اور انہوں نے تمام قرغیز قبیلے کو دین اسلام میں داخل کر لیا۔"

سولہویں صدی میں جب روسی قازان کی اسلامی تاتاری ریاست کو فتح کر چکے تو انھوں نے عیسائیت کی اشاعت کے لئے سرکاری طور پر ایک مہم چلائی اور وہاں کے بعض بت پرستوں کو اصطباغ دیا۔ پولیس اور دیوانی محکموں کے افسروں نے پادریوں کے تبلیغی کام میں ان کو مدد دی، لیکن روسی پادری ان تاتاریوں کی زبان نہیں جانتے تھے، چنانچہ ان کی طرف سے جلد ہی غافل ہو گئے اور ان کے بارے میں یہ تسلیم کرنا پڑا کہ "یہ تاتاری لوگ عیسائی ہونے کے باوجود بے شرمی کے ساتھ اپنے قدیم مکروہ رسوم و رواج کے پابند ہیں اور ان کو عیسوی مذہب کا نہ تو علم ہے اور نہ ہی اس پر اعتقاد ہے" جب ذہنی تعلیم و تلقین کارگر نہ ہوئی تو حکومت نے اپنے افسروں کو حکم دیا کہ "جو لوگ اصطباغ پا کر عیسائی ہو چکے ہیں لیکن مطران کے احکام کو نہیں مانتے ان کو پہلے نرمی سے سمجھایا جائے، اور اگر نہ سمجھیں تو ان کو قید کر کے لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے۔ ان کو ڈرا دھمکا کر ان کے دلوں سے قدیم تاتاری مذہب کا خیال نکال دیا جائے۔"

انیسویں صدی میں روسی حکومت نے بت پرست قبیلوں کو اور ان تاتاریوں کو جو عیسوی مذہب سے منحرف اور مرتد ہو گئے تھے، عیسائی کرنے کی دوبارہ کوشش کی اور ان کو اصطباغ لینے کے لئے بہت سے لالچ دیئے۔ چنانچہ ملکہ کیتھورین دوم نے ۱۷۷۸ء میں حکم جاری کیا کہ جو لوگ تازہ عیسائی ہوئے ہیں وہ اس مضمون کا تحریری اقرار نامہ داخل کریں کہ "وہ اپنی بت پرستی کی ضلالت کو کامل طور پر ترک کر دیں گے اور کافروں سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھیں گے اور بغیر کسی تذبذب کے عیسوی مذہب اور اس کے عقائد کے سختی سے پابند رہیں گے" لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود اصطباغ پانے والے یہ عیسائی محض نام کے عیسائی تھے کیونکہ انہوں نے طبعی اعتقاد و کس کلیسا کی تبلیغی کوششوں سے چھٹکارا پانے کی کوشش شروع کر دی

اور اسلام کی خاطر عیسائیت کو ترک کر دیا۔ گویا ان کا برائے نام عیسائی ہونا ان کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا ایک ذریعہ ثابت ہوا۔

اگرچہ سرکاری دفاتر میں تاتاریوں کا نام عیسائیوں کی فہرست میں لکھا جاتا تھا لیکن وہ ہمت اور استقلال کے ساتھ ان تمام کوششوں کا مقابلہ کرتے رہے جو ان کو عیسائی بنانے کے لئے کی جاتی تھیں۔ ایک نیم سرکاری مضمون میں، جو ۱۸۷۲ء میں چھپا تھا، مضمون نگار نے لکھا تھا کہ "یہ امر قابل غور ہے کہ عیسوی دین کو ترک کرنے کے واقعات عین اسی زمانے میں پیش آئے جب عیسائیوں کو اپنے مذہب میں پختہ کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں، لہٰذا ان کوششوں کے پہلو بہ پہلو ضرور کوئی اور سبب موجود ہوگا جس کی وجہ سے ارتداد کے یہ واقعات رونما ہوئے حالانکہ توقع اس کے برعکس تھی" درحقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ تاتاری دل سے ہمیشہ مسلمان رہے تھے۔ اسلئے انہوں نے ان تمام طریقوں کا مقابلہ کیا جن سے ان کو حقیقی طور پر عیسائی بنانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ انیسویں صدی کے آخری حصے میں بت پرست اور مسلمان قبیلوں میں مدارس جاری کئے گئے اور ان کے ذریعے سے ان قبائل کو عیسائی بنانے کی کوشش کی گئی، کیونکہ روسیوں کو یہ امید تھی کہ اس طریقے سے تاتاریوں کی نئی نسل کو عیسائی بنایا جا سکتا ہے، کیونکہ اس کے سوا کسی اور ذریعے سے تاتاریوں میں عیسائیت کی ترویج ناممکن معلوم ہوتی تھی، چنانچہ ایک روسی پروفیسر نے لکھا ہے کہ "قازان کے لوگوں کو عیسائی کرنا بہت دشوار ہے۔ لیکن ہمیں دیہات کے چند لڑکے مل جاتے ہیں جن کو ہم خدا ترسی کی تعلیم دیتے ہیں۔ جب وہ ایک دفعہ ہمارے ساتھ ہو جاتے ہیں تو پھر کبھی عیسائی مذہب سے روگردانی نہیں کرتے۔"

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ روسیوں کے ضابطۂ فوجداری میں کئی دفعات ایسی تھیں جن کی رو سے عیسائی مذہب ترک کرنے والوں کو سخت سزائیں مل سکتی تھیں۔ جو شخص کسی عیسائی کو مسلمان کرنے کے جرم میں ماخوذ ہوتا تھا وہ تمام شہری حقوق سے محروم ہو جاتا تھا اور آٹھ سے دس برس کی قید بامشقت کی سزا پاتا تھا۔ لیکن روسی حکومت کے ان تمام احکام اور مزاحمین کے باوجود اسلام کی تبلیغ سے گاؤں کے گاؤں مسلمان ہو جاتے تھے۔ اسلام کی اشاعت ان قبائل میں خاص طور پر کامیاب رہی جو روس کے شمال مشرق میں آباد تھے۔

قاذان تبلیغ اسلام کا مرکز تھا

قاذان کا شہر اسلامی تبلیغ کا سب سے بڑا مرکز تھا اور ہر سال یہاں بہت سی اسلامی کتابیں چھپتی رہتی

کی یونیورسٹی سے بہت سے تاتاری دیہات میں وہاں کے بت پرستوں کو مسلمان کرنے کے لئے جا
کیا اور ان تاتاریوں کو، جو اصطباغ پا کر عیسائی ہو گئے ہیں، اسلام کی طرف واپس لاتے ہیں
عیسائی تاتاری بھی کثرت سے مسلمان ہو رہے ہیں، اس سے آرتھوڈکس کلیسا کے پادری
اٹھے ہیں۔ لیکن وہ ابھی تک ملاؤں کی کامیابی کو روکنے میں ناکام رہے ہیں۔ خصوصاً جب
سے (۱۹۰۵ء) روس میں مذہبی آزادی کا اعلان ہوا ہے، تاتاریوں کے گروہ کے گروہ
ہو چکے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ۱۹۰۶ء میں رتومواکے گاؤں کے اکانوے خاندانوں نے
اسلام قبول کیا۔ اور ۱۹۰۷ء اور ۱۹۱۰ء کے درمیانی عرصے میں ترپن ہزار (۵۳۰۰۰) آ
دمی اسلام میں داخل ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلامی تبلیغ کی کامیابی کا بیشتر سبب یہ تھا
اسلامی معاشرے کا اخلاقی درجہ بلند تر تھا۔ اور اس میں اتفاق یا اتحاد کا جذبہ بھی قوی تر
اس کے علاوہ عیسائی پادریوں نے روسی حکومت کی تائید سے عیسائی تاتاریوں کو راسخ العقیدہ
بنانے کے لئے جو طریقے اختیار کئے تھے، ان سے تاتاری عیسائیت سے متنفر ہو گئے ہیں۔ ا
برعکس اسلام کی تبلیغ بڑے جوش و خروش سے جاری ہے۔ ایک روسی مصنف بابرونکو
لکھتا ہے کہ ”ہر ایک سیدھا سادہ ان پڑھ مسلمان بھی اپنے دین کا مبلغ ہے، اور بت پرست
یا نیم بت پرست قبیلے جو نادار، بے علم اور جاہل ہیں، ان مبلغوں کی قوت ایمانی کا مقابلہ نہ
کر سکتے۔ عیسائیوں کے دیہات سے بہت سے لوگ سرما کے موسم میں درزی کا کام کرنے
کے لئے مسلمانوں کے قصبوں میں چلے جاتے ہیں اور وہاں جا کر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ وہ جب
اپنے دیہات کو واپس آتے ہیں تو اسلامی عقائد بھی اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ انھیں بڑے جوش
خروش سے اپنے گھروں میں پھیلاتے ہیں۔“

اس اسلامی تبلیغ سے ووتیاک قبائل سب سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ ان کے اکثر لوگ
اصطباغ پا کر عیسائی ہو چکے تھے۔ لیکن ان کے بہت سے افراد اٹھارویں اور انیسویں
میں مسلمان ہو گئے۔ اسلام کا اثر عیسائی اور بت پرست دونوں قسم کے قبیلوں میں روز بروز
بڑھ رہا ہے۔

ووتیاک کی طرح چرمس بھی۔ فن قوم کا ایک قبیلہ ہے۔ ان میں سے تقریباً ایک چوتھا
ئی ابھی تک بت پرست ہے۔ لیکن ان میں سے بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں، اور گمان
غالب ہے کہ باقی افراد بھی عنقریب یہی مذہب اختیار کریں گے۔

اسلام کی طرف چرمس قوم کا میلان انیسویں صدی میں ظاہر ہوا تھا اگرچہ ان کے اکثر لوگ بپتسمہ یافتہ عیسائی تھے۔ ان کے گاؤں کے گاؤں مسلمان ہو گئے۔ حالانکہ روسی حکومت کے قانون کے مطابق اس زمانے میں جو شخص اپنا مذہب تبدیل کرنا چاہتا تھا۔ وہ آرتھوڈوکس کلیسا کے سوا کسی دوسرے مذہب اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے باشقیر اور تاتاریوں کے میل ملاپ سے اسلام قبول کیا تھا۔ جن کے خاندانی اور معاشرتی رسم و رواج ان کے اپنے دستور کے مشابہ اور موافق تھے۔ ان کے ہاں اسلام کی اشاعت کا آغاز بعض اوقات مسلمانوں کے ساتھ شادی بیاہ سے ہوا۔ مثلاً کسی گاؤں میں ایک چرمس خاندان نے باشقیروں کے ہاں شادی کی اور پھر انہی کا مذہب اختیار کر لیا۔ جب ان کے ہمسایہ گاؤں کے عیسائی ان کو "ملعون ستے" کہہ کر ان سے بدسلوکی کرنے لگے تو وہ وہاں سے نقل مکانی کر کے چند میل کے فاصلے پر ایک نئی بستی بسا لیتے۔ اور بعض خوش حال باشقیر ان کو مالی امداد دیتے۔ لیکن چونکہ سرکاری رجسٹروں میں ان کا اندراج بت پرستوں کی فہرست میں ہوتا تھا، اس لئے ان کو مسجد بنانے کی اجازت نہ تھی۔ لہٰذا ان کے قریب دیہات کے چند باشقیر خاندان اس نئی بستی میں آکر آباد ہو جاتے تھے تاکہ مسجد کی تعمیر کے لئے سرکاری طور پر مسلمانوں کی جتنی تعداد مطلوب ہے وہ پوری ہو سکے۔ اسی قسم کا عمل کئی اور دوسرے دیہات میں بھی ہوا ہے جہاں مسلمان آکر آباد ہوئے ہیں اور چرمس کے ساتھ سلسلۂ ازدواج میں منسلک ہوئے ہیں۔ دیگر مقامات میں خاص تبلیغی تحریک کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً انیسویں صدی کی ابتدا میں کراکول کے گاؤں میں عیسائی چرمس آباد تھے۔ لیکن اسی صدی کے وسط کے بعد ایک چرمسی کی تبلیغ سے جو ملا بن چکا تھا، ان کے چند خاندان مسلمان ہو گئے۔ جب وہ ملا مر گیا تو اس کی جگہ ایک باشقیر نے لے لی۔ جو چرمس مسلمان ہوئے تھے وہ بعد ازاں تاتاری اور باشقیر دیہات میں منتقل ہو گئے اور ان کی جگہ تاتاریوں نے لے لی۔ یہاں تک کہ تمام گاؤں عملی طور پر تاتاری بن گیا۔ نئی نسل کے اکثر لوگ چرمس زبان بھول گئے اور صرف تاتاریوں کے ہاں شادی بیاہ کرنے لگے۔ ان تبلیغی کوششوں کے علاوہ چرمس قوم پر تاتاری زبان اور تاتاری اوضاع و اطوار کا اثر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں تاتاری شرفا عام ہو گئی جو اپنے ساتھ اسلام کے مذہبی اور اخلاقی خیالات کو بھی لے کر آئی ہے۔ تاتاری لباس کا استعمال ایک اعلیٰ تہذیب کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی چرمس تاتاری لباس پہنے تو اس بات کا اندیشہ ہو سکتا ہے کہ اس [illegible] [illegible] ان کے اپنے ہم قوم [illegible] سمجھتے ہیں گے۔ ان تمام [illegible] [illegible]

پتہ چلتا ہے کہ چرمس بالائی کے تاتاریوں کا مذہب یعنی اسلام ہی اختیار کر لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد چرمس لوگ اپنے نئے دین کی اشاعت میں بڑی سرگرمی کا ثبوت دیتے ہیں اور اس بارے میں خوش حال تاتاری ان کو امداد دیتے ہیں۔ اس کے برعکس روسی لوگ چرمس کو ایک نیچ ذات سمجھ کر حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور ان پر بڑے ناحق ظلم و استبداد کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان لوگوں کو بھی جو عیسائی ہو چکے ہیں۔ چرمس قوم کے کثیر ایک چوتھائی لوگ ابھی تک بت پرست ہیں۔ لیکن ان کے ہاں اسلامی اثرات اتنے زبردست ہیں کہ ان کے اکثر لوگ غالباً عنقریب مسلمان ہو جائیں گے۔

چواش قوم میں اسلام کی اشاعت

چواش قوم کے لوگ، جن کی تعداد دس لاکھ کے قریب ہے، تقریباً تمام اصطباغ لے چکے ہیں لیکن ان میں سے تقریباً بیس ہزار ابھی تک بت پرست ہیں۔ مگر یہ لوگ بتدریج مسلمان ہو رہے ہیں۔ جو چواش عیسائی ہیں ان میں سے بھی بعض افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جو باقی ہیں وہ بھی اسلام کے اثر میں آ رہے ہیں۔ چواش قوم کے مسلمانوں کی مذہبی سرگرمی کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے، کہ ایک عیسائی گاؤں کے پادری نے ایک گرجا کی مرمت کے لئے کئی سال کے عرصے میں بمشکل تین سو روبل جمع کئے، لیکن اس کے برعکس جب چواش کے اکثر افراد مسلمان ہوئے تو انہوں نے ایک مسجد کی تعمیر کے لئے چند مہینوں میں دو ہزار روبل اکٹھے کر لئے، اس قسم کا مذہبی جوش اس اسلامی تبلیغ کا خاصہ ہے جو اس وقت کے قدیم مقامی قبائل میں جاری ہے۔ ہر خاندان کو جو اسلام قبول کرتا ہے، نقدی یا جنس کی صورت میں امداد ملتی ہے۔ کسی کے لئے گھر تعمیر کر دیا جاتا ہے اور کسی کے لئے کھیت اور مویشی خرید دیئے جاتے ہیں۔ تو ان کے لئے ایک مسجد تعمیر کر دی جاتی ہے۔ اور ان کے بچوں کے لئے ایک مدرسہ جاری کر دیا جاتا ہے۔

سائبیریا کے تاتاری مسلمان

سائبیریا کے تاتاریوں میں اسلام کیسے پھیلا؟ اس کے متعلق ہمارے علم میں صرف چند ایک اشارات آئے ہیں۔ سولہویں صدی سے پہلے اس ملک میں اسلام کے قدم نہ جم سکے تھے۔ لیکن اس سے پہلے بھی اسلام کے مبلغ اس ملک میں وقتاً فوقتاً اس امید پر آتے رہے تھے کہ وہاں کے بت پرستوں کو مسلمان کریں گے۔ لیکن ان میں سے اکثر کو سوائے مرتبۂ شہادت کے

کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ جب کوچم خان کے عہد میں سائبیریا کے ملک میں اسلامی حکومت قائم ہوئی تو ان مبلغین اسلام کی سات قبریں ایک بوڑھے شیخ نے دریافت کیں جو بخارا سے ان کی تلاش میں آیا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ ان شہیدانِ اسلام کی کوئی یادگار سائبیریا میں قائم کی جائے۔ اس شیخ نے ان ساتوں شہیدوں کے نام بھی بتائے۔ گذشتہ صدی تک سائبیریا کے تاتاری ان کو احترام کے ساتھ یاد کرتے رہے ہیں۔ جب ۱۵۷۰ء کے قریب کوچم خان، جو چنگیز خان کے بیٹے جوچی کی اولاد سے تھا، سائبیریا کو فتح کر کے وہاں کا فرماں روا بنا، یا بروایت دیگر وہاں کے بادشاہ کے لاولد مرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کی درخواست پر وہاں کا حاکم ہوا۔ تو اس نے اپنی رعایا کو مسلمان کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، اور بخارا سے مبلغ منگوائے تاکہ اس کارِ خیر میں اس کی مدد کریں۔ ان میں ایک مبلغ نے، جو بخارا سے آیا تھا، اپنا حال یوں لکھا ہے کہ وہ ایک ساتھی کے ہمراہ کوچم خان کے دار الحکومت میں پہنچا جو دریائے ارتش کے کنارے پر واقع تھا۔ دو سال کے بعد اس کا رفیق یہاں انتقال کر گیا اور بعض وجوہات سے، جو اس نے بیان نہیں کیں، وہ اپنے وطن کو واپس چلا گیا۔ لیکن کوچم خان نے جب بخارا سے دوبارہ مدد طلب کی تو یہی شخص پھر سائبیریا آیا اور اپنے ساتھ ایک معاون لایا۔ قازان سے بھی مبلغ آئے۔ لیکن اسلام کی اشاعت میں ابھی کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی کہ روسی فتوحات کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے کوچم خان کی تبلیغی کوششوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہوئی کہ بہت سے قبیلوں نے جو کوچم خان کے محکوم تھے، قبولِ اسلام کی سخت مخالفت کی تھی۔

اگرچہ روسی فتوحات نے اسلام کی ترقی میں خلل ڈالا تھا لیکن یہ ترقی بہرحال قطعی طور پر رک نہ سکی۔ کیونکہ بخارا اور ترکستان کے دوسرے شہروں کے علماءِ دین اور قازان کے مسلمان تاجر سائبیریا میں مسلسل طور پر اسلام کی تبلیغ کرتے رہے تھے۔ برابا قبیلے کے تاتاریوں میں، جو دریائے ارتش اور اوب کے درمیان آباد تھے، اسلام کا قدم پہلی مرتبہ ۱۷۴۵ء میں پہنچا۔ اگرچہ انیسویں صدی کی ابتدا تک ان کے اکثر لوگ بت پرست رہے مگر اب تمام مسلمان ہو چکے ہیں۔

قرغیز کے قبولِ اسلام کا اس سے قبل ذکر ہو چکا ہے گو سائبیریا کے دوسرے مسلمان قبیلوں کی تاریخ تاریکی میں ہے۔ بہرحال یہ قومیں غالباً حال ہی میں مسلمان ہوئی ہیں۔ ۱۸۶۴ء کی [illegible] وسائل سے تاتاریوں میں اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے [illegible] میں یہ [illegible] بڑے [illegible] اسلام [illegible] ہیں۔

کوائف دار العلوم

(از ادارہ)

پچھلے شمارے میں غلہ اسکیم کے اجلاس کی رپورٹ شائع کی جاچکی ہے، اس اجلاس کے بعد دفتر تنظیم و ترقی کی کارکردگی کو تیز کیا گیا، تمام سفراء کرام کو قرب و جوار کے اضلاع میں روانہ کیا گیا، ان حضرات نے بڑی محنت اور جانفشانی سے کام کیا، قرب و جوار کے بہی خواہان دار العلوم کی فرمائش اور اصرار پر حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دار العلوم اور حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری نے دورہ فرمایا جس میں عام مسلمانوں نے تعاون کا یقین دلایا اور پہلے سے زیادہ امداد فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ امسال غلہ کی وصولیابی، دار العلوم کی بڑھتی ہوئی ضرورت کے مطابق ہوجائے گی۔

سفراء کرام اور حضرت مہتمم صاحب جس طرح قرب و جوار میں دار العلوم کے لئے شب و روز کام میں مصروف تھے اس سے کہیں زیادہ اندرون دار العلوم میں طلباء و اساتذہ درس و تدریس میں منہمک تھے، اور غلہ اسکیم کے اجلاس کے بعد دن رات محنت کرکے پچھلے سال میں ہونے والے نقصانات کی تلافی کی کوشش جاری تھی، سالانہ امتحان سے پہلے نصاب تعلیم کو پورا کرنے کی جدوجہد کی جارہی تھی۔ چنانچہ اللہ کے فضل و کرم سے یہ کوششیں بارآور ہوئیں اور یہ سال ہنگامی حالات سے بہت زیادہ متأثر ہونے کے باوجود نصاب تعلیم کے پورے ہونے کی حیثیت سے نہایت کامیاب رہا، کیونکہ گذشتہ تین چار سال سے نصاب تعلیم پورا نہیں کیا جارہا تھا، اور اس سال بھی یہ اندیشہ تھا کہ شاید نصاب پورا نہ ہو مجلس تعلیمی کے متعدد ارکان کی رائے تھی کہ نصاب تعلیم پورا نہ ہونے کی صورت میں رمضان شریف میں بھی تعلیم جاری رکھی جائے گی اور سال گذشتہ کی طرح اس سال بھی اس ماہ مبارک میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا جائے گا مگر اساتذہ کرام اور طلباء عزیز کی انتھک محنت نے اس کی نوبت نہیں آنے دی اور الحمدللہ نصاب تعلیم مقررہ وقت سے کافی پہلے ہوگیا۔

نصاب تعلیم پورا ہونے کے بعد ۲۵ رجب [illegible] سے تحریری امتحانات شروع ہوئے،

ان امتحانات میں عربی کے ابتدائی درجات کے ساتھ، درجۂ فارسی، حفظ، دینیات اُردو، شامل رہے، پھر ۲۹ رجب سے تحریری امتحانات شروع ہوئے جو ۱۹ شعبان المعظم تک جاری رہے، امتحان کے دوران طلبا نے عزیز کی محنت قابلِ رشک تھا، شب و روز مطالعہ و تکرار کی بہما ہمی رہی، امتحان شروع ہونے سے پہلے تو درہ سے ملحق درسگاہیں اور تحتانی دارالحدیث مطالعہ و تکرار کے لئے رات بھر کھلا رہتا تھا، ان تمام درس گاہوں میں، مسجدوں میں اور کمروں میں علم کی شمع پر جان قربان کرنے والے پروانے ہمہ وقت مشغول رہتے تھے، کتب خانہ کا دارالمطالعہ بھی مدرسہ کے اوقات کے علاوہ چار گھنٹہ کھلا رہتا تھا، اس لئے مطالعہ کرنیوالوں کو اس سے بھی زیادہ مدد مل رہی تھی، دارالحدیث تحتانی میں امتحان کی نشستوں کے متعین کر دینے کے بعد دارالحدیث فوقانی اور اوپر کی تمام درسگاہیں مطالعہ و تکرار کے لئے کھولدی گئی تھیں، اور اس طرح امتحان کے یہ ایام علم پروری کے انتہائی حیرت انگیز فضا میں گذرے، اساتذۂ کرام نے بھی امتحان کے ان ایام میں انتہائی محنت کا مظاہرہ کیا، اوّل تو کچھ اسباق ہی جاری تھے، پھر یہ کہ قرب و جوار کے مدارس دارالعلوم کے اساتذہ کرام کو اپنے سالانہ امتحان کے موقع پر مدعو کرتے ہیں، اساتذہ کرام کو اس کے لئے اسفار کرنا پڑے، پھر امتحان گاہ کی نگرانی بھی انہی حضرات کے سپرد تھی، کچھ اساتذہ کرام باہر جاتے رہے اور کچھ حضرات امتحان گاہ کی نگرانی کا کام انجام دیتے رہے، بعض اساتذۂ کرام نے اپنی ذمہ داری سے دو گنا کام انجام دیا، یہ امتحانات حضرت مولانا وحید الزماں صاحب ناظم تعلیمات کے زیرِ انتظام انہی کی موجودگی میں شروع کئے گئے تھے، لیکن درمیان میں مولانا کی طبیعت خراب ہوگئی اور وہ علاج کا مام کی غرض سے دہلی چلے گئے، مگر امتحانات کا نظم بحیر و خوبی چلتا رہا۔

امتحان گاہ کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اور ۷ بجے سے ۱۱ بجے تک امتحان کے چار گھنٹوں کی نگرانی دو حضرات کے سپرد ہوتی تھی، اس طرح روزانہ بیس نگرانوں کی ضرورت تھی، حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدر المدرسین، حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب شیخ الحدیث اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب امتحان کے دوران برابر تشریف لاتے رہے اور سرپرستی فرماتے رہے اور اس طرح اس سال کی تعلیمی محنتوں کا ثمرہ تا غایت یہ امتحان ۱۹ شعبان کو ختم ہوگیا۔

امتحان کے فوراً بعد ۲۱، ۲۲، ۲۳ شعبان کو مجلس شوریٰ کا اجلاس تھا۔ ۲۰ شعبان کی شام ہی سے ممبران گرامی قدر کی آمد شروع ہوگئی تھی، تین روز کی اس نشست میں متعدد مسائل زیر غور آئے اور مجلس شوریٰ نے اس سلسلے میں تجاویز منظور کیں۔

شعبۂ تعلیم کو زیادہ منظم اور فعال بنانے کیلئے درجۂ وسطیٰ الف میں تین مدرسین کے تقرر کی منظوری دی، اسی طرح درجۂ وسطیٰ ب میں ایک، اور درجۂ ابتدائی میں ایک مدرس کے مزید تقرر کی مجلس تعلیمی کو اجازت دی گئی، مجلس شوریٰ کی مکمل تجاویز اگلے شمارے میں شریک اشاعت کی جائیں گی۔

امتحان سالانہ سے فراغت کے بعد عام طور پر طلبا نے عزیزوں اپنے اپنے وطن کے لئے روانہ ہوگئے، اور جن طلباء نے دارالعلوم میں قیام کا ارادہ کیا ان کو مطالعہ و تکرار کی سہولت دی گئی، اور متعدد اساتذہ کرام نے اقامت کرنے والے طلباء کی فرمائش پر اسباق شروع فرمائے، حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدر المدرسین ہدایہ آخرین کا سبق پڑھا رہے ہیں یہ سبق روزانہ ۹ بجے سے ۱۱ بجے تک ہوتا ہے۔ جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی جلالین شریف کا سبق پڑھا رہے ہیں، اور جناب مولانا عبدالرؤف صاحب افغانی سراجی اور شرح مأتہ عامل کا سبق پڑھا رہے ہیں۔

قیام کرنے والے تقریباً آٹھ سو طلباء کو دارالعلوم کی جانب سے وظیفۂ سحر و افطار ۶۰/ ماہوار کے حساب سے دیا جا رہا ہے اور سال گذشتہ کی طرح تو نہیں مگر دارالعلوم کے مختلف گوشوں میں قرآن کریم سنایا جا رہا ہے، اور الحمدللہ حالات ہر طرح پرسکون اور قابل اطمینان ہیں اور انشاءاللہ شوال میں جدید داخلے ہوں گے۔

فہرست کتب مکتبہ دارالعلوم دیوبند (شعبہ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند)

نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت
فتاوی دارالعلوم جلد ۱	[illegible]	[illegible]	۱۶/-	انتصار الاسلام	۹/-
" " " ۲	۱۵/-	تاریخ دارالعلوم جلد ۱	[illegible]	مصابیح التراویح	۲/۵۰
" " " ۳	۲۳/-	" " ۲	[illegible]	تفسیر معوذتین	۳/-
" " ۴	۲۸/-	" " انگریزی	۱۲۵/-	اسلامی عقائد اور سائنس	۲/-
" " ۵	۱۲/-	سوانح قاسمی جلد اول	۱۴/-	مودودی مذہب	۲/۵۰
" " ۶	۳۴	" " دوم	۳۸/-	مودودی دستور اور عقائد	۲/۵۰
" " ۷	۳۰/-	" " سوم	۱۲/-	نظریہ ودود قرآن پر ایک نظر	۳/۵۰
" " ۸	۲۵/-	ملفوظات جلد اول	۱۹/-	مکتوبات	۳/-
" " ۹	۲۸/-	" " دوم	۲۱/-	مکتوبات ثلاثہ	۷/-
" " ۱۰	۲۰/-	قبلہ نما	۲۸/-	دو ضروری مسئلے	-/۷۵
" " ۱۱	۱۰/-	دینی دعوت کے قرآنی اصول	۶/۵۰	جمعیۃ اسلامی کا دینی رخ حصہ ۱	۳/۵۰
الغنیۃ الحدیث	۱۱/-	ناقابل فراموش واقعات	۳۲/-	" " حصہ ۲	۲/۵۰
مشکوٰۃ الآثار	۱۱/-	المنار الانوار	۶/۵۰	" " حصہ ۳	۲/۵۰
الفقیہ	۴/۵۰	مثنوی فروغ	۷/۵۰	" " حصہ ۴	۲/۵۰
نفحۃ الادب	۶/-	براہین قاسمیہ	۹/-	اجتماع گنگوہ	-/۷۵
مقدمہ ابن الصلاح	۱۰/-	مدارج سلوک	۱۴/-	حد مقرر اول	۱/-
تفسیر مدارک التنزیل	۸/-	جائزہ تراجم قرآنی	۱۱/-	" " دوم	۶/-
الاشباہ والنظائر	۱۲/-	قرآن محکم	۴/-	الاعتقاد الصحیح	۱/-
عقیدۃ الطحاوی	۱۰/-	حجۃ الاسلام	۴/-	ایمان و عمل	۳/-
حسامی	۳۰/-	اسرائیل	۲/-	دارالعلوم دیوبند کا ایک فتویٰ	۲/۵۰
ملا حسن	۱۰/-	حکمت قاسمیہ	۲/۵۰	انسان کی حقیقت	
مقامات حریری	۳۲/-	قرآن اور پیشین گوئی	۳/۵۰	ماثورہ دعائیں	۱/-

اعلان برائے داخلہ جدید دار العلوم دیوبند

برائے ۱۴۰۳ھ

تمام امیدواروں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ معیار تعلیم کی استواری اور بلندی کے پیش نظر جدید داخلوں کا طریقہ حسب ذیل ہوگا۔

۱۔ سال پنجم، ششم، ہفتم اور دورۂ حدیث کے لئے داخلہ کے امتحانات تحریری ہوں گے۔

۲۔ ناکام ہونے والے طلبہ کو داخل نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ امداد صرف گنجائش کے مطابق دی جا سکے گی۔

۴۔ سال سوئم، اور چہارم میں چونکہ گنجائش نہیں ہے اس لئے اس سال جدید داخلہ موقوف رہیگا۔

۵۔ آنیوالے جدید طلبہ کو پہلے فارم داخلہ نہیں دیا جائیگا بلکہ ان سے "درخواست برائے شرکت امتحان داخلہ" پُر کرائی جائے گی، کامیاب ہونے کی صورت میں فارم داخلہ دیا جائے گا۔

۶۔ سال پنجم کے لئے چہارم کی کتابوں کا تحریری امتحان ۱۲، ۱۳ شوال کو ہوگا۔

۷۔ سال ششم کے لئے پنجم کی کتابوں کا تحریری امتحان ۱۴، ۱۵ شوال کو ہوگا۔

۸۔ سال ہفتم کے لئے ششم کی کتابوں کا تحریری امتحان ۱۵، ۱۶ شوال کو ہوگا۔

۹۔ دورۂ حدیث کے لئے ہفتم کی کتابوں کا تحریری امتحان ۱۶، ۱۷ شوال کو ہوگا۔

۱۰۔ درجہ حفظ، درجہ فارسی اور درجہ اردو دینیات میں بیرونی طلبہ کا داخلہ موقوف رہے گا۔

۱۱۔ سرحدی اضلاع کے طلبہ کا داخلہ تصدیق نامہ وطنیت کے بغیر نہیں ہوگا۔

قدیم طلبہ کے لئے

۱۔ ضمنی امتحانات ۵، ۶ شوال کے بعد تحریری ہوں گے۔ ۲۔ تکمیلات میں صرف ۱۴۰۳ھ کے ان فضلاء کو داخل کیا جائیگا جنکا اوسط ۳ یا اس سے زائد ہو۔ ۳۔ شرائط تکمیلات کا امتحان تحریری ہوگا۔ ۴۔ ایک تکمیل کے بعد دوسری تکمیل میں داخلہ کے لئے ضروری ہوگا کہ امیدوار نے دورۂ حدیث اور تکمیل میں کم از کم ۲۴ اوسط حاصل کیا ہو اور پچھلے دو سالوں میں اسکا اوسط حاضری ۹۰ فیصد رہا ہو۔

(مولانا) مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا علمی و دینی ماہنامہ

A-R851
29.8.83

دارالعلوم

زیر سرپرستی

مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

مدیر مسئول

ریاست علی بجنوری

نگرانِ اعلیٰ حضرت الحاج مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا علمی، دینی

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

جلد نمبر ۶۷	جون ۱۹۸۳ء مطابق رمضان ۱۴۰۳ھ	شمارہ نمبر ۳

چندہ سالانہ

ہندوستان سے -/۲۵ روپے

سعودی عرب، کویت، ابوظہبی وغیرہ سے بذریعہ ایرمیل -/۹۰ روپے

مغربی مشرقی افریقہ، برطانیہ وغیرہ سے بذریعہ ایرمیل -/۱۰۵ روپے

امریکہ کناڈا وغیرہ سے ذریعہ ایرمیل -/۱۱۶ روپے

پاکستان سے ذریعہ ریل -/۴۵ روپے

فی پرچہ ۲/۵۰ روپے

مجلس ادارت

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی

مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی

مولانا ریاست علی صاحب (مدیر مسئول)

طابع وناشر

دارالعلوم معرفت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

مطبوعہ

محبوب پرنٹنگ پریس دیوبند

ضروری گذارش

⊗

ماہنامہ دارالعلوم کے خریداروں سے گذارش ہے کہ جن حضرات کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے انکو ہر شمارہ میں بذریعہ سرخ نشان بار بار اطلاع دی جا چکی ہے اور جون کے شمارہ میں بھی انکو اور جن کی مدت خریداری جون میں ختم ہو رہی ہے انکو بذریعہ سرخ نشان مطلع کیا جا رہا ہے مہربانی فرما کر سالانہ چندہ -/۲۵ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمادیں، وی پی کا انتظار نہ کریں، وی پی کا خرچ سات روپے ہے وی پی کی صورت میں -/۳۲ روپے ادا کرنے ہونگے جو بلا وجہ کا بوجھ ہے اور واپسی کی صورت میں ادارہ کا نقصان ہے امید ہے کہ قدرے زحمت فرما کر خود کو اور ادارہ کو نقصان سے بچائیں گے

(مدیر)

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
حرف آغاز	مدیر مسئول	۳
صیام رمضان	مولانا سمیع الحق صاحب (پاکستان)	۶
تفسیر بالرائے اور علامہ مودودی	مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند	۹
مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات	حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی	۳۸
مسائل حاضرہ	حضرت مفتی نظام الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند	۴۳
فہرست کتب		۴۷
ادبیات	جناب رشید انصاری صاحب	۴۸

حرفِ آغاز

مدیر مسئول

حامداً ومصلیاً! جب تک یہ شمارہ قارئین کرام کے ہاتھوں میں پہنچے گا اس وقت تک دارالعلوم میں جدید داخلوں کی کارروائی شروع ہو چکی ہوگی اور انشاء اللہ نیا سال دارالعلوم کی علمی ترقی کے لئے ایک مبارک سال ہوگا۔

سال گذشتہ بڑی حد تک ان چیزوں پر نظر تھی جو دارالعلوم کے معیار تعلیم کے لئے ضروری ہیں اور جدید داخلوں میں ان چیزوں کو ملحوظ بھی رکھا گیا تھا، لیکن چونکہ دارالعلوم کئی سال کے تعلیمی تعطل کے بعد فعال ہو رہا تھا اور ہنگامی حالات کا بھی لحاظ تھا اس لئے داخلہ میں کافی احتیاط کے باوجود تمام طلبہ کو بھی پہلے سے مقرر کردہ قاعدے کے مطابق تحتانی درجات میں لے لیا گیا۔ اور اس طرح جدید داخلوں کی تعداد ہر اعتبار سے گنجائش سے کہیں زیادہ ہو گئی، نہ دار الاقامہ میں اتنی گنجائش تھی، نہ کتب خانہ میں درسی کتابوں کی اتنی تعداد تھی اور نہ امداد کا سابقہ معین کردہ عدد اس کا متحمل تھا۔

مگر ان تمام چیزوں پر کسی نہ کسی طرح قابو پا لیا گیا، ایک لاکھ سے زائد کی کتابیں خریدی گئیں، متعدد کتابیں طبع کرائی گئیں، رواقِ خالد کی زیر تعمیر عمارت کو بعجلت ممکنہ مکمل کیا گیا، امداد کا عدد نو سو سے بڑھا کر پندرہ سو کیا گیا، اور اس سے بھی ضرورت پوری نہ ہوئی تو جزوی امداد کے طور پر تقریباً دو سو طلبہ کو ۳۰/- روپے ماہوار وظیفہ دیا گیا ہے۔ عربی کے ان طلبہ میں سے دورۂ حدیث میں شریک طلبہ کی تعداد چار سو اور تمام تکمیلات میں شریک طلبہ کی تعداد ایک سو سے کچھ زائد تھی۔ اور اب قدیم طلبہ میں سے جتنے طلبہ تعلیم مکمل کر کے چلے جائیں گے انہی کی بقیہ جگہوں پر تحتانی درجات میں داخلے لئے جائیں گے بلکہ سالِ سوم اور چہارم میں چونکہ طلبہ کی تعداد پہلے ہی سے بہت کافی ہے، پھر یہ کہ ان درجات کی تعلیم کا سینکڑوں مدارس میں معقول انتظام بھی ہے اس لئے ان درجات میں داخلہ موقوف رہے گا۔ اور بقیہ درجات میں جو داخلے ہوں گے ان میں دارالعلوم کے معیارِ مطلوب کو زیادہ سے زیادہ ملحوظ رکھتے ہوئے انتخاب کیا جائے گا۔

امسال جدید داخلوں کے لئے اساتذہ کرام کی ایک سات نفری کمیٹی بنا دی گئی ہے جس کے نگران صدر المدرسین حضرت مولانا معراج الحق صاحب، اور کنوینر حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری ہیں۔ اور طے کیا گیا ہے کہ آنے والے جدید طلبہ کو فوراً قدم داخلہ نہیں دیا جائے گا بلکہ ان سے امتحان داخلہ میں شرکت کے لئے ایک صفحات

لی جائے گی، اور مقررکردہ تاریخوں میں تحریری امتحان لیا جائے گا، کامیاب ہونے والے امیدواروں کو فارم داخلہ دے دیا جائے گا اور ناکام ہونے والے امیدواروں کو نہیں لیا جائے گا۔

مجلس تعلیمی نے امیدواران داخلہ کے تحریری امتحانات کی تاریخیں بھی مقرر کر دی ہیں اور یہ تاریخیں ایسی ہیں کہ ناکام ہونے والے دوسرے مدارس میں آسانی کے ساتھ داخلہ کی کوشش کر سکیں گے۔ اور انشاء اللہ العزیز دارالعلوم دیوبند مقررہ تعلیمی معیار کو پورا کرنے والے طلبائے عزیز کو اپنے دامن تعلیم و تربیت میں لے لے گا۔ اور جو طلبہ ناکام ہوں گے انہیں بھی زیادہ انتظار کی زحمت نہ ہوگی بلکہ وہ اپنے منشا کے مطابق دوسری درسگاہ تلاش کر لیں گے۔ پھر یہ کہ جدید طلبہ کا اتنی ہی تعداد میں داخلہ ہونا ہے جتنی قدیم طلبہ کی تعداد میں کمی ہو۔ اندازہ ہے کہ یہ تعداد چار اور پانچ سو کے درمیان ہوگی۔

جدید داخلہ کے لئے امتحانات کی آخری تاریخ ۱۷ر شوال ہے، اس طرح انشاء اللہ العزیز امور داخلہ سے بہت جلد فراغت ہو جائے گی اور اسباق کے اجراء میں کئی سال سے جو تاخیر ہوتی ہے وہ امسال نہ ہوگی اس طرح انشاء اللہ کتابوں کے تانصاب پہنچانے میں سہولت ہوگی جبکہ مجلس شوریٰ منعقدہ شعبان ۱۴۰۳ھ میں دوران سال لئے جانے والے دو امتحان ختم کر دئے گئے ہیں بلکہ اب درمیان سال میں صرف ایک امتحان ہوگا۔ البتہ اس کو ذرا باقاعدہ اور منظم کیا جائے گا۔

داخلہ اور امتحانات کے اس نظم کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ آئندہ سال تربیت اور دارالاقامہ کا انتظام بھی بہت زیادہ چست کیا جائے۔ اس کے لئے دارالاقامہ کو سال گذشتہ چھوٹے چھوٹے ۱۴ حلقوں میں تقسیم بھی کیا گیا تھا لیکن متعدد موانع پیش آئے اور اس سے خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔ اس سال انشاء اللہ یہ کام زیادہ اہمیت کے ساتھ انجام دیا جائے گا اور جن چودہ اساتذہ کرام کو تربیت اور نگرانی کا کام سپرد کیا گیا ہے وہ انشاء اللہ اس سال بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکیں گے۔

قدیم طلبہ کے معاملہ میں بھی معیار تعلیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہنگامی مراعات کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا گیا ہے، اس لئے کہ اگرچہ ۱۴۰۲ھ کی تعلیمی کیفیت بہت بہتر رہی، لیکن ہنگامی حالات کے سبب جو کوتاہی رہ گئی تھی اس کو سالانہ امتحان کے موقع پر ملحوظ رکھا گیا کہ سوالات کا معیار بہت زیادہ سخت نہ ہو۔ لیکن جن طلبہ نے ان متوسط سوالات کے جواب میں بھی کامیابی حاصل نہیں کی وہ کسی بھی مراعات کے مستحق نہیں ہیں۔ اور اسی لئے ضمنی اور مؤخر ہونے والے امتحانات بھی ۲۵ر شوال کے بعد تحریری لئے جائیں گے۔

اس لئے انشاء اللہ العزیز ماہ شوال سے شروع ہونے والا نیا تعلیمی سال دارالعلوم کے لئے

نہایت مبارک اور اہم سال ہوگا۔ اور اگر خدا کو منظور ہے تو آج سے پچاس کے پہلے کے دارالعلوم میں جو علمی، روحانی اور اخلاق بہاریں تھیں ان کی واپسی کے لئے اس سال کوشش شروع ہو جائے گی آہستہ آہستہ معیارِ تعلیم کو بلندی اور دارالعلوم کو توسیع کی طرف لے جا کر انشاء اللہ دارالعلوم کے مقصدِ تاسیس کو پورا کرنے کی جو سعی جاری ہے وہ بارآور ہوگی۔ علماء کرام نیز عام مسلمان دارالعلوم سے جو امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہیں وہ بفضل خداوندی سے پوری ہوں گی۔

اعلان

مناسب کاتب کے دستیاب نہ ہونے اور بعض دوسری الجھنوں کی بناء پر قارئین کی خدمت میں رسالہ وقت پر روانہ نہ کیا جا سکا جس کا ہمیں سخت صدمہ ہے۔ اب کوشش کی جا رہی ہے کہ رسالہ ہر ماہ کی پندرہ تاریخ تک دفتر سے پوسٹ کر دیا جائے ـــــ اس مرتبہ ماہِ جولائی اور اگست کا شمارہ ایک ساتھ نکلے گا جو انشاء اللہ ۱۵ اگست تک حضرات قارئین کی خدمت میں روانہ کر دیا جائے گا۔

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

۱:۔ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پا کر اول فرصت میں اپنا چندہ مع نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ فرمائیں۔

۲:۔ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ ۴۵/- روپے مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والا تحصیل شجاع آباد، ضلع ملتان (پاکستان) کو بھیج دیں اور ساتھ ہی لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کر لیں، ۱۰ مارچ ۷۳ء سے خریداری نمبر بدل دیا گیا ہے۔ خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں۔ خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

(مـ۵ـیو)

صیام رمضان

اخلاقی اور روحانی اصلاح کا قرآنی نسخہ

از :- حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدہم (پشاور)

رحمتِ خداوندی کا موسم بہار "شہر رمضان المبارک" ملت محمدیہ کے سروں پر سایہ فگن ہے۔ اس وقت ہم اس کے وداعی دور (عشرۂ اخیرہ) سے گذر رہے ہیں۔ جسے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہنم سے نجات "عتق من النار" کا مرحلہ قرار دیا۔ نامناسب نہ ہوگا اگر رمضان کے روح پرور اور سبق آموز پہلوؤں پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال دی جائے۔ رمضان کیا ہے ـــ؟ انوار و برکات الٰہی کے فیضان کا مہینہ تجلیات ربانی کا مظہر ـــ رحمت ہائے واسعہ کا ظہور اور نعمت ہائے متوالیہ کا ابر نیسان ـــ رمضان، رحیم و کریم کی رحمتوں کا وہ نقطۂ عروج ہے جو اپنے جلو میں بے چین و مضطرب انسانیت کے لئے قرآن کریم جیسا نسخۂ شفاء اور اکسیر ہدایت لایا۔ اور اس طرح ماہ رمضان ہی وہ مقدس زمانہ ٹھہرا جس میں رب العالمین نے اسلام جیسی بیش بہا نعمت سے اپنی نعمتوں اور نوامیس کی تکمیل فرمائی ـــ رمضان مومنین کے پژمردہ دلوں کے لئے حیاتِ نو کا پیغام اور عباد مقربین کے لئے جلاء و نکھار کا مہینہ ہے جس میں ذکر و فکر اور بندگی و طاعت کی محفلوں میں تازگی اور فسق و فجور کے ظلمت کدوں میں ویرانی آجاتی ہے ـــ ایمان و تقویٰ کی کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں، اور ظلم و معصیت کی بستیاں اجڑ جاتی ہیں ـــ ماہ صیام ابلیس کی بندش و رسوائی اور پراگندہ حال شکستہ خاطر مومنین کی سرفرازی اور سرخروئی کا مہینہ ہے۔ رمضان حدیثِ یار کے ورد و تکرار اور رات کی تنہائیوں میں محبوب و مطلوب سے مناجات اور سرگوشیوں کا عہد وصال ہے ـــ رمضان جس کے آخری شب میں رب کریم اپنی آغوشِ رحمت پوری کائنات پوری انسانیت ـــ اپنے رب سے ٹوٹی ہوئی انسانیت کے لئے وا کر دیتا ہے ـــ اور اپنے مالک حقیقی سے برگشتہ بندوں کو جود و بخشش کی صلائے عام ہوتی ہے ـــ الامن مستغفر فاغفر له من مسترزق فارزقه الامن مبتلی فاعافيه الاكذا الاكذا (الحدیث) ہے کوئی بخشش کا طلبگار کہ میں اسے بخش دوں۔ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس پر خزانہ غیب سے رزق کے دروازے کھول دوں۔ کوئی مصیبت زدہ ہے، جسے میں نعمت عافیت سے نواز دوں ـــ پھر اس کے افطار کا

ت — سبحان اللہ — وہ تو جمالِ محبوب کے دید و مشاہدہ اور اس کے قرب و تدلی کا وہ مقام
ِ بنا ہے کہ فراق و ہجر کے ستر ہزار حجاب بیچ سے ہٹ جاتے ہیں۔ گوناگوں مسرتوں اور لقاءِ رب کے
ت — للصائم فرحتان فرحة عند فطره وفرحة عند لقاء ربه (الحدیث)
، دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک وقت افطار کی خوشی اور ایک اپنے رب کی زیارت اور وصال کی
ِت۔ غرض رمضان کی ہر رات شبِ وصال اور ہر دن یومِ مشاہدۂ جمال ہے — ع

ہر شب شبِ قدر ست اگر قدر بدانی

پھر اس میں ایک رات (لیلۃ القدر) ایسی بھی آجاتی ہے جو عظمت و مرتبت کے لحاظ سے ہزار
ن کے برابر ہے جس میں یکبارگی قرآن نازل ہوا جو الروح الامین اور ملائکہ رحمت و سلام کے
ل کی رات ہے جس میں ساری کائنات ذو الجلال والکبریاء و معبود کی عظمتوں کے سامنے جھک کر
کی تسبیح و تحمید میں ڈوب جاتی ہے۔ مگر ایک عاشقِ زار کیفِ وصال اور لذتہائے جمال میں اس قدر
جاتا ہے کہ وہ اس ہزار ماہ والی رات کو ایک رات بلکہ ایک لمحہ سمجھنے لگتا ہے۔ کان لم یلبثوا
اعۃً من نہار — اور صبح صادق کے وقت پکار اٹھتا ہے کہ ؎

ن در چشم زدن صحبت یار آخر شد روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

ملعرفناک حق معرفتک وماعبدناک حق عبادتک لا احصی ثناءً علیک
ت کما اثنیت علی نفسک — کا نعرۂ عجز و قصور اس کی زبان پر ہوتا ہے —
نزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادراک ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شہر تنزل
لٰئکۃ والروح فیہا باذن ربہم من کل امر سلام ھی حتی مطلع الفجر۔

پھر ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ آتشِ قرب اور سوز دروں سے بے تاب ہو کر رضائے مولیٰ
بکار اپنا گھر بار خویش و اقارب سب کچھ چھوڑ کر اسی کے در پر ڈیرہ جما دیتا ہے اور جب تک
 دوصال کا ہلال عید چمک نہ جائے یہ بھی آستانۂ یار کی چوکھٹ نہیں چھوڑتا — سوز و ساز، امید
، درد و تڑپ، اضطرار و التجاء اور تقلیل طعام کے بعد قطع کلام و منام اور ترکِ تعلقات کے اس
ہم اعتکاف سے یاد کرتے ہیں — پھر وہ رمضان ہی کے ساعات کیمیا اثر ہیں جن کی تاثیر سے
ی حقیر سی نیکی، عمل قلیل اور بضاعہ مزجاۃ، اخلاص و احتساب کی آمیزش سے جبل احد جتنا مقام پا لیتی
۔ ہمارے نوافل فرض اور فرض ستر فرائض کے برابر ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ اجر و ثواب خود بارگاہِ
دی سے بلا واسطہ ملتا ہے۔ الا الصوم فانہ لی وانا اجزی بہ کہ اس کی یہ بھوک و پیاس

بے شمردگی، یہ ربودگی صرف اسی کے لئے تو ہے، اور اسی کے ہی علم میں ہے کسی غیر کی رضامندی، ر
اور شہرت کا اس میں شائبہ بھی نہیں۔ پھر اس شہر مسعود کے یہ برکات و انوار وقتی نہیں بلکہ ایک مسلما
کی ساری زندگی اس کی بدولت ایمان و احسان کے سانچہ میں ڈھل سکتی ہے بشرطیکہ رمضان کے فضائل
برکات اور ایمان آفریں نتائج نگاہوں کے سامنے رہیں اور صوم کی یہ عبادت ہر قسم کے منکرات و فواح
قول بیہودہ مجالس، غیبت اور گالی گلوچ، ریا وعجب، غرض تمام برے افعال کی آلائش سے پاک رہ
کہ جب حلال چیز سے پرہیز ہے تو حرام کی گنجائش کہاں ___؟ اور اگر یہ عمل ایمان و احسان سے خالی او
ذنوب و آثام سے محفوظ نہیں ___ تو یہ تو نری بھوک و پیاس ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی سروکار نہیں، رکھت
(بخاری) اور کتنے صائم النہار وقائم اللیل ہیں کہ جن کے پلے بجز پیاس اور محنت کی جگائی کے اور کچھ نہیں پڑ
(الدارمی) روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں بلکہ تمام بیہودہ اور بے حیائی کی باتوں سے دستبر
ہونے کا نام ہے (الحدیث) روزہ تو گناہوں اور جہنم کی آگ سے بچانے والی ایک ڈھال ہے، جب تک
روزہ دار اس کو جھوٹ اور غیبت سے چھید نہ ڈالے (نسائی وغیرہ) یہ مہینہ سراپا وعظ و نصیحت ہے اور اس
کا ہر پہلو صدہا نصیحتوں سے لبریز ہے۔ یہ مہینہ صبر کی تلقین کرتا ہے کہ اللہ کے حکم سے ہم نے لذائذ و شہوا
کو ترک کر دیا۔ اسی طرح مومن کی ساری زندگی منکرات و فواحش اور منہیات سے صبر و گریز کی آئینہ دار
ہو گی ___ یہ مہینہ ہمیں جہاد سکھلاتا ہے کہ نفس تو عدو اکبر اور اس کا مقابلہ جہاد اکبر ہے۔ اور جب
مسلمانوں نے روزہ سے نفس پر فتح پانے کا ملکہ حاصل کر لیا تو عدو اصغر کافر و مشرک کی شکست تو آسا
بات ہے ___ یہ مہینہ ہمیں بھوک و پیاس کا احساس دلا کر باہمی ہمدردی، ایثار و اتفاق اور غریب پرور
کا سبق دیتا ہے۔ اس لحاظ سے حضورؐ نے اسے شہر مواساۃ کہا یعنی غمخوارگی کا مہینہ ___

شهر اوله رحمة ______ واوسطه مغفرة ______ وآخره عتق من النار

والله يقول الحق وهو يهدي السبيل

(ج ۲ ش ۴ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ، جنوری ۱۹۶۷ء ___

از مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
استاذ دارالعلوم دیوبند

تفسیر بالرائے

اور علّامہ مودودی

اصل موضوع پر گفتگو سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بیان کر دی جائے کہ تفسیر بالرائے ہے کیا چیز! تاکہ جماعتِ اسلامی کے بانی علّامہ مودودی صاحب کی تفسیری کوششوں کی حیثیت متعین کرنے میں سہولت ہو اور یہ بات منقح ہو کر سامنے آجائے کہ وہ تفسیر بالرائے کے تحت آتی ہے یا نہیں۔

اس سلسلہ میں یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ تفسیر کہتے کسے ہیں اور اس فن میں خامہ فرسائی کے لئے کچھ اصول و شرائط بھی ہیں یا ہر کس و ناکس کو عام اجازت ہے کہ جس طرح جی میں آئے تفسیر کرنے بیٹھ جائے۔

تفسیر کی لغوی و اصطلاحی تحقیق

عربی زبان میں لفظ تفسیر کھول کر بیان کرنے اور کسی چیز کو واضح اور روشن کرنے کے معنی میں آتا ہے

امام سیوطیؒ اپنی مشہور تالیف "الاتقان فی علوم القرآن" میں لکھتے ہیں "تفسیر فسر سے ماخوذ ہے جس کے معنی بیان کرنے اور کھولنے کے ہیں۔ چنانچہ عرب اپنے محاورہ میں صبح کے روشن ہونے کو "اسفر الصبح سے تعبیر کرتے ہیں" قرآن کریم نے آیت پاک" وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ "میں اسی محاورہ کو استعمال کیا ہے۔ اور اس کی اصطلاحی تعریف امام زرکشی نے ان الفاظ میں کی ہے۔

التفسیر علم یفهم به کتاب الله المنزل علی نبیه محمد صلی الله علیه وسلم وبیان معانیه واستخراج احکامه و

علم تفسیر اس فن کو کہتے ہیں جس میں قرآن کریم کے معانی بیان کئے جائیں اور اس کے احکام و حکمتوں کو واضح کیا جائے، علم لغت نحو صرف

والنحو والتصريف وعلم البيان واصول الفقه والقراءات ويحتاج لمعرفة اسباب النزول والناسخ والمنسوخ

نیز اس فن کے لئے اسباب نزول اور ناسخ ومنسوخ کی معرفت بھی ضروری ہے (البرہان ج ۱ بحث التفسیر)

شرائطِ تفسیر

تفسیر کی شرطیں بیان کرتے ہوئے امام سیوطی لکھتے ہیں کہ تفسیر کے لئے پندرہ علوم ضروری ہیں۔ کسی شخص کو قرآن کریم کی تفسیر کا حق نہیں جب تک کہ وہ ان علوم وفنون کی تحصیل نہ کرلے۔ وہ پندرہ علوم یہ ہیں۔

لغت[1]، صرف[2]، اشتقاق[3]، نحو[4]، معانی[5]، بیان[6]، بدیع[7]، قرأت[8]، کلام[9]، اصول فقہ[10]، اسباب نزول[11] وتاریخ، ناسخ ومنسوخ[12]، فقہ[13]، حدیث[14] وعلم وہبی[15] (الاتقان ص ۱۸۱ ج ۲)

اس آخری علم سے مراد وہ ذوق لطیف اور نور بصیرت ہے جو انسان کو علم صحیح کی جانب رہنمائی کرے۔ یہ علم خاص کسی بندہ کو عمل صالح اور زہد وتقویٰ کی برکات سے بلا کسی کسب وطلب کے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے " یا ایہا الذین اٰمنوا ان تتقوا اللّٰہ یجعل لکم فرقاناً "، (اے ایمان والو اگر تم تقویٰ اختیار کروگے تو تمہیں فرقان عطا ہوگا یعنی ایسا نور بصیرت اور ذوقِ سلیم حاصل ہوگا جس کے ذریعہ تم حق وباطل کے درمیان تمیز کرلوگے) اسی علم لدنی اور عطائے ربانی کی جانب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے۔ " من عمل بما علم اورثہ اللّٰہ علم ما لم یعلم " جو شخص اپنے علم پر عمل کرے گا اُسے اللہ تعالیٰ بغیر کسی طلب کے ایسا علم عنایت فرمائیں گے جو پہلے سے اُسے حاصل نہیں تھا۔ مسند ہند شاہ عبدالعزیز دہلوی رح ایک مفسر قرآن کے لئے ان علوم کی معرفت ضروری قرار دیتے ہوئے اپنے فتویٰ میں رقمطراز ہیں۔

تفسیر قرآن وحدیث را اوّلاً علم صرف ونحو واشتقاق ولغت ومعانی، وبیان، علم فقہ واصول فقہ وعقائد یعنی علم کلام وعلم حدیث، وآثار، تواریخ ضروراست بدون معرفت ایں علوم درآمدن درمعانی قرآن و

قرآن اور حدیث کی تفسیر وتشریح کے لئے پہلے صرف، نحو، اشتقاق، لغت، معانی، بیان، فقہ اصول فقہ، عقائد، حدیث، آثار صحابہ اور تاریخ کی معرفت ضروری ہے، ان علوم کی تحصیل کے بغیر قرآن وحدیث کے معانی ومطا

حدیث ہرگز جائز نہ۔ میں دخل دینا جائز نہیں ہے۔

(فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۱۶۵ مطبوعہ دہلی ۱۳۱۱ھ)

علوم و فنون میں کامل دستگاہ کے ساتھ بدعات و خواہشات سے اجتناب اور اخلاقی و اعتقادی بے راہ روی سے پاک رہنا بھی اس راہ کے مسافر کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ امام زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اعلم انہ لا یحصل للناظر معانی الوحی ولا یظہر لہ اسرارہ وفی قلبہ بدعۃ او کبر او ہوی او حب الدنیا او ہو مصر علی ذنب او غیر متحقق بالایمان او ضعیف التحقق او یعتمد علی قول مفسر لیس عندہ علم او راجع الی معقولہ وھذہ کلھا حجب

(بحوالہ الاتقان ص ۱۸۲ ج ۲)

کسی ایسے شخص پر وحی الٰہی کے اسرار و معارف منکشف نہیں ہوتے اور نہ اُسے کلام ربانی کا فہم نصیب ہو سکتا ہے۔ جس کا دل بدعت تکبر، خواہش نفسانی، یا دنیا کی محبت سے ملوث ہے۔ یا وہ گناہوں کا عادی ہو یا ایمان واعتقاد میں ضعیف یا متشکک ہو، یا بے علم مفسر کے قول پر اعتماد کرتا ہو یا اپنی عقل پر بھروسہ کرتا ہو۔ یہ سارے امور فہم قرآن کریم اور وحی ربانی کے اسرار و حکم کے سمجھنے میں حجاب اکبر ہیں

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

انھیں شرائط و ضوابط کے پیش نظر علمائے محققین نے صحت تفسیر کے لئے بطور خلاصہ کے حسب ذیل اصول مقرر کئے ہیں۔ جو تفسیر ان اصول کے معیار پر پوری اترے گی۔ مقبول ہوگی۔ ورنہ رد کردی جائے گی۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کی تفسیر کے مخالف نہ ہو یا حدیث مرفوع و موقوف سے مستنبط تفسیر کے خلاف نہ ہو۔

(۲) قرآن کریم کے سیاق و سباق کے موافق ہو۔

(۳) قواعد عربیہ اور اہل زبان کے استعمال کے مطابق ہو۔

(۴) اصول شریعت، اور ضروریات دین سے ہم آہنگ ہو۔

لہٰذا کسی آیت کی ایسی تفسیر جو حدیثِ صحیح یا آثارِ صحابہ سے متعارض ہو۔ غیر معتبر ہوگی ۔ اسی طرح ہر وہ تفسیر جو قرآن کریم کے سیاق و سباق سے غیر مربوط ہو۔ صحیح نہ ہوگی ۔ وہ تفسیر بھی غلط سمجھی جائے گی جو قواعدِ عربیہ اور اہلِ زبان کے متعارف اصول و استعمال پر پوری نہ اترے۔ ایسی تفسیر بھی قابلِ رد ہوگی جس سے اصولِ شریعت کا انکار و ابطال لازم آرہا ہو۔ یا دین کے اصولِ مسلمہ میں سے کسی اصول پر اس سے زد پڑتی ہو۔ اور نہ وہ تفسیر قبول کی جائے گی جس سے مقاصدِ قرآن فوت ہورہا ہو۔ یا اس سے قرآن کے حقیقی مقاصد فوت ہورہے ہوں ۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوگیا کہ تفسیرِ قرآن کیلئے جہاں ان سارے علوم و فنون میں پوری دسترس درکار ہے۔ وہیں مفسر کا صحیح العقیدہ، متبعِ سنت، پاک طینت، زاہد و متقی اور اعمال و اخلاق میں بلند معیار پر ہونا بھی نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ جو شخص ان شرائط کو نظر انداز کرکے قرآن کریم کے معانی و مطالب کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرے گا۔ وہ صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے بجائے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائے گا ۔ اور غلطیاں کرے گا اور اپنی اس ناروا جرأت سے جس قدر بھی کاغذ سیاہ کرے گا اسی کے تناسب سے اس کے نامۂ اعمال کی سیاہی بھی بڑھتی جائے گی۔

تفسیرِ قرآن کی نزاکت

فنِ تفسیر کی اسی اہمیت و نزاکت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان ارشادات میں واضح فرمایا ہے ۔

(۱) من قال فی القرآن برأیه او بمالم یعلم فلیتبوأ مقعدہٗ من النار۔ اخرجه الترمذی والنسائی وابوداؤد وقال الترمذی هذا حدیث حسن ۔

جس شخص نے قرآن کی تفسیر میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی یا بغیر علم کے کوئی بات کہی تو اُسے اپنا ٹھکانا جہنم بنالینا چاہیئے ۔

۞ ۞ ۞ ۞

(۲) عن جندب ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال من قال فی القرآن برأیه فقد اخطاء (وفی روایة) من قال فی کتاب اللّٰہ برأیه فاصاب فقد اخطاء (قرطبی ج ۱ وابن کثیر ج ۱)

جندب (بن عبداللہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے قرآن کی تفسیر میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی تو اس نے غلطی کی (اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں)

جس نے کتاب اللہ میں اپنی رائے سے کوئی
بات کہی اور صحیح کہی جب بھی غلطی کی۔

تفسیر بالرائے کے اقسام

امام ابن عطیہ ان ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

(۱) معنیٰ هٰذا ان یسئل الرجل عن معنیٰ فی کتاب اللہ عزّ وجل فیتسوّر علیہ برائہ دون نظر بما قال العلماء واقتضیہ قوانین العلم کالنحو والاصول۔ (القرطبی ص ۳۲ ج (۱) مطبوعہ ۱۳۵۳)

تفسیر بالرائے کرنے والا ہر وہ شخص ہوگا جو کلام اللہ کی مراد بیان کرنے میں نہ صحابہ کے آثار کا لحاظ کرے اور نہ ہی اصول شریعت اور قواعد عربیت کی رعایت کرے بلکہ ان سب سے آزاد ہو کر اپنے افکار و نظریات کی ترجمانی کو قرآن کریم کی ترجمانی قرار دے۔

(۲) اور امام قرطبی ان احادیث کا محل یوں بیان کرتے ہیں۔

النھی یحمل علی احد وجھین احدھما ان یکون لہ فی الشیئ رأی والیہ میل طبعہ وھواہ فیتنا ول القرآن علی وفق رایہ وھواہ لیحتج علی تصحیح غرضہ ولو لم یکن ذالك الرای والھوی مکان لایلوح لہ من القرآن ذالك المعنیٰ وھذا النوع یکون تارۃً مع العلم کالذی یحتج بعض آیات القرآن علی تصحیح بدعتہ وھو یعلم ان لیس المراد بالآیۃ ذالك ولکن مقصودہ ان یلبس علی خصمہ و تارۃً یکون مع الجھل وذالك ان کانت

تفسیر بالرائے کی ممانعت کا مصداق ان دونوں صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہوگی آیات قرآنیہ کی تفسیر اپنے قائم کردہ پسندیدہ افکار و خیالات کے مطابق کرنے تاکہ اپنے مقصد کی صحت پر ثبوت فراہم کرے اگرچہ ان خیالات و میلانات کی اس آیت قرآنیہ میں گنجائش نہ ہو (۱) یہ صورت کبھی دانستہ طور پر پیش آتی ہے مثلاً کوئی اپنی بدعات کی تصحیح کی غرض سے کسی آیت سے یہ جانتے ہوئے استدلال کرے کہ آیت کی مراد یہ نہیں ہے پھر بھی اپنے فریق کو مبتلائے فریب کرنے کی غرض سے ایسا کرتا ہے

الاٰیۃ محتملۃ فیمیل فہمہ الی الوجہ
الذی یوافق غرضہ ویرجح ذالک الی
برائہ وھواہ فیکون قد فسر برائہ
(القرطبی ص ۳۲ ج ۱)

(۲) اور کبھی بربنائے جہالت یہ بات واقع
ہوجاتی ہے۔ مثلاً آیت دو معانی کو متح
تھی اب اس کا فہم اس معنیٰ کی طرف مائل
ہے جو اس کی غرض و خواہش کے موافق ہے ا
اسی جانب کو اپنی رائے و فہم سے ترجیح دیدیتا
ہے۔ پس ان دونوں صورتوں میں وہ تفسیر
بالرائے کا مرتکب ہوگا۔

(۳) امام سیوطی نے علامہ ابن النقیب کے حوالے سے تفسیر بالرائے کی یہ پانچ صورتیں نقل کی ہیں

جملۃ ما یحصل فی معنیٰ حدیث التفسیر
بالرائے خمسۃ اقوال احدھا التفسیر من
غیر حصول العلم التی تجوز معھا التفسیر
الثانی تفسیر المتشابہ الذی لایعلمہ الا اللہ
الثالث التفسیر للمذھب الفاسد
بان یجعل المذھب اصلاً و التفسیر تابعاً
فیرد الیہ بای طریق امکن وان کان ضعیفاً
والرابع التفسیر ان مراد اللہ کذا علی
القطع من غیر دلیل الخامس التفسیر
بالاستحسان والھویٰ (الاتقان ص ۱۸۳
ج ۲ مطبوعہ ۱۳۱۸ھ)

حدیث تفسیر بالرائے کی تشریح میں مجموعی طور
پر پانچ اقوال حاصل ہوتے ہیں (۱) ان علوم
و فنون کی تحصیل کے بغیر تفسیر میں دخل اندازی
کرنے لگے۔ جن کا علم تفسیر کے لئے ضروری ہے
(۲) آیات متشابہات کی تفسیر کرنا حالانکہ ان کی مراد
اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں (۳) مذہب
فاسد و باطل کی تائید و تصویب کی غرض سے
مذہب کو اصل قرار دیکر تفسیر کو اس کے تابع
بنانے ایسا کرنے کے لئے خواہ ..... کمزور سے
کمزور تر سہارا کیوں نہ لینا پڑے (۴) بغیر کسی
ثبوت و دلیل کے یہ دعویٰ کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی
مراد یہی تفسیر ہے (۵) اپنے میلانات و خواہشات
کے مطابق تفسیر کرنا۔

٭ ... ٭ ... ٭

٭ ... ٭ ... ٭

اس تمہید کی روشنی میں آپ علامہ مودودی کی تفسیری کاوشوں کا جائزہ لیں اور شریعت کے
بیان کردہ معیار کامل پر جانچیں اور پرکھیں اور اس معیار کے لحاظ سے یہ تفسیر جس درجہ میں ہو اسے

اسی درجہ میں رکھیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ تبصرہ اور انتقاد جماعت اسلامی کے اکابر پر گراں نہیں گذرے گا۔ کیونکہ یہ طریقہ اُن کے دستور کے عین مطابق ہے۔ ملاحظہ ہو دستور کی یہ دفعہ

"رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے۔ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو، ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے" (دستور جماعت اسلامی ترمیم شدہ شائع کردہ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی دہلی، و مسلمان کا بنیادی عقیدہ ص ۷، ۸) ناشر مکتبہ جماعت اسلامی ہند رامپور مطبوعہ ناظم پریس۔

کسی مصنّف کی تصنیف کا علمی و اصولی جائزہ لینے اور اس پر صحیح تبصرہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تین باتیں بطور خاص پیش نظر رہیں، اوّل مصنف کا علمی مقام و مرتبہ، دوسرے اصول کا رجن کی پابندی اس نے اپنے ذمہ عائد کی ہے اور تیسرے زاویۂ فکر و نقطۂ نظر یہ تینوں امور ایسے ہیں جنھیں نظر انداز کر کے تبصرہ کا صحیح حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اس اصول کی روشنی میں ہمیں مودودی صاحب کی تفسیر قرآن کا جائزہ لینا چاہیئے۔

(۱) مودودی صاحب کا علمی مقام

اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے زیادہ مناسب ہے کہ خود مودودی صاحب کے زبان و قلم سے ان کے علم و فضل کا تعارف پیش کر دیا جائے تاکہ کسی کو اس قسم کے اعتراض کی گنجائش نہ رہے کہ مودودی صاحب کے علمی مرتبہ کے تشخص و تعیین میں انصاف سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ وہ اپنے مبلغ علم کے متعلق لکھتے ہیں۔

"مجھے گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے۔ میں ایک بیچ کی راس کا آدمی ہوں، جس نے جدید و قدیم دونوں طریقہ ہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پایا ہے۔ اور دونوں کوچوں میں چل پھر کر دیکھا ہے۔"

(ترجمان ص ۷، ۲ شمارہ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ)

مودودی صاحب کی اس تحریر سے بات صاف ہو گئی کہ وہ علوم دینیہ اور دیگر اسلامی علوم و فنون میں تبحر تو کیا پوری لیاقت و استعداد بھی نہیں رکھتے بلکہ ایک درمیانی سطح اور بیچ کی راس

کے آدمی ہیں اور ان علوم سے انھیں کچھ ہی حصّہ ملا ہے۔ پھر یہ کچھ حصّہ انھوں نے کسی مستند، قابل اعتماد اساتذہ کی رہنمائی و نگرانی میں حاصل نہیں کیا ہے بلکہ اشخاص و رجال کی رہنمائی سے بے نیاز ہو کر براہِ راست اپنے عقل و فہم اور آزاد مطالعے سے اخذ کیا ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں۔

"میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن و سنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے میں نے کبھی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے اور کیا کرتے ہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہا ہے۔

(روئداد جماعتِ اسلامی ص ۲۰۱، ج ۳ طبع سوم مارچ ۱۹۶۲ء)

(۲) تفسیرِ قرآن کا نرالا اصول

جس طرح تحصیل علم میں ان کی جولانیٔ طبع منت کشِ اشخاص ہونے کو پسند نہیں کرتی۔ اسی طرح تفسیرِ قرآن اور تفہیمِ کلامِ الٰہی میں حدیثِ رسول، آثارِ صحابہ اور ائمہ تفسیر کے اقوال کی انھیں کوئی احتیاج نہیں ہے بلکہ وہ قرآن کریم کا آزاد مطالعہ کرتے ہیں اور اس مطالعے سے جو بات ان کی سمجھ میں آتی ہے اسے بغیر کسی قطع و برید اور اصلاح و ترمیم کے اپنے لوحِ دماغ سے صحیفۂ قرطاس پر منتقل کر دیتے ہیں چنانچہ "تفہیم القرآن" کی ابتدا میں اپنے طریقہ ہائے تفسیر کے جو تین بنیادی اصول تحریر کئے ہیں ان میں تیسری اصل یہ بیان کرتے ہیں۔

"اس میں جس چیز کی کوشش میں نے کی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کی عبارت پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے۔ اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے۔ اسے حتی الامکان جوں کا توں اپنی زبان میں منتقل کر دوں"

پھر یہ اصول انھوں نے صرف اپنے لئے ہی نہیں تجویز کیا ہے بلکہ وہ دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں کہ قرآن فہمی کے اس طرزِ جدید کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پروفیسروں کے ذریعہ رائج کریں اس سلسلہ میں وہ مسلم یونیورسٹی کے ذمہ داروں کو بطورِ خاص مخاطب کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا ہو اور جو طرزِ جدید پر قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اپنے لکچروں سے انٹرمیڈیٹ میں طلبہ کے اندر قرآن فہمی کی ضروری استعداد پیدا کرے گا۔ پھر بی۔اے میں ان کو پورا قرآن اس طرح پڑھاوے گا کہ وہ عربیت میں بھی کافی ترقی کر جائیں گے اور اسلام کی روح سے بھی بخوبی واقف ہو جائیں گے۔ (تنقیحات ص ۱۹۳ طبع چہارم)

(۳) دین کے بارہ میں مودودی صاحب کا جدید نظریہ

مودودی صاحب نے جب قرآن و سنت اور دین کی تفہیم میں ماضی اور حال کے اشخاص بالفاظ واضح سلف صالحین اور علماء دین سے بے نیاز ہو کر اپنے عقل و فہم کو معیار حق بنایا تو لازمی طور پر اس کا جو انجام اور نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہ ظاہر ہوا کہ دین کا وہ تصور اور نقشہ جو حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ سے آج تک عہد بہ عہد متوارث طور پر امت میں چلا آرہا تھا۔ اس تصورِ دین سے ان کا نقطۂ نظر اور زاویۂ فکر یکسر مختلف ہو گیا۔ اور دینِ اسلام ان کی تعبیر و تشریح اور نظریہ کے مطابق ایک سیاسی تحریک بن کر رہ گیا، جو دنیا میں خدا کا اقتدار قائم کرنے کے لئے وجود میں آیا ہے۔ اسی سیاسی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے انبیائے کرام بھیجے گئے حتیٰ کہ خدا کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اللہ کی آخری کتاب قرآن کریم کے نزول کا مقصد بھی اسی سیاسی تحریک کی دعوت و اقامت ہے۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

"دینِ اسلام کا حقیقی مقصد امامت صالحہ کا قیام ہے۔ یہی کتاب الٰہی کا مطالبہ اور انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے"۔ (خطبات باب جہاد ص ــــ)

یہ دین کا ایسا جدید اور نو پید تصور ہے جس کی دلیل و سند نہ تو قرآن و حدیث سے ملتی ہے اور نہ آثار صحابہ اور اسلافِ امت کے کلام میں۔ اسلئے اپنے اس مخترع نظریہ کو مدلل و مستند بنانے کے لئے انھوں نے قرآن کریم کے چار الفاظ اللہ، رب، دین، عبادت کی اپنے منشاء کے

مطابق ایسی تفسیر و تشریح کی جس پر سیاسی رنگ غالب ہے۔ اور جس سے
اور دین اسلام کا مقصد اصلی حکومت الٰہیہ کا قیام قرار پاتا ہے۔ تفصیل کے
کی تصنیف "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" اور "سیاسی کشمکش"،

چونکہ مودودی صاحب کی یہ تشریح و تفسیر بھی ان کے نظریہ کی طرح
ساختہ ہے۔ اسلئے اُسے غیر مستند اور مخترع ہونے کے الزام سے بچانے کیلئے
کے مفہوم و معانی کے متعلق" باطنیوں کے نظریہ کا سہارا لینا پڑا۔ چنانچہ وہ اپ
"قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں"، میں لکھتے ہیں۔

"عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا تھا اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ الٰہ
معنیٰ ہیں اور رب کسے کہتے ہیں ..... اسی طرح عبادت اور دین کے ا
ان کی بولی میں پہلے سے رائج تھے ان کو معلوم تھا کہ عبادت سے کونسا
ہے اور دین کا کیا مفہوم ہے ..... لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رف
الفاظ کے وہ اصلی معنیٰ جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے
تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہو
لئے خاص ہو گیا ..... نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اصل مدعا سمجھنا مشکل ہو
پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پرد
کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگا
مستور ہو گئی ہے اور اسلام قبول کرنے کے باوجود لوگوں کے عقائد و اعمال
نقائص نظر آ رہے ہیں ان کا ایک بڑا سبب یہی ہے۔

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص ۶، ۷، ۸)

اپنی ایک خود ساختہ اور نو ایجاد بات کو صحیح ثابت کرنے کیلئے دور اوّل سے
تمام مجددین، محدثین اور مفسرین کو قرآن کی صحیح تعلیم سے نا واقف اور اس کی حقی
نا آشنا قرار دینا کہاں کی دانشمندی اور کیسی حکمت عملی ہے کیا عقل اس نہے
کر سکتی ہے کہ یہ امت خیر جس میں علماء و صلحاء کی ایک کثیر تعداد تسلسل کے

ں موجود رہی ہے ایسے بنیادی حقائق سے جن پر فہم قرآن کا مدار ہے مسلسل تیرہ چودہ
ِ سال تک ناواقف اور ناآشنا رہی ہو۔ بہرحال جس طرح مودودی صاحب کا نظریۂ
ِمت الٰہیہ خودساختہ اور غلط ہے اس سے کہیں زیادہ گمراہ کن اور خطرناک وہ توجیہ اور
شریح ہے جو چودہ سو برس کے طویل عرصہ تک مخفی و مستور رہنے کے بعد براہِ راست مودودی صاحب
قلب و دماغ پر نازل ہوئی ہے۔

مودودی صاحب کی تفسیری نگارشات پر ایک نظر

مودودی صاحب کے علمی مقام، طریقۂ تفسیر اور
ان کے جدید نظریہ کو سامنے رکھکر ان کی تفسیری
نگارشات پر غور کیا جائے۔ اور اس روشنی
ں اس کی جو بھی صورت اور حیثیت ابھر کر سامنے آتی ہے وہی اس کی اصلی حیثیت اور حقیقی
ِرت ہوگی (١) حدیث بالرائے کی روشنی میں تفسیر بالرائے کی جو صورتیں نکلتی ہیں ان میں
م ابن النقیب اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی[2] کے حسب تصریح ایک صورت یہ
ں ہے کہ "جن علوم و فنون کی معرفت کلام الٰہی کی تفسیر و تشریح کے لئے ضروری ہیں انھیں
صل کئے بغیر اس نازک ترین فن میں دخل اندازی کرنا ناجائز اور تفسیر بالرائے
ہے،، جس کی مذمت بیان کرتے ہوئے نبیٔ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے
رمایا" من قال فی کتاب اللہ برایہ فاصاب فقد اخطاء" چونکہ مودودی صاحب باقرار
ِ د پورے عالم نہیں بلکہ اسلامی علوم و فنون سے انھیں کچھ ہی حصہ ملا ہے اس لئے اس میدان
ں ان کی ہر کوشش چاہے وہ درست ہی کیوں نہ ہو اصولی اعتبار سے غلط، نامقبول اور
سیر بالرائے ہوگی۔

(۲) امام ابن عطیہ کے حوالہ سے یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ تفسیر بالرائے کا مرتکب ہر وہ شخص
ار پائے گا جو کتاب الٰہی کی مراد بیان کرنے میں آثار صحابہؓ اور اصول شریعت و عربیت کی
انب مراجعت کئے بغیر اپنے افکار و آراء کو قرآن کی ترجمانی میں اختیار کرے۔ اور مودودی صاحب
نا تفسیر کا اصول ہی یہ بتاتے ہیں "اس میں (تفہیم القرآن میں) جس چیز کی کوشش میں نے
ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کی عبارت پڑھکر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے

دل پر پڑتا ہے اُسے حتی الامکان جوں کا توں اپنی زبان میں منتقل کردوں ،، تر
آزاد مطالعہ اور اس کے نتیجے میں جو خیالات اور تاثرات رونما ہوئے ہیں انھیں ک
خیالات اور تاثرات کا مجموعہ تو کہا جاسکتا ہے ۔ لیکن تفسیر قرآنی کہنا اور دو
کرانا کہ مراد خداوندی یہی ہے ۔ غلط اور تفسیر بالرائے کا مصداق ہے ۔

(۳) امام قرطبی اور امام ابن النقیب کی تصریحات کے مطابق تفسیر بالرائے کی
بھی ہے کہ آدمی پہلے کوئی نظریہ قائم کرلے پھر اس نظریہ کی توثیق و تصحیح کی غرض
کی تفسیر و تشریح کھینچ تان کر اسی نظریہ کے مطابق کرے تفسیر بالرائے کی اس قسم
مودودی صاحب کی تفہیم القرآن اور دیگر تصانیف میں بے شمار ہیں بلکہ اگر یہ کہا جا
تفسیری کوششیں بالعموم اُن کے نظریہ حکومتِ الٰہیہ یا اقامتِ دین کے گرد گھومتی
مبالغہ پر محمول نہیں کیا جاسکتا ۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مودودی صاحب کے
اصولی اعتبار سے مستحسن نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ اس فن میں ان کی جولانی طبع
بھی تفسیر بالرائے کی حد سے باہر نکل نہیں پاتی اس لئے زبان و بیان کے نکھار کے
یہ نگارشات قابلِ رد ہیں ۔

مودودی صاحب کی تصانیف سے تفسیر بالرائے کی چند مثالیں

اصولی طور پر مودودی صاحب کی تفسیروں کی حیثیت
ہوجانے کے بعد اس بات کی ضرورت نہیں رہ
تصانیف سے تفسیر بالرائے کے نمونے بھی پیش
.... پھر بھی توضیح مزید اور اتمام حجت کے طور پر تفہیم القرآن
دیگر تصانیف سے چند مثالیں بھی درج کی جاتی ہیں تاکہ واضح طور پر معلوم ہوجائے کہ ا
کاوشوں کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ ایک مفروضہ نہیں بلکہ بیانِ واقعہ ہے ۔

مثال ۱ حافظوا علی الصلوٰتِ و الصلوٰۃِ الوسطیٰ وقوموا للہِ قانتین ۔

اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو خص
جو محاسنِ صلوٰۃ کی جامع ہو اور اللہ
اس طرح کھڑے ہو جیسے فرماں بر
ہوتے ہیں (ترجمہ مودودی صاحب تفہیم

اس آیت کی تفسیر میں تحقیق اور ریسرچ کا حق یوں ادا کیا ہے۔

" اصل میں لفظ الصلوٰۃ الوسطیٰ آیا ہوا ہے اس سے مراد بعض مفسرین نے صبح کی نماز لی ہے اور بعض نے ظہر کی، بعض نے مغرب کی اور بعض نے عشاء کی، لیکن ان میں سے کوئی قول بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے صرف اہل تاویل کا استنباط ہے۔ سب سے زیادہ اقوال نماز عصر کے حق میں ہیں اور کہا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نماز کو صلوٰۃ وسطیٰ قرار دیا ہے۔ لیکن جس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا ہے وہ صرف یہ ہے کہ " جنگ احزاب کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے حملہ نے اس درجہ مشغول رکھا کہ سورج ڈوبنے کو آ گیا اور آپ نماز عصر نہ پڑھ سکے اس وقت آپ نے فرمایا کہ خدا ان لوگوں کی قبریں اور ان کے گھر آگ سے بھر دے انھوں نے ہماری صلوٰۃ وسطیٰ فوت کرادی " اس سے یہ سمجھا گیا کہ آپ نے عصر کو صلوٰۃ وسطیٰ فرمایا ہے حالانکہ اس کا یہ مطلب ہمارے نزدیک زیادہ قرین صواب ہے کہ اس مشغولیت نے اعلیٰ درجہ کی نماز ہم سے فوت کرادی " نا وقت پڑھنی پڑے گی۔ جلدی جلدی ادا کرنی ہوگی، خشوع وخضوع اور اطمینان وسکون کے ساتھ نہ پڑھ سکیں گے۔ وسطیٰ کے معنی بیچ والی چیز کے بھی ہیں اور ایسی چیز کے بھی ہیں جو اعلیٰ اور اشرف ہو صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد بیچ کی نماز ہو سکتی ہے اور ایسی نماز بھی جو صحیح وقت پر پورے خشوع اور توجہ الی اللہ کے ساتھ پڑھی جائے اور جس میں نماز کی تمام خوبیاں موجود ہوں بعد کا فقرہ کہ اللہ کے آگے فرماں بردار بندوں کی طرح کھڑے ہو کر خود اس کی تفسیر کر رہا ہے۔

(تفہیم القرآن ص ۱۸۳ ج ۱)

اس تشریح میں مودودی صاحب نے پہلے تو آثار صحابہ اور ائمہ مفسرین کے اقوال کو " اہل تاویل کا استنباط " کہکر بے وزن ثابت کیا ہے اور پھر اپنی پسندیدہ تشریح کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے " حالانکہ اس کا یہ مطلب ہمارے نزدیک زیادہ قرین صواب ہے کہ اس مشغولیت نے اعلیٰ درجہ کی نماز ہم سے فوت کرادی نا وقت پڑھنی پڑے گی، جلدی جلدی ادا کرنی ہوگی، خشوع وخضوع اور اطمینان وسکون کے ساتھ نہ پڑھ سکیں گے " مودودی صاحب کو نہ دیکھ تلامذۂ رسول اور مشاہدین وحی،

الٰہی کے اقوال تو استنباطی ہونے کی بنا پر نا قابلِ اعتبار ہیں۔ مگر مولانا آزاد کی ذ
پشت پر الفاظ کی شوکت اور بیان کی ندرت کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، جو ان
پسند طبیعت کے عین مطابق ہے۔ پسندیدہ اور قرینِ صواب ہے۔ یہ ہے ان کی
ناپسند کا معیار اور قرآن فہمی کا ذوق جسے تفسیر بالرائے نہیں تو پھر اور کیا کہا جا۔

یہاں اس حقیقت کو بھی سمجھتے چلئے کہ جن اقوالِ صحابہ کو مودودی صاحب نے اہل
استنباط کہکر بے اعتبار کرنے کی کوشش کی ہے کیا واقعی ان کی حیثیت یہی ہے یا انھیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید حاصل ہے۔ مگر وہ مودودی کے ذوقِ تجدد سے
نہ ہوسکے اسلئے ان کے بے لاگ تبصرہ کا نشانہ بن گئے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل
کا مطالعہ آپ کو صحیح فیصلہ کیطرف لے جائے گا۔

روایت نمبر ۱ عن زید بن ثابت
ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی
الظہر بالہاجرۃ وکانت اثقل الصلوٰۃ علی
اصحابہ فنزلت حافظوا علی الصلوٰتِ والصلوٰۃ
الوسطیٰ، (رواہ البخاری فی تاریخہ واحمد
وابوداؤد والبیہقی والطبری،
کما فی المظہری ص ۳۰۹ ج ۱)

حضرت زید بن ثابت بیان کرتے
صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کو تیز دھوپ
فرماتے تھے۔ اور حضراتِ صحابہؓ پ
نمازوں سے دشوار تر تھی اس پر
علی الصلوٰت والصلوٰۃ الو
ہوئی ۔

⁂ ⁂ ⁂

روایت نمبر ۲ عن علیؓ ان النبی صلی
اللہ علیہ وسلم قال یوم الاحزاب ملأ اللہ
بیوتہم وقبورہم نارًا کما شغلونا عن الصلوٰۃ
الوسطیٰ حتی غابت الشمس۔
(رواہ البخاری والمسلم (المظہری ص ۳۱ ج ۱)

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ نبی صل
نے غزوۂ خندق کے دن فرمایا اللہ ت
کے گھروں اور قبروں کو آگ سے
کیونکہ انھوں نے ہمیں نمازِ وسطیٰ
یہاں تک کہ سورج غروب ہوگی

روایت نمبر ۳ وفی روایۃ المسلم شغلونا
عن الصلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر ملأ اللہ قلوبہم

اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ
رکھا نمازِ وسطیٰ یعنی نمازِ عصر سے

روایت نمبر ۴ عن ابن مسعودؓ قال حبس المشرکون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوٰۃ العصر حتی اصفرت الشمس او احمارت الشمس فقال شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ ملأ اللہ اجوافہم وقبورہم نارًا

(رواہ مسلم، المظہری ص۳۱۰ ج ۱)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز عصر ادا کرنے سے روکے رکھا یہاں تک کہ آفتاب زرد ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے باز رکھا (اسکی پاداش میں) اللہ تعالیٰ ان کے شکموں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔

روایت نمبر ۵ عن ابی یونس مولیٰ عائشۃ قال امرتنی عائشۃ ان اکتب لہا مصحفًا ثم قالت اذا بلغت ھذہ الآیۃ فآذنی فلما بلغتہا آذنتہا فاملت حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ وصلوٰۃ العصر وقالت سمعتہا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رواہ مسلم)

(المظہری ص۳۱۰ ج ۱)

عائشہ صدیقہ کے غلام ابو یونس نے کہا مجھے حضرت عائشہؓ نے قرآن کریم کی کتابت کا حکم دیا اور ہدایت فرمائی کہ جب تم اس آیت پر پہنچنا تو مجھے مطلع کرنا چنانچہ جب میں اس آیت تک پہنچ گیا تو انہیں خبر دی تو حضرت عائشہؓ نے اس آیت کا مجھے یوں املا کرایا "حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ وصلوٰۃ العصر" اور فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کو اسی طرح سے سُنا ہے۔

* * * * * *

الصلوٰۃ الوسطیٰ والصلوٰۃ العصر میں اگر عطف تفسیری مانا جائے جیسا کہ اکثر لوگوں کی رائے ہے تو صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے۔ اور اگر عطف تفسیری نہ لیا جائے جیسا کہ علامہ آلوسی کا رجحان ہے تو صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نماز ظہر ہوگی۔ یہاں مقصود روایتوں کا استقصا نہیں ہے ورنہ اس سلسلے میں ابھی مزید روایتیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نماز ظہر یا نماز عصر ہے۔ اور یہ معنی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہوا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے اس کی صراحت کی ہے اب فیصلہ کیجئے کہ یہ روایتیں اسی قابل ہیں کہ اہل تاویل استنباط کہہ کر رد کر دی جائیں۔ اور اسکے مقابلہ میں ایسی تفسیر پیش کی جائے جس کی کوئی سند نہ ہو۔

علاوہ ازیں صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ جنگ خندق کے موقع پر آنحضرت
کی نماز ظہر و عصر اور ایک میں نماز مغرب کا بھی ذکر ہے قضا ہو گئی تھیں جنھیں آپ
جماعت کے ساتھ ادا فرمایا اور ان کی ادائیگی سے فارغ ہونے کے بعد حضرات صحابہؓ کو
صلوا کما رأیتمونی اصلی، "تم لوگ بھی اسی طرح پڑھو جیسا کہ مجھے پڑھتا دیکھا۔
کیا حسب تشریح مودودی صاحب آپؐ نے ان قضا نمازوں کو جلدی جلدی
کے ادا فرمایا تھا پھر اسی کی صحابہ کرام کو تعلیم بھی دی یہ بات تو مودودی صاحب جیسا
کہہ سکتا ہے۔

مثال نمبر ۲

یا ایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا علی مأتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون۔ الئن خفف اللہ عنکم وان فیکم ضعفا فان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین۔

اے نبی! مومنین کو جنگ کے
تم میں بیس ثابت قدم ہوں
غالب آجائیں گے۔ اسلئے کہ و
تخفیف کر دی اللہ نے تم پر
کمزوری ہے سو اگر تم میں ایک
ہوں گے تو دو سو پر غالب آ
ایک ہزار ہوں گے تو دو ہزار
اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے وا

جہاد کی فرضیت کے ابتدائی زمانہ میں میدانِ جنگ سے فرار خواہ مقابلہ میں
زیادہ کیوں نہ ہو حرام اور غضب الٰہی کا باعث تھا۔ سورۃ انفال ہی کی آیت
اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار" الخ کے ذریعہ یہی حکم دیا گیا
تخفیف کر کے یہ حکم نازل ہوا کہ ایک مومن کے مقابلہ میں دس مشرک ہوں تو فرار
حرام ہوگا البتہ اس سے زائد کا مقابلہ پیش آجائے تو اس وقت میدان سے ہ
ہے پھر اس میں مزید تخفیف فرمائی گئی اور اس سلسلے کا آخری حکم یہ آیا کہ ایک
دو کافر ہوں تو مقابلہ سے کنارہ کشی ناجائز اور حرام ہوگی اس سے زائد میں نہ
میں یہی حکم بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ترجمان القرآن

بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض کردیا تھا کہ اگر وہ بیس ہوں تو دو سو کے مقابلے سے نہ ہٹیں بعد میں اس حکم میں تخفیف کردی گئی۔ لہٰذا اب سو مسلمان دو سو کافروں کے مقابلے سے نہ بھاگیں"

علامہ شبیر احمد عثمانی رح آیت آلئن خفف اللہ عنکم الخ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

"بخاری میں ابن عباس رض سے منقول ہے کہ گذشتہ آیت جس میں مسلمانوں کو دس گنا کافروں کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم تھا جب لوگوں کو بھاری معلوم ہوئی تو اس کے بعد یہ آیت اتری الآن خفف اللہ الخ یعنی خدا نے تمہاری ایک قسم کی کمزوری اور سستی کو دیکھ کر پہلا حکم اٹھالیا اب صرف اپنے سے دو گنی تعداد کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری اور بھاگنا حرام ہے۔ یہ کمزوری اور سستی جس کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہوئی کئی وجوہ سے ہوسکتی ہے۔ ابتداء ہجرت میں گنے چنے مسلمان تھے جن کی قوت وجلادت معلوم تھی کچھ مدت کے بعد ان میں کے بہت سے افراد بوڑھے اور کمزور ہوگئے اور ان میں جو پود آئی ان میں پرانے مہاجرین وانصار جیسی بصیرت، استقامت اور تسلیم وتفویض نہ تھی اور تعداد بڑھ جانے سے کسی درجہ میں اپنی کثرت پر نظر اور توکل علی اللہ میں قدرے کمی ہوئی ہوگی۔ اور ویسے بھی طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جو سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے تو کرنے والوں میں جوش عمل زیادہ ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے لیکن وہی کام جب بڑے مجمع پر ڈال دیا جائے تو ہر ایک دوسرے کا منتظر رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آخر کچھ میں ہی تنہا تو اس کا ذمہ دار نہیں اسی قدر جوش، حرارت اور ہمت میں کمی ہو جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب (شاہ عبدالقادر دہلوی رح) فرماتے ہیں کہ اول کے مسلمان یقین میں کامل تھے ان پر حکم ہوا تھا کہ اپنے سے دس گنے کافروں پر جہاد کریں پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے تب یہی حکم ہوا کہ دوگنوں پر جہاد کریں یہی حکم اب بھی باقی ہے الخ (فوائد عثمانی ص ۲۴۹ فائدہ ۵)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے روح المعانی ص ۳۲ ج ۱۰ اور التفسیر المظہری ص ۱۱۰، ۱۱۱ ج ۴

ان محولہ تمام تفسیروں کا قدر مشترک اور خلاصہ وہی ہے جسے علامہ عثمانی
میں تحریر کیا ہے اس تفسیر و تشریح میں قرآن کریم کے سیاق و سباق کی رعایت
ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کے ساتھ مطابقت بھی۔
اولین و سابقین کے مقام و مرتبہ کا اعتراف و اظہار بھی ہے۔ اس صحیح اور تقریر
بعد مودودی صاحب کی ترجمانی ملاحظہ کیجئے زیر بحث دونوں آیتوں کے فائدہ وتشریح

" اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے ایک اور دس کی نسبت تھی اور اب چونکہ
کمزوری آگئی ہے اس لئے ایک اور دو کی نسبت قائم کر دی گئی بلکہ اس کا صحیح
ہے کہ اصول اور معیاری حیثیت سے تو اہل ایمان اور کفار کے درمیان ایک
ہی کی نسبت ہے لیکن ابھی چونکہ تم لوگوں کی اخلاقی تربیت مکمل نہیں،
ابھی تک تمہارا شعور اور تمہاری سمجھ بوجھ کا پیمانہ بلوغ کی حد کو نہیں پہنچا ہے
سردست برسبیل تنزل تم سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اپنے سے دوگنی طاقت
ٹکرانے میں تمہیں کوئی تأمل نہ ہونا چاہئے ... خیال یہ ہے کہ یہ ارشاد
ہے جبکہ مسلمانوں میں بہت سے لوگ ابھی تازہ تازہ ہی داخل اسلام"

(تفہیم القرآن ص ۱۵۸ فائدہ ۴۸ ج ۲)

اس تشریح میں مودودی صاحب نے مسئلے کو بالکل الٹ دیا۔ حضرت ابن
فقہاء و مفسرین تو کہتے ہیں کہ ایک اور دس کی نسبت والا حکم ایک اور دو کی
حکم سے منسوخ ہو گیا ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جو کسی حکم کے نسخ
تسلیم کرتے ہیں وہ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

ان یکن منکم عشرون صابرون الخ منسوخۃ بالآیہ بعدھا قلت
منسوخۃ (الفوز الکبیر ص ۲۲ مکتبہ امدادیہ دیوبند)

امام سیوطی نے لکھا ہے کہ آیت ان یکن منکم عشرون الخ بعد والی آیت
اللہ الخ سے منسوخ ہے میری بھی رائے یہی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے پھر قرآن کر
سیاق کا بھی یہی تقاضا ہے۔ علاوہ ازیں اس تشریح میں انھوں نے صحابہ اولین

ر رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پاکیزہ شان میں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جسے وہ خود اپنے بارہ
ں سننے کے کبھی روادار نہیں ہوسکتے غور کرنے کی بات ہے جس مقدس گروہ کے متعلق اللہ تع
ا یہ فیصلہ ہے" السابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان
ضی اللہ عنہم و رضوا عنہ واعد لہم جنات تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا
بدا ذالک الفوز العظیم (سورۂ توبہ)

مہاجرین و انصار میں سے اولین سابقین اور جنھوں نے ان کی اتباع کی اخلاص کے ساتھ
للہ راضی ہوا اُن سے اور وہ راضی ہوئے اللہ سے اور تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے باغ، بہتی ہیں
ن کے نیچے نہریں، رہیں گے ان میں ہمیشہ، یہی ہے بڑی کامیابی۔

اگر اسی جماعت کی اخلاقی تربیت مکمل نہیں تھی اور نہ اس کی سمجھ بوجھ کا پیمانہ حد بلوغ کو پہنچا تھا تو بعد
ں وہ کون سی اسلامی جماعت ہوگی جس کی اخلاقی تربیت مکمل اور اسکی سمجھ بوجھ بالغ مانی جائے گی۔
بریں عقل و دانش بباید گریست،، اسلاف امت سے بے نیاز ہو کر اپنے فکر و فہم کو معیار حق
بنانے کا نتیجہ یہی ہے اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان من قال فی القرآن برایہٖ
فلیتبوء مقعدہ من النار" کے ذریعہ قرآن کی تفسیر بالرائے سے ڈرایا تھا۔

مثال نمبر۳ ھو الذی ارسل
رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظہرہٗ
علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ٥

وہی ہے (یعنی اللہ) جس نے اپنے رسول کو
ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اُسے
پوری جنس دین پر غالب کر دے۔ خواہ یہ
مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ (ترجمہ از مودودی صاحب)

ترجمہ کے بعد آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں (اقتباس طویل ہے لیکن مکمل نقل کئے
بغیر چارہ بھی نہیں کیونکہ تشریح ناقص رہ جائے گی)

"اس آیت میں الہدیٰ سے مراد دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ ہے۔ انفرادی برتاؤ
خاندانی نظام، سوسائٹی کی ترکیب، معاشی معاملات، ملکی نظام، سیاسی حکمت عملی، بین
الاقوامی تعلقات غرض زندگی کے تمام پہلوؤں میں انسان کی زندگی کے لئے صحیح رویہ
کیا ہونا چاہئے یہ چیز اللہ نے اپنے رسول کو بتا کر بھیجا ہے۔
[illegible]

کیش اور مذہب کے لئے جو دین کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس کا اصل معنی مفہوم نہیں ہے بلکہ اس کو دین اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں بھی انسان خیال و عمل کے ایک خاص سسٹم کی اطاعت کرتا ہے ورنہ دراصل دین کا لفظ قریب قریب وہی معنی رکھتا ہے جو زمانہ حال میں اسٹیٹ کے معنیٰ ہیں۔ لوگوں کا کسی بالا اقتدار کو تسلیم کرکے اس کی اطاعت کرنا یہ اسٹیٹ ہے۔ یہی دین کا مفہوم بھی ہے اور دین حق یہ ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کی، خود اپنے نفس کی اور تمام مخلوقات کی بندگی و اطاعت چھوڑ کر صرف اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرے اور اسی کی بندگی و اطاعت اختیار کرے۔ پس درحقیقت اللہ کا رسول اپنے بھیجنے والے کی طرف سے ایک ایسے "اسٹیٹ" کا نظام لے کر آیا ہے جس میں نہ تو انسان کی خود اختیاری کے لئے کوئی جگہ ہے نہ انسان پر انسان کی حاکمیت کے لئے کوئی مقام۔ بلکہ حاکمیت و اقتدارِ اعلیٰ جو کچھ بھی ہے صرف اللہ کے لئے ہے۔

پھر رسول بھیجنے کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ نظام اطاعت (دین) اور اس قانون حیات (الہدیٰ) کو پوری جنسِ دین پر غالب کردے، پوری جنسِ دین سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں انسان انفرادی یا اجتماعی طور پر جن جن صورتوں سے کسی کی اطاعت کرتا ہے وہ سب جنس دین کی مختلف انواع ہیں بیٹے کا والدین کی اطاعت کرنا، بیوی کا شوہر کی اطاعت، نوکر کا آقا کی اطاعت کرنا، ماتحت کا افسر کی اطاعت کرنا، رعیت کا حکومت کی اطاعت کرنا، پیرووں کا پیشواوں اور لیڈروں کی اطاعت کرنا، یہ اور ایسی ہی دوسری بے شمار اطاعتیں بحیثیت مجموعی ایک نظام اطاعت بناتی ہیں۔ اور اللہ کی طرف سے رسول آنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ پورا نظام اطاعت اپنے تمام اجزا سمیت ایک بڑی اطاعت اور ایک بڑے قانون کے ماتحت ہو جائے تمام اطاعتیں اللہ کی اطاعت کے تابع ہوں، ان سب کو منضبط (REGULATE) کرنے والا ایک اللہ ہی کا قانون ہو اور اس بڑی اطاعت اور اس ضابطۂ قانون کی حدود سے باہر کوئی اطاعت باقی نہ رہے۔

یہ رسول کا مشن ہے اور رسول اس مشن کو پورا کرنے پر مامور ہے خواہ شرک کرنے والے اس پر کتنی ہی ناک بھوں چڑھائیں، شرک کرنے والے کون ہیں؟ وہ سب لوگ ہیں جو انفرادی و اجتماعی زندگی میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ دوسری مستقل بالذات (یعنی اللہ کی اطاعت سے آزاد) اطاعتیں شریک کرتے ہیں۔ جہاں تک اللہ کے قانون طبیعی کا تعلق ہے ہر انسان طوعاً وکرہاً اس کی اطاعت کر رہا ہے کیونکہ اس کی اطاعت کے بغیر اس کے لئے کوئی چارہ ہی نہیں ہے مگر جہاں تک انسان کے دائرۂ اختیار کا تعلق ہے۔ اس دائرے میں بعض انسان تو بالکل غیر اللہ کے مطیع بنجاتے ہیں اور بعض انسان اپنی زندگی کے مختلف حصّوں میں تقسیم کرکے کسی حصہ میں خدا کے بھیجے ہوئے قانون اخلاقی (شریعت) کی اطاعت کرتے ہیں اور کسی دوسرے حصہ میں اپنے نفس کی یا دوسروں کی اطاعت کرتے ہیں اسی چیز کا نام اللہ کی اطاعت کے ساتھ دوسری اطاعتوں کو شریک کرنا ہے اور جو لوگ شرک کی ان مختلف صورتوں میں مبتلا ہیں ان کو یہ بات ناگوار ہوتی ہے کہ اپنی فطری اطاعت کی طرح اپنی اختیاری اطاعت وبندگی کو بھی بالکلیہ اللہ کیلئے خالص کردیں خواہ نادانی کے سبب سے یا اخلاقی کمزوری کے سبب سے بہرحال وہ شرک پر اصرار کرتے ہیں لیکن اللہ کے رسول پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کی مزاحمت کے باوجود اپنے مشن کو پورا کریں۔"

(مسلمان اور سیاسی کشمکش ص ۹۲ تا ۹۴ ج ۳)

مودودی صاحب نے جماعتِ اسلامی کے نصب العین اور اس کے خود ساختہ نظریہ اقامتِ دین کو مدلل بنانے کیلئے اس آیت کی اپنے اجتہاد درائے سے ایسی تشریح کی ہے جس سے عبد ومعبود کا حقیقی تعلق اور رسول کی بعثت کا اصلی مقصد پس پردہ چلا گیا اور دین اسلام ایک تمدنی اور سیاسی نظام بن کر رہ گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ تو قرآن سیاسی نظام کا ترجمان اور نقیب بنا کر اتارا گیا ہے اور نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ وہ زمین میں سیاسی نظام برپا کریں اس لئے اس آیت کے مفہوم کو اپنے فکر و اجتہاد کا جامہ پہنانے کے لئے انھیں اس کے بعض الفاظ کے لئے

ایسا معنی تراشنا ضروری ہوگیا جسے زینہ بناکر وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکیں چنانچہ اوّلاً انھوں نے دو الفاظ "الہدیٰ" اور "دین" کا انتخاب کیا اور ان پر ایسے معانی چسپاں کئے جس کی تائید نہ کتاب الٰہی سے ہوتی ہے نہ کلام رسول سے اور نہ لغوی معنیٰ ہی اس کی موافقت کر رہا ہے۔ پھر اس کے بعد الفاظ قرآن کے داخلی قرائن اور جمہور مفسرین کی تصریحات کے برخلاف "لیظہرہ" کی ضمیر فاعل کا مرجع رسول کو قرار دیکر اپنے نظریہ "حکومت الٰہیہ یا اقامت دین" کو زمین میں برپا کرنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن اور فرض منصبی تجویز کیا اور ساتھ ہی اس خود ساختہ نظریہ کے خاکہ میں رنگ بھرنے کے لئے "المشرکون" کی ایسی عجیب وجدید تشریح کی جس کی رُو سے کسی نہ کسی حد تک ہر فرد مسلم (نعوذ باللہ) مُشرک ٹھہرتا ہے۔ مودودی صاحب کی اوپر پیش کردہ تصریحات کے درج ذیل پیراگراف کو ایک بار مزید ملاحظہ کیجئے۔

(۱) "اس آیت میں الھدیٰ (ہدایت) سے مراد "دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ ہے" انفرادی برتاؤ، خاندانی نظام، سوسائٹی کی ترکیب، معاشی معاملات، ملکی انتظامات، سیاسی حکمت عملی، بین الاقوامی تعلقات، غرض زندگی کے تمام پہلوؤں میں انسانی زندگی کے لئے صحیح رویہ کیا ہونا چاہیئے"

(۲) دوسری چیز جو اللہ کا رسول لیکر آیا ہے وہ دینِ حق ہے۔ دین کے معنیٰ اطاعت کے ہیں کیش اور مذہب کے لئے جو دین کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس کا اصلی معنیٰ موضوع لہٗ نہیں ہے دراصل دین کا لفظ قریب قریب وہی معنیٰ رکھتا ہے جو زمانہ حال میں اسٹیٹ کے معنیٰ ہیں، لوگوں کا کسی بالا اقتدار کو تسلیم کرکے اس کی اطاعت کرنا یہ اسٹیٹ ہے یہی دین کا مفہوم بھی ہے۔ اور دین حق یہ ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کی، اور خود اپنے نفس کی اور تمام مخلوقات کی بندگی اور اطاعت چھوڑ کر صرف اللہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرے اور اسی کی بندگی واطاعت اختیار کرے۔

(۳) پھر رسول بھیجنے کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ نظام اطاعت (دین) اور قانون حیات (الہدیٰ) کو پوری جنس دین پر غالب کردے، پوری جنس دین سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں انسان انفرادی یا اجتماعی طور پر جن جن صورتوں سے کسی کی اطاعت کر رہا ہے، سب جنس دین کی مختلف انواع ہیں بیٹے کا والدین کی اطاعت کرنا، بیوی کا شوہر کی اطاعت کرنا ... (وغیرہ)

(۴) شرک کرنے والے کون ہیں؟ وہ سب لوگ ہیں جو انفرادی و اجتماعی زندگی میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ دوسری مستقل بالذات (یعنی اللہ کی اطاعت سے آزاد) اطاعتیں شریک کرتے ہیں بعض انسان تو بالکل غیر اللہ کے مطیع بن جاتے ہیں اور بعض انسان اپنی زندگی کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے کسی حصّہ میں خدا کے بھیجے ہوئے قانونِ اخلاق و شریعت کی اطاعت کرتے ہیں اور کسی دوسرے حصّہ میں اپنے نفس کی یا دوسروں کی اطاعت کرتے ہیں، اسی چیز کا نام اللہ کی اطاعت کے ساتھ دوسری اطاعتوں کو شریک کرنا ہے۔

مودودی صاحب کی تحقیق پر ایک نظر

مودودی صاحب کی مذکورہ تشریح اور تحقیق کے بعد آیئے دیکھیں کہ علمارِ حق اور ائمہ مفسرین اس آیتِ پاک کی کیا تشریح و تفسیر کرتے ہیں۔ سب سے پہلے " الہدیٰ" کو لیجئے اس لفظ پر بحث کرتے ہوئے لغات قرآنی کے مسلّم امام علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

الھدیٰ والھدایۃ فی موضوع اللغۃ واحد. لکن قد خص اللّٰہ عز وجل لفظۃ الھدیٰ بما تولاہ واعطاہ واختص ھو بہ دون ما ھو الی الانسان۔

(المفردات ص۵۶۳ مطبوعہ المطبعۃ المیمنیۃ مصر)

ہدیٰ اور ہدایت لغوی معنی کے اعتبار سے ایک ہیں لیکن لفظ ھدیٰ کو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کیلئے خاص کر لیا ہے جس کا وہ خود والی ہو جس کو وہ خود عطا کرتا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہو انسانوں سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔

یہ عطیۂ خداوندی و موہبۃ ربانی ہے کیا چیز؟ تو اکثر مفسرین نے اس سے قرآن کریم مراد لیا ہے۔ چنانچہ شیخ آلوسی لکھتے ہیں (بالہدیٰ) ای القرآن الذی ہو ھدی للمتقین۔ یعنی ہدیٰ سے مراد قرآن ہے جو متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔ یہی تشریح قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی فرمائی ہے۔

(دیکھئے روح المعانی ص۸۵ ج۱۰ والمظہری ص۱۵۷ ج۴)..........

یہی قول علامہ ابوالسعود اور شیخ جمل کا بھی ہے۔ اس کے بعد لفظ دین کو دیکھئے۔ مودودی صاحب نے اپنی تشریح میں اُسے اطاعت کے معنی میں بتایا ہے اور ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کی ہے کہ کیش اور مذہب اس کا اصل معنی نہیں ہے۔ اس وضاحتی جملے سے وہ یہ تأثر دینا چاہتے ہیں کہ لفظ دین کا اصل اور موضوع لہٗ معنی اطاعت ہے۔ مذہب وغیرہ اس کے معنی مجازی ہیں۔ ان کی یہ

نرالی تحقیق بھی معنوی تحریف ہے۔ کسی بھی معتبر عربی لغت میں یہ نہیں ہے کہ دین کا معنیٰ موضوع لہٗ اطاعت ہے۔ بلکہ مستند لغتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل اور حقیقی معنیٰ طاعت ہے اور طاعت واطاعت میں جو فرق ہے وہ مودودی صاحب سے پوشیدہ نہیں ہوگا کہ طاعت ایک وصف ہے اور اطاعت اس وصف کو عمل میں لانے کا نام ہے۔ لفظ دین کے معنیٰ موضوع لہٗ کی تحقیق کے لئے چند مستند ومعتبر کتب لغات کے حوالے دیکھئے۔

(۱) الدین یقال للطاعۃ والجزاء و استعیر للشریعۃ والدین کالملۃ۔ (المفردات امام راغب)

دین "طاعت اور جزاء" کے معنیٰ میں بولا جاتا ہے اور لفظ ملت کی طرح بطور استعارہ شریعت اور مذہب کے معنیٰ میں آتا ہے۔

(۲) الدین بالکسر الجزاء والمکافاۃ والدین العادۃ والشان والدین العبادۃ للہ تعالیٰ والدین الطاعۃ وھو اصل المعنیٰ (تاج العروس علامہ زبیدی)

دال کے کسرہ کے ساتھ دین جزا اور بدلہ کے معنیٰ میں ہے، اور دین عادت اور حالت کے معنیٰ میں ہے اور دین اللہ تعالیٰ کی عبادت کے معنیٰ میں ہے۔ اور دین بمعنیٰ طاعت کے ہے اور یہی اس کا اصل معنیٰ ہے۔

* * * * * * *

(۳) الدین الجزاء والمکافاۃ والمواظبۃ من الامطار والطاعۃ (اقرب الموارد)

دین کے معنیٰ جزاء، لگاتار بارش اور طاعت کے ہیں۔

ان نقول سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی کہ دین کا اصل معنیٰ طاعت ہے اطاعت نہیں ہے۔ ہاں بطور مجاز کے اطاعت اور مذہب وغیرہ کے معنیٰ میں اس کا استعمال ہو تو وہ ایک الگ بات ہے جس سے یہاں بحث نہیں۔

مودودی صاحب نے اسی پر بس نہیں کیا کہ معنیٰ مجازی کو معنیٰ اصلی قرار دیدیا بلکہ اسے اپنے نصب العین سے ہم آہنگ کرنے کی غرض سے اسٹیٹ کا معنیٰ دیا اور پھر بیک جنبش قلم بالاتر اقتدار تک پہنچا دیا۔ ان ساری تحقیقات سے مقصود بھی یہی تھا۔ اس طرح انھوں نے قرآن کریم کے صرف ایک لفظ میں تین معنوی تحریفات کیں تب کہیں جا کر منزل مقصود کے قریب پہنچے مگر اب بھی پورے طور پر مقصد حاصل ہوتا نظر نہیں آیا تو ایک کوشش اور کی اور "لیظھرہ" کی ضمیر فاعل کو

جمہور مفسرین کے برخلاف رسول کی جانب پھیر دیا۔ جس کی نحوی اعتبار سے اگرچہ کسی حد تک گنجائش نکل سکتی ہے لیکن قرآن کریم کا داخلی اور معنوی مفہوم اُسے بالکل قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ آیت پاک میں جس اظہار اور غلبہ کا ذکر ہے وہ ایک خدائی منصوبہ ہے جو مشرکین اور کفار کی کراہت و نفرت کے باوجود پورا کیا جائے گا جبکہ رسول کی ذمہ داری صرف تبلیغ دین اور دعوتِ حق کی حد تک ہے " وَما علیك الاالبلاغ ، لست علیھم بمصیطر وغیرہ ارشاداتِ ربّانی میں اسی امر کی وضاحت کی گئی ہے۔ رسول کے ذمہ قطعی طور پر یہ کام نہیں ہے کہ وہ کافروں کی نفرت اور انکار کے باوجود زبردستی دین کو ان پر مسلط کردے اور نہ یہ رسول کے بس کی بات ہی ہے۔ بلکہ یہ مالکِ کائنات اور فعّال لما یرید ہستی کے قبضۂ اختیار کی چیز ہے اور اس موقع پر اس اختیار خداوندی کی خبر دی گئی ہے۔ اس لئے نحوی گنجائش کے باوجود یہاں لیظھرہ کا فاعل اللہ ہی ہوگا۔ قاضی بیضاوی نے یہی بات اپنے انداز میں یوں بیان کی ہے۔

هو الذى ارسل رسوله بالهدىٰ ودين الحق ليظهره على الدين كلّه، كالبيان لقوله (ويابى الله الّا ان يتم نوره) ولذلك كرر (ولوكره المشركون) غير انه وضع المشركون موضع الكافرون،

آیت هو الذى ارسل رسوله الخ گویا ویابیٰ اللہ الّا ان یتم نورہ) کا بیان ہے اسی لئے دوبارہ ولوکرہ المشرکون فرمایا البتہ اتنا فرق ہے کہ پہلے جملے میں کافرون تھا اور دوسرے میں اسکے بجائے مشرکون ہے۔

قاضی صاحب آیت هو الذى ارسل رسوله الخ کو ماقبل کی آیت کے فقرے ویابیٰ اللہ الخ کا بیان قرار دیکر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب پہلے جملے میں اللہ کا فاعل ہونا مسلّم اور مذکور ہے تو اصولی طور پر دوسرے جملے میں بھی فاعل ہی ہوگا۔ الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ یہی بات علامہ آلوسی نے بھی کہی ہے۔

دیکھئے بیضاوی تفسیر سورۃ توبہ اور روح المعانی ص ۸۶ ج ۱۰)

اور مراح لبید صفحہ ۳۵۸ ج ۱ میں بھی یہی بات وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہے۔ لیظھرہ على الدين كله، اى ليعلى الله دين الاسلام على الاديان كلها، یعنی اللہ تعالیٰ

دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کردے۔

آخر میں مشرک کون ہے ؟ کے سوالیہ نشان کے بعد مودودی صاحب نے شرک کی جو تشریح کی ہے وہ بھی سراسر خانہ زاد اور من گھڑت ہے۔ قرآن وحدیث اور دیگر ماخذ اسلامی سے متعین طور پر یہ بات معلوم و متحقق ہے کہ ذات یا صفات الٰہیہ کا وجود کسی مخلوق میں ماننا شرک کہلاتا ہے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے شرک کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔" ان یعتقد فی المخلوق صفات الواجب " مخلوق میں صفاتِ خداوندی کا اعتقاد رکھنا (الحجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۱۵ ج ۱ بتغیر)

امام راغب نے بھی المفردات ص ۲۶۰ میں یہی بات کہی ہے۔ لیکن اس کے برخلاف مودودی صاحب کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی کے ایک حصہ میں خدا کے قانون کی اطاعت کرتا ہے اور کسی دوسرے حصہ میں اپنے نفس کی تو اسی کا نام شرک ہے مثلاً اگر کوئی خدا کی ذات وصفات میں وحدانیت کا عقیدہ رکھتے ہوئے نفس وشیطان یا ماحول ومعاشرہ کی پیروی میں شراب پی لیتا ہے، سودی لین دین کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ جوئے یا سٹے کا شغل رکھتا ہے۔ ناحق کسی پر ظلم و زیادتی کر بیٹھتا ہے تو اُن کے نزدیک اس کے یہ سارے کے سارے اعمال شرک کہلائیں گے۔ اور وہ شخص مشرک ہوگا۔ کیونکہ اس نے زندگی کے ایک حصہ میں خدا کی اطاعت کے بجائے۔ نفس وشیطان یا ماحول ومعاشرہ کی اطاعت کی ہے۔ حالانکہ یہ جملہ امور خدا کی حکم عدولی اور نافرمانی کے ہیں۔ اور شرک اور عدم اطاعت میں زمین وآسمان کا فرق ہے ایک کا تعلق اعتقاد سے ہے اور دوسرے کا عمل سے عملی کوتاہی پر خدا کی جناب سے عفو ودرگذر اور رحمت ومغفرت کی امید دلائی گئی ہے۔ ارحم الراحمین کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے کہ اعلان فرمادیں۔

قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم (الزمر رکوع ۳)	آپ کہدیجئے اے میرے بندو جنھوں نے کہ زیادتی کی ہے اپنے اوپر آس مت توڑو اللہ کی رحمت سے بیشک اللہ بخش دیگا تمام گناہوں کو یقیناً وہی مغفرت کرنیوالا اور رحم کرنیوالا ہے۔

اس کے برخلاف شرک کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا صاف اعلان ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ الخ الآیۃ (نساء رکوع ۸) اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک ٹھہرانے کو معاف نہیں کرے گا۔

مگر مودودی صاحب پر اپنے نصب العین اور نظریۂ اقامت دین کی گرفت اتنی شدید ہے کہ آیتِ زیر بحث کو اس کے تابع اور موافق بنانے کے لئے انھوں نے شرک اور گناہ کے بیّن فرق کو نظر انداز کر کے دونوں کو ایک بنا دیا۔

آیتِ زیر بحث کی صحیح تشریح

اس مختصر گفتگو کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت زیر نظر کے مفہوم کا خلاصہ درج کر دیا جائے۔ جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا قرآن کریم کیا کہہ رہا ہے۔ اور مودودی صاحب اس کی ترجمانی کس انداز میں کر رہے ہیں۔ ذہن کو تشتت اور انتشار سے بچانے کے لئے آیت اور اس کا ترجمہ دوبارہ ملاحظہ کیجئے۔ پھر اس کے بعد تشریح کا خلاصہ۔ ارشاد الٰہی ہے

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۔ (سورۂ توبہ آیت ۳۲)

وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت (یعنی قرآن) اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کا سامان یعنی قرآن اور دینِ حق یعنی اسلام دے کر اسی لئے بھیجا ہے تاکہ اس کو دنیا کے تمام بقیہ دینوں پر غالب کر دے تقریباً انہی لفظوں کے ساتھ قرآن کریم میں متعدد آیات آئی ہیں۔ جن میں یہ وعدہ ہے کہ دینِ اسلام کو دنیا کے تمام ادیان پر غالب کیا جائے گا۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ دینِ اسلام کو دوسرے دینوں پر غالب کرنے کی یہ خوشخبری اکثر زمانوں اور اکثر حالات کے اعتبار سے ہے جیسا کہ حضرت مقدادؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی کچا پکا مکان باقی نہ رہے گا۔ جس میں اسلام کا کلمہ داخل نہ ہو جائے۔ عزت داروں کی عزت کے ساتھ اور ذلیل لوگوں کی ذلت کے ساتھ

جن کو اللہ تعالیٰ عزت دیں گے وہ مسلمان ہو جائیں گے اور جن کو ذلیل کرنا ہو گا وہ اسلام کو قبول نہ کریں گے۔ مگر اسلامی حکومت کے تابع ہو جائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا۔ ایک ہزار سال کے قریب اسلام کی شان و شوکت پوری دنیا پر چھائی رہی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کے عہد مبارک میں تو اس نور کی تکمیل و اتمام کا مشاہدہ ساری دنیا کر چکی ہے۔ اور آئندہ بھی دلائل اور حقائق کے اعتبار سے ہر زمانہ میں دین اسلام ایسا مکمل دین ہے کہ کسی معقول پسند انسان کو اس پر حرف گیری کا موقع نہیں مل سکتا اس لئے کفار کی مخالفتوں کے باوجود یہ دین حق اپنی حجت و دلیل کے اعتبار سے ہمیشہ غالب ہے۔ اور جب مسلمان اس دین کی پوری پیروی کریں تو ان کا ظاہری غلبہ اور حکومت بھی اسکے لوازم میں سے ہے جیسا کہ تاریخ اسلام کا تجربہ اس پر شاہد ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے قرآن و سنت پر پوری طرح عمل کیا تو کوئی کوہ و دریا اُن کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکا۔ اور یہ پوری دُنیا پر غالب آکر رہے اور جب کبھی جہاں کہیں ان کو مغلوب یا مقہور ہونے کی نوبت آئی ہے۔ قرآن و سنت کے احکام سے غفلت اور خلاف ورزی کا نتیجۂ بد تھا۔ جو ان کے سامنے آیا۔ دین حق پھر بھی اپنی جگہ مظفر و منصور ہی رہا۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۳۶۶)

اس تشریح و تفسیر کے علاوہ ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیتِ کریمہ کی ایک اور تفسیر منقول ہے۔ جس کی رو سے اس آیت کا مودودی صاحب کے مفروضہ نصب العین اور مشن سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے جس کے لئے انھوں نے الفاظ قرآنی میں معنوی تحریفات کی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ تفسیر المظہری میں یوں منقول ہے۔

(لیظھرہٗ) قال ابن عباس رضی اللہ عنہ الضمیر المنصوب عائد الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم والمعنی یطلع الرسول (علی الدین کلہ) یعنی شرائع الدین کلھا لا یخفی علیہ منہا شیئ (ص ۱۹۵ ج ۴)

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ "لیظھرہٗ" کی ضمیر ھا رسول کی طرف راجع ہے اور معنیٰ یہ ہے تاکہ اللہ تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شرائع دین کی تعلیم دے احکام دین میں سے

اس تفسیر کے اعتبار سے یظہر غلبہ دینے کے معنیٰ میں نہیں ہے۔ بلکہ مطلع کرنے اور
ـے کرنے کے معنیٰ میں ہے۔ عربی میں "اظہر علی" کے یہ معنیٰ بھی آتے ہیں۔ قرآن کریم کی
۔ "عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احداً" میں یہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ
ں تفسیر کے لحاظ سے آیت کا ترجمہ یہ ہوگا۔

"وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو الہدیٰ (قرآن) اور دین حق کے ساتھ
بھیجا تاکہ رسول کو مکمل شرائع دین کی تعلیم دے اور اس سے واقف کرادے
(یہاں تک کہ ان پر احکام دین سے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے"

ـزف طوالت انہی تین مثالوں پر اس موضوع کو ختم کیا جارہا ہے کیونکہ اس وقت نہ تو
ـصاء مقصود ہے اور نہ ہی ان اوراق میں اس کی گنجائش ہے بلکہ بطور نمونہ کے تین مثالیں
ـکردی گئی ہیں۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مودودی صاحب نے قرآن کریم کی
ـی کے پردہ میں اپنے افکار و نظریات کی کس حد تک ترجمانی کی ہے۔ تفسیر بالرائے
ـ واضح مثالوں کے بعد امیر جماعت صاحب کو یہ شکایت نہ ہونی چاہئے کہ ان کی جماعت
ـن جماعت پر ناحق اور بلا دلیل تفسیر بالرائے کا سنگین الزام عائد کیا گیا ہے۔

مہاجرین اور انصار کے درمیان
مواخات

از ــــــــــ حضرت مولانا ادریس کاندھلوی مدظلہ

مہاجرین جب مکہ سے اللہ کے لئے اپنے اہل وعیال خویش واقارب گھر اور بار چھوڑ کر مدینہ پہنچے تو آپ نے مہاجرین والانصار کو مواخات (بھائی بندی) کا حکم دیا تاکہ وطن اور اہل وعیال سے مفارقت کی وحشت اور پریشانی انصار کی الفت ومؤانست سے بدل جائے ضرورت کے وقت ایک دوسرے کا معین اور مددگار اور مصیبت کے وقت ایک دوسرے کا غمگسار ہو۔ ضعیف اور کمزور کو قوی اور زبردست کی اخوت سے قوت حاصل ہو۔ اور ضعیف قوی کے لئے قوت بازو بنے۔ اعلیٰ شخص ادنیٰ شخص کے فوائد سے اور ادنیٰ۔ اعلیٰ کے منافع سے مستفید اور منتفع ہو اور مہاجرین والانصار کے منتشر دانے ایک رشتۂ مواخات میں منسلک ہوکر سبحۂ واحد بن جائیں۔ تشتت اور تفرق کا نام ونشان باقی نہ رہے سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑلیں جو تفرق اور اختلاف بنی اسرائیل کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بنا۔ یہ امت مرحومہ اس سے بالکلیہ محفوظ رہے اور اجتماع کی وجہ سے اللہ جل جلالہٗ کا ہاتھ ان کے سر پر ہو اور اگر زمانۂ جاہلیت کے تفاخر اور مباہات کا کوئی فاسد مادہ قلب میں باقی ہے تو اس رشتۂ مساوات سے اس کا استیصال اور قلع قمع ہوجائے اور بجائے تفاخر اور تعلّی غرور اور نخوت کے تواضع اور مسکنت مواخات اور مساوات سے معمور ہوجائے۔ خادم اور مخدوم۔ غلام اور مولیٰ۔ محمود اور ایاز سب ایک ہی صف میں آجائیں دنیا کے سارے امتیازات مٹ کر صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کا شرف اور بزرگی باقی رہ جائے۔ کما قال تعالیٰ:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ — تحقیق اللہ کے نزدیک سب سے مکرم وہ ہے کہ جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو۔

انہی مصالح کی وجہ سے آپ نے ہجرت مدینہ سے قبل مکہ مکرمہ میں فقط مہاجرین میں باہمی رشتۂ مواخات قائم فرمایا۔ اور پھر ہجرت کے بعد مہاجرین والانصار کے مابین مواخات فرمائی۔ چنانچہ حافظ ابن البر

فرماتے ہیں۔ مواخات دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ فقط مہاجرین کے مابین تھی کہ ایک مہاجر دوسرے مہاجر کا بھائی قرار دیا گیا، اور یہ مواخات مکہ میں ہوئی اور دوسری مواخات ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار کے مابین ہوئی۔

چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور عبد اللہ بن مسعود میں مواخات فرمائی۔ حالانکہ دونوں حضرات مہاجرین میں سے تھے۔

اس حدیث کو حاکم اور ابن عبد البر نے روایت کیا اور اسناد اس کی حسن ہے۔ اور حافظ ضیاء الدین مقدسی نے اس حدیث کو "مختارہ" میں طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ مختارہ کی حدیثیں مستدرک حاکم کی حدیثوں سے بہت زیادہ صحیح اور قوی ہیں مستدرک حاکم میں۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ میں اور فلاں اور فلاں میں مواخات فرمائی۔ اخیر میں جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ باقی رہ گئے تو عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اپنے اصحاب میں مواخات فرمائی۔ میرا بھائی کون ہے۔ آپ نے فرمایا میں تیرا بھائی ہوں۔ فتح الباری صـ۲۱۱ و صـ۲۱۱ ج ۷، باب کیف آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ

حافظ ابن سید الناس عیون الاثر صـ۱۹۹ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ جو مواخات ہجرت سے قبل مکہ میں خاص مہاجرین ہوئی ان حضرات کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	عمر رضی اللہ عنہ
(۲) حمزہ رضی اللہ عنہ	زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
(۳) عثمان غنی رضی اللہ عنہ	عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ
(۴) زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
(۵) عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ	بلال بن رباح رضی اللہ عنہ
(۶) مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
(۷) ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ	سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ
(۸) سعید بن زید رضی اللہ عنہ	طلحہ بن عبیدہ رضی اللہ عنہ
(۹) سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	علی کرم اللہ وجہہ

دوسری مواخات

دوسری مواخات ہجرت کے پانچ ماہ[۱] بعد پینتالیس مہاجرین اور پینتالیس انصار کے مابین حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مکان میں ہوئی۔ اور ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنایا گیا فتح الباری صفحہ ۲۱۱ ج ۷۔ جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔

مہاجرین	انصار
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ
عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ	سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ
زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	سلامۃ بن سلامۃ بن وقش رضی اللہ عنہ
عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ
طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ	کعب بن مالک رضی اللہ عنہ
سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ	اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ
مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	ابوایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ
ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ	عبّاد بن بشر رضی اللہ عنہ
عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما	حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما
ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ	منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ
سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ	ابوالدرداء عویمر بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
بلال رضی اللہ عنہ	ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ
سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۸۱ ج ۱	
حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ
ابو مرثد رضی اللہ عنہ	عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ
عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ

---

[۱] اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مواخات مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد ہوئی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جس وقت مسجد نبوی تعمیر ہو رہی تھی، عیون الاثر صفحہ ۲۰۱ ج ۱

عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
ابو سلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ
عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ
عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ
طفیل بن الحارث رضی اللہ عنہ یعنی عبیدہ بن الحارث کے بھائی
صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ
مقداد رضی اللہ عنہ
ذوالشمالین رضی اللہ عنہ
ارقم رضی اللہ عنہ
زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ
عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ
عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ
خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ
سبرۃ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ
مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ
عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ
عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ
مہجع مولی عمر رضی اللہ عنہ

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ
سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ
ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ
عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ
سفیان نسر خزرجی رضی اللہ عنہ
رافع بن معلیٰ رضی اللہ عنہ
عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
یزید بن الحارث رضی اللہ عنہ
طلحہ بن زید رضی اللہ عنہ
معن بن عدی رضی اللہ عنہ
سعد بن زید رضی اللہ عنہ
مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ
منذر بن محمد رضی اللہ عنہ
عبادۃ بن الخشخاش رضی اللہ عنہ
زید بن المزین رضی اللہ عنہ
مجذر بن وبار رضی اللہ عنہ
حارث بن صمۃ رضی اللہ عنہ
سراقۃ بن عمرو بن عطیہ رضی اللہ عنہ

(کذا فی عیون الاثر ص ۲۰۰ ج ۱)

انصار نے جو مواخات کا حق ادا کیا اور جس مخلصانہ ایثار کا ثبوت دیا اولین اور آخرین میں اس کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔ زر اور زمین مال اور جائیداد سے جو مہاجرین کے ساتھ سلوک کیا ہے وہ تو کیا ہی کہ زمین اور باغات مہاجرین کو دے ڈالے ان سب سے بڑھ کر یہ کیا کہ جس انصاری کی دو بیویاں تھیں اس نے اپنے مہاجر بھائی سے یہ کہہ دیا کہ جس بیوی کو تم پسند کرو میں اس کو طلاق دیتا ہوں طلاق کے بعد آپ اس سے نکاح کرلیں۔

سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی انصاری اپنے درہم و

دینار کا اپنے مہاجر بھائی سے زیادہ اپنے کو مستحق نہیں سمجھتا تھا۔ زرقانی صفحہ ۳۶۴ ج ۱

چنانچہ مہاجرین نے انصار کے اس بے مثال ہمدردی اور ایثار کو دیکھ کر آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جس قوم پر ہم آکر اترے ہیں ان سے بڑھ کر کسی قوم کو ہم نے ہمدرد اور غمگسار مخلص اور وفاشعار تنگی اور فراخی ہر حال میں مددگار نہیں دیکھا ہم کو اندیشہ ہے کہ سب اجر انہیں کو مل جائے اور ہم اجر سے بالکل محروم رہ جائیں۔ آپ نے فرمایا نہیں جب تک تم ان کے لئے دعا کرتے رہو۔ (اخرجہ ابن سید الناس باسنادہ عن انس رضی اللہ عنہ) عیون الاثر و قال ابن کثیر ہذا حدیث ثلاثی الاسناد علی شرط الصحیحین ولم یخرجہ احد من اصحاب الکتب الستۃ من ہذا الوجہ البدایۃ والنہایۃ صفحہ ۲۲۸ ج ۳۔

یعنی دعا کا احسان درہم و دینار کے احسان سے کم نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے دراہم معدودہ تو درکنار اگر تمام خزائن عالم کو ترازو کے ایک پلہ میں اور صرف ایک مخلصانہ دعا کو دوسرے پلہ میں رکھ کر تولا جائے تو انشاء اللہ ثم انشاء اللہ یہی دُعا کا پلّہ بھاری رہے گا۔ اور یہ انشاء اللہ تعلیق اور شک کی بنا پر نہیں بلکہ تبرکاً اور تادباً کہتا ہوں۔ امام بخاری نے جامع صحیح کی کتاب التوحید کے باب فی المشیئۃ والارادۃ کے ذیل میں بکثرت ایسی حدیثیں ذکر فرمائی جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بطور تعلیق نہیں بلکہ بطور تبرک انشاء اللہ کہنا مذکور ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا کے پاس جب کوئی سائل آتا اور دعائیں دیتا جیسا کہ سائلین کا طریق ہے تو ام المومنین بھی اس فقیر کو دعائیں دیتیں اور بعد میں کچھ خیرات دیتیں کسی نے کہا اے ام المومنین آپ سائل کو صدقہ بھی دیتی ہو اور جس طرح وہ آپ کو دعا دیتا ہے اسی طرح آپ بھی دعا دیتی ہو۔ فرمایا کہ اگر میں اس کو دعا نہ دوں اور فقط صدقہ دوں تو اس کا احسان مجھ پر زیادہ رہے گا۔ اس لئے دعا صدقہ سے کہیں بہتر ہے اس لئے دعا کی مکافات دعا سے کر دیتی ہوں تاکہ میرا صدقہ خالص رہے کسی احسان کے مقابلہ میں نہ ہو۔ کذا فی المفاتیح شرح المصابیح لہٰذا جو شخص دراہم معدودہ دے کر مخلصانہ دعاؤں کا سودا کر سکتا ہے وہ کبھی نہ چوکے اور موقعہ کو ہاتھ سے نہ دے ؎

بجا دے چند دادم جاں خریدم　∴　بحمد اللہ زہے ارزاں خریدم

یہ رشتۂ مواخات اس قدر محکم اور مضبوط تھا کہ بمنزلۂ قرابت و نسب سمجھا جاتا تھا۔ جب کوئی انصاری مرتا تو مہاجر ہی اس کا وارث ہوتا۔ کما قال تعالیٰ۔

إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ آوَوْا وَّنَصَرُوْا أُولٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ط

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور جان و مال سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی۔ یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

چند روز کے بعد میراث کا حکم تو منسوخ ہوگیا اور تمام مومنوں کو بھائی بنا دیا گیا۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ۔

اب مواخات کا رشتہ فقط مواسات یعنی ہمدردی اور غم خواری نصرت و حمایت کے لئے رہ گیا اور میراث نسبی رشتہ داروں کے لئے خاص کر دی گئی۔ فتح الباری ص۲۱۱ ج ۷۔ زرقانی ص۳۷۳ ج ۱

عظمتِ صحابہؓ

ہم اہل سنت خلفائے راشدین و صحابۂ کبار پر جن کے ایمان، نصرت و تقویٰ اور رضوان و مغفرت پر اللہ اور اللہ کا رسول گواہ ہے۔ جن کی فضیلت و کرامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و کرامت پر چار چاند لگانے والی ہے۔ جن کی دنائت و ذمائم کے وہم سے حضرت نبوت میں دابۂ عار پیدا ہو سکتا ہے۔ کسی مورخ کے قول یا حدیث غیر اقویٰ کی دلالت سے جرح و طعن سنتے ہی نہیں اللہ کے انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یار و مصاحبوں پر یہ منہ کر زبان کھولے اور کسی دور افتادہ آستان قرب و محروم جمال محبوب کی یہ مجال کہ دم مارے ان کی شان کے خلاف ہر قول رد کر دیا جائے گا۔ آسمان کا تھو کا منہ پر آئے گا۔

(مولانا فتح محمد تائب لکھنوی)

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

مسائل حاضرہ

ٹیلیویژن کا شرعی حکم

از: مولانا مفتی نظام الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ٹیلیویژن بنانا، مرمت کرنا، اس کا خریدنا، بیچنا یا اس کی تجارت کرنا، یا چالو ہونے کی صورت میں اس کے اندر ظاہر شدہ مناظر کا دیکھنا یا سننا وغیرہ شرعاً جائز ہے یا نہیں، امید کہ تفصیل سے جواب دے کر مشکور فرمائیں گے۔

فقط بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق

۱۔ ٹیلیویژن ناجائز کاموں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور سنجیدہ و جائز مقاصد کے اعلان کا بھی ذریعہ ہے، اور واضع کی غرض بھی محض لہو ولعب نہیں ہے اس لئے اس کو محض آلۂ لہو ولعب بھی نہیں کہا جاسکتا، اس کا استعمال اکثر وبیشتر لہو ولعب میں ہی ہونے لگا ہے اس لئے اکثر محتاطین نے اس کے استعمال کو تغلیظاً علی الاطلاق ناجائز فرمادیا ہے اور وہ سداً للباب صحیح بھی ہے اور اس کا تحقیقی حکم بندہ کے نزدیک ایک تفصیل پر موقوف ہے اور وہ یہ ہے کہ اس آلہ میں جو چیزیں نظر آتی ہیں اس کی دو حیثیت ہے۔

حیثیت نمبر ۱: ان چیزوں کا دیکھنا، سننا، اور اس آلہ کو کسی مقصد کے لئے استعمال کرنا۔

حیثیت نمبر ۲: ان چیزوں کا خود بنانا۔ دکھانا، سنانا۔ مرمت کرنا، ان دونوں شقوں کے احکام مختلف اور الگ الگ ہیں۔

شق نمبر ۱ کا حکم شرعی یہ ہوگا کہ ان کا جواز یا عدم جواز ان چیزوں کے محض عکس یا فوٹو وغیرہ ہونے میں دائر و منحصر نہ ہوگا بلکہ اس کے استعمال کا جواز و عدم ان ضابطوں پر دائر ہوگا۔

ضابطہ نمبر ۱: جو چیزیں اس آلہ میں سنائی دیں یا نظر آئیں اگر ان کا دیکھنا یا سننا بغیر اس آلہ کے

ہے تو اس آلہ کے ذریعہ سے بھی ان کا دیکھنا و سُننا جائز رہے گا جیسے جائز خبر و کلام وغیرہ کا سننا، جو بغیر باجے وغیرہ آلات لہو کے ہوں۔ اور جیسے کسی غیر ذی روح کا فوٹو دیکھنا۔ جس میں اور کوئی شرعی قباحت نہ ہو۔ جس کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔

ضابطہ نمبر ۲:- جن چیزوں کا بغیر اس آلہ کے سُننا یا دیکھنا ناجائز ہو ان چیزوں کا اس آلہ میں بھی دیکھنا یا سننا ناجائز رہے گا جیسے ناجائز کلام کا سُننا۔ یا جائز ہی کلام ہو مگر باجے وغیرہ آلات لہو کے ساتھ ہو یا مثلاً عریاں یا فحش سین و منظر نظر آئے، بلکہ ہر وہ چیز جو نفسیاتی طور پر کسی بری خواہش میں ہیجان پیدا کرنے والی ہو یا ہیجان پیدا کرنے کا مظنہ ہو ان سب چیزوں کا بالقصد والاختیار دیکھنا، سُننا سب حرام رہے گا۔ خواہ بذریعہ عکس نظر آئیں یا بذریعہ فوٹو یا کسی اور طریقہ سے۔ محض عکس و فوٹو وغیرہ کے اعتبار سے اس حکم میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ اور

شق نمبر ۲ یعنی بنانے، دکھانے یا سُنانے کا حکم اس میں یہ تفصیل ہے

(الف) اگر یہ عمل فوٹو کے ذریعہ سے ہو اور فوٹو ذی روح کا ہو تو اس کا بنانا، دیکھنا وغیرہ سب بالکل حرام و ناجائز ہوگا۔ خواہ شق نمبر ۱ کی خرابیاں اس میں منضم ہوں یا نہ ہوں۔

(ب) اگر فوٹو غیر ذی روح کا ہو۔ مگر اس سے کفر یا شرک کے کسی شعار کا اعزاز یا اس کا تعاون ہوتا ہو تو اس کا بھی بنانا، دیکھنا وغیرہ سب ناجائز و حرام رہے گا۔

(ج) اگر یہ خرابیاں نہ ہوں تو ان کا بنانا، دیکھنا سب جائز رہے گا۔

اگر یہ عمل فوٹو کے ذریعہ سے نہ ہو، بلکہ صرف عکس کے ذریعہ سے ہوتا ہو تو چونکہ یہ عکس لینا اور ڈالنا اپنی قدرت اور اختیار سے ہوگا اس لئے اس قدرت و اختیار کو بے محل اور غلط طریقہ سے استعمال کرنے پر عند اللہ گرفت و مواخذہ ہوگا، اور انجام و نتائج کے اعتبار سے اس عکس لینے اور ڈالنے کا حکم بھی وہی ہوگا جو فوٹو کا ابھی الف و ب میں مذکور ہوا۔ اس لئے الف و ب کے موقع میں اس عکس کے ذریعہ سے بھی دکھانا، سنانا وغیرہ ناجائز رہے گا۔ اور اس کا عکس لینے اور ڈالنے کو خود عکس پڑ جانے پر قیاس نہیں کر سکتے، اس لئے کہ عکس پڑ جانا یہ اپنی قدرت و اختیار میں نہیں ہوتا۔ اور اسی وجہ سے یہ عکس جو خود پڑ جائے خواہ دھوپ میں ہو یا پانی میں ہو یا آئینہ وغیرہ میں ہو اگرچہ کتنا ہی فحش و عریاں ہو یا معصیت کا ہو، اگر اس پر نگاہ اچانک پڑ جائے چونکہ یہ نگاہ پڑ جانا بھی اپنی قدرت و اختیار سے نہیں ہے اس لئے اس نگاہ پڑ جانے پر

اول وہلہ میں کوئی گرفت یا مواخذہ بھی عند اللہ نہیں، البتہ اگر اس پر نگاہ قائم رکھی جائے ہٹائی نہ جائے یا ہٹا کر دوبارہ ڈالی جائے تو چونکہ یہ نگاہ قائم رکھنا یا دوبارہ ڈالنا اپنے قدرت واختیار میں ہے اس لئے یہ حرام وگناہ ہے۔

امید کہ اس تفصیل سے ٹیلویژن کی ساری شقوں کا شرعی حکم نکل آئے گا خواہ اس میں محض عکس تسلیم کر لیا جائے یا کچھ اور، اور اس سے اس حکم شرعی میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ فقط۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر نظام الدین

مفتی دارالعلوم دیوبند

۷ / ۱۳۹۵ھ

عجیب ارتباط

اسلامی ہند کی تاریخ کا یہ ایک عجیب واقعہ ہے کہ جس وقت چشتیہ سلسلہ کا دور اول ختم ہوا اسی وقت سلطنتِ دہلی نے دم توڑا۔

اگر ایک طرف شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے وصال کے بعد چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام ختم ہو گیا تو دوسری طرف فیروز شاہ کے انتقال (۱۳۸۸ء) کے بعد سلطنت دہلی کی مرکزی حیثیت بھی ختم ہو گئی۔ اگر سیاسی دنیا میں محمد بن تغلق یہ اعلان کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ "ملک امر یعن گشت"[1] تو روحانی حلقوں میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے یہ الفاظ کانوں میں پڑتے ہیں "امروز دین کار (مشیخت) بازیٔ بچگاں شد"[2]

(۱) تاریخ فیروز شاہی برنی ص۵۲۱　(۲) اخبار الاخیار ص۸۰)

ادبیات

غزلیں

رشید انصاری

(۱)

آئینہ انوارِ سحر لے کے چلے ہیں
ہم دولتِ بیدارِ نظر لے کے چلے ہیں

تابندگیٔ قلب و نظر لے کے چلے ہیں
امید کی رنگین سحر لے کے چلے ہیں

کیا کیا انہیں الزام دیے اہلِ خرد نے
دیوانے ترا نام جدھر لے کے چلے ہیں

احساسِ مسرت ہے نہ اندیشۂ غم اب
وہ جلوۂ فردوسِ نظر لے کے چلے ہیں

اس حسنِ تصور کے تصدق کہ رشید اب
آنکھوں میں فروغِ گلِ تر لے کے چلے ہیں

(۲)

کم حوصلۂ ضبطِ الم ہونے نہ دیں گے
جذبات کو پامالِ ستم ہونے نہ دیں گے

حق بات پہ کٹتی ہے تو کٹ جائے زبان بھی
سر اپنی روایات کا خم ہونے نہ دیں گے

گلہائے تبسم سے سجا لیں گے لبوں کو
سنگینیٔ حالات کا غم ہونے نہ دیں گے

ہم ہوش میں ہیں وقت کی مغرور ہواؤ!
گل شمعِ شبستانِ حرم ہونے نہ دیں گے

سہہ لیں گے بہر طور جو گذرے گی رشید آج
سر اپنا کسی حال میں خم ہونے نہ دیں گے

فہرست کتب مکتبہ دارالعلوم دیوبند (شعبہ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند)

نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت
فتاوی دارالعلوم جلد ۱	22/-	دیوان المتنبی	10/-	انتصار الاسلام	9/-
،، ،، ۲	15/-	تاریخ دارالعلوم جلد اول	50/-	مصابیح والتراویح	6/50
،، ،، ۳	23/-	،، ،، ۲	50/-	تفسیر معوذتین	3/-
،، ،، ۴	28/-	،، انگریزی	35/-	اسلامی عقائد اور سائنس	2/-
،، ،، ۵	27/-	سوانح قاسمی جلد اول	40/-	مودودی مذہب	2/50
،، ،، ۶	33/-	،، ،، دوم	38/-	مودودی دستور و عقائد	2/50
،، ،، ۷	30/-	،، ،، سوم	12/-	نظریہ دو قرآن پر ایک نظر	3/50
،، ،، ۸	25/-	مخطوطات جلد اول	19/-	مکتوبات	3/-
،، ،، ۹	28/-	،، دوم	21/-	مکتوبات ثلٰثہ	4/-
،، ،، ۱۰	20/-	قبلہ نما	28/-	دو ضروری مسئلے	/75
،، ،، ۱۱	10/-	دینی دعوت کے قرآنی اصول	6/50	جماعت اسلامی کا دینی رخ ۱	3/50
الفیۃ الحدیث	11/-	ناقابل فراموش واقعات	26/-	،، ،، ۲	2/50
مشکوٰۃ الآثار	11/-	المنار الانوار	6/50	،، ،، ۳	2/50
الفیہ	3/50	مثنوی فروغ	4/50	،، ،، ۴	4/50
نفحۃ الادب	6/-	براہین قاسمیہ	9/-	اجتماع گنگوہ	-/75
مقدمۃ ابن الصلاح	15/-	حکمت قاسمیہ	2/50	درمنثور اول	1/-
تفسیر مدارک والتنزیل	8/-	مدارج سلوک	16/-	،، دوم	1/-
الاشباہ والنظائر	27/-	جائزہ تراجم قرآنی	11/-	اعفاء اللحیہ	1/-
عقیدۃ الطحاوی	18/-	قرآن محکم	4/-	ایمان و عمل	3/-
حسامی	20/-	حجۃ الاسلام	14/-	دارالعلوم دیوبند کا ایک فتویٰ	
ملاحسن	10/-	اسرائیل	4/-	اور اس کی حقیقت	1/50
مقامات حریری	22/-	قرآنی پیشین گوئی	3/75	ماثورہ دعائیں	1/50

Regd. No. SHN-L-13-NP-21-83

DARUL-ULOOM MONTHLY
DEOBAND (U.P.)

کور مطبوعہ این سی پرنٹرس دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا علمی دینی ماہنامہ

دارالعلوم

زیر سرپرستی

مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

مدیر مسئول

ریاست علی بجنوری

نگرانِ اعلیٰ حضرت الحاج مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا علمی، دینی

ماہنامہ دارالعلوم

جلد نمبر ۶۷ | جولائی و اگست ۱۹۸۳ء مطابق شوال و ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ | شمارہ نمبر ۵ و ۶

مجلس ادارت

مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی

مولانا ریاست علی صاحب (مدیر مسئول)

مولانا حبیب الرحمن صاحب قاسمی

طابع و ناشر

دارالعلوم معرفت مولانا مرغوب الرحمن صاحب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

مطبوعہ

محبوب پرنٹنگ پریس دیوبند

سالانہ زر اشتراک

ہندوستان سے ۲۵/- روپے

سعودی عرب، کویت، ابوظبی وغیرہ سے بذریعہ ایر میل ۹۰/- روپے

جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ وغیرہ سے بذریعہ ایر میل ۱۰۵/- روپے

امریکہ، کناڈا وغیرہ سے بذریعہ ایر میل ۱۱۶/- روپے

پاکستان سے ذریعہ ریل ۴۵/- روپے

فی پرچہ ۲/۵۰ روپے

ضروری گذارش

ماہنامہ دارالعلوم کے خریداروں سے گذارش ہے کہ جن حضرات کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے ان کو اس شمارہ میں بذریعہ سرخ نشان آپ کو اطلاع دی جا چکی ہے اور جولائی اگست کے شمارہ میں جن حضرات کی مدت خریداری جولائی اگست میں ختم ہو رہی ہے ان کو بذریعہ سرخ نشان مطلع کیا جا رہا ہے کہ وہ مہربانی فرما کر سالانہ چندہ ۲۵ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیں یا وی پی کا انتظار فرمائیں، وی پی کا خرچ ساڑھے چار روپے ہے اس طرح آپ کو ۲۹/۵۰ روپے ادا کرنے ہوں گے جو آپ پر بار ہے اور واپسی کی صورت میں ادارہ کا نقصان ہے۔ امید ہے کہ آپ زحمت فرما کر خود کو اور ادارہ کو نقصان سے بچائیں گے۔ (مدیر)

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
حرف آغاز	مولانا حبیب الرحمٰن صاحب	۳
علم حدیث کا تعارف	شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ	۱۴
عدالت صحابہ کا مفہوم	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	۳۱
مدینۃ الرسول	مولانا قاضی زین العابدین صاحب	۴۴
تفسیر بالرائے	مولانا ریاست علی صاحب	۵۱
سعی تامہ	مولانا جان محمد صاحب	۶۰
مسائل حاضرہ	مفتی ظفیر الدین صاحب	۶۷
احوال و کوائف دار العلوم		۸۱
رہائی اسلام	حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب	۸۶
جانفزا لوح لوا رتخ	جناب محمد عثمان المعروفی اعظمی	۸۷
فہرست کتب مکتبہ دار العلوم		۸۸

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

۱۔ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالے کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ فرمادیں۔

۲۔ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ ۵/۵۰ روپے مولانا عبد الستار صاحب مقام کرم علی والا تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان (پاکستان) کو بھیج دیں اور انہیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دار العلوم کے حساب میں جمع کرلیں۔ ماہ مارچ سے خریداری نمبر بدل دیا گیا ہے۔ خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں۔ خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور درج کریں۔

(مدیر)

حرفِ آغاز

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

واحسرتاہ! کہ ۶ر شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء یوم دوشنبہ کو دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم خطیب العصر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نبیرہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ طویل علالت کے بعد اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے

(نور اللہ مرقدہٗ و برد اللہ مضجعہ)

اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دنیا میں آنے والے ہر مسافر کی آخری منزل موت ہے اور یکے بعد دیگرے سب کو اس منزل پر پہنچنا ہے۔ اس لئے اس دنیا سے کسی کا کوچ کر جانا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود بعض شخصیتیں ایسی گوناگوں خصوصیات اور ہمہ گیر صلاحیتوں کی مالک ہوتی ہیں کہ ان کا اس عالم سے رخصت ہو جانا واقعۃً ایک عظیم حادثہ ہوتا ہے۔ جن کے فراق اور جدائی سے پوری قوم و ملت سوگوار ہو جاتی ہے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ کی ذات گرامی ان ہی ممتاز و منفرد شخصیتوں میں سے ایک تھی۔

حضرت قاری صاحب مرحوم و مغفور اس دور میں نہ صرف ہند و پاک بلکہ پورے عالم اسلام کے ممتاز ترین اور مشہور ترین رجال علم دین میں سے تھے۔ شخصی وجاہت اور علمی تبحر کے ساتھ خطابت و تقریر میں آپ کو ایسا ملکہ حاصل تھا جس کی نظیر اس دور میں پیش نہیں کی جا سکتی، اسرار و حکم بالخصوص فلسفۂ ولی اللہی اور حکمت قاسمی کی توضیح و تشریح آپ کا محبوب موضوع تھا۔ مسلک دیوبند کے ترجمان و شارح کی حیثیت سے علماء کی صف میں جو مقام حاصل تھا وہ ان کے معاصرین میں سے کسی کے حصہ میں نہیں آیا۔ عالمی شہرت و وقعت کے

بلند مقام پر فائز ہوتے ہوئے تواضع، انکساری اور شرافت نفس کا مجسمہ تھے، متانت وقار، امانت ومروت اور لحاظ و پاسداری آپ کی عادت ثانیہ تھی۔ تصنیف و تالیف کا نہایت ستھرا ذوق پایا تھا دارالعلوم کے اہتمام کی ہمہ جہت مصروفیات اور کثرت اسفار کے باوجود تصنیفات کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ آپ کی علمی یادگار ہے جن میں بعض کتابیں اپنے موضوع کی گیرائی اور اسلوب نگارش کے لحاظ سے اسلامی لٹریچر میں خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

تاریخ ولادت اور علمی نشو ونما

محرم الحرام ۱۳۱۵ھ مطابق جون ۱۸۹۷ء یکشنبہ کو آپ کی پیدائش ہوئی، تاریخی نام مظفر الدین اور اصلی نام محمد طیب تجویز ہوا۔ حضرت قاری صاحب نے ایسے گہوارے میں آنکھ کھولی جو علم وفضل کا مرکز تھا آپ کے والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ صاحب نسبت عالم ہونے کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور مرجع علماء و فضلاء تھے۔ اس لئے گھر کا پورا ماحول علم دین اور روحانیت کی خوشبو سے رچا بسا تھا جس کا اثر طبعی طور پر حضرت قاری صاحب کی نشو ونما پر نہایت اچھا پڑا اور بچپن ہی سے دل ودماغ علم وعلماء کی عظمت ومحبت سے مانوس ہوگئے تھے۔

سن شعور کو پہنچے تو خاندانی روایت کے مطابق علماء وصلحاء کے ایک بڑے مجمع میں آپ کی رسم بسم اللہ ادا کی گئی اور مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانی یکے از بانیان دارالعلوم نے موقع کی مناسبت سے اس وقت ایک قصیدہ پڑھا تھا جس کا مطلع اور مقطع یہ تھا۔

مکتب طیب کی مبارک تقریب — کچھ عجب طرح کا جلسہ تھا نئی طرح کی سیر
رب یسر جو کہا اس نے تو عینہ رونے زیا — فضل تاریخ میں بول اٹھا کہ تمم بالخیر

مقطع کے آخری جملہ تمم بالخیر سے رسم بسم اللہ کی تاریخ نکلتی ہے جو ۱۳۲۲ھ ہوتے ہے۔

حفظ قرآن اور تحصیل و تجوید

حضرت قاری صاحب کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں اساتذۂ دارالعلوم بالخصوص حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی قدس سرہم نے آپ کی آبائی نسبت اور خاندانی وجاہت وشرافت کے پیش نظر خصوصی توجہ سے کام لیا اور خود آپ کے والد ماجد کو بھی اس کا خاص اہتمام

ا چنانچہ عام روش کے برخلاف آپ کو حفظ قرآن تجوید کے ساتھ کرایا گیا اور اسکے لئے نا قاری عبدالوحید خاں صاحب الہ آبادی کو ذاتی طور پر بلا کر اپنے گھر پر رکھا بعد با حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے مشورہ سے قاری صاحب موصوف کو باقاعدہ دارالعلوم ں مدرس رکھ لیا گیا تو حضرت قاری صاحب بجائے گھر میں پڑھنے کے باقاعدہ دارالعلوم ں داخل ہو گئے اور دو سال کی قلیل مدت میں پورا قرآن مجید با تجوید حفظ کر کے ۱۳۲۶ھ ں شعبہ تحفیظ القرآن سے فارغ ہو گئے۔ اسی وقت سے لفظ قاری آپکے نام کے ساتھ لگ ا اور پھر اس طرح چسپاں ہوا کہ نام کا گویا جز بن گیا۔

ابتداء عمر میں حضرت قاری صاحب کی آواز نہایت بلند اور دلکش تھی، اپنے ہم عصر یں میں خوش آوازی میں ممتاز و منفرد درجہ رکھتے تھے۔ حضرت قطب ارشاد مولانا گنگوہی دس سرہٗ اور دیگر اکابر دارالعلوم بطور خاص آپ سے قرآن کریم کا رکوع پڑھوا کر سنا کرتے تھے۔

لیم فارسی

حفظ قرآن سے فراغت کے بعد ۱۳۲۶ھ میں آپ کو درجہ فارسی میں داخل کیا گیا اور تین سال کی مدت میں فارسی کے درجہ نصاب کی تکمیل کے ساتھ ریاضی، حساب، جغرافیہ، وغیرہ کی بھی تحصیل کر لی اور ں کے ساتھ ساتھ تجوید کی کتابیں بھی پڑھتے رہے آپ کے فارسی کے اساتذہ میں نا محمد یٰسین صاحب والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب خاص طور پر قابل رہیں۔ مولانا موصوف فارسی دانی میں بڑی شہرت رکھتے تھے اور اپنے طویل تجربہ اور یقۂ تعلیم کی خوبی کی بنا پر مختصر سی مدت میں اپنے تلامذہ کے اندر فارسی زبان کا اچھا ا ذوق پیدا کر دیتے تھے چنانچہ ایک طرف استاد کی حسن تعلیم و تربیت اور دوسری ب آپ کی خداداد ذہانت و فطانت دونوں نے ملکر سونے پر سہاگہ کا کام کیا کہ دوران م ہی میں آپ اردو اور فارسی میں غزلیں اور قصائد کہنے لگے تھے۔ فارسی زبان میں اسی ت استعداد کا ثمرہ تھا کہ جب آپ نے ۱۳۵۸ھ میں دارالعلوم دیوبند کے نمائندہ حیثیت سے افغانستان کا سفر فرمایا تو وہاں آپ نے بالعموم فارسی زبان ہی میں تقریریں ا اور علمی و دینی سوالات کے جوابات دیئے۔ جس کا وہاں کے لوگوں پر بڑا اچھا پڑا۔

درجۂ عربی میں داخلہ اور درس نظامی کی تحصیل

۱۳۲۹ھ میں درجۂ فارسی کی تکمیل کرکے اگلے سال درس نظامی کی تعلیم وتحصیل کا آغاز کر دیا۔ اور سات سال کے عرصہ میں صرف، نحو، ادب بلاغت، منطق، فلسفہ، ہیئت، فقہ، اصول فقہ، عقائد، تفسیر وغیرہ پڑھ کر آٹھویں سال دورۂ حدیث میں داخل ہوئے اور محدث عصر مولانا انور شاہ کشمیری وغیرہ اساتذۂ دارالعلوم سے کتب صحاح ستہ وغیرہ پڑھ کر ۱۳۳۷ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

اسے حضرت قاری صاحب کی خوش نصیبی کہئے یا قدرت کا خصوصی انعام کہ انھیں تعلیم وتربیت کے ابتدائی دور ہی سے ماہر فن اور پختہ کار اساتذہ کی رہنمائی حاصل رہی، چنانچہ حفظ وتجوید اپنے دور کے ممتاز قاری مولانا قاری عبدالوحید خاں الہ آبادی سے پڑھا۔ فارسی کی تحصیل مولانا محمد یٰسین دیوبندی سے کی جو فارسی دانی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ فن معقولات میں آپ کے اساتذہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی اور حضرت مولانا غلام رسول خاں جیسے جہابذہ تھے۔ علم فقہ میں اپنے وقت کے شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی سے شرف تلمذ حاصل تھا اور حدیث شریف کی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد احمد صاحب، حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی اور محدث عصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری جو اپنی کثرت معلومات وسعت مطالعہ، قوت حافظہ اور دقت نظر میں ابن حجر ثانی تھے۔ اور معاصر علماء میں چلتا پھرتا کتب خانہ کے نام سے مشہور تھے۔

درس وتدریس

چونکہ حضرت قاری صاحب کی ابتداء سے لے کر انتہا تک پوری تعلیم دارالعلوم ہی میں ہوئی تھی آپکی طالب علمی کا مکمل زمانہ حضرات اکابر کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ آپکی آبائی نسبت، طبعی ذہانت، طبعی شرافت ومتانت اور علمی مناسبت روز روشن کی طرح سب پر آشکارا تھی، اس لئے تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کو دارالعلوم کے شعبۂ تدریس میں لے لیا گیا اور شروع میں ابتدائی درجات کی کتابیں آپ کے زیر درس رکھی گئیں۔ علمی استعداد اور زبان وبیان پر قابو یافتہ ہونے کی بناء پر آپ کے

تھوڑی ہی مدت میں قبول عام حاصل ہوگیا اور چند ہی سالوں میں وسطی اور علیا کی کتابیں آپ ۔۔۔ درس آگئیں۔ تدریس کا یہ سلسلہ آخر تک قائم رہا اگرچہ اسفار کی کثرت اور کارِ اہتمام میں مشغولیت ۔۔۔ درس کا موقع کم ہی ملتا تھا لیکن جب بھی فرصت ملتی تو حجۃ اللہ البالغہ یا کسی حدیث کی ۔۔۔ درس ضرور دیتے تھے۔

۔۔۔ریس سے مسندِ اہتمام پر

ربیع الاول ۱۳۴۱ھ میں جب آپ کے والد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دار العلوم نظام دکن کی ۔۔۔طلب پر بمشاہرہ ایک ہزار روپئے ماہانہ ریاست دکن کی عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) کے ۔۔۔ ہو کر حیدرآباد چلے گئے اور اہتمام کی ساری ذمہ داری حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ ۔۔۔تم پر آپڑی تو اس وقت کی مجلس شوریٰ نے حضرت مولانا عثمانیؒ کا ہاتھ بٹانے کی غرض ۔۔۔حضرت قاری صاحب کو نائب مہتمم ثانی مقرر کیا پھر ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ کے اجلاس شوریٰ ۔۔۔ پر حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب (جو حیدرآباد میں قیام کے باوجود منصبِ اہتمام پر تھے) کو ان کی کبرسنی اور طول علالت کی بناء پر بجائے مہتمم کے اعزازی صدر مہتمم منتخب کیا گیا ۔۔۔ن کی جگہ پر حضرت مولانا عثمانی صاحبؒ مہتمم بنائے گئے، تو حضرت قاری صاحب کو نائب ۔۔۔ل مقرر کیا گیا مگر ایک جماعت کے اختلاف کی بناء پر جس میں بعض اہم ترین اکابر بھی شامل ۔۔۔ حضرت قاری صاحب نے اہتمام کی ذمہ داریوں سے استعفا دیدیا۔ جسے مجلس شوریٰ نے ۔۔۔ر کے بمشاہرہ یک صد روپیہ انہیں دوبارہ تدریس میں منتقل کر دیا لیکن دو ڈھائی ماہ کے ۔۔۔نت مولانا عثمانی کی تحریک و تجویز پر حضرت قاری صاحب کو دوبارہ منصبِ اہتمام پر فائز ۔۔۔یا اور رجب ۱۳۴۸ھ میں حضرت مولانا عثمانی مہتمم دار العلوم کے سانحہ وفات کے بعد حضرت ۔۔۔ مولانا تھانوی قدس سرہٗ سرپرست مدرسہ کی حسب ذیل تجویز کے مطابق قائم مقام ۔۔۔ئے گئے۔

تجویز حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہٗ

۔۔۔صالح مدرسہ پر نظر کر کے حتی الامکان جلد سے جلد تجویز ہے کہ ارکان شوریٰ کا جلسہ منعقد ۔۔۔نسبت تقرر مہتمم مستقل و دیگر ضروریات وقتیہ کا فیصلہ کیا جائے جب تک جلسہ میں معاملات مدرسہ پر نظر کر کے فیصلہ نہ ہو مناسب معلوم ہوا کہ مولوی طیب صاحب کو جو اس وقت تک نائب ۔۔۔ہوری طور پر عارضی مہتمم مقرر کر دیا جائے پھر جلسہ شوریٰ جو کچھ باقاعدہ طے کرے اس کا اعلان

دوبارہ کردیا جائے گا۔ مزید احتیاط اس کی بھی مزید کی عرصہ میں جو کی کہ انعقاد جلسہ اور مسئلہ اہتمام طے ہونے تک قائم مقام مہتمم کی امداد و تقویت کے لئے حضرت مولانا حسین احمد صدر مدرس مدرسہ ہذا اور حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب مدرس مدرسہ اور مولانا مولوی سید مرتضیٰ حسن ناظم تعلیمات مدرسہ کو ان کا مشیر مقرر کیا جائے کہ معمولی کاموں کے علاوہ جو امر اہم پیش آجائے ان تینوں حضرات سے مشورہ کرکے عمل کریں اگر اتفاقاً باہم اختلاف ہو تو مہتمم جس شق کو ترجیح دے سکے گا۔

اشرف علی رجب ۱۳۴۸ھ

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کی تجویز کے مطابق اکابر ثلاثہ کے رائے اور مشورہ کے ساتھ بحیثیت قائم مقام مہتمم کے آپ نے تقریباً تین ساڑھے تین ماہ کار اہتمام انجام دیا۔ بالآخر شوال ۱۳۴۸ھ کے جلسہ شوریٰ میں باتفاق ارکان مجلس آپ مہتمم منتخب ہوئے اور اپنے علم و فضل، حلم و تدبر اور اہلیت کار کی بناء پر بہت جلد پورے ملک میں مقبولیت و شہرت حاصل کرلی جس سے دارالعلوم کی عظمت و وقعت میں بھی اضافہ ہوا۔ اور مکمل نیک نامی اور عزت و احترام کے ساتھ سنہ ۱۴۰۱ھ تک اس منصب پر فائز رہے۔

خدائے بزرگ و برتر کا حضرت قاری صاحب کے ساتھ یہ خاص فضل و احسان رہا کہ ابتداء اہتمام ہی سے انہیں معاملہ فہم، مخلص، خیرخواہ اور صاحب صلاح و تقویٰ بزرگوں کی رفاقت حاصل رہی جس سے ان کے جوہر کمال کو پروان چڑھنے کا خوب موقع ملا چنانچہ جس وقت پورے طور پر نیابت اہتمام کی ذمہ داری ان کے سپرد ہوئی اس وقت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی علامہ مسند اہتمام کے صدر نشین تھے۔ حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا تدبر اور فہم و بصیرت آج بھی حلقۂ دارالعلوم میں ضرب المثل ہے چونکہ حضرت مولانا عثمانیؒ کو خانوادہ قاسمی سے بڑا خاص تعلق تھا خاص طور پر حضرت قاری صاحب کو تو وہ ایک بیٹے کی طرح سے مانتے جانتے تھے اور قاری صاحب کی تعلیم و تربیت کے بیشتر مراحل انہی کی زیر نگرانی طے پائے تھے۔ اس لئے یہ مربیانہ رفاقت اور مشفقانہ اشتراک عمل، اس ابتدائی دور میں بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوا۔ حضرت مولانا عثمانی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد ۱۳۴۸ھ سے ۱۳۷۷ھ تک حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی جیسی جامع صفات اور ہمہ گیر اثرات کی مالک شخصیت آپ کی معاون اور مددگار رہی۔ حضرت مولانا مدنی قدس سرہٗ کی رحلت کے بعد ۱۳۸۷ھ تک یکے بعد دیگرے حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی اور خاتم المحدثین حضرت مولانا فخرالدین مرادآبادی آپ کے دست راست بنے رہے اور دارالعلوم کا علمی قافلہ اپنی تابندہ

ہدایات کے مطابق منزل کی جانب رواں دواں رہا۔ لیکن آخر میں جبکہ بتقاضائے عمر قویٰ علمی اور اعصاب بڑی حد تک جواب دے گئے تھے اور فکر و عمل میں پہلی جیسی توانائی باقی نہیں رہی تھی اس طبعی ضعف اور فطری اضمحلال کے دور میں آپ کے گرد اتفاقاً ایسے افراد کا حلقہ اکٹھا ہو گیا جنہیں دارالعلوم اور حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ کی ذات و خدمات کے مقابلے میں اپنے مقاصد و مصالح زیادہ عزیز تھے۔ جس کے نتیجے میں ایسے حالات و واقعات رونما ہوئے کہ ان سے نہ صرف دارالعلوم کی عظمت و شہرت غبار آلود ہوئی بلکہ خود حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی و علمی وجاہت اور پچاس سالہ روشن خدمات بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہی۔ جس مجلس شوریٰ کے اقتدار اور بالادستی کو وہ زندگی بھر عملی طور پر تسلیم کرتے رہے اور جس کے ایک ایک ارکان کے فضائل و محاسن کی اپنی تازہ ترین طویل نظم "ارمغان دارالعلوم" میں دل کھول کر تعریف و توصیف کی تھی۔ یاروں نے اپنی اغراض پسندی اور مقصد برآری کے پیش نظر حضرت قاری صاحب کو اسی مجلس کے مدمقابل لاکر کھڑا کر دیا۔ حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ کی تاریخ زندگی کا یہ ایسا اندوہناک باب ہے جہاں پہنچکر مؤرخ کا قلم آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حضرت قاری صاحب کی سلامتی مزاج، وسعت قلبی، اور صلح جو افتاد طبع کے پیش نظر یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اگر انہیں کھلے ماحول میں آزادی کے ساتھ فیصلہ کرنے کا موقع ان کے گرد و پیش کے لوگوں کی طرف سے مل گیا ہوتا تو اس طرح کے تکلیف دہ اور افسوسناک حالات قطعاً نہ پیش آتے یہی وجہ ہے کہ مجلس شوریٰ کے تمام تر ارکان، اساتذہ دارالعلوم اور ہمدردان جو بھی صحیح صورت حال سے واقف تھے وہ ان معاملات میں حضرت قاری صاحب کو معذور ہی سمجھتے رہے اور شروع سے آخر تک ان کی یہ خواہش رہی کہ حضرت قاری صاحب کو اغراض پسندوں کے اس نرغے سے نکال کر انہیں ان کے بلند مرتبہ کے مطابق صحیح مقام پر فائز رکھا جائے مگر ساری کوششیں ناکام رہیں اور قضا و قدر کا فیصلہ نافذ ہو کر رہا۔ (ماشاء اللہ کان و مالم یشالم یکن)

تحصیل علوم باطنی

حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ کی ذات والا صفات علوم ظاہر کے ساتھ علوم باطنی سے بھی آراستہ و پیراستہ تھی۔ ابتدا میں آپ نے حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ سے بیعت کی تھی لیکن ابھی تعلیم و تلقین کا سلسلہ شروع ہی ہوا تھا کہ حضرت شیخ الہند کی وفات کا سانحہ پیش آیا۔ اور یہ سعادت بخش سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس کے بعد اپنے استاذ حدیث حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے دامن تربیت سے وابستہ ہو گئے

اور ایک عرصہ تک انھیں کی رہنمائی میں سلوک کے منازل طے کرتے رہے مگر جب ۱۳۴۵ھ میں اہتمام اور حضرت محدث کشمیریؒ اور ان کے رفقاء کے درمیان اختلافات نے شدت اختیار کرلی اور حضرت شاہ صاحب نے اپنے رفقاء حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہ کے دار العلوم سے علیحدہ ہوگئے تو اسی کے ساتھ اصلاح و تربیت کا یہ تعلق بھی قائم نہ رہا، اس لئے اپنے مربی خاص حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی قدس سرہٗ کے ایماء پر جماعت دیوبند کے عظیم المرتبت شیخ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے چونکہ صلاحیت و استعداد پہلے ہی سے موجود تھی مزید براں شیخ کامل کی صحبت و رہنمائی بھی حاصل ہوگئی اس لئے تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کو حضرت تھانویؒ کے متوسلین میں ممتاز حیثیت حاصل ہوگئی اور نہایت برق رفتاری سے سلوک و تصوف کے جملہ مراحل طے کرکے خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے تحصیل خلافت کے بعد بزرگوں کے طریقہ کے مطابق بیعت و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا اور جو کوئی آپ سے منسلک ہونا چاہتا اسے سلسلے میں داخل فرما لیا کرتے تھے۔ اس راہ سے بھی حضرت قاری صاحب کی خدمت کا دائرہ بہت وسیع ہے اندرون ملک و بیرون ملک کے ہزاروں تشنگان معرفت آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے۔

تصنیف و تالیف

مضمون نگاری اور انشاء پردازی کا سلسلہ آپ نے زمانہ طالب علمی ہی سے شروع کر دیا تھا اس وقت کے رسالہ القاسم وغیرہ میں آپ کے علمی و تحقیقی مقالات چھپتے رہتے تھے اور علمی حلقوں میں وقعت و پسندیدگی سے پڑھے جاتے تھے۔

قلمی افادہ کا یہ سلسلہ وفات سے پانچ چھ سال پہلے تک برابر جاری رہا اور مختلف دینی، علمی اور تاریخی موضوعات پر تقریباً سو سے زائد مطبوعہ و غیر مطبوعہ رسالے اور کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں، جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) التشبہ فی الاسلام (۲) سائنس اور اسلام (۳) تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام (۴) اصول دعوت اسلام (۵) اسلام اور فرقہ واریت (۶) اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام (۷) اسلامی مساوات (۸) التمر فی مسئلۃ القضاء والقدر (۹) دین و سیاست (۱۰) مسئلہ زبان ہندوستان میں (۱۱) اسباب عروج و زوال اقوام (۱۲) الاجتہاد والتقلید (۱۳) تفسیر سورۂ فیل،

(۱۴) فطری حکومت (۱۵) شانِ رسالت (۱۶) فلسفۂ نماز (۱۷) شرعی پردہ (۱۸) داڑھی کی شرعی حیثیت (۱۹) علمِ غیب (۲۰) خاتم النبیین (۲۱) نظریہ دو قرآن پر ایک نظر (۲۲) فلسفۂ طہارت (۲۴) آفتابِ رسالت (۲۵) حدیث رسول کا قرآنی معیار (۲۶) انسانیت کا امتیاز (۲۷) اسلام کا اخلاقی نظام (۲۸) مشاہیر امت (۲۹) شہید کربلا اور یزید (۳۰) حاشیہ عقیدۃ الطحاوی وغیرہ۔

فنِ خطابت خطابت و تقریر میں حضرت قاری صاحب کو خداداد قدرت اور ملکہ حاصل تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خطابت و تقریر میں اس وقت علماء کی صف میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ جس وقت آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ علوم و معارف اور اسرار و حکم کا ایک چشمہ زخار ہے جو پوری توانائی کے ساتھ اُبل رہا ہے پیرایہ بیان اتنا مؤثر اور دلپذیر ہوتا تھا کہ سامعین دو دو تین تین گھنٹے سراپا گوش بنے بیٹھے رہتے تھے اور کوئی ذرا بھی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔ تقریر کی یہ اثر اندازی علماء و طلبہ اور مذہبی حلقہ تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی آپ کے حکیمانہ اسلوب بیان سے بہت متاثر تھا۔ بالخصوص مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ دہلی۔ وغیرہ جامعات میں آپ کی تقریریں بہت پسند کی جاتی تھیں۔

شعر و شاعری بلند پایہ مصنف اور خطیب ہونے کے ساتھ آپ قادر الکلام شاعر بھی تھے اور جب کبھی کہنے پر آتے تھے تو چار چار پانچ پانچ سو اشعار پر مشتمل طویل نظمیں کہہ ڈالتے تھے جس پر آپ کے شعری مجموعے (۱) جنونِ خیاب (۲) عرفانِ عارف، آنکھ کی کہانی اور ارمغان دارالعلوم شاہد ہیں۔

تبلیغی و دعوتی اسفار دارالعلوم کے اہتمام پر مسند نشیں اکابر میں تنہا حضرت قاری صاحب کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ کے دعوتی اور تبلیغی اسفار صرف ہندوستان کی حدود تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ بنگلہ دیش، پاکستان، افغانستان، برما، جنوبی افریقہ، زنجبار، کینیا۔ روڈیشیا، ری یونین، مڈغاسکر، اتھوپیا، مصر، سعودیہ عربیہ، انگلینڈ، فرانس، جرمنی، امریکہ وغیرہ دور دراز ممالک تک ان علمی و عرفانی اسفار کا دائرہ وسیع ہے، جس نے ایک طرف خود حضرت قاری صاحب کو عالمگیر شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اور آپ کا دعوتی و روحانی فیضِ عام

ہوا تو دوسری طرف دارالعلوم دیوبند اور جماعت دیوبند کا عالمی پیمانہ پر تعارف ہوا اور حلقۂ اثر میں توسیع ہوئی۔

زندگی کے آخری ایام ادھر دو ایک سال سے ضعف پیری کے ساتھ امراض کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا جس میں چند ماہ سے مزید شدت پیدا ہوگئی تھی طول علالت کی بناء پر کبھی تشویشناک حد تک ضعف پہنچ جاتا تھا اور کبھی دوا علاج سے اطمینان بخش افاقہ ہو جاتا تھا۔ مرض وصحت کا یہ سلسلہ یونہی جاری تھا کہ وفات سے تقریباً ایک ماہ قبل مرض کا شدید حملہ ہوا جس سے غذا بالکل ختم ہوگئی اور ضعف ونقاہت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ بغیر سہارے چارپائی سے اٹھ بھی نہیں پاتے تھے۔ دوا علاج سے اس کیفیت میں کچھ کمی پیدا ہوئی تو آپ کو دہلی پنتھ اسپتال میں داخل کر دیا گیا جہاں ایک ہفتہ سے کچھ زائد دنوں تک زیر علاج رہے اور بظاہر مرض ختم ہوگیا تھوڑی تھوڑی غذا بھی لینے لگے ضعف ونقاہت میں بھی کافی حد تک کمی ہوگئی یہاں تک کہ بغیر کسی سہارے کے دو چار قدم چلنے لگے تھے جس روز وفات کا سانحہ پیش آیا اس دن بھی طبیعت اچھی خاصی تھی باہر بیٹھک میں لیٹے ہوئے حکیم محمود دیوبندی سے مرض اور مزاج کی کیفیت دیر تک بیان کرتے رہے صاحبزادہ محترم مولانا محمد سالم صاحب بھی پاس بیٹھے یہ گفتگو سن رہے تھے انھیں اس کی کیا خبر تھی کہ ریاض رسول کا یہ چہکتا ہوا بلبل ابھی چند سکنڈ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جانے والا ہے۔ حکیم محمود صاحب سے گفتگو کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ اچانک آنکھیں بند ہوگئیں حکیم نے صاحب نے سمجھا کہ طول کلام کی بناء پر تکان ہوگئی ہے اس لئے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ مگر مولانا محمد سالم صاحب نے جب چہرے کو بغور دیکھا تو انہیں تشویش ہوئی اور حکیم صاحب کو متوجہ کیا کہ نبض دیکھئے علامت کچھ اچھی نہیں نظر آتی۔ چنانچہ حکیم صاحب نے جب نبض پر ہاتھ رکھا تو معلوم ہوا کہ نبض ڈوب چکی ہے اور علوم قاسمی کا امین، اکابر کا اداشناس، مسلک دیوبند کا شارح اور علم ودین کا سچا خادم اپنے مالک کے حضور پہنچ چکا ہے۔

وفات کی اطلاع ملتے ہی حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدر مدرس دارالعلوم اور حضرت مولانا محمد عثمان صاحب نائب مہتمم فوراً مرحوم ومغفور کے دولت کدہ پر آخری زیارت کے لئے پہنچے اور زیارت وتعزیت کے بعد مولانا محمد سالم صاحب سے خواہش ظاہر

کی نماز جنازہ احاطہ دارالعلوم میں ادا کی جائے جسے موصوف نے قبول کرلیا چنانچہ اسی وقت دارالعلوم کی مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کر دیا گیا کہ نماز جنازہ دارالعلوم میں ادا کی جائے گی۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم چونکہ اس وقت اپنے وطن بجنور تھے اس لئے انھیں اس عظیم سانحہ کی اطلاع پہنچانے کے لئے بجنور ایک آدمی بھیجدیا گیا۔ اطلاع ملتے ہی وہ اپنے برادر نسبتی مولانا شفیق الرحمٰن صاحب کو لیکر بجنور سے روانہ ہوگئے اور بعد مغرب دیوبند پہنچ گئے۔ حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند بھی اپنے صاحبزادہ کے ہمراہ مغرب کے لگ بھگ دیوبند آگئے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہٗ اس وقت بمبئی تھے انہیں وہیں بذریعہ ریڈیو اس حادثہ جانکاہ کی خبر ملی وہ اپنے سارے پروگرام کو منسوخ کرکے بذریعہ ہوائی جہاز وہاں سے دہلی کے لئے روانہ ہوگئے اور دہلی سے بذریعہ کار نماز عشاء کے قریب دیوبند پہنچ گئے۔ اتفاقاً موصوف اس وقت شدید نزلہ و بخار میں مبتلا تھے لیکن تجہیز و تکفین میں شرکت کی غرض سے تکلیف کے باوجود مسلسل سفر کی صعوبت برداشت کرکے دیوبند پہنچے۔

اعلان کے مطابق بعد نماز عشاء جنازہ احاطۂ دارالعلوم میں لایا گیا اور دارالعلوم کے اساتذہ، طلبہ، ذمہ داران و کارکنان اور دیوبند و قرب و جوار کے تقریباً ۵ - ۶ ہزار کے عظیم اجتماع نے صاحبزادہ مولانا محمد سالم کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی اور تقریباً رات کے ساڑھے دس بجے علوم و معارف اور اسرار و حکم کے اس خزانہ کو مقبرۂ قاسمی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مدفون کردیا۔

اللّٰھم انزل علی روحہ وجسدہٖ و تربتہٖ شابیب رحمتک ورضوانک واجعلہ من عبادک المقربین۔

(آمین یا ارحم الراحمین)

•••

تعارف علم حدیث

درس ترمذی کی افتتاحی تقریر

از — حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ

علم حدیث الحدیث علم یعرف بہ ما انتسب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولاً او فعلاً او صفتاً او تقریراً۔ لفظ حدیث جدید کے ہم معنی ہے اور ہر گفتگو حدیث ہے مگر اصطلاح شرع میں اس کی تعریف یہی کی گئی ہے ما انتسب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فیدخل فیہ الموضوع والصحیح کلاھما لان فی الموضوع ایضا نسبۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ لہٰذا اس کی تخصیص کے لئے علم یعرف بہ کی قید لگادی گئی تاکہ ہر منسوب الیہ کی معرفت کے بعد انتساب کی صحت وسقم کا عرفان ہو جائے اور اس سے موضوع وغیرہ نکل جائیں۔ "صفتاً" سے مراد ہے کہ آپ کے جسمانی حالات یا روحانی کمالات کا ذکر کیا جائے۔ مثلاً آپ کا رنگ، آپ کا قد، آپ کی جبین آپ کی چال ڈھال تو یہ صفت ہے اور اگر آپ کے اخلاق بتلائے جائیں کہ آپ اجود الناس واصدق الناس تھے۔ لوگوں کے بوجھ اٹھایا کرتے تھے تو یہ احوال روحانیہ ہوئے، احوال مادیہ کی طرح یہ بھی صفت ہیں۔

تقریر النبی التقریر ما علم النبی صلی اللہ علیہ وسلم من فعل رجل او قولہ ولم ینکر علیہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کا قول یا فعل ہو اور وہ خاموش رہ جائیں انکار نہ کریں تو یہ اس کی صحت کے لئے حجت ہے) اسی کا نام تقریر ہے لیکن نبی کے علاوہ کسی کی تقریر حجت نہیں ہے کیونکہ صرف نبی کی ذات ایسی ہوتی ہے کہ

ان کے سامنے اگر کوئی قبیح قول یا فعل ہوگا تو اس پر سکوت نہیں کر سکتے اس کی نکیر کرنا ان کے لئے ضروری ہے۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قول و قرار اور وعدہ وعید کے باوجود اپنے سامنے فعل منکر دیکھا تو ان سے رہا نہ گیا فوراً اعتراض کر دیا۔ حضرت خضر کی دھمکیاں سنتے رہے مگر شانِ نبوت بہرجگہ غالب رہی چنانچہ جب کشتی توڑی گئی تب اعتراض کیا پھر لڑکے کو بلا وجہ قتل کیا گیا تو اور زیادہ برافروختہ ہوگئے حتی کہ جب دیوار کو سہارا دیکر اُسے ٹھیک کر دیا تب بھی ضبط نہ کر سکے یہ منصب نبوت کا اثر ہے۔ کسی صحابی یا غیر صحابی کی تقریر اس لئے حجت نہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ان کے روبرو کوئی فعل یا قول منکر ہو جائے اور وہ اس پر سکوت کر جائیں۔

حدیث کی یہ تعریف محدثین نے کی ہے۔ اصولیین نے اس میں ایک اور قید کا اضافہ کیا ہے یعنی "غیرالقرآن" اور یہ صراحت اچھی ہے کیونکہ گفتگو بہرحال غیر قرآن کی ہے۔

عصمت انبیاء

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کی طرح معصوم ہیں وعلیہ اھل السنۃ والجماعۃ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر پیغمبر مجتبیٰ و مخلَص ہوتا ہے۔ باری تعالےٰ کہتا ہے، انا اخلصناھم بخالصۃ ذکری الدار نیز ارشاد ہے "وعندنا لمن المصطفین الاخیار۔

مقربین الٰہی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک مجتبیٰ جن کو پہلے سے چھانٹ لیا گیا ہو، دوسرے منیب جن کو کثرتِ ریاضت سے بڑائی حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسے امراء و سلاطین کے یہاں کسی پر شروع سے ہی نظر انتخاب پڑ جاتی ہے تو اس کو شروع ہی سے تربیت کے سامان مہیّا کر دیئے جاتے ہیں اور پھر اس سے کسی وقت غفلت نہیں برتی جاتی لہٰذا وہ بہت جلد جوہر قابل بن کر نکھر جاتا ہے اس کو اجتبیٰ و اصطفیٰ کہتے ہیں۔ بخلاف اس شخص کے جس کو اس کی دانائی یا تجربہ کی بناء پر عہدہ دار بنا دیتے ہیں اسکو بادشاہ خود نہیں چنتے بلکہ وہ اپنی کوشش جدوجہد سے کامیابی تک پہنچتا ہے۔

قرآن کہتا ہے۔

" اللّٰہ یجتبی الیہ من یشاء "، اسی وجہ سے نبی کے ماں باپ کا کافر ہونا ممکن ہے مگر ان کے والد والدہ کا بدکار یا زناکار ہونا ممکن نہیں ہے جس کی وجہ سے اختلاط ماء کا اندیشہ ہو اور بچہ قابل نفرت ٹھہر جائے۔

مجتبیٰ و مصطفیٰ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قدرت نے جو برتاؤ کیا ہے اس میں اجتبیٰ کی شان جھلکتی ہے۔ کیونکہ ایسی جگہ پیدا کئے گئے جہاں ایسی تربیت کرنے کا کوئی سامان نہ تھا اور والد کو پہلے ہی اٹھا لیا گیا پھر والدہ کو اس کے بعد دادا کو بھی تربیت کے لئے صرف چچا رہ گئے مگر وہ بھی کثیر الاولاد اور تنگ حال تھے انہوں نے کیا بھی تو صرف یہ کیا کہ آپ کو بکریاں چرانے کے لئے امراء کے پاس ملازم رکھدیا۔ کہ میں گھاس، بھوس نہ ہونے کی وجہ سے آپ جانوروں کو لیکر شہر سے دس دس میل دور نکل جاتے تھے اور خود شہر مکہ بھی بالکل جاہل تھا۔ اور ایسا اس وجہ سے کیا گیا کہ جناب باری تعالیٰ کو گوارا نہیں تھا کہ آپ کو والد، والدہ، دادا اور چچا تربیت دیں۔ اس لئے جناب باری تعالیٰ آپ کے خود معلم ہوئے اور امی ہونے اور ایسے جاہل علاقے میں رہنے کے باوجود آپ علوم لائے اور وہ بھی ایسے علوم کہ صحابہ کرام کو صرف اپنے ہی مدرسہ میں رکھ کر جرنیل، عالم، صوفی، حکمراں، اور بادشاہ بنا دیا۔ انہیں ایسی ایسی تعلیم دی کہ فارس، روم اور مصر کے لوگوں کے چھکے چھڑا دئے اسی طرح فصلِ خصومات کے لئے ایسے ایسے قاضی پیدا کر دئے کہ بڑے بڑے جج آج تک دنگ رہ جاتے ہیں غرض آپ نے صحابہ کو ہر طرح سے کامل بنا دیا کسی کو سیاست میں ماہر جیسے ابوبکر صدیق رض، عمر فاروق رض، عثمان غنی رض، علی مرتضیٰ رض، کسی کو قانون سازی میں ماہر جیسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، کسی کو تصوف میں باکمال کر دیا۔ تو جو لوگ مخلص و مجتبیٰ ہوتے ہیں ان کو اسی طرح تعلیم دی جاتی کہ میدان میں بیٹھ کر حقائق و دقائق کی ایسی دنیا سنوار دی کہ بڑے بڑے دانشور دنگ رہ گئے یہ تمام شانیں آپ کے مجتبیٰ ہونے کی ہیں کہ قوم کے سب سے بڑے خاندان میں پیدا کیا گیا اور اس طرح تعلیم دی گئی کہ پھر کسی دوسرے کو استاذ بنانے کی ضرورت ہی نہ رہی۔

شئون حفاظت جو شخص مجتبیٰ ہوگا وہ فحشاء اور برائیوں سے ہمیشہ بری رہے گا کما قال اللہ تعالیٰ فی یوسف علیہ السلام " ولقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان رای برھان ربہ "، کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی ہم کا صدور ہو جاتا اگر برہان رب نہ دیکھ لیتے " البرھان - المشھور فیہ ان جبرئیل اتی فی صورۃ یعقوب علیہ السلام وکان الاصبع تحت اسنانہ اشارۃ الی المنع "، یہاں اگر ھمت بہ پر وقف کر کے پڑھے تو یہ معنی ہوں گے لیکن اگر وقف نہ کیا جائے تو ہم کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف معلوم ہوتی ہے۔ لغت میں جو خیال دل میں گذر گیا ہمّ کہلاتا ہے

اگر دل میں قرار دیا گیا تو خطور ہے، ادھر میلان ہو گیا تو حدیث النفس ہے، اس سے لذت ملنے لگی تو ہم ہے۔ اگر اس کے کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو عزم ہے۔ فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم «الھم بالمعصیۃ لیس بمعصیۃ وان عزم یصانہ معصیۃ» اس بناء پر اگر یہاں ہم بالمعصیۃ ہو بھی تو وہ معصیت نہیں ہے خلاً سارق نے اگر سرقہ کا ارادہ کر لیا تو جب تک اس سے فعل سرقہ صادر نہ ہو جائے اس وقت تک گناہگار نہیں ہوگا۔ اس کے باوجود اللہ تعالٰی کو ھَمّ کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف پسند نہیں اس لئے اس مقام پر اس سے حفاظت فرما دی اور پھر خود ہی اس کی وجہ بھی بیان فرماتے ہیں «کذلک لنصرف عنہ السوء والفحشاء انہ من عبادنا المخلصین» گویا مخلص کو گناہ ہی سے نہیں شائبہ گناہ سے بھی بچایا جاتا ہے اسی لئے اہل سنت والجماعۃ تمام انبیاء علیہم السلام کو معصوم مانتے ہیں، وقال الامام ابوالحسن الاشعری العصمۃ لا تزول۔ عصمت کبھی زائل نہیں ہوتی۔

اب رہی یہ بحث کہ پھر حضرت آدم علیہ السلام سے معصیت کیسے ہو گئی؟ یا حضرت موسٰی علیہ السلام نے قبطی کو کیسے مار ڈالا یا اخوان یوسف علیہ السلام سے معصیت کیسے ہو گئی؟ تو جواب یہ ہے کہ ایک چیز عمداً ہوتی ہے ایک غلط فہمی سے ہو جاتی ہے دونوں میں بڑا فرق ہے اسی لئے اگر کسی نے ہرن سمجھ کر آدمی کو مار ڈالا تو اس پر قصاص نہیں ہے حالانکہ وہ بھی بظاہر قتل انسان ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جو کچھ کیا شیطان کی یقین دہانی پر اور اس کی اچھی باتوں کے چکر میں آنے کی وجہ سے کیا قرآن شاہد ہے «وقاسمھما انی لکما من الناصحین» نیز اس نے کہا تھا «فتکونا من الخالدین» تو قرب خداوندی کے حصول کے لئے وہ دھوکا کھا گئے اور قائل کے احوال پر نظر نہیں کی اس کی باتوں کو مان لیا۔ اس لئے ان سے جو ہوا وہ معصیت نہیں تھی قرآن کہتا ہے «فنسی ولم نجد لہ عزما» مگر «نزدیکان را بیش بود حیرانی» اس لئے عتاب میں آ گئے اسی طرح کے جو بھی واقعات ہیں ان میں قصد نہیں نسیان ہے یا غلط فہمی ہے کیونکہ قبطی کو اس نیت سے نہیں مارا تھا کہ وہ مر جائے مگر وہ ایک طمانچہ کی تاب نہ لا سکا۔ اسی طرح اخوان یوسف میں انہوں نے حسن مقصد کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کو والد کے سامنے سے ہٹایا ہے وہ خود کہتے ہیں «وتکونوا من بعدہ قوما صالحین» گویا تم باپ کی نگاہوں سے دور نہیں قریب ہو جاؤ گے۔ تو ان واقعات پر مقاصد اچھے ہیں اعمال خراب ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے غزوۂ بدر میں کفار کو گرفتار کرنے کے بعد صحابہ سے مشورہ کیا تب فدیہ لیا تھا کہ فقر و فاقہ دور ہو جہالت ختم ہو مگر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا۔ اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی سے مرتے وقت جو سلوک فرمایا ہے کہ اپنا کرتہ کفن کے لئے دیا، منہ میں لعاب دہن ڈالا، خود جنازہ کی نماز پڑھائی اس سلوک کو دیکھ کر ایک ہزار آدمی جو اس کے ساتھی تھے مخلص ہو گئے تھے مگر اس پر بھی اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا۔ حالانکہ یہ چیزیں معصیت نہیں ہیں مصالح شرعیہ ہیں مگر دوسری مصالح کے پیش نظر عتاب ہوتا ہے۔ اور کبھی ترقی درجات کے لئے بھی ان پر تنبیہ کی جاتی ہے۔ اسی لئے شقی وہ ہے جو گناہ کرتا ہے اور توبہ نہیں کرتا اور تقی وہ ہے جو گناہ کرتا ہے مگر اس کو چین نہیں آتا تاوقتیکہ توبہ نہ کرلے مگر نبی وہ ہوتا ہے جو گناہ کے صدور سے معصوم و محفوظ ہوتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اس میں گناہ کرنے کی قدرت نہیں رہ جاتی۔ اگر قدرت ہی نہ رہ جائے تو بچنے میں کمال کیا رہے گا۔ ان وجوہ سے نبی کے قول اس کے فعل اور اس کی تقریرات کو قبول کرنا ضروری ہے۔

اقوال النبی

باری تعالیٰ نے بعثت نبوی کا مطلب ہی بتایا ہے "لتبین للناس ما نزل الیھم" جس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ اور جس قدر بھی احادیث نبوی ہیں وہ کلام الٰہی کا بیان اور تفسیر ہی ہیں اور قرآن شاہد ہے "ما ینطق عن الھویٰ ان ھو وحی یوحیٰ" اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور قول رسول میں کوئی فرق نہیں ہے، حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپ کے اقوال وحی ہیں مگر غیر معتبر بالفاظ من اللہ تعالیٰ، بخلاف قرآن کے کہ وہ وحی ہے معتبر بلفظہ من اللہ عزوجل۔ یعنی الفاظ و حروف کی ترکیب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی ہوتی ہے۔ گویا حدیث میں معانی کا القاء ہوتا ہے اور انہیں پیغمبر اپنے الفاظ میں مناسب طور پر ظاہر فرما دیتے ہیں مگر قرآن میں معانی اور الفاظ دونوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث کی فصاحت و بلاغت قرآن کی طرح حد اعجاز کو نہیں پہنچ سکی۔ بعض علماء نے حدیث و قرآن کا فرق یوں بیان کیا ہے کہ قرآن مجید وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے۔

رہا حدیث قدسی اور قرآن میں فرق تو صرف اس قدر ہے کہ احادیث قدسیہ معتبر بالفاظ و معناہ ہونے کے باوجود منقول بنقل متواتر نہیں ہوئیں اور قرآن معبر بالفاظ و معناہ من اللہ تعالیٰ ہو کر متلو ہے اور منقول بنقل المتواتر ہے۔

تفسیر و تاویل

آپ کے تمام اقوال وحی غیر متلو ہونے کی وجہ سے کلام اللہ کی تفسیر ہو سکتے ہیں کیونکہ تفسیر بیان ما ہو المراد کا نام ہے اور بجز نبی کے دوسرا کوئی متکلم (اللہ تعالیٰ) کی مراد ظاہر کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ بخلاف تاویل کے، کیونکہ اس میں ما یمکن ان یکون مراد المتکلم ہونا معتبر ہے اس لئے اس کو غیر نبی بھی کر سکتا ہے۔ نیز جس طرح آپ کے اقوال کتاب اللہ کی تفسیر و بیان ہوتے ہیں اسی طرح آپ کے افعال (علیہ السلام) اور تقریرات بھی قرآن کے لئے لتبین للناس کا فائدہ دیتے ہیں۔ چنانچہ ان ہی اقوال، افعال اور تقریرات سے آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی پوری تعلیم و تربیت فرمائی۔

افعال النبی

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو انسانوں کو سدھارنے کے لئے بھیجا تھا محض تبلیغ کے لئے نہیں پیدا کیا تھا اس لئے کہ صرف تبلیغ تو فرشتوں سے بھی ہو سکتی ہے، استہارات آسمان سے برسائے جا سکتے تھے مگر اس سے انسانیت سدھاری نہیں کی جا سکتی تھی وہ اسی وقت ممکن تھی کہ کوئی معلم خود قوم میں نمونہ بن کر موجود ہو اور اپنے عمل و کردار سے اسکو سدھارے، اس لئے انبیاء علیہم السلام صرف کہنے کے لئے نہیں آئے بلکہ کام کرنے اور کرانے کے لئے بھیجے گئے، اور چونکہ نبی خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اس لئے اگر یہ واسطہ فرشتہ یا جن ہوتا تو وہ انسانوں سے اس قدر ہمدردی اور سلوک نہیں کر سکتا تھا جس قدر ان سے انسان کر سکتا ہے، کیونکہ انسانوں کی تکلیف کا اندازہ انسان ہی کر سکتا ہے جن و ملک کو اس کا احساس نہیں ہو سکتا اسی حقیقت کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے " لقد جاءکم رسول منکم " پھر آپ کی بعثت ہوئی ہے تو اس شان سے کہ آپ کی عمر چالیس سال کی ہے بڑھاپے کا آغاز ہو رہا ہے تب نبوت سپرد کی جاتی ہے اسکے بعد تیرہ سال تک آپ مکہ معظمہ میں صبر و ضبط یا عدم تشدد کی زندگی گذارتے ہیں اور جب ۵۴ برس کی عمر میں بڑھاپا آچکا ہے تو جہاد فرض کیا جاتا ہے اور آپ ہمہ تن اس میں لگ جاتے ہیں وہ بھی اسطرح کہ پہاڑوں اور ریگستان کا سفر ہے اونٹوں پر جھولتے ہوئے سفر کرنا ہے اس کے باوجود آپ نو سال کے اندر ۲۷ جہاد فرماتے ہیں اور اس اولوالعزمی کے ساتھ کہ تہجد کی نماز تک نہیں چھوٹتی انسانیت عامہ کی بھلائی اور اپنے فرض منصبی کی تکمیل کے لئے

اسی طرح مشقت کر کے دکھلانا سب سے بڑی بات ہے ۔

خلاصہ بحث ان ہی وجوہ سے نبی کی زندگی کا ہر لمحہ قابل تقلید اور قابل اطاعت بن جاتا ہے اور انہیں سے پیغمبر لوگوں کے لئے نمونہ بن جاتا ہے ۔ اور باری تعالیٰ کی طرف سے مطالبہ ہوتا ہے کہ تم بھی اسی نمونہ کی طرح بنکر رہو ۔ قال اللہ تعالیٰ «لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ»

وقال «انک لعلیٰ خلق عظیم» چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم آپ کے نقش قدم پر اس طرح چلے کہ جب عیسائیوں نے ان کا انہماک اور ان کی کارکردگی دیکھی تو حیرت سے کہنے لگے یہ لوگ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین سے بھی بڑھ گئے یہ تھا حضور کی صحبت کا اور آپ کی بے پناہ محنت و مشقت کا اثر اس لئے اگر اس کام کے لئے فرشتہ آتا تو یہ چیزیں نہیں حاصل ہو سکتی تھیں ۔ یہ تھی علم حدیث کی تعریف جو آپ کے سامنے وضاحت سے آ گئی ۔

موضوع علم حدیث اب رہا حدیث کا موضوع فھو ذات النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حیث انہ مرسل لا من حیثیات اُخر مثلاً الانسانیہ والبشریۃ ۔ آپ کی حیثیت مادیت کی بھی ہے جوہریت کی بھی ہے لیکن علم حدیث میں اس سے بحث نہیں ہوگی جو ہوگی وہ من حیث الرسالۃ ہوگی کیونکہ آپ کے اقوال، افعال اور تقریرات زیر بحث آئیں گی، نیز آپ کے روحانی کمالات وصفات کا ذکر ہوگا جو باعث برکت بھی ہے باعث اطمینان قلبی بھی ۔ آپ کے خلق عظیم کا تذکرہ ہوگا جس کو خود اللہ تعالیٰ نے بطور عظمت پیش فرمایا ہے ۔ «وانک لعلیٰ خلق عظیم» ۔ اسی طرح بعض ایسی چیزوں کا بھی ذکر ہوگا جو آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے چار سے زیادہ عورتوں سے یک وقت نکاح فرمانا ۔ جس سے اُمت کو آپ نے منع فرمایا مگر عام طور پر ان ہی علوم کی بحث ہوگی جن کو آپ نے اُمت میں پھیلایا اور اس طرح پھیلا دیا کہ ہر زمانے میں بہت سے دوست بہت سے دشمن پیدا ہوتے رہے اور ان کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر وہ آج تک ان علوم نبوت پر دھبہ نہ ڈال سکے ۔ اس وجہ سے کہ ان علوم کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے لہذا ان کا مٹانا کسی انسان کے بس کا روگ نہیں ۔ اسی بناء پر انبیاء سابقین علیہم السلام کے علوم مٹ گئے،

یونکہ جب تک وہ حضرات موجود رہے ان کے علوم کی حفاظت کی گئی ان کے بعد باری تعالیٰ
ان علوم کی حفاظت کا وعدہ نہیں فرمایا تھا لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے علوم کی حفاظت
خود اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تو کس کی مجال ہے اس کو مٹا سکے۔ تو جن اقوال افعال اور
قریرات کو ہم تک پہنچانے کے لئے اس قدر اہتمام فرمایا گیا ان کا ذکر کرنا باعث ثواب
ہی ہے باعث فلاح دارین بھی۔

اقوال صحابہ کی حیثیت

بعض حضرات قول صحابہ کو بھی حدیث میں داخل کیا ہے اور وہ اس حیثیت سے استدلال کرتے ہیں جس
یں حضور کا ارشاد ہے " خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم"
ونکہ خود حضور نے امت کے اس طبقہ کو جو آپ کے براہ راست فیض یافتہ ہیں خیر القرون
کا لقب دیا ہے اس لئے ان کے اقوال افعال اور تقریرات کو حدیث میں شامل ماننا چاہئے
یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کی امتوں کے لئے یہ امت مرحومہ
قیامت میں بطور شاہد پیش ہوگی جس کا قرآن شاہد ہے کہ ان کی امتیں جب اس سے
نکار کریں گی کہ ان کے پاس کوئی نبی آیا تھا اور اس نے دین اسلام پہنچایا تھا اور کلام
خداوندی سنایا تھا وہ تو کہیں گی کہ ہمارے پاس کوئی نبی پہنچا ہی نہیں تو ہم کیسے ایمان
لاتے ایسے وقت میں امت محمدیہ کو بطور شاہد لایا جاوے گا اور یہ امت شہادت دیگی کہ
انبیاء سابقین نے ان لوگوں کو احکام خداوندی پہنچائے تھے اس پر امم سابقہ اعتراض
کریں گی کہ یہ لوگ تو ہمارے بعد کے ہیں ہمارے زمانے میں تھے ہی نہیں اس لئے
ان کی شہادت کیسی اس پر امت کے لوگ خصوصاً صحابہ کرام پیش ہوں گے کہ ہم کو جناب
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا کہ اس قوم پر یہ نبی آئے تھے اور انھوں
نے احکام خداوندی پہنچائے تھے، تب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بلایا جاویگا
اور آپ سے پوچھا جائے گا تو آپ فرمائیں گے کہ ہاں میں نے کہا تھا کہ انبیاء سابقین
نے اپنی اپنی امتوں میں اپنا فرض ادا کر دیا تھا ان کی امتیں آج غلط کہتی ہیں اس پر
باری تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ امم سابقہ کو لیجا کر جہنم میں ڈالدو۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے
کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کا قول عند اللہ معتبر ہوگا اور وہ بھی حدیث کے
اندر شامل ماننا چاہئے گا۔ نیز اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ " الصحابة

کلھم عدول " اور حدیث میں آیا ہے " اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم " یعنی جیسے ستاروں سے راستہ ملتا ہے اسی طرح صحابۂ کرام سے ہدایت ملتی ہے اس لئے امت کا فیصلہ ہے کہ چھوٹے سے بڑا ولی بھی کسی صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا مگر آج کل ایک فرقہ پیدا ہوا ہے جو صحابہ کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے اسے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما جیسے حضرات کے دور میں بھی جاہلیت کا دخل نظر آتا ہے حالانکہ اس کو مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون سے تعبیر فرمایا تھا۔

موضوع حدیث کی بالاتری

فن حدیث اپنے موضوع کی برتری کی وجہ سے تمام علوم وفنون سے بالاتر ہے کیونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور ان میں افضل انبیاء کرام علیہم السلام ہیں پھر ان میں افضل رسول ہیں پھر ان میں افضل اولوالعزم ہیں اور یہ افضلیت آکر ختم ہوگئی ہے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر اس لئے علم حدیث تمام علوم میں افضل واشرف معلوم ہوا کیونکہ اس کا موضوع آپ کی ذات گرامی ہے جس کے لئے تمام کائنات پیدا کی گئی اور جو ذات لوح وکرسی ہی نہیں عرش اعظم سے بھی افضل ہے اس لئے جس کا علم کا موضوع آپ کی ذات مقدسہ ہوگی وہ تمام علوم میں افضل ہوگا۔

غرض وغایت حدیث

رہا یہ سوال کہ اس علم کی غرض وغایت کیا ہے . تو اس کی بہت سی غایات ہیں۔

(۱) - الوصول الی رضاء الباری تعالیٰ باتباع احکام اللہ ورسولہ والاتباع لا یکون الا بالاقوال والافعال والتقریرات فالفوز بالعبودیۃ فی قولہ تعالیٰ " اتبعونی یحببکم اللہ لایکون الا بعد العلم باحادیث الرسول.

نیز رضاء باری تعالیٰ اس وقت حاصل ہوسکتی ہے جب مرادات باری تعالیٰ معلوم ہو جائیں اور اس کے لئے ضرورت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسے فرمادیں جیسا کہ ارشاد باری ہے " یتلو علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ " نیز ارشاد ہے لتبین للناس " اور ہم لوگوں کے لئے ان چیزوں کا حصول علم حدیث پر موقوف ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ رضاء باری تعالیٰ کا اخفاء علم حدیث کے اندر مضمر ہے۔ تو علم حدیث سے احکام الٰہی کی تفصیلات کا علم ہوگا اسی سے تعلیم کتاب ہوگی اسی سے تعلیم حکمت ہوگی اور

یہی چیزیں رضاء باری تعالیٰ کا مدار ہیں تو علم حدیث کی یہ غایت بہت بڑی غایت ہے
۲ ۔ اس کی دوسری غایات بھی ہیں مثلاً حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔
"نضّر اللہ رجلا من سمع مقالتی" دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص اشتغال بالحدیث رکھے گا اس کو قیامت میں اللہ کا قرب حاصل ہوگا اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فیوض الحرمین میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے قبر مبارک پر مراقبہ کیا تو دیکھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سینے سے اشتغال بالحدیث رکھنے والوں کے سینوں تک ایک نورانی تار لگا ہوا ہے ۔ اس لئے حضرت شاہ صاحب نے اشتغال بالحدیث کی بہت وصیت فرمائی ہے خواہ وہ کسی بھی حیثیت سے ہو ۔ ہمارے لئے یہ کتنی خوش نصیبی کی بات ہے کہ اس علم حدیث کے ذریعہ دور افتادہ انسانوں سے آپ کا روحانی تعلق قائم ہے ۔

الفت کا جب مزہ ہے کہ دونوں ہوں بیقرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

(۳) ۔ اصول کی بات ہے کہ آدمی کو جس کی باتوں سے اشتغال ہوتا ہے اس سے مناسبت زیادہ ہو جاتی ہے اگر آپ فلسفہ میں مشغول رہتے ہیں تو فلاسفہ سے مناسبت بڑھے گی اگر علم تفسیر سے اشتغال ہوگا تو باری تعالیٰ سے تعلق بڑھے گا اور اگر علم حدیث سے مناسبت بڑھے گی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور رابطہ پیدا ہوتا جائے گا اور چونکہ کلام اور متکلم کے درمیان بڑی مناسبت ہوتی ہے اسلئے جب علم وفن میں آپ مشغول رہیں گے اس کے اشخاص ورجال کے اثرات آپ پر مرتب ہوں گے ۔ اگر آپ منطق و فلسفہ میں ذوق وشوق سے لگے رہیں گے تو تکبر کی شان پیدا ہوگی ، اگر عربیت سے اشتغال ہوگا تو آپ میں سخاوت کی شان آوے گی اسی لئے ضرورت ہے کہ علم حدیث سے اشتغال بڑھایا جائے تاکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نورانیت آپ میں بیدار ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مناسبت بڑھتی جائے ۔
(۴) ۔ اسی طرح علم حدیث کی ایک غایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے لئے یہ دعاء فرماتے ہیں جو لوگ آپ کے کلام کو سننے میں پھر

پھر اس کو یاد رکھتے ہیں اور اس کے بعد لوگوں تک پہنچاتے ہیں، یہ بات دیگر علوم وفنون میں نہیں ہے مثلاً نحو، صرف، منطق، فلسفہ، اقلیدس وغیرہ حتیٰ کہ خود فقہ کے اندر بھی نہیں بلکہ آپ کی دعائیں لے سکے جو یقیناً مقبول ہوں گی۔

(۵)۔ اس علم کی ایک غایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا یھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اللہ اور اس کے فرشتے درود و رحمت بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجا کرو۔

اور خدا کی طرف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل نے بشارت دی ہے کہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ جو شخص تم پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا۔ نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے فرشتوں کی ایک جماعت اس لئے مقرر کر دی ہے کہ جب کوئی درود بھیجے تو وہ اسے میرے پاس پہنچا دیا کرے۔ اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ وہ شخص بڑا بخیل ہے جو میرا نام سنے اور مجھ پر درود نہ بھیجے ظاہر ہے کہ علم حدیث کے اشتغال میں جس قدر درود شریف پڑھا جاتا ہے اتنا کسی دوسرے فن میں نہیں ہوتا کیونکہ ہر حدیث میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور آپ پر درود پڑھا جائیگا۔ اتنا درود کا موقع نہ تفسیر میں ہے نہ فقہ میں۔ علم حدیث کی یہ بھی ایک عظیم الشان غایت ہے۔

(۶)۔ نیز علم حدیث کی ایک غایت یہ بھی ہے کہ مسلمان جب تک علوم نبوت اور سنت نبوی پر عامل رہے دنیا میں سرتاج بنے رہے اور جب سے طریقۂ نبوت کو ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے اس وقت سے دنیا و آخرت دونوں کی نعمتوں سے محروم ہوتے چلے گئے تو علم حدیث سے تعلق پیدا کر کے دونوں جہان کی فلاح حاصل کی جا سکتی ہے۔

(۷)۔ نیز ایک بات اور ہے کہ شریعت میں اصل الاصول قرآن مجید ہے مگر اس کی تفسیر بغیر علم حدیث کے ناممکن ہے کیونکہ اگر قرآن کے معانی کے لئے جو جی چاہے کہہ دیا تو آپ کا ارشاد ہے "من فسر القرآن برایہ فلیتبوأ مقعدہ من النار" اور یہ کہتے کہ اس آیت سے مراد خداوندی میری سمجھ میں آتی ہے تو اس کا نام

تاویل قرآن ہے تفسیر آیت نہ ہوتی تو علم حدیث کی ایک غایت تفسیر قرآن بھی ہے اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ فن حدیث فن تفسیر سے بھی اشرف ہے کیونکہ فن حدیث کے بغیر تفسیر قرآن معلوم نہیں ہو سکتی۔

تدوینِ قرآن وحدیث و فقہ

علم حدیث کا بہت بڑا مسئلہ کتاب اللہ کی تدوین پھر اس کی حفاظت کا ہے باری تعالےٰ نے خود ارشاد فرمایا "انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون" اس میں حفاظت کا بھی وعدہ ہے۔ قاعدہ کی رو سے "انیّ" ہونا چاہئے تھا مگر تعظیم پر دلالت کرنے کے لئے "انّا" لاتے ہیں کیونکہ کسی بڑی شئی کے لئے اشارے بھی تعظیم سے کئے جاتے ہیں۔

نزولِ قرآن

قرآن مجید کو یکبارگی نہیں نازل کیا گیا بلکہ شیئاً فشیئاً حسب ضرورت نازل کیا جاتا رہا۔ اس لئے کہ اگر یکبارگی نازل ہو جاتا تو اس کا یاد کرنا دشوار ہوتا۔ نیز ہو سکتا تھا کہ یکبارگی اترنے پر اہل عرب، بنی اسرائیل کی طرح انکار کر دیتے حالانکہ توریت ان کو اس وقت دی گئی تھی جب ان کی طرف سے اس کا مطالبہ ہوا کہ ہم کو عمل کرنے کا کوئی دستور العمل دیجئے دوسرے اس سے پہلے فرعون کے غلام رہ چکے تھے اور ایسے غلام کہ ان کے بچے ذبح کر دیئے جاتے تھے اور ان پر سخت سے سخت عذاب ہوتا تھا بڑی جد و جہد کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آزادی دلائی، اسکے بعد توریت پیش کی گئی تھی اور انھوں نے انکار کر دیا تھا اور منکر بھی ایسے کہ ان کے سروں پر کوہ طور لا کر رکھا جانے لگا تو وقتی طور پر اقرار کر لیا مگر ایک آنکھ سے اوپر دیکھتے بھی جاتے تھے، تو اگر عربوں کے لئے قرآن اسی طرح نازل ہو جاتا تو اہل عرب بنی اسرائیل کی طرح غلام نہیں تھے نہ کسی چیز سے مجبور تھے وہ پوری کتاب کو کس طرح مان لیتے اور اس پر ایمان لاتے۔ اس وجہ سے تھوڑا تھوڑا نازل کیا گیا وہ بھی اس طرح کہ اولاً مکہ میں وہی چیزیں نازل ہوئیں جن میں خداوند عالم کی صفات و کمالات کا بیان ہوتا تھا پھر ۱۳ برس کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ وغیرہ احکام اتارے گئے اور وہ بھی تدریجاً، یہی رحمت خداوندی تھی کہ جب وہ چاہتی تھی کہ لوگ اس پر عمل کریں تو حکم آجاتا تھا پھر وہ ان کے لئے

مفید نہ تھا تو حسب ضرورت اس کی جگہ دوسرا حکم لایا جاتا اس طرح نزول قرآن تھوڑا تھوڑا ہوا اور یہی مضمون مصداق ہے " ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا " کا۔

تدوین قرآن دین موسوی کی حفاظت کے لئے یہود کے رہبان کو ذمہ داری سپرد کی گئی تھی کہ وہ توریت کی حفاظت کریں لیکن دین محمدی کی حفاظت کے لئے کتاب اللہ کو علماء امت کے سپرد نہیں کیا گیا " انا لہ لحافظون " میں لطور عبارۃ النص ثابت ہے کہ قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لے لی ہے۔

سب سے پہلے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کے تدوین کی فکر ہوئی اس لئے جو جو آیتیں نازل ہوئیں ان کو ابتداء ہی سے آپ نے لوگوں کے صدور میں محفوظ کرنا اور جمع کرنا شروع کر دیا تھا نیز مخصوص صحابہ کو بلا کر لکھا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام جب کوئی آیت یا سورۃ لیکر آتے تو آپ کے کان سننے میں، قلب ادراک معانی میں اور زبان پڑھنے میں لگ جاتی تھی اس خطرے سے کہ کہیں کوئی لفظ بھول نہ جائیں تو باری تعالیٰ نے فرمایا " لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرآنہ فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ ثم ان علینا بیانہ "، گویا خدائے عزوجل نے قرأت، جمع، بیان اور حفاظت چاروں کا تکفل فرمالیا کیونکہ آپ کو تدوین وحفاظت کی اس وقت بے حد فکر رہا کرتی تھی، پھر اس کی حفاظت ہی کے لئے رمضان میں حضرت جبریل کو بھیجا جاتا اور جس قدر قرآن اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا اس کا آپ کو دور کرایا کرتے اور جب پورا قرآن نازل ہو چکا تو آخری رمضان میں آپ کو پورے قرآن کا دور کرایا تھا۔ اور دو مرتبہ کرایا تھا اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی ترتیب توقیفی ہے اور عہد نبوی میں مکمل ہو چکی تھی۔

حفاظت قرآن چونکہ اس امت کی حفاظت ہمیشہ اسباب کے ذریعہ ہوتی رہی ہے اس لئے سب سے پہلے قرآن کی حفاظت کا بار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اٹھایا کہ قرآن اترتا تو بعض لوگ لکھنے میں لگ جاتے دوسرے حضرات اسے حفظ کرنے کی کوشش میں لگ جاتے اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم

کے زمانے میں قرآن سینوں میں جمع ہوتا رہا مگر ایک جگہ کتاب و سطور میں تمامہ جمع نہیں ہوسکا بلکہ مختلف چمڑوں، ٹھیکروں، پتوں وغیرہ پر لکھا رہ گیا۔ علاوہ ازیں آپ کے دور میں تقریباً ۲ لاکھ صحابی تھے اور وہ سب کے سب نمازی تھے اور نماز کے اندر بغیر قرآن کے کام نہیں چل سکتا اس بناء پر کچھ نہ کچھ قرآن سب کے سینوں میں محفوظ ہوگیا اور بہت سے لوگوں کو پورا قرآن یاد تھا پھر آپ کے دور میں امارت وولایت کا اہل وہ سمجھا جاتا تھا جس کو قرآن حفظ ہو اور وہ اسے زیادہ سمجھتا ہو۔

جمع قرآن

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے قریب دو زبردست فتنے رونما ہوگئے ایک اسود عنسی کا فتنہ جو یمن میں رہتا تھا اس کے قبضے میں دو جن تھے اس لئے وہ شعبدہ بازی کیا کرتا تھا اور لوگوں کو اپنا معتقد بنائے ہوئے تھا۔ دوسرا فتنہ مسیلمہ کذاب کا اٹھا اس نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہیں پھر مجھ سے کہا گیا کہ ان کو اپنے منہ سے پھونک دو میں نے پھونک دیا تو وہ اڑ گئے اس واقعہ سے میں نے اندازہ کیا کہ فتنے اٹھیں گے مگر دیرپا نہیں ہوں گے جلد ان کا استیصال ہو جائے گا پھر میں نے اس خواب کی تعبیر صحابہ کو بتلا دی۔ خدا کے فضل وکرم سے ہوا بھی اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے تین روز قبل اسود عنسی کو زبیر دیلمی نے قتل کر ڈالا اور خلافت صدیقی میں مسیلمہ کذاب کو قتل کر دیا گیا۔ لیکن چونکہ مسیلمہ کذاب سے بہت خون ریز جنگ ہوئی اور اس میں بہت سے بدریین اور حفاظ قرآن شہید ہو گئے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اگر جنگ یمامہ کی طرح حفاظ شہید ہوتے رہے اور قرآن مجید صرف سینوں تک محدود رہا تو چند سالوں میں اس کے ضیاع کا خطرہ ہے پھر انھوں نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا تو انہوں نے دوسرے حضرات سے مشورہ فرمایا ان لوگوں کی بھی یہی رائے ہو گئی بالآخر جمع قرآن پر سب کا اتفاق ہو گیا تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جو عہد نبوی میں کاتب وحی رہ چکے تھے اس کا حکم دیا گیا کہ وہ اسے سطور میں جمع کر دیں تو انھوں نے سورتیں اور آیتیں جمع کر دیں اس طرح بدون ترتیب پورا قرآن جمع ہو گیا اس جمع میں اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا کہ سورتوں میں مقدم کون ہے اس وقت اس کا التزام نہیں ہو سکا تھا یقیناً سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانے میں ہو چکا تھا کیونکہ ہر سورة میں ان کی آیتوں کی ترتیب تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کیونکہ کوئی آیت اترتی تو آپ کاتبین وحی کو بلا کر اس کا املا کرا دیا کرتے تھے اور ان سے یہ بھی فرما دیا کرتے تھے کہ اس آیت کو فلاں آیت کے بعد لکھنا۔

نزول قرآن علی سبعۃ احرف

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جب قرآن کی تمام سورتوں کو یکجا کر دیا تو اس میں کسی خاص لغت کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام میں مختلف مقامات و قبائل کے لوگ داخل ہو رہے تھے ان سب کی زبان تو عربی تھی مگر مختلف قبائل و مقامات کے لغات و لہجے علیٰحدہ علیحدہ تھے چونکہ نیا دور تھا اس وقت سب لوگوں کو قریش کے لغت میں یاد کرنا اور کرانا مشکل تھا جیسے یہاں ہے کہ ایک ہی اردو زبان ہے مگر اس کی لغات مختلف ہیں، لکھنؤ، دہلی، لاہور، حیدرآباد میں الفاظ محاورے لب و لہجے بہت بدل گئے ہیں، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب مدینہ میں لفظ "سکین" سنا تو تعجب سے کہا کہ یہاں "مدیہ" کو سکین کہتے ہیں میں نے یہ کبھی نہیں سنا تھا۔ ان حالات میں قرآن کو پوری قوم میں آسان کرنے کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار دعا فرمائی کہ قرآن مجید مختلف لغات میں نازل کیا جائے آپ کی دعا قبول کی گئی اور قرآن سات لغات میں نازل کیا گیا اور اسے سات لغتوں میں پڑھنے کی اجازت دی گئی تاکہ آسانی سے لوگ پڑھ اور سمجھ سکیں۔ چنانچہ ہر قبیلہ کو اس کے لغت کے لحاظ سے یاد کرایا جاتا تھا۔ جیسا کہ حضرت ہشام اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ شاہد ہے کہ حضرت ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے نماز میں سورۂ فرقان تلاوت کی تو حضرت عمر نے اعتراض کیا کہ تم یہ کس طرح قرآن پڑھتے ہو۔ انھوں نے بتایا کہ ہم کو یہ سورة آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح یاد کرائی تھی۔ اس پر دونوں حضرات میں بحث ہوئی اور وہ ختم نہ ہو سکی کیونکہ دونوں نے دو مختلف لغتوں میں یاد کر رکھا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور پورا واقعہ سُنایا۔ آپ نے دونوں حضرات سے قرآن کی وہ سورة سنی اور فرمایا، "ھکذا انزل، فھکذا انزل"، اس کے بعد ارشاد فرمایا "انزل القرآن علی سبعۃ احرف"

لغت قریش آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں صرف قریش کی لغت میں قرآن شریف یاد کرنے کی پابندی نہیں کرائی تھی بلکہ عرب میں سات مشہور لغتوں میں پڑھنے اور سمجھنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں ان لغات کثیرہ کی وجہ سے زبردست انتشار پیدا ہوگیا ایک خطے کے لوگ دوسرے خطے کے لوگوں کی تغلیط کرنے لگے اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حفاظ قرآن کی ایک کمیٹی بنائی اور اسے حکم دیا کہ اگر ایک قبیلے کی لغت دوسرے قبیلے کے مطابق ہو تو اسے لکھ لو اور موافقت نہ ہو تو قریشی لغت کو ترجیح دی جائے۔ اس کمیٹی میں چھ حافظ قرآن تھے اور سب صحابی تھے۔ ان تمام حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق قرآن مجید کو مدون کر دیا اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو تبدیلیاں کرائیں، ایک یہ کہ پورے قرآن کو لغت قریش میں مرتب کرا کے رائج کر دیا دوسرے یہ کہ سورتوں کے درمیان ترتیب دیدیا کہ کون مقدم ہے اور کون کس کے بعد ہے۔ اس کے بعد انھوں نے ایک ایک مصحف بصرہ، مصر وغیرہ بڑے بڑے اسلامی شہروں میں بھیجدیا اور ایک مصحف مدینہ منورہ میں رکھدیا۔

ترتیب قرآنی اس ترتیب پر حضرات اصحاب رضوان اللہ علیہم کا اجماع ہوگیا اور یہی ترتیب آجکل ہمارے سامنے چل رہی ہے بہت سے ائمہ نے فرمایا ہے کہ حضرت جبریل نے آخر رمضان میں جو دو مرتبہ آپ سے مدارست فرمائی اس آخری مدارست کی ترتیب یہی تھی نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نمازوں میں جو ترتیب رکھی تھی اور ان میں جو آپ تلاوت فرمایا کرتے تھے وہ اسی طرح ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ دوسری میں آل عمران تیسری میں سورۂ نساء، چوتھی سورۂ مائدہ اس لئے بہت سے ائمہ کا قول ہے کہ حضرت عثمان کی ترتیب سور توقیفی ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ صحابہ کرام سے مشورہ لیکر ان کے مجمع میں یکی رائے سے اس طرح ترتیب دی گئی ہے۔ چونکہ ترتیب کے مسئلہ میں اختلاف ہے اس لئے اس کے متعلق بالیقین نہیں کہا جاسکتا کہ ترتیب کیسی ہے پھر بھی چونکہ صحابۂ کرام کا مجمع علیہ ہے اور حدیث میں آیا ہے

"لا تجتمع امتی علی الضلالۃ" اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "لا یقرء القرآن منکوسا الا منکوس القلب" اس لئے اس کے خلاف کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آیات مرتب کردی تھیں اور آپ ہی کے دور میں ترتیب ہوگئی تھی مگر وہ سینوں کے اندر تھی سفینے میں نہ تھی۔ شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد میں آیات کی ترتیب مکمل طور پر سینوں سے سفینوں میں آگئی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں سورتوں کی ترتیب بھی سفینوں میں مکمل طور پر آگئی اور تمام ممالک میں رواج پاگئی اور اس وقت سے آج تک اسی طرح رائج ہے۔ ••

ایک علمی نکتہ

قرآن کریم جہاں صفات الٰہی ثابت کرتا ہے وہاں تفصیل سے کام لیتا ہے اور صرف تمثیل کی نفی پر اقتصار کرتا ہے (لیس کمثلہ شئ) اور یہی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے کہ ان کے یہاں اثبات مفصل اور نفی مجمل ہے اسکے برخلاف ان کے حریفوں و مخالفوں (فلاسفۂ یونان) کے یہاں سارا زور نفی پر صرف ہوتا ہے اور اثبات سے وہ سرسری طور پر گذر جاتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

عدالت کا مفہوم

از ——— حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رح

لفظ عدول، عدل کی جمع ہے، یہ اصل میں مصدر ہے جتنے برابر کرنے کے معنی ہیں، اور محاورات میں اس شخص کو عدل کہا جاتا ہے جو حق و انصاف پر قائم ہو۔ یہ لفظ قرآن کریم میں بھی بار بار آیا ہے۔ حدیث میں بھی اکتب تفسیر میں بھی اس پر بحث ہے اور اصول حدیث اصول فقہ اور عام فقہ میں اس کے اصطلاحی اور شرعی معنی کی تعیین کی گئی ہے، ابن صلاح رح نے فرمایا:

تفصیلہ أن یکون مسلماً، بالغاً عاقلاً، سالماً من اسباب الفسق وخوارم المروءۃ

(علوم الحدیث لابن صلاح)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان مسلمان، بالغ، عاقل ہو، اور اسباب فسق سے نیز خلافِ مروت افعال سے محفوظ ہو۔

اور شیخ الاسلام نووی رح نے "تقریب" میں فرمایا:۔

عدلاً ضابطاً بأن یکون مسلماً، بالغاً عاقلاً سلیماً من اسباب الفسق وخوارم المروءۃ،

علامہ سیوطی نے اس کی شرح "تدریب" میں فرمایا:

وفسر العدل بأن یکون مسلماً بالغاً عاقلاً الیٰ قولہ سلیماً من اسباب الفسق وخوارم المروءۃ"

——— (تدریب الراوی صـ ۱۹۷)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے شرح نخبۃ الفکر میں فرمایا:

والمراد بالعدل من له ملكة تحمله على ملازمة التقوى والمروة والمراد بالتقوى اجتناب الأعمال السيئة من شركة او فسق أو بدعة،

"عدل" سے مراد وہ شخص ہے جسے ایسا ملکہ حاصل ہو جو اسے تقویٰ اور مروت کی پابندی پر برانگیختہ کرے، اور تقویٰ سے مراد شرک، فسق اور بدعت جیسے اعمالِ بد سے اجتناب ہے۔

درمختار، کتاب الشہادت میں عدالت کی تفسیر یہ کی ہے:

ومن ارتكب صغيرة بلا اصرار إن اجتنب الكبائر كلها، وغلب صوابه على صغائره درر وغيرها قال وهو معنى العدالة وحتى ارتكب كبيرة سقطت عدالته،

اور وہ شخص (بھی عادل ہے) جس سے صغیرہ گناہ بغیر اصرار (مداومت) کے صادر ہو جاتا ہو، بشرطیکہ وہ تمام گناہ کبیرہ سے پرہیز کرتا ہو، اور اس کے درست افعال اس کے صغیرہ گناہوں سے زیادہ ہوں (درر وغیرہ) یہی عدالت کے معنیٰ ہیں اور کوئی شخص جب کبھی کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا، اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی۔

اس کی شرح میں ابن عابدینؒ نے فرمایا:

في الفتاوى الصغرى حيث قال العدل من يجتنب الكبائر كلها حتى لو ارتكب كبيرة تسقط عدالته وفي الصغائر العبرة بالغلبة او الاصرار على الصغيرة فتصير كبيرة ولذا قال غلب صوابه (آه) قوله وسقطت عدالته وتعود إذا تاب"
(رد المحتار ابن عابدين شامی ص۵۲۳)

فتاویٰ صغریٰ میں لکھا ہے کہ "عدل" وہ جو تمام کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو، یہاں تک کہ اگر ایک کبیرہ گناہ کا ارتکاب بھی کرلے گا تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور صغیرہ گناہوں میں اعتبار اکثریت کا ہے، یا پھر کسی صغیرہ گناہ پر اصرار (مداومت) کا۔ کیونکہ اس صورت میں صغیرہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے اسی لئے مصنف (درمختار) نے یہ کہا ہے کہ اس کے درست افعال زیادہ ہوں، اور مصنف نے جو یہ کہا ہے کہ کبیرہ

کے ارتکاب سے عدالت ساقط ہوجائے گی (اس
میں اتنا اضافہ کرنا چاہئے) کہ اگر وہ توبہ کرلے
تو عدالت لوٹ آئے گی۔

فقہاء و محدثین کی مذکورہ بالا تصریحات میں عدل اور عدالت کی ایک ہی تفسیر ہے جس کا
ل یہ ہے کہ مسلمان عاقل بالغ ہو اور کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو، کسی صغیرہ گناہ پر مصر نہ ہو
ہت صغیرہ گناہوں کا عادی نہ ہو، یہی مفہوم شرعی ہے تقویٰ کا۔ جیسا کہ ابن عابدینؒ کی
بت مذکورہ میں ہے، جس کا بالمقابل "فسق" ہے جس شخص کی عدالت کو ساقط قرار دیا جائے
اصطلاح شرع میں اس کو "فاسق" کہا جائے گا۔ اور جن حضرات سے تمام صحابہ کرام
عدول ہونے پر اجماع امت نقل کیا گیا ہے ان کی اپنی اپنی عبارتوں سے بھی عدل اور
ت کی یہی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔

اشکال و جواب

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف امت کا یہ عقیدہ بھی
ہے کہ صحابہ کرام معصوم نہیں، ان سے کبیرہ صغیرہ ہر طرح کے گناہ
صدور ہوسکتا ہے اور ہوا بھی ہے۔ دوسری طرف یہ عقیدہ اوپر لکھا گیا ہے کہ سب کے سب
ل ہیں اور عدل کے معنیٰ اصطلاحی بھی سب کے نزدیک یہ ہیں جو کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب اور
و پر مصر نہ ہو، اور جس سے گناہ کبیرہ سرزد ہوگیا۔ یا صغیرہ پر اصرار ثابت ہوگیا وہ ساقط العدالت
ہے گا، جس کا اصطلاحی نام فاسق ہے۔ یہ کھلا ہوا تضاد ان دونوں عقیدوں میں ہے۔

اس کا جواب جمہور علماء کے نزدیک یہ ہے کہ صحابہ کرام سے اگرچہ کوئی بڑا کبیرہ گناہ بھی سرزد
تا ہے اور ہوا بھی ہے مگر ان میں اور عام افراد امت میں ایک فرق ہے کہ گناہ کبیرہ وغیرہ سے جو
شخص ساقط العدالۃ یا فاسق ہوجاتا ہے، اب اس کی مکافات توبہ سے ہوسکتی ہے، جس نے توبہ
یا کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوگیا کہ اس کی حسنات کی وجہ سے حق تعالیٰ نے اس کا یہ گناہ معاف
وہ پھر عدل اور متقی کہلائے گا۔ اور جس نے توبہ نہ کی وہ ساقط العدالۃ فاسق قرار دیا جائے گا۔

اب توبہ کے معاملے میں عام افراد امت اور صحابہ کرام میں ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ عام افراد
ت کے بارے میں اس کی ضمانت نہیں ہے کہ انہوں نے توبہ کی یا نہیں کی۔ اور نہ یہ معلوم ہے کہ
حسنات نے سب سیئات کا کفارہ کردیا۔ ان کے بارے میں جب تک توبہ کا ثبوت نہ ہوجائے
ذریعہ سے عنداللہ معافی کا علم نہ ہوجائے ان کو ساقط العدالۃ فاسق ہی قرار دیا جائے گا،

نہ ان کی شہادت مقبول ہوگی نہ دوسرے معاملات میں ان کا اعتبار کیا جائے گا۔ مگر صحابہ کرام کا معاملہ ایسا نہیں اول تو ان کے حالات کے جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ گناہ سے کتنے ڈرتے اور بچتے تھے، اور کبھی کوئی گناہ سرزد ہوگیا تو اس کی توبہ صرف زبانی کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کوئی اپنے آپ کو بڑی سے بڑی سزا کے لئے پیش کر دیتا ہے، کوئی اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیتا ہے، جب تک قبول توبہ کا اطمینان نہیں ہوجاتا۔ اس کو صبر نہیں آتا، صحابہ کرام کے اس خوف و خشیت کا تقاضا یہ ہے کہ جن حضرات سے توبہ کرنے کا اظہار بھی نہیں ہوا ہم ان کے بارے میں بھی یہی ظن رکھیں کہ انہوں نے ضرور توبہ کرلی ہوگی، دوسرے ان کے حسنات اور سوابق اتنے عظیم اور بھاری ہیں کہ ان کے مقابلہ میں عمر بھر کا ایک آدھ گناہ حق تعالیٰ کے وعدے کے مطابق معاف ہی ہوجانا چاہئے: وعدہ یہ ہے: ان الحسنات یذھبن السیّات۔

یہاں تک تو ہر مسلمان کو خود بھی بغیر کسی واضح دلیل کے یہ اعتقاد و اعتماد رکھنا عقل و انصاف کا تقاضا ہے۔ مگر صحابہ کرام کے معاملے میں ہمارا صرف یہ گمان ہی نہیں، قرآن کریم نے اس گمان کی تصدیق بار بار کردی کبھی صحابہ کرام کی خاص خاص جماعتوں کے لئے اس کا اعلان کردیا، کبھی صحابہ کرام و سابقین و آخرین کے لئے اعلان عام کردیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

بیعت حدیبیہ جس کو قرآنی بشارت کی وجہ سے بیعت رضوان اور بیعت شجرہ بھی کہا جاتا ہے اس میں جو تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام شریک تھے، ان کے بارے میں کھلے الفاظ سے یہ اعلان فرمایا:

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ، | اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوگیا جبکہ وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بیعت تحت الشجرۃ میں جو لوگ شریک تھے ان میں سے کسی کو جہنم کی آگ نہ چھو سکے گی، اس مضمون پر متعدد احادیث مختلف الفاظ اسنادِ صحیحہ کے ساتھ کتب حدیث و تفسیر میں موجود ہیں۔ اور عام صحابہ کرام اولین و آخرین کے حق میں یہ اعلان سورہ توبہ میں اس طرح آیا:

السابقون الأولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ | مہاجرین و انصار میں سے جو سب سے پہلے سبقت کرنے والے ہیں اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی اتباع کی، اللہ ان سے راضی

واعد لهم جنت تجری تحتها الانهٰر خلدین فیها ابداً ذلک الفوز العظیم۔

ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ عظیم کامیابی ہے۔

سورہ "الحدید" میں صحابہ کرام کے بارے میں اعلان فرمایا:

وکلا وعد اللہ الحسنیٰ

اللہ نے ان میں سے ہر ایک سے حسنیٰ کا وعدہ کرلیا ہے۔

پھر سورۂ انبیاء میں حسنیٰ کے متعلق یہ ارشاد ہے۔

ومن سبقت لهم منا الحسنیٰ اولٰئک عنها مبعدون۔

یعنی جس کے لئے ہماری طرف سے حسنیٰ مقدر کردی گئی ہے وہ اس جہنم سے دور کئے جائیں گے۔

اس کا حاصل ظاہر ہے کہ سب ہی صحابہ کرام کے حق میں یہ فیصلہ فرمادیا کہ وہ جہنم سے دور رکھے جاویں گے۔

نیز سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

لقد تاب اللہ علی النبی والمهٰجرین والانصار الذین اتبعوه فی ساعة العسرة من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منهم ثم تاب علیهم، انه بهم رؤف رحیم۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار کی توبہ قبول فرمائی، جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی پیروی کی، بعد اس کے کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک فریق کے دل کج ہوجائیں، پھر اللہ نے ان کو معاف کردیا، بلاشبہ وہ ان پر بہت مہربان رحمت کرنے والا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم نے اس کی ضمانت دیدی کہ حضراتِ صحابہ سابقین و آخرین میں سے کسی سے بھی اگر عمر بھر میں کوئی گناہ سرزد ہوگیا تو وہ اس پر قائم نہ رہے گا، توبہ کرلے گا، یا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و نصرت اور دین کی خدماتِ عظیمہ اور ان کی بے شمار حسنات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو معاف کردے گا، اور ان کی موت اس سے پہلے نہ ہوگی کہ ان کا گناہ معاف ہوکر وہ صاف بیباق ہوجائیں اسی لئے ان میں سے کسی بھی صحابی کو ساقط العدالة یا فاسق نہیں کہا جاسکتا، صدورِ گناہ کے وقت اس پر تمام وہی احکام نافذ ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں پر

ہوتے۔ حد شرعی یا تعزیری سزائیں جو عام مسلمانوں کے لئے ہیں وہ ان پر جاری کی جائیں گی۔ ا
صدور گناہ کے وقت اس عمل کو فسق بھی کہا جائے گا جیسا کہ آیت ان جاءکم فاسق بنبا سے معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ ان کی توبہ یا معافی نص قرآن معلوم ہو چکی ہے اس لئے ان کو کسی وقت بھی ساقط العدالت فاسق نہ کہا جائے گا۔ کذا حققہ الآلوسی فی روح المعانی تحت آیۃ: وان جاءکم فاسق،

قاضی ابویعلیٰ نے آیت رضوان کے تحت فرمایا:

والرضیٰ من اللہ صفت قدیمۃ فلا یرضی الا من عبد یعلم انہ یوفیہ علی موجبات الرضی ومن رضی اللہ عنہ لم یسخط علیہ ابداً۔

(الصارم المسلول لابن تیمیہ)

اور اللہ کی خوشنودی، باری تعالیٰ کی ایک صفت قدیمہ ہے لہذا اللہ تعالیٰ صرف اس بندے سے راضی ہوتا ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ رضامندی کے موجبات کا جامع ہے اور جس سے اللہ راضی ہو جائے اس پر کبھی ناراض نہیں ہوگا۔

صحابہ کرام کے غیر معصوم ہونے اور سب کے عدول میں جو ایک ظاہری تعارض ہے اس کا جواب جمہور علماء و فقہاء کے نزدیک یہی ہے اور وہ بالکل واضح اور صاف ہے۔

اور بعض علماء نے جو عدم عصمت اور عموم عدالت کے تضاد سے بچنے کے لئے عدالت کے مفہوم میں یہ ترمیم فرمائی کہ یہاں عدالت سے مراد تمام اوصاف و اعمال کی عدالت نہیں بلکہ صرف روایت میں کذب نہ ہونے کی عدالت مراد ہے، یہ لغت اور شرع پر ایک زیادتی ہے جس کی کوئی ضرورت اور کوئی وجہ نہیں۔ اور ان حضرات کے پیش نظر بھی اس ترمیم کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی رُو سے کسی صحابی کو اپنے عمل و کردار کی حیثیت سے ساقط العدالۃ یا فاسق قرار دینا چاہتے ہیں، ان کے کلمات دوسرے مواقع میں خود اس کی نفی کرتے ہیں

اسی طرح کا ایک مضمون حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی طرف ان کے فتاویٰ کے حوالہ سے منسوب کیا گیا ہے یہ مضمون . . . ۔ ایسا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی، اور فتاویٰ عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے نہ خود ان کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے وفات کے معلوم نہیں کتنے عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو

ان کے خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے، اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں۔ کہ کسی نے کوئی تدسیس اس میں کی ہو اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لئے فتاویٰ کے مجموعہ میں شامل کر دیا ہو اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ہی کا قول ہے تو وہ بھی بمقابلہ جمہور علماء و فقہاء کے متروک ہے۔ (واللہ اعلم)

علم عقائد و کلام کی تقریباً سبھی کتابوں میں اسی طرح اصولِ حدیث کی سب کتابوں میں اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے، جس میں سے چند کے حوالے اس جگہ نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۲) حدیث اور اصولِ حدیث کے امام ابن صلاحؒ "علوم حدیث" میں تحریر فرماتے ہیں:

للصحابة باسرهم خصيصة وهي انه لا يسأل عن عدالة احد منهم بل ذلك امر مفروغ عنه لكونهم على الاطلاق معدلين بنصوص الكتاب والسنة واجماع من يعتد به في الاجماع من الامة قال تعالىٰ: كنتم خير امة اخرجت للناس قيل اتفق المفسرون على انه وارد في اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم (ثم سرد بعض النصوص القرآنية والاحاديث كما ذكرناها سابقا) (علوم الحديث ص ۲۶)

تمام صحابہ کرام کی ایک خصوصیت ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی عدالت (ثقہ و متقی) ہونے کا سوال بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے قرآن و سنت کے نصوص قطعیہ اور اجماع امت جن لوگوں کا معتبر ہے ان کے اجماع سے ثابت ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: کہ تم بہترین امت ہو کہ جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے بعض علماء نے فرمایا کہ مفسرین حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں آئی۔

(۳) حافظ ابن عبدالبرؒ نے مقدمہ استیعاب میں فرمایا:

فهم خير القرون وخير امة اخرجت للناس ثبتت عدالة جميعهم بثناء الله عز وجل عليهم وثناء رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا اعدل ممن ارتضاه الله لصحبة نبيه صلى الله عليه وسلم ونصرته ولا تزكية افضل من ذلك ولا تعديل

یہ حضرات صحابہؓ ہر زمانے کے افراد سے افضل ہیں اور وہ بہترین امت ہیں جسے اللہ نے لوگوں (کی ہدایت) کے لئے پیدا فرمایا: ان سب کی عدالت اس طرح ثابت ہے کہ اللہ نے بھی ان کی تعریف و توصیف فرمائی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی، اور ان لوگوں سے بڑھ کر کون عادل ہو سکتا ہے جنہیں اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ

یکمل منها قال تعالیٰ: محمد رسول اللہ والذین معہ الآیة۔
(الاستیعاب تحت الاصابہ صلہ ج۱)

علیہ وسلم کی صحبت اور نصرت کے لئے چن لیا ہو کسی شخص کے حق میں عدالت و ثقاہت کی کوئی اس شہادت سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔

امام احمدؒ کا اپنا ایک رسالہ اصطخری کی روایت سے منقول ہے اس میں فرمایا:

لا یجوز لاحد ان یذکر شیئا من مساویہم ولا ان یطعن علی احد منہم بعیب ولا نقص فمن فعل ذلک وجب تادیبہ وقال المیمونی سمعت احمد یقول مالہم ولمعاویة نسأل اللہ العافیة وقال لی یا ابا الحسن اذا رأیت احدا یذکر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسوء فاتہمہ علی الاسلام

(ذکرہ ابن تیمیہ فی الصارم المسلول)

کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان کی کوئی برائی ذکر کرے، اور ان پر کسی عیب یا نقص کا الزام لگائے جو شخص ایسا کرے اس کی تادیب واجب ہے اور میمونی رحؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کی برائی کرتے ہیں ہم اللہ سے عافیت کے طلبگار ہیں اور پھر مجھ سے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہؓ کا ذکر برائی کے ساتھ کر رہا ہے اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔

(۵) امام نوویؒ نے اپنی کتاب تقریب میں فرمایا:

الصحابة کلہم عدول من لابس الفتن وغیرہم باجماع من یعتد بہ۔

صحابہ سب کے سب عدل ہیں جو اختلاف کے فتنہ میں مبتلا ہوئے وہ بھی اور دوسرے بھی۔

(۶) علامہ سیوطی رحؒ نے اسی تقریب کی شرح تدریب الراوی میں پہلے اس کے ثبوت میں وہ آیات قرآنی اور روایات حدیث لکھی ہیں جن کا ایک حصہ اوپر لکھا جا چکا ہے پھر فرمایا:

" ان سب حضرات کا تعدیل و تنقید سے بالاتر ہونا اس وجہ سے ہے کہ یہ حضرات حاملان شریعت ہیں اگر ان کی عدالت مشکوک ہو جائے تو شریعت محمدیہؐ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی تک محدود ہو کر رہ جائے گی۔ قیامت تک آنے والی نسلوں اور دور دراز کے ملکوں اور خطوں میں عام نہیں ہو سکتی (اس کے بعد جن لوگوں نے اس مسئلہ میں کچھ اختلافی پہلو لکھا ہے ان پر رد کر کے آخر میں فرمایا۔

والقول بالتعميم هو الذي صرح به الجمهور وهو المعتبر۔

(تدریب الراوی ص۲۱۱)

عدالت کا تمام صحابہ کرام میں عام ہونا ہی جمہور کا قول ہے اور وہی معتبر ہے۔

(۷) علامہ کمال ابن ہمام رح نے عقائد اسلامیہ پر اپنی جامع کتاب مسایرہ میں لکھا ہے:

واعتقاد اهل السنة والجماعة تزكية جميع الصحابة وجوبًا باثبات العدالة لكل منهم والكف عن الطعن فيهم والثناء عليهم كما اثنى الله سبحانه وتعالى عليهم ثم سرد الايات والروايات التي مرت۔

(مسایرہ ص۱۳۲ طبع دیوبند)

عقیدہ اہل سنت والجماعت کا تمام صحابہ کرام کا تزکیہ یعنی گناہوں سے پاک بیان کرنا ہے اس طرح کہ ان سب کے عدول ہونے کو ثابت کیا جائے اور ان پر کسی قسم کا طعن کرنے سے پرہیز کیا جائے اور ان کی مدح وثنا کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی ہے (پھر ابن ہمام نے وہ آیات و روایات نقل کی ہیں جو اوپر گذر چکی ہیں۔

(۸) حافظ ابن تیمیہ رح نے شرح عقیدہ واسطیہ میں فرمایا:

ومن اصول اهل السنة والجماعة سلامة قلوبهم والسنتهم لاصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كما وصفهم الله تعالىٰ في قوله تعالىٰ والذين جاؤا من بعدهم الاية۔

(شرح عقیدہ واسطیہ ص۱۱۳ طبع مصر)

اہل سنت کے اصولِ عقائد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہ کے معاملے میں صاف رکھتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ والذین جاء وا من بعدہم الخ

(۹) علامہ سفارینی رح نے اپنی کتاب الدرۃ المضیۃ اور اس کی شرح جو سلف صالحین کے عقائد پر تصنیف فرمائی ہے اور لوامع الانوار البہیہ شرح الدرۃ المضیۃ کے نام سے شائع ہوئی اس میں فرماتے ہیں۔

والذي اجمع عليه اهل السنة والجماعة انه يجب على كل احد تزكية جميع الصحابة باثبات العدالة لهم والكف

اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ تمام صحابہ کو پاک صاف سمجھے، ان کے لئے عدالت ثابت

من الطعن فيهم والثناء عليهم فقد اثنى الله سبحانه عليهم في عدة آيات من كتابه العزيز على انه لو لم يرد من الله ورسوله فيهم شيئ لاوجبت الحال التي كانوا عليها من الهجرة والجهاد ونصرة الدين وبذل المهج والاموال وقتل الآباء والاولاد والمناصحة في الدين وقوة الايمان واليقين القطع بتعديلهم والاعتقاد لنزاهتهم وانهم افضل جميع الامة بعد نبيهم هذا مذهب كافة الامة ومن عليه المعوّل من الائمة -

(عقیدہ سفارینی صفحہ ۲۳۳ ج ۲)

کرے ان پر اعتراضات کرنے سے بچے، ان کی مدح و توصیف کرے، اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کی متعدد آیات میں ان کی مدح وثنا کی ہے۔ اس کے علاوہ اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کی فضیلت میں کوئی بات منقول نہ ہو تب بھی ان کی عدالت پر یقین اور پاکیزگی کا اعتقاد رکھنا، اور اس پر ایمان رکھنا ضروری ہوتا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساری امت کے افضل ترین افراد ہیں اس لئے کہ ان کے تمام حالات اسی کے مقتضی تھے۔ انہوں نے ہجرت کی، جہاد کیا، دین کی نصرت میں اپنی جان ومال کو قربان کیا، اپنے باپ بیٹوں کی قربانی پیش کی، اور دین کے معاملے میں باہمی خیرخواہی اور ایمان ویقین کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا۔

(۱۰) اسی کتاب میں امام ابوزرعہ عراقی جو امام مسلم کے بڑے اساتذہ میں سے ہیں ان کا یہ قول نقل کیا ہے:

اذا رأيت الرجل ينتقص احداً من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم انه زنديق وذلك ان القرآن حق والرسول حق وما جاء به حق وما ادى ذلك الينا كل الا الصحابة فمن جرحهم انما اراد ابطال الكتاب والسنة فيكون الجرح به اليق والحكم عليه بالزندقة والضلال اقوم واحق (صفحہ ۳۸۹ ج ۲)

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کی بھی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے۔ اس لئے کہ قرآن حق ہے، رسولؐ حق ہیں، جو تعلیمات آپ لے کر آئے وہ حق ہیں اور یہ سب چیزیں ہم تک پہنچانے والے صحابہ کے سوا کوئی نہیں، تو جو شخص ان کو مجروح کرتا ہے وہ کتاب وسنت کو باطل کرنا چاہتا ہے لہٰذا خود اس کو مجروح کرنا زیادہ مناسب ہے اور اس

پر گمراہی اور زندقہ کا حکم لگانا زیادہ قرین حق وانصاف ہے۔

(۱۱) اسی کتاب میں حافظ حدیث ابن حزم اندلسی نے اس مسئلہ میں یہ قول نقل کیا ہے:۔

قال ابن حزم الصحابة کلھم من اھل الجنة قطعاً قال تعالیٰ لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلاً وعد اللّٰہ الحسنٰی) وقال تعالیٰ ان الذین سبقت لھم منا الحسنٰی اولئک عنھا مبعدون۔ (ص ۲۸۹)	علامہ ابن حزم رہ فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ قطعی طور پر اہل جنت میں سے ہیں (دلیل یہ ہے کہ) باری تعالیٰ فرماتے ہیں، تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا وہ (بعد کے لوگوں کے) برابر نہیں ہو سکتے، وہ لوگ درجہ کے اعتبار سے ان لوگوں کے مقابلہ میں عظیم تر ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد انفاق اور قتال کیا۔ اور اللہ نے اچھائی (جنت) کا وعدہ سبھی سے کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ، بلاشبہ وہ لوگ جن کے لئے ہمارا اچھائی (جنت) کا وعدہ پہلے سے آچکا ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔

(۱۲) عقاید کی مشہور درسی کتاب عقائد نسفیہ میں ہے۔

ویکف عن ذکر الصحابة الا بخیر۔	یعنی اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما ذکر بجز خیر اور بھلائی کے نہ کرے۔

(۱۳) اسی طرح عقائد اسلامیہ کی معروف کتاب شرح مواقف میں سید شریف جرجانی نے مقصد سابع میں لکھا ہے:

المقصد السابع انہ یجب تعظیم الصحابة کلھم والکف عن القدح فیھم لان اللّٰہ عظیم واثنیٰ علیھم فی غیر موضع من کتابہ (خوذکی الآیات	تمام صحابہ کی تعظیم اور ان پر اعتراض سے بچنا واجب ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ عظیم ہے اور اس نے ان حضرات پر اپنی کتاب میں بہت سے مقامات میں مدح وثنا فرمائی ہے

المنزلة فى الباب ثم قال)۔
والرسول صلى الله عليه وسلم قد احبهم فاثنى عليهم فى الاحاديث الكثيرة۔

(اس طرح کی آیات نقل کر کے لکھتے ہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات سے محبت فرماتے تھے اور آپ نے بہت سی احادیث میں ان پر ثنا فرمائی ہے۔

ان ہی شارح مواقف نے ایک مقام پر بعض اہل سنت کی طرف نسبت کر کے یہ قول ذکر کیا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت علی رضؓ سے جنگ کرنے والوں کی خطا تفسیق کی حد تک پہنچی ہے لیکن شارح مواقف کے اس قول کی کوئی بنیاد نہیں معلوم نہیں ہو سکی، اہل سنت کے کسی ایک عالم کے کلام میں بھی ہمیں یہ بات نظر نہیں آئی کہ انہوں نے اس بنا پر حضرت عائشہ رضؓ یا حضرت معاویہ رضؓ کو فاسق قرار دیا ہو، چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں شارح مواقف کے اس قول کی سخت تردید کی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

وآنچہ شارح مواقف گفتہ کہ بسیارے از اصحاب ما برآں اند کہ آں منازعت از روئے اجتہاد نبودہ مراد از اصحاب کدام گروہ را داشتہ باشد اہل سنت برخلاف آں حاکم اند چنانچہ گذشت وکتب القوم مشحونة بالخطاء الاجتہادی کما صرح بہ الامام الغزالی والقاضی ابوبکر وغیرھما۔ پس تفسیق وتضلیل درحق محاربان حضرت امیر جائز نباشد قال القاضی فی الشفا قال مالک من شتم احدا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابابکر او عمر او عثمان او معاویة او عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم فان قال کانوا على ضلال او کفر قتل وان شتم بغیر ھذا من مشاتمة الناس نکل نکالا شدیدا، فلا یکون محاربوا علی

اور یہ جو شارح مواقف نے کہا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب اس مسلک پر ہیں کہ حضرت علی رضؓ کے ساتھ جنگ اجتہاد پر مبنی نہیں تھی اس میں نہ جانے اصحاب سے کونسا گروہ مراد لیا ہے، اہل سنت کا عقیدہ تو اس کے خلاف ہے۔ جیسا کہ گذر چکا اور علمائے اہل سنت کی کتابیں خطاء اجتہادی کی تصریح سے بھری ہوئی ہیں جیسے کہ امام غزالیؒ اور قاضی ابوبکر بن عربیؒ وغیرہ نے بہ صراحت لکھا ہے لہذا حضرت علی رضؓ سے جن حضرات نے جنگ کی انہیں فاسق یا گمراہ کہنا جائز نہیں ہے۔ قاضی عیاضؒ نے شفاء میں امام مالکؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص صحابہ کرام رضؓ میں سے کسی کو بھی، خواہ وہ ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ یا عثمان رضؓ ہوں یا معاویہ رضؓ اور عمرو بن عاص رضؓ برا کہے تو اگر یہ کہے کہ وہ گمراہی یا کفر پر تھے، تو

کفرۃ کما زعمت الغلاۃ من الرفضۃ ولا فسقۃ کما زعم البعض ونسبہ شارح المواقف الی کثیر من اصحابہ ..

وانچہ در عبارات بعضے از فقہاء لفظ جور در حق معاویہؓ واقع شدہ است وگفتہ کان معاویۃ اماما جائرا مراد از جور عدم حقیقت خلافت او در زمان خلافت حضرت امیر خواہد بود نہ جورے کہ مآلش فسق وضلالت است تا بہ اقوال اہل سنت موافق باشد، مع ذلک ارباب استقامت از اتیان الفاظ موہمۃ خلاف مقصود اجتناب می نمایند وزیادہ بر خطا تجویز نمی کنند۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول
حصہ چہارم مکتوب ۲۵۱
ص ۶۷ تا ۶۹ جلد دوم
(مطبوعہ نور کمپنی لاہور)

اسے قتل کیا جائے گا اور اگر اس کے علاوہ عام گالیوں میں سے کوئی گالی دے تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔ لہٰذا امام مالکؒ کے اس قول کی رو سے بھی حضرت علیؓ کا مقابلہ کرنے والے نہ تو کافر ہیں جیسے کہ بعض غالی روافض کا خیال ہے اور نہ فاسق ہیں جیسے کہ بعض کا گمان ہے اور شارح مواقف نے اس کی نسبت اپنے بہت سے اصحاب کی طرف کی ہے اور یہ جو بعض فقہاء کی عبارتوں میں حضرت معاویہؓ کے حق میں "جور" کا لفظ آگیا ہے اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ امام جائر تھے تو اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں ان کی خلافت برحق نہ تھی، اس سے وہ ظلم و جور مراد نہیں ہے جس کا نتیجہ فسق و گمراہی ہے یہ تشریح اس لئے ضروری ہے تاکہ اہل سنت کے اقوال کے ساتھ موافقت ہو جائے۔ اس کے ساتھ دین پر استقامت رکھنے والے ان حضرات کے حق میں ایسے الفاظ سے بھی پرہیز کرتے ہیں جن سے خلاف مقصود کا وہم پیدا ہوتا ہو۔ اور ان حضرات کے لئے "خطاء" کے لفظ سے زیادہ کوئی لفظ کہنا جائز نہیں سمجھتے۔

مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

از ـــــــ مولانا قاضی زین العابدین رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

مدینہ کی آبادی اور قدیم نام مدینہ منورہ (زادھا اللہ شرفاً وعزاً) کو بقول امام زجاجی یثرب بن قانیہ بن مہلائیل بن ارم بن عبیل بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام نے آباد کیا تھا اس لئے بانی کے نام پر اس کا نام یَثْرِب ہوا۔

یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کے انتیس نام ہیں۔ مجد شیرازی لغوی نے تیس نام بتائے ہیں اور سمہودی نے "وفاء الوفار" میں چورانوے گنائے ہیں اور کہا ہے کہ کثرت اسماء شرافت مسمّٰی پر دلالت کرتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے زمانہ میں یہ یثرب ہی کے نام سے مشہور تھا۔ قرآن کریم میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ واذ قالت طائفۃ منھم اھل یثرب لامقام لکم (الآیہ) بعد میں یہ مدینۃ الرسول اور مدینہ کے نام سے مشہور ہوا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی نام کو پسند فرمایا۔

اصل باشندے یثرب کے قدیم باشندے یہودی تھے یہ بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع، وغیرہ قبائل پر مشتمل تھے، جب ملک یمن میں سدمارب ٹوٹا اور تاریخ کا مشہور سیلاب آیا تو بنو قحطان جو سبا بن سام بن نوح کی اولاد تھے وہاں سے نکل کر دوسرے ملکوں میں آباد ہوگئے۔ چنانچہ کچھ لوگ یثرب میں بھی اقامت گزیں ہوئے ادران کی اولاد "اوس و خزرج" کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہود مدینہ اور اوس وخزرج کی آپس میں چلتی رہتی تھی یہودی

ان کو سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتے تھے۔ یہودی توریت میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا حال پڑھتے تھے اور اوس وخزرج کو دھمکیاں دیتے تھے کہ نبی آخر الزماں کا ظہور اب قریب ہے ہم ان کے ساتھ ہو کر تم کو فنا کر دیں گے۔ مگر جب حضور کا ظہور ہوا تو عقبہ کی گھاٹیوں میں اوس وخزرج نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا عہد باندھا اور وہ انصار کے لقب سے ملقب ہوئے اور یہودی اپنے استکبار وانکار کی وجہ سے ذلیل وخوار ہو کر نہ صرف مدینہ بلکہ جزیرۃ العرب سے جلا وطن کر دیئے گئے۔

مدینہ منورہ حجاز کا دوسرا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ مکہ معظمہ سے شمال کی جانب دو سو میل کے فاصلے پر واقع ہے یہاں سے بیت المقدس تقریباً ۸۰۰ میل، دمشق بھی تقریباً ۸۰۰ میل اور بصرہ تقریباً ۷۶۰ میل ہے۔

مدینہ منورہ کی مجموعی حالت جس قدر خیر وبرکت اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کی سرزمین میں رکھی ہے اس کی نظیر شاید ہی دوسری جگہ ہو، اس مقدس شہر کا پانی اس قدر شیریں اور لذیذ ہے کہ احاطۂ بیان سے باہر ہے۔ وہاں کی مٹی اور ہوا میں ایک ایسی خاص صفت ہے جو دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آتی یعنی ایام گرما میں اگر صراحیوں میں پانی بھر کر رکھ دیا جائے تو وہ بہت جلد مانند برف کے سرد ہو جاتا ہے پانی زود ہضم اور ہلکا ہے اور قبض نہیں ہونے دیتا۔ آب وہوا نہایت عمدہ اور معتدل ہے۔ رات بالخصوص نہایت اچھی ہوتی ہے۔ مدینہ کے گوشت کی تعریف نہیں ہو سکتی، مصر وفلسطین وشام وترکی وعراق کا گوشت عام طور پر عمدہ ہوتا ہے مگر جو لذت اور مزہ بھی مدینہ منورہ کے دنبوں اور بکریوں کے گوشت میں ہے وہ کسی جگہ بھی نہیں۔ مدینہ منورہ کی کھجور تمام عربستان کی کھجوروں سے بہترین ہوتی ہے۔ عراق میں اگرچہ کھجور کی پیداوار نسبتاً بہت زیادہ ہے اور ہوتی بھی اچھی ہے مگر مدینہ اور عراق کی کھجور میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ خاص مدینہ شریف میں میوہ جات بکثرت ہوتے ہیں اور شہر کے چاروں طرف باغات کثرت سے ہیں۔

مسجد نبوی یہ وہ مسجد ہے جو باستثناء مسجد الحرام دنیا کی جملہ مساجد پر فوقیت رکھتی ہے، جہاں ایک نماز ثواب میں پچاس ہزار نمازوں

کے برابر ہے، جہاں کی حاضری کے بارے میں حدیث "لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد مسجد الحرام، ومسجدی ھذا والمسجد الاقصیٰ" وارد ہوئی ہے جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے اہتمام سے تعمیر کیا اور اپنی مسجد فرمایا۔ جہاں حضور پُر نور نماز پڑھتے اور واعظ فرماتے تھے جس میں زمین کا وہ حصّہ ہے جس کو جنت کی کیاری سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جہاں پر روح الامین بارگاہ ربّ جلیل سے وحی لیکر اترتے تھے، جو روحانی طمانیت و فرحت اس مسجد میں بیٹھ کر حاصل ہوتی ہے دوسری جگہ اس کا عشر عشیر نہیں۔

حجرۂ شریفہ اس کا قدیم نام مقصورہ شریفہ ہے، معتبر روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ہوئی اور وہیں آپ مع اپنے دو خلفاء (حضرت صدیق اکبرؓ وحضرت عمر فاروقؓ) کے مدفون ہیں۔ یہ حجرہ مبارکہ مسجد نبوی کے متصل بائیں جانب واقع ہے۔ اس کی چہار دیواری سنگین اور منقش ہے۔ اس کا کوئی دروازہ نہیں صرف ایک کھڑکی ہے جو چھت کے قریب لگی ہوئی ہے۔ حجرہ کی چھت پر ایک سبز رنگ کا قبہ بنا ہوا ہے اسی وجہ سے اس کو گنبد خضرا کہتے ہیں، مسجد شریف کی چھت سے حجرہ شریفہ کی چھت زیادہ بلند ہے۔ حجرۂ شریفہ کے گرد ایک احاطہ بشکل مخمس بنا ہوا ہے اس احاطہ اور حجرہ کے درمیان کچھ فاصلہ ہے احاطہ کے بالائی حصّہ پر ایک نہایت خوشنما صندل کی جالی لگی ہوئی ہے جو اوپر چھت سے ملی ہوئی ہے۔ احاطہ پر غلاف چڑھا ہوا ہے اور اس کے گرد کچھ فاصلہ پر ایک پیتل کی جالی ہے جس پر سبز رنگ چڑھا ہوا ہے یہ جالی روضۂ مبارک کی خارجی دیوار ہے۔ اس کے چار دروازے ہیں۔ باب قبلی، باب تہجد، باب فاطمہ، باب غربی۔ جالیوں پر سبز اطلس کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ مقصورہ شریفہ کے چاروں طرف ایک گہری خندق ہے جس کو ملک العادل نورالدین شہید رہ نے ۵۵۷ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس خندق میں سیسہ پلا دیا گیا ہے جالی دار دیوار اندر اور دائرہ مخمس کے شمال جانب حجرۂ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہے اس حجرہ کی پس پشت محراب فاطمہ ہے دائرہ مخمس اور جالیوں کی دیوار کے درمیان سنگ مرمر کا فرش ہے۔ جالی کے جنوبی حصّہ میں تین دریں اور ہر در کے وسط میں تین تین سنہرے جھروکے لگے ہوئے ہیں ان جھروکوں کے

مقابل کھڑے ہو کر سلام پڑھا جاتا ہے ان بھروکوں کا رُخ چونکہ قبلہ کی جانب ہے لہذا سلام پڑھنے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین کا مواجہ ہوتا ہے، جنوبی جالی پر لاالہ الا اللہ الحق المبین محمد رسول اللہ صادق الوعد الامین چار چار سطروں میں تحریر ہے۔

مسجد نبوی کے ستون زیادہ تر سرخ ہیں اور ان کے پایوں پر پیتل چڑھا ہوا ہے ان میں سے ۲۱ ستون ایسے ہیں جنکے نصف حصہ تک سنگ رخام چڑھا ہوا ہے باقی سادہ ہے۔

منبر شریف

مسجد نبوی کے پچھم میں منبر شریف ہے۔ اس منبر کی بناء ۹۹۸ھ میں سلطان مراد کے عہد میں ہوئی اس کی ساخت سنگ مرمر کی ہے اس کے باہر کی طرف سونے کا کام ہے اور نقش و نگار سے مزین ہے اس کے اوپر ایک چھوٹا سا قبہ ہے جو سنگ مرمر کے چار ستونوں پر قائم ہے یہ منبر خاص اسی مقام پر ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر تھا۔ موجودہ منبر کے بارہ درجے ہیں۔ منبر کے دونوں جانب پیتل کے بنے ہوئے دو کھجور کے درخت رکھے ہوئے ہیں ان میں بجائے کھجوروں کے بجلی کی روشنی کے قمقمے لٹکے ہوئے ہیں۔

مسجد نبوی کے دروازے

مسجد مبارک کے پانچ دروازے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ جنوب و مغرب میں باب السلام، شمال و مغرب میں باب الرحمۃ، مشرق میں باب النساء، جنوب میں باب جبریل و باب مجیدی۔

دیگر مساجد

(۱) مسجد قبا:۔ یہ مسجد مدینہ منورہ سے جنوب و مغرب کی طرف واقع ہے یہ وہی مسجد ہے جس کی شان میں لمسجدٌ اُسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ (درحقیقت وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن تقوی پر رکھی گئی ہے زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں نماز کے لئے کھڑے ہوں) نازل ہوئی تھی، اس میں ایک قبہ ہے جو مَبرَک ناقۃ النبی کہلاتا ہے یعنی جس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو آپ کی اونٹنی یہاں آکر بیٹھی تھی۔

(۲) مسجد الغمامہ یا مسجد مصلیٰ:۔ یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نمازیں پڑھتے تھے اُس وقت یہ میدان تھا مسجد بعد میں تعمیر ہوئی۔

(۳) مسجد الجمعہ:۔ بوقت ہجرت قبا سے مدینہ منورہ تشریف لاتے ہوئے یہاں جمعہ کی نماز ادا فرمائی۔

(۴) مسجد الفتح:۔ بنی نضیر کے محاصرہ کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں نماز

ادا فرمائی۔

(۵) مسجد الفتح :۔ غزوۂ خندق میں آپ نے یہاں تین مرتبہ دعا مانگی، لشکر احزاب کی پسپاگندگی کے بعد یہیں سورۂ فتح نازل ہوئی۔

(۶) مسجد القبلتین :۔ یہاں نماز ادا کرتے ہوئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس سے کعبہ کی طرف رُخ پھیرنے کا حکم ہوا۔

(۷) مسجد السجدہ :۔ یہاں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم دیر تک سربسجود رہے تھے۔

(۸) مسجد الاجابہ :۔ یہاں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی اور دیر تک دعا مانگی۔

(۹) مسجد بنی ظفر :۔ یہاں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ سے کلام مجید کی قرأت سُنی۔

(۱۰) مسجد السقیا :۔ یہاں حضور نے نماز ادا فرمائی اور اہل مدینہ کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔

(۱۱) مسجد ذباب :۔ یہاں حضور نے نماز پڑھی اور غزوۂ خندق میں اپنا خیمہ نصب فرمایا۔

ان مساجد کے علاوہ اور بھی متعدد مساجد ہیں جن کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم سے نسبت کا شرف حاصل ہے۔

مکانات ماثورہ تاریخی آثر میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

(۱) دار ابی ایوب انصاری (۲) دار عبداللہ بن عمر (۳) دار جعفر الصادق (۴) دار عثمان بن عفان (۵) دار ابی بکر صدیق (۶) دار خالد بن ولید (۷) دار تمیم داری۔

مقدس کنوئیں (۱) بیر اریس :۔ اس کا پانی حضور کے لعاب دہن سے شیریں ہوا۔ اسی میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے خاتم نبوت گری۔

(۲) بیر رومہ ۔ اسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لئے خرید کر وقف کیا تھا۔

(۳) بیر بیرحاء ۔ اسے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آیہ "لن تنالوا البر" کے نزول پر وقف کیا۔

(۴) بیر البضاء ۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کنوئیں سے وضو فرمایا اور اپنا لعاب دہن اس میں ڈالا۔

(۵) بیر بصہ ۔ حضور علیہ السلام نے اس کنوئیں کے پانی سے اپنا سر مبارک دھو کر بچا ہوا

پانی اس میں ڈالدیا، وغیرہا۔

پہاڑ جبل احد :۔ احد کی مشہور جنگ اسی کے دامن میں ہوئی تھی، یہیں ستر شیر جانباز اسلام شہید ہوکر آسودۂ خواب ہوئے۔ اسی کے قریب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار ہے اور اسی کے دامن میں وہ غار ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ حضور نے دندان مبارک شہید ہونے کے بعد یہاں آرام فرمایا تھا۔

(۲) جبل عینین :۔ اسی جگہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقتل ہے۔

(۳) جبل بیاں :۔ یہاں حضور نے رات گذاری تھی۔ وغیرہ۔

جنت البقیع یہ مدینہ منورہ کا مشہور و متبرک قبرستان ہے جس میں بقول امام مالکؒ دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم آرام فرما ہیں۔ پھر تابعین، تبع تابعین، اولیاء، محدثین رحمہم اللہ جو حضور کے زمانہ سے آج تک اس میں دفن ہوتے رہے ہیں ان کا کوئی حد و شمار نہیں۔ (سفرنامہ بلاد اسلامیہ از مولوی عبدالخبیر بجنوری ملخصاً)

الغرض یہی وہ مقدس بستی ہے جہاں کا چپہ چپہ اہل شوق کی سجدہ گاہ ہے اور جہاں کا ذرہ ذرہ اہل نظر کی نظر میں رشک مہر و ماہ ہے اسی کے متعلق سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

اَللّٰھم بارک لنا فی ثمرنا و بارک لنا فی مدینتنا و بارک لنا فی صاعنا و بارک لنا فی مدنا۔

اے اللہ ہمارے پھلوں میں برکت دے ہمارے شہر میں برکت دے ہمارے صاع میں برکت دے ہمارے مد میں برکت دے۔ (مسلم)

فضیلت مدینہ علمائے کرام نے اس مسئلہ میں اختلاف فرمایا ہے کہ مکہ معظمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ کے امر متفق علیہ ہے کہ قبۂ خضراء کی زمین کا وہ متبرک حصہ جو جسد اطہر سرور انور صلے اللہ علیہ وسلم سے مس کر رہا ہے نہ صرف مکہ سے نہ صرف کعبہ سے بلکہ عرش سے بھی افضل ہے اور یہ اس وجہ سے کہ کعبہ اور عرش کی شرافت ذات باری تعالیٰ کی طرف محض نسبت کیوجہ سے ہے۔ اور بقعۂ مبارکہ کو حضور پُرنور سے فخر ملابست حاصل ہے (ملاحظہ رد المحتار)

واعظ بیاں روضۂ رضواں بجا مگر
کیا روضۃ النبی کا نظارہ کیسا نہیں

ان پر درود، ان پہ سلام، ان پہ رحمتیں
لطف و کرم کی جن کے کوئی انتہا نہیں

اے آفتاب حسن خدارا نگاہِ مہر
مدت سے میرے دل میں اُجالا ہوا نہیں

پیش نظر حریم رسالت ہے حمید!
کچھ اور حسرتِ دل درد آشنا نہیں

(ڈاکٹر محرم حمید صدیقی)

تأثراتِ غم

بر ارتحال پر ملال حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

از قلم: عم اثر — معین الدین معین صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ بھیورہ ضلع پٹنہ

زیں خبر ہیہات جان و دل شکست
قاری طیب از جہان ما گذاشت

در علوم دین بودے بے عدیل
مست و بیخود بود از جام الست

ابن ابن قاسم رح نانوتوی
کرد رحلت عمر طبعی چو گذشت

خوب کردہ خدمت دارالعلوم
عمر زریں در تعلیم میگذشت

خوب حاصل شد فروغ علم دیں
میر مجلس "سربراہ" و سرپرست

آں خطیب بے مثل بد اے معین
گاہ گاہ بشنو صدائے بازگشت

مودودی صاحب کی تفسیر کی حقیقت

از ـــــــــ مولانا ریاست علی بجنوری استاذ دارالعلوم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین ۔ عام مسلمان اپنی راسخ عقیدت اور اور علماء راسخین علوم قرآنی کے بحر ناپیدا کنار میں غواصی کے سبب اس حقیقت پر یقین کامل رکھتے ہیں کہ قرآن کریم کے مضامین کا احاطہ عقلِ انسانی کی دسترس سے باہر ہے، یہ وہ چشمۂ خیر ہے جس کے سوتے کبھی خشک نہیں ہو سکیں گے، یہ وہ بہار بے خزاں ہے جس کی قوتِ نمو کو کسی بھی حد پر اختتام پذیر نہیں کہا جا سکتا، یقیناً یہ وہ خورشید ہدایت ہے جس کی حرارت اور انوار کے خزانوں کو کبھی زوال آشنا قرار نہیں دیا جا سکتا اور یقیناً یہ وہ بحر محیط ہے جس کا کوئی ساحل نہیں اور جس میں عقل انسانی کا سفینہ ہمیشہ سیاحت کرتا رہے گا لیکن اس کے طول و عرض اور گہرائی کی پیمائش کے معاملہ میں اس کو اپنے عجز کا اعتراف کرنا پڑے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا منبع و سرچشمہ علم خداوندی ہے جو دوسری صفاتِ خداوندی کی طرح بحر ناپید اکنار ہے۔ خود قرآن کریم اپنے بارے میں کہتا ہے۔

فاعلموا انما انزل بعلم اللہ

خداوند علیم وخبیر کی صفتِ علم کے لامحدود اور غیر متناہی ہونے کے مضمون کو قرآن کریم نے ایک تمثیل کے ذریعہ واضح کیا ہے۔

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمات اللہ ۔

کتنی وسعت، کتنی فراوانی، کتنی عظمت اور کتنی جامعیت ہے کہ ساری دنیا کے درختوں سے قلم تراش لئے جائیں اور ساری دنیا کے سمندر بلکہ اس سے سات گنا سمندروں کو روشنائی کے طور پر استعمال کریں تب بھی ان مضامین کو سمیٹنا ممکن نہیں جو قرآن کریم کے الفاظ و تعبیرات میں سمو دئے گئے ہیں، ذرا تصور فرمائیے کہ ایک ہی درخت سے کتنے ہزار قلم تراشے جا سکتے ہیں، پھر غور فرمائیے کہ ساری دنیا کے درختوں سے اربوں کھربوں قلم بنائے گئے ہیں اور ۶ کروڑ میل میں پھیلے ہوئے سمندر کا پانی روشنائی میں تبدیل کیا گیا ہے اور پھر اس سے سات گنا یعنی ۴۲ کروڑ میل میں پھیلا ہوا سمندر روشنائی بن کر ان مضامین کو قلمبند کر رہا ہے مگر بقدر امکان مہیا کیا گیا قلم اور روشنائی کا یہ ساز و سامان مضامین قرآن کے احاطے سے عاجز ہے۔

اسی لئے حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ولا یشبع منه العلماء ولا یخلق عن کثرۃ الرد ولاتنقضی عجائبه.	اہل علم اس سے کبھی دیر نہ ہوں گے اور نہ اس کے عجائبات ختم ہوں گے۔

مثلاً اگر صرف سورۂ فاتحہ کے مضامین کی اجمالی فہرست تیار کی جائے تو پہلی ہی نظر میں یہ مضامین سامنے آتے ہیں۔

۱۔ حمد خداوندی

۲۔ کن اوصاف کمال کی وجہ سے وہ ذات حمد کی مستحق ہے۔

۳۔ حمد کے طریقے اور آداب۔

۴۔ لفظ اللہ کی لفظی اور معنوی تحقیق

۵۔ اسم ذات اور اسم صفت کا فرق، اسماء باری اور ذات و صفات کی بحثیں۔

۶۔ ربوبیت کے معنی، عوالم کی تعداد، اقسام اور ان میں رب العالمین کا انداز تربیت۔

۷۔ خالق کائنات کے انوکھے تربیتی انداز سے اس کی بے پناہ قدرت اور بے پایاں علم پر استدلال۔

۸۔ انسان کا علم جدید اس سلسلے میں کہاں تک پہنچا ہے۔

۹۔ رحمت کے معانی اور دنیا و آخرت میں اس کی تفصیلات۔

۱۰۔ قیامت اور اس کی ضرورت پر استدلال، قیامت کی ہولناکیوں کا بیان۔

۱۱۔ عبادت، اس کے طریقے، اور اس کی ضرورت۔

۱۱ ۔ عبادت، اس کے طریقے، اور اس کی ضرورت ۔
۱۲ ۔ انسان کا مقصد تخلیق ہونے کی حیثیت اس کی تفصیلات ۔
۱۳ ۔ عبادت گذاروں کی ضروریات کا انتظام ۔
۱۴ ۔ دیگر تکلیفی احکام کا بیان ۔
۱۵ ۔ استعانت کے معنی، اللہ سے مدد طلب کرنے کا طریقہ، غیر اللہ سے استعانت کا حکم ۔
۱۶ ۔ صراط مستقیم کی وضاحت، اس کی علامتیں، اس کی اختیار کرنے کے فائدے ۔
۱۷ ۔ دعا کی ضرورت ما دعا کا طریقہ، اور اس کے احکام ۔
۱۸ ۔ انعام یافتگان میں انبیاء، شہداء اور صالحین کی باتیں ۔
۱۹ ۔ ان حضرات کے انعام یافتہ ہونے کے اسباب ۔
۲۰ ۔ مغضوب علیہم، اور فرق باطلہ کی تفصیلات وغیرہ ۔

غور فرمایا جائے کہ صرف سورۂ فاتحہ کے مضامین کی اجمالی فہرست کتنے ہمہ گیر اور مفصل عنوانات پر مشتمل ہے، پھر اگر ان عنوانات کے تحت پائے جانے والے مضامین کی ذیلی فہرست تیار کیجائے اور ان پر سیر حاصل بحث کی جائے تو کسی بھی عنوان کا حق ادا کرنے کے لئے بڑی بڑی مجلدات کی ضرورت ہے ۔

اسی لئے متقدمین سے لیکر اس وقت تک ہزاروں خوش نصیب علماء امت نے قرآن کریم کے مختلف موضوعات کے متعلق لاکھوں صفحات سیاہ کرکے اپنے نامۂ اعمال کو روشن کیا ہے، لاکھوں تفسیریں، سینکڑوں زبانوں میں لکھی گئی ہیں ۔ اور نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس چشمۂ فیض سے تشنگی کا علاج مہیا کرنے والے خوش نصیب کب تک اپنی یہ سعی جمیل جاری رکھیں گے ۔

لیکن جسطرح ہر کام کے لئے کچھ شرطیں، ہر سفر کے لئے کچھ تیاری اور ہر تعمیر کے لئے اسباب و وسائل کا مہیا کرنا ضروری ہے بالکل اسی طرح قرآن کریم کی تفسیر کے لئے بھی کچھ لازمی شرائط ہیں بلکہ یہ کام اتنا نازک، اتنا اہم اور اتنی ذمہ داری کا ہے کہ اس کی شرطیں، دنیا کے کسی بھی کام سے کہیں زیادہ ہیں :

ان شرائط کو سہولت کے ساتھ ذہن نشین کرنے کی غرض سے بہتر ہوگا کہ تفسیر اور مفسرین کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جائے۔

پہلا طبقہ

۱۔ پہلا طبقہ ان مفسرین کا ہے جو براہِ راست قرآن کریم سے معانی کا استنباط کرتے ہیں نہ کسی مجتہد کے معین کردہ اصولِ اجتہاد کی پیروی میں معانی کا استنباط کرتے ہیں، بلکہ وہ اپنے پیش رو قابلِ اعتماد راسخ العلم متقدمین کی کاوشوں میں سے اپنے عہد کی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر محض انتخاب کا کام کرتے ہیں جیسے اردو میں حواشی مولانا شبیر احمد عثمانی اور عربی میں صفوۃ القرآن۔

ظاہر ہے کہ متقدمین کے قابلِ اعتماد مصنفین کی محنتوں کا عطر کشید کرنے، یا ان میں سے انتخاب کرنے کے لئے کسی ماہرانہ صلاحیت کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ سعادت ہر وہ عالم کر سکتا ہے جو عربی کے متداول علوم میں پختہ استعداد رکھتا ہو۔

دوسرا طبقہ

۲۔ دوسرا طبقہ ان مفسرین کرام کا ہے جو محض انتخاب پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ وہ متقدمین کی عرق ریزی سے استفادے کے ساتھ ساتھ ائمہ اجتہاد میں سے کسی امام کے اصولِ اجتہاد کی پیروی کرتے ہوئے اسی محدود دائرے میں استنباط و استخراج کا کام بھی کرتا ہے جیسے اردو میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بیان القرآن۔ یا حضرت مولانا فتح محمد تائب لکھنوی کی خلاصۃ التفاسیر یا عربی میں علامہ آلوسی کی روح المعانی وغیرہ۔ اس انداز پر تفسیر کی خدمت انجام دینا۔ پہلے انداز سے کہیں زیادہ مشکل ہے، اور اس کے لئے محض عربی کے متداول علوم وفنون میں پختہ استعداد کافی نہیں ہے۔ بلکہ ضروری ہوگا کہ وہ جس امام مجتہد کے متعین کردہ اصولِ اجتہاد کی پیروی کرنا چاہتا ہے ان سے پوری طرح نہ صرف یہ کہ واقف ہو بلکہ ان کے استنباطِ احکام کے معین کردہ اصول کے اجراء پر مکمل دسترس رکھتا ہو، مثلاً اگر کوئی مفسر احناف کے اصولِ اجتہاد کی پیروی میں تفسیری خدمت انجام دینا چاہتا ہے تو اس کا لائحہ عمل یہ ہوگا۔

۱ ۔ لغت، نحو، صرف، اور علم بیان کے قواعد کی مکمل پیروی کرتے ہوئے ترجمہ کیا جائے۔

۲ ۔ دیکھا جائے کہ قرآن کریم میں آنے والا ہر لفظ مفرد، خاص، عام اور مشترک و موؤل میں سے کیا ہے اور معنی مرادی کے تعین کے وقت اصول فقہ میں بیان کردہ احکام کی رعایت کی جائے۔

۳ ۔ بہ نظر غائر متعین کیا جائے کہ لفظ معنی مرادی پر دلالت کرنے میں ظاہر ہے یا نص یا مفسر یا محکم، پھر یہ کہ وہ لفظ حقیقت میں استعمال ہو رہا ہے یا معنی مجازی مراد لئے جا رہے ہیں۔

۴ ۔ مفردات اس رعایت تام کے بعد، جملے کے معنی متعین کرنے میں، ان الفاظ کی معنی مرادی پر دلالت، عبارۃ النص کے طور پر ہے یا اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص میں سے کس طور پہ دلالت معتبر مانی گئی ہے۔

۵ ۔ پھر یہ کہ متعین کردہ مضمون کسی دوسرے مقام سے متعارض تو نہیں ہے، اگر متعارض نہ ہو تو اس کو قبول کیا جائے۔

۶ ۔ تعارض ہو تو دلالات اربعہ میں سے اعلیٰ کو ترجیح دی جائے اور ادنیٰ کو ترک کر دیا جائے۔

۷ ۔ خبر واحد یا قیاس سے لفظ خاص کے معنی مرادی پر اضافہ، یا عام قطعی الدلالۃ کی تخصیص نہ کی جائے۔

۸ ۔ معنی مرادی پر دلالت کے سلسلے میں احناف نے جن وجوہ کا اعتبار نہیں کیا جیسے مفہوم مخالف، مفہوم عدد، وغیرہ، جنھیں یہ حضرات اپنی کتابوں میں وجوہ فاسدہ کے نام سے درج کرتے ہیں، ان وجوہ سے قطعاً اجتناب کیا جائے۔

۹ ۔ ظنیات کو قطعیات سے فروتر رکھا جائے۔

۱۰ ۔ متشابہات کے معنی مرادی کے تعین میں سکوت اختیار کیا جائے۔

۱۱ ۔ مجمل کو مفسر کی روشنی میں سمجھا جائے۔

۱۲ ۔ جمع بین الحقیقۃ والمجاز یا عموم حقیقت وغیرہ سے تا بمقدور احتیاط برتی جائے۔

۱۳ ۔ متعین کردہ معانی، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے نقل کردہ معانی کے خلاف نہ ہوں۔

ان تمام اصولِ احناف کی مکمل رعایت کے بعد جو معانی منقحات سے پاک معلوم ہوں صرف ان کو درج کیا جائے، محض یہ تاریخ کے واقعات یا ارباب لطائف کے تخیلات پر اعتماد نہ کیا جائے اگر کوئی عالم ان تمام امور میں ماہرانہ بصیرت نہ رکھتا ہو اور اس کے باوجود وہ استخراج معانی اور

استنباط مسائل کی جسارت کرے تو یقیناً اس کی ہمت افزائی نہیں کی جائے گی۔

مفسرین کرام کا تیسرا طبقہ

۳۔ مفسرین کرام کا تیسرا طبقہ وہ ہے جو استنباط احکام اور استخراج معانی میں کسی بھی امام کے طریقِ کار کی پابندی سے آزاد ہے، بلکہ یہ کتاب اللہ سے براہ راست اپنے مقرر کردہ اصول کی روشنی میں استنباط کا کام کرنا چاہتا ہے. گویا یہ حضرات اپنا طریق کار خود متعین کریں گے پہلے اپنے لئے کچھ اصول مقرر کریں گے، پھر ان اصول کے مطابق تخریج و استنباط کا کام انجام دیں گے۔ یہ حضرات دعویٰ کریں یا نہ کریں لیکن جیسا براہ ان حضرات کے اختیار کی ہے وہ اصطلاح میں اجتہاد مطلق کے نام سے موسوم کرنے کی مستحق ہے اور یہ وہ صف ہے جس میں مجتہدین، فقہاء تابعین اور ائمہ متبوعین کا شمار کیا گیا ہے۔

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس طبقہ نے جس اجتہاد کی ذمہ داری قبول کی ہے اسکی اس دور میں گنجائش بھی یا نہیں۔ ہمارے حضرۃ الاستاذ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اجتہاد مطلق کے لئے زمانۂ خیر القرون کی قید کا بھی اضافہ فرماتے تھے جس کا مفہوم یہ ہے کہ تبع تابعین کے عہد کے بعد اس کا وجود ہی ناممکن ہے چنانچہ احناف، شوافع، اور مالکیہ میں سے بہت سے علماء نے متاخرین میں شرائط اجتہاد کے پائے جانے سے انکار فرمایا ہے، اور ان کے خیال میں اجتہاد مطلق کا دروازہ بند ہو چکا ہے، اگرچہ تینوں فقہی نقطۂ نظر کے بہت سے علماء اس کے جواز وامکان کے بھی قائل ہیں اور چوتھے فقہی مکتب فکر یعنی حنابلہ کے علماء نے ہر دور میں اس کے امکان کا قول کیا ہے۔

لیکن اگر اجتہاد مطلق کے امکان کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس انداز کی تفسیر لکھنے والے مفسر کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ مجتہد مطلق کی شرائط کا جامع ہو اور ظاہر ہے کہ یہ رسوخ فی العلم کی وہ منزل رفیع ہے جہاں تک رسائی آسان نہیں ہے۔

اپنے طور پر اصول اور لائحۂ عمل مقرر کرنے والے یہ مفسر جو بھی طریقۂ کار اختیار کریں ان کے لئے ضروری ہوگا کہ ان کے اختیار کردہ تمام اصول عقل و نقل کی کسوٹی پر پورے اتریں اور اپنے مقرر کردہ اصول تخریج میں سے ہر ایک اصل کے بارے میں انہیں مدلل طور پر بتلانا ہوگا کہ یہ اصل کہاں سے ماخوذ ہے، عذر فرمایا جا سکتا ہے کہ تفسیر کا یہ انداز، دوسرے قسم کی تفسیر سے

بھی کہیں زیادہ نازک، مشکل، اہم اور بھاری کام ہے، صرف پختہ استعداد رکھنے والے علماء کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی بلکہ اس کے لئے ضروری ہے

۱ ۔ ان حضرات کو عربی زبان پر نہ صرف اہل زبان کی طرح بلکہ ائمہ لغت کی طرح عبور ہو۔

۲ ۔ نحو، صرف، بیان، اور بلاغت کے علوم میں ان کی مہارت فن تسلیم شدہ ہو۔

۳ ۔ وہ مصادر شریعت اور مقاصد شریعت سے پوری طرح واقف ہوں۔

۴ ۔ کتاب اللہ کے ہر مقام پر شان نزول اور ترتیب آیات سے آگاہ ہوں۔

۵ ۔ احادیث نبوی پر حفاظ حدیث کی طرح انہیں کامل دسترس حاصل ہو۔

۶ ۔ ناسخ، منسوخ، اور نزول احکام کے زمانہ سے ان کو پوری واقفیت ہو۔

۷ ۔ تمام ائمہ مجتہدین کے اصولِ استنباط پر انہیں نہ صرف یہ کہ کامل عبور ہو بلکہ ان کے درمیان محاکمہ کرنے کی صلاحیت ہو۔

۸ ۔ قیاس اور اس کی شرائط، اور تمام ائمہ مجتہدین کے یہاں اس کے طریقۂ کار کا تفصیلی علم انہیں حاصل ہو۔

۹ ۔ اعتقاد کے اعتبار سے صراط مستقیم کے پیروکار ہوں، اور ضلال نے ان کے یہاں کوئی راہ نہ پائی ہو۔

۱۰ ۔ صلاح و تقویٰ، کے اعتبار سے بھی انہیں امتیازی مقام حاصل ہو۔

۱۱ ۔ پھر یہ کہ وہ اپنا مقرر کردہ طریقۂ کار اور لائحہ عمل امت کے متبحر اور اہل نظر علماء کے سامنے پیش کر کے اس کی تصدیق بھی کرالیں، ان تمام شرائط کو پورا کر لینے کے بعد تفسیر کی اس تیسری قسم کی خدمت انجام دینے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

مولانا مودودی صاحب کی تفسیر

مفسرین کرام کے ان تینوں طبقات پر اجمالی نظر کے بعد اب دیکھنا یہ ہے کہ مودودی صاحب نے تفسیر کی کس طرح کی خدمت انجام دی ہے، اگر انہوں نے قسم اوّل کی تفسیر لکھنے کی سعادت حاصل کی ہوتی تو انہیں اس کا مجاز قرار دیا جا سکتا تھا کہ وہ متقدمین کی کاوشوں میں سے ان چیزوں کا انتخاب کر لیں جو عصر حاضر کے ذہن کو مطمئن کر سکے پھر ان منتخبات کے درمیان اپنے ذوق کے مطابق ترتیب قائم کر کے قرآن کریم کی خدمت کا شوق پورا فرمالیں، لیکن دوسری قسم کی تفسیر

لکھنے کی اجازت انہیں اسلئے نہیں دیجا سکتی کہ انہیں کسی بھی مجتہد کے اصول استنباط سے کامل واقفیت نہیں تھی، پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ انہوں نے دوسری قسم کی بھی نہیں، تیسری اور آخری قسم کی تفسیر لکھنے کی ہمت کی ہے انہیں خود اعتراف ہے۔

"میں نے اس (تفہیم القرآن) میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتاہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کردوں۔

(دیباچہ تفہیم القرآن ص۱۰)

یہ اقتباس بتلارہا ہے کہ وہ متقدمین میں سے کسی کے طریقۂ کار کی پیروی نہیں کریں گے بلکہ جوان کے سمجھ میں آئے گا اسے سپرد قلم کریں گے۔ پھر افسوس یہ ہے کہ موصوف نے کسی خاص طریق کار کی تعیین بھی نہیں کی اور نہ انہیں یہ مقام ہی حاصل تھا، چنانچہ ان جزوی غلطیوں کے علاوہ جن کو متعدد ناقدین لکھ چکے ہیں ان سے ایک بنیادی غلطی ہوئی اور وہ یہ کہ انہوں نے دنیا میں مومن کا مقصدِ زندگی ہی بدل دیا اور اس کی وجہ سے ان کے یہاں دین کی تعبیر ہی سرے سے بدل گئی، مولانا مودودی صاحب نے دنیا میں مومن کا مقصد حیات جہاد اور حکومتِ الٰہیہ کے قیام کو قرار دیدیا۔ اور حکومتِ الٰہیہ کو بنیاد قرار دے کر جب انہوں نے اسلامی احکام کی توجیہ کرنا چاہی تو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسی بنیادی عبادتوں کی روح بدل گئی۔ مولانا مودودی صاحب رقمطراز ہیں۔

"نماز، روزہ، اور حج اور زکوٰۃ جنھیں اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرض کیا ہے اور اسلام کا رکن قرار دیا ہے، یہ ساری چیزیں دوسرے مذہبوں کی طرح پوجا پاٹ اور نذر و نیاز اور جاترا کی رسمیں نہیں ہیں کہ بس آپ ان کو ادا کردیں اور اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہوجائے گا بلکہ دراصل یہ ایک بڑے مقصد کے لئے آپ کو تیار کرنے اور ایک بڑے کام کے لئے آپ کی تربیت کرنے کی خاطر فرض کی گئی ہیں ...... وہ مقصد انسان پر سے انسان کی حکومت مٹا کر خدائے واحد کی حکومت قائم کرنا ہے اور اس مقصد کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دینے اور جان توڑ کوشش کرنے کا نام "جہاد" ہے اور نماز، روزہ

حج، زکوٰۃ سب کے سب اسی کام کی تیاری کے لئے ہیں۔
(خطبات صفحہ ۲۰۵)

ابتداء اسی بنیادی غلطی کو مدلل کرنے کے لئے مولانا مودودی صاحب کو قرآن کریم میں استعمال کئے جانے والے چار الفاظ: الٰہ، رب، دین اور عبادت کے بارے میں یہ کہنا پڑا کہ یہ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ہیں، پھر ان الفاظ کو اصطلاح قرار دیکر انہوں نے جو معنیٰ بیان کئے ان میں دین، اخلاص، و عبودیت کے بجائے سیاست و حکومت میں تبدیل ہو گیا۔

جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں مقصد زندگی حکومت کا قیام نہیں بلکہ عرفان و عبادت ہے اور یہ دنیا عبادت گذاروں کی ضروریات زندگی کے لئے وقف کیا ہوا کارخانہ ہے، جہاد، عرفان و عبادت کے معاملے میں رکاوٹ پیدا کرنے والوں سے نبرد آزمائی کرنے کے لئے شروع کیا گیا ہے، نکاح عبادت گذاروں اور عرفان خداوندی رکھنے والوں کی بقاء نسل کا انتظام ہے۔ اور زندگی کے تمام کاروبار، یعنی صنعت و حرفت اور تجارت و زراعت وغیرہ بقاء ذات اور حصول معاش کی صورتیں ہیں پھر عرفانی و عبادت کی ذمہ داریاں پوری کرنے والوں سے پروردگار عالم کی رضا متعلق ہوتی ہے۔

لیکن مولانا مودودی صاحب کے تصور دین میں، حکومت الٰہیہ قائم کرنے کی جدوجہد کرنا مومن کا اصل مقصد زندگی ہے اور بقیہ تمام عبادتیں اور زندگی کے دوسرے کام حکومت الٰہیہ کے فلسفہ کے گرد گھومتے ہیں۔

ترسیل زر کا پتہ :-

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب

دارالعلوم دیوبند

سفر نامہ ہندوستان — مرتبہ :- جناب اکرام القادری

دہلی و دیوبند

بیان

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ

حضرت اقدس مولانا خان محمد صاحب مدظلہ نے ارشاد فرمایا کہ ۸ر مئی ۱۹۸۳ء کو لاہور سے بھارت کے لئے روانہ ہوئے، صاحبزادہ محمد عابد گل خانیوال، جناب عبداللطیف صاحب ساہیوال اور جناب حاجی سکندر صاحب باگڑ سرگانہ شریک سفر تھے، امرتسر پہنچنے پر دہلی کے لئے جنتا میل سے سفر کیا اور ۹ر مئی کو صبح ساڑھے پانچ بجے دہلی پہنچے۔ دہلی میں چتلی قبر کے نام سے جو بازار ہے وہاں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ کا مزار ہے جو خانقاہ ابوالخیر کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے تین بزرگ حضرت شاہ غلام علیؒ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں اور حضرت شاہ ابوسعیدؒ مدفون ہیں۔ ہمارا قیام ۹ر مئی سے ۱۱ر مئی تک یہیں رہا۔ سب سے پہلے ہم پاسپورٹ اندراج کرانے کے لئے سیکورٹی آفس گئے یہاں سے فارغ ہوکر مسجد عبدالنبی کے پاس جمعیۃ علماءِ ہند کے دفتر گئے۔ دفتر میں موجود حضرات سے حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماءِ ہند کے بارے میں دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ مولانا اپنے مکان پر ہیں اور وہاں جمعیۃ ٹرسٹ کی عاملہ کا اجلاس ہے۔ دفتر کے ایک ساتھی نے مولانا کو فون پر ہماری پاکستان سے آمد کے سلسلے میں آگاہ کیا تو مولانا نے فرمایا کہ انہیں یہاں پہنچا دو۔

ہم جب حضرت اسعد میاں مدظلہ کے مکان پر پہنچے تو جنرل شاہنواز کی صدارت میں اجلاس ہو رہا تھا مولانا سے ملاقات ہوئی اور وہ بڑے تپاک انداز میں ملے اور

ہمیں بھی اجلاس میں بٹھا دیا۔ یہ اجلاس تین گھنٹے تک جاری رہا۔ مسلمانوں کی فلاح و بہبود سے متعلق مختلف مسائل پر گرما گرم بحثیں ہوتی رہیں اجلاس کے بعد جناب جنرل شاہنواز صاحب تشریف لے گئے۔

پارلیمنٹ ہال

مولانا اسعد میاں پارلیمنٹ کے اجلاس میں جانے لگے تو ہم نے اجازت چاہی لیکن مولانا ہمیں اپنے ہمراہ پارلیمنٹ ہال لے گئے۔ مولانا خود اجلاس میں شریک ہو گئے اور ہمارے لئے ڈرائیور سے فرمایا کہ انہیں ذرا سیر کرا دیں۔ ڈرائیور نے پریذیڈنٹ ہاؤس، پرائم منسٹر ہاؤس اور دیگر تفریحی مقامات کی سیر کرائی بعد ازاں ہماری خواہش پر ہمیں ہماری قیام گاہ پہنچا دیا گیا۔

مہتمم دارالعلوم دیوبند سے ملاقات

دوسرے روز ۱۰ر مئی کو رابطہ کرنے پر کہا گیا کہ آپ حضرات نماز مغرب دفتر جمعیۃ میں ادا کریں مولانا یہاں اسوقت تشریف لائیں گے اس روز شام کو زبردست آندھی چلی اور بارش ہوئی جس کی وجہ سے ہم نماز مغرب اپنی قیام گاہ پر پڑھ کر روانہ ہوئے۔ ہم دفتر پہنچے ہی تھے کہ مولانا اسعد میاں تشریف لائے مولانا کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بھی تھے مصافحہ و معانقہ کے بعد کچھ دیر بیٹھے اور پھر دیوبند کے لئے اکٹھے روانہ ہوئے، راستے میں گفتگو ہوتی رہی مہتمم صاحب تفصیل سے گفتگو فرماتے رہے اسوقت ہمیں بالکل احساس نہیں تھا کہ یہی دارالعلوم دیوبند کے منصب اہتمام پر متمکن ہیں۔

رات گیارہ بجے دیوبند پہنچے نمازِ عشاء ادا کی اور سو گئے۔ صبح کی نماز کے لئے ہم دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں گئے۔ مولانا اسعد میاں صاحب نے اپنی مسجد میں نماز پڑھی کچھ دیر ہم مدرسہ کی مسجد میں رہے اور ناشتے کے لئے حضرت مولانا مدنی صاحب کے یہاں آئے اس دوران کسی نے بتایا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کی طبیعت ناساز ہے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب مدظلہ سے ملاقات

مولانا اسعد مدنی نے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب سے کہا کہ حضرت

قاری صاحب کی عیادت کو چلیں، مولانا مرغوب الرحمٰن فرمانے لگے ٹھیک ہے ضرور چلیں۔ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب فرمانے لگے حضرت قاری صاحب کو پیغام بھیجیں مولانا مدنی نے حضرت قاری صاحب کو پیغام بھیجا کہ پاکستان سے دو مولانا، خان محمد صاحب آئے ہوئے ہیں وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں اور میں بھی ان کے ساتھ آنا چاہتا ہوں پھر ہم قاری صاحب کی خدمت میں گئے، قاری صاحب مدظلہٗ بہت کمزور ہو گئے ہیں مولانا اسلم صاحب نے بتایا کہ دل کا عارضہ ہے قاری صاحب سے مصافحہ ہوا لیکن بات نہیں ہوئی، مولانا اسعد میاں اور مولانا اسلم صاحب علاج وغیرہ کے سلسلے میں گفتگو کرتے رہے یہاں تقریباً پندرہ منٹ بیٹھے چائے وغیرہ پی۔

بغیر سود مسلم بینک

یہاں سے فراغت کے بعد مولانا مدنی جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے قائم کردہ بغیر سود بینک دکھانے کے لئے لے گئے۔ بینک کی عمارت بھی جمعیۃ کی اپنی ہے مولانا مدنی نے بینک کی تفصیلات بتائیں مولانا نے دس الماریاں زیورات سے بھری ہوئی دکھائیں جن کی بنیاد پر لوگوں کو قرض دیا جاتا ہے۔ مولانا نے بتایا کہ ہم نے اس بینک کا آغاز گیارہ سو روپے کیا اور اب ڈیڑھ لاکھ کی مالیت موجود ہے۔ پندرہ بیس شاخیں ملک بھر میں کام کر رہی ہیں۔ بینک کے ممبر اپنی آمدنی سے بھی کچھ جمع کراتے ہیں بعض افراد ایک روپیہ تک جمع کراتے ہیں۔ غیر مسلموں کو اس میں شریک نہیں کیا جاتا لیکن ہندو مسلمانوں کے نام سے روپیہ جمع کراتے ہیں۔

جامع مسجد دیوبند

یہاں سے مولانا مدنی اپنے مکان کی طرف گئے اور ہم دیوبند کی جامع مسجد آ گئے یہاں حضرت مولانا قاری طیب صاحب نے مدرسہ قائم کیا ہوا ہے مقامی اور بیرونی طلباء مصروف تعلیم تھے اندازاً پچاس ساٹھ طلباء ہوں گے۔ اس موقع پر مولانا انظر شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند کے جشن صد سالہ پر ہم ان کے مہمان تھے وہ اپنے مکان پر لے گئے وہاں انہوں نے چائے وغیرہ پلائی، مکان سے باہر آئے تو مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کا دعوت نامہ آ گیا کہ آپ دس بجے دارالعلوم آئیں دارالعلوم دیوبند کے اساتذ

اور مدرسین ملاقات کریں گے۔

دارالعلوم پہنچے تو مولانا اسعد مدنی اور دیگر علماء کرام موجود تھے تمام علماء سے مصافحہ اور تعارف ہوا۔ پرتکلف کھانے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ اس پروگرام سے فارغ ہوئے تو مولانا مدنی نے فرمایا کہ ہمیں ایک اہم کام کے سلسلہ میں ظہر تک دہلی جانا ہے۔ اور مولانا مدنی ہم سے رخصت ہو گئے۔

دارالعلوم کا عظیم کتب خانہ دو ساتھیوں نے ہمیں دارالعلوم دیوبند کا عظیم کتبخانہ دکھایا جو دس بڑے کروں پر مشتمل ہے اور مختلف علوم و فنون کی قدیم و جدید کتابیں دکھائیں، بعض نایاب قلمی کتابوں کی زیارت ہوئی ایسے نایاب قرآن شریف دیکھنے کا شرف بھی حاصل ہوا جو شیشوں کے بکسوں میں رکھے ہوئے ہیں اور ان پر سن اور تاریخ درج ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ مبارک جنگ بلقان کے موقع پر علماء دیوبند نے ترکی حکومت کی امداد کی تھی اس کی قدر دانی کے طور پر ترکی کے شاہی خزانے میں رکھے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ مبارک پر چڑھے ہوئے غلافوں میں سے ایک غلاف دارالعلوم دیوبند کو حکومت ترکی نے بطور ہدیہ بھیجا ہے اس غلاف کی زیارت کی جناب مہتمم صاحب دارالحدیث دار جدید وغیرہ میں لے گئے اور پھر مولانا مدنی کے مکان پر پہنچایا۔

تقریباً ۱۲ بجے دن مولانا نے فرمایا کہ کھانا کھالیں اور کچھ آرام کرلیں۔ ظہر کی نماز پڑھ کر دہلی کے لئے روانہ ہوں گے۔ کھانے میں مولانا مرغوب الرحمن کے علاوہ دیگر حضرات بھی شریک تھے۔ نماز ظہر کے بعد مولانا مدنی کے ہمراہ دہلی آگئے۔ مولانا مدنی ہمیں دفتر جمعیۃ پہنچا کر خود بنارس چلے گئے اور ہم کچھ دیر دفتر میں قیام کرنے کے بعد خانقاہ حضرت شاہ ابوالخیر آ گئے۔

آسام کے مسلمان جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ نے ہمارے سوال پر بتایا کہ آسام کے تین چار اضلاع میں فساد ہے، انہوں نے بتایا کہ یہ فساد بنگالی اور آسامی بولنے والوں کے درمیان ہے اور ایک ضلع میں ہندوؤں کو بھی نقصان اٹھانا پڑا لیکن زیادہ تر نقصان مسلمانوں کا ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ آسامی مسلمان بھی بنگالی مسلمانوں

کے خلاف ہیں اور یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ آسامی لیڈروں کی گرفتاریوں کے بعد ایک مسلمان رہنما فخرالاسلام بنگالیوں کے خلاف تحریک کی قیادت کر رہے ہیں۔

بھارت کے مسلمانوں کی حالت

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ بھارت میں عمومی طور پر مسلمانوں کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہے، کانپور کے مسلمانوں کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہے۔ کانپور کے مسلمانوں کے چمڑے کے کاروبار ہیں۔ ملیر کوٹلہ کے مسلمان بھی خوشحال ہیں سرکاری ملازمتوں میں بھی مسلمان موجود ہیں۔ حضرت مدظلہ نے فرمایا کہ میں نے محسوس کیا ہے کہ مسلمان مجموعی طور پر اقتصادی اعتبار سے اچھی پوزیشن میں ہیں اور اپنے مستقبل کے بارے میں بھی پرامید ہیں۔

ملک و ملت بچاؤ تحریک

حضرت مدظلہ نے فرمایا کہ پچھلے دنوں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ملک و ملت بچاؤ تحریک کے آغاز کا جو اعلان تھا اس سے مسلمانوں کو کافی فائدہ پہنچا ہے۔ حکومت ہند نے اس اعلان کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں سے رابطہ قائم کیا اور خاص طور سے وزیر اعظم اندرا گاندھی نے ذاتی طور پر اس مسئلہ میں دلچسپی لیتے ہوئے جمعیۃ کے رہنماؤں کے مؤقف کو سنا۔ ہمدردانہ غور کیا اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کی یقین دہانی کرائی جس کے بعد حکومت نے اپنے رویئے میں نرمی اور لچک پیدا کر لی اور اس کے بعد یہ تحریک ملتوی کر دی گئی۔

مدنیؒ ہال اور شیخ الہندؒ لائبریری

جمعیۃ علماء ہند نے اپنے دفتر میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے مدنی ہال کے نام سے ایک شاندار وسیع ہال تعمیر کرایا ہے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی نسبت سے ایک لائبریری قائم کی ہے جنہیں دیکھ کر ازحد مسرت ہوئی، جمعیۃ کے احباب نے بتایا کہ یہ منصوبہ ساٹھ لاکھ کا ہے ہندوستان کے اکثر صوبوں اور بعض اضلاع میں جمعیۃ کے اپنے دفاتر قائم ہیں۔ آسام کے فسادات کے موقع پر جمعیۃ علماء ہند نے چار لاکھ روپیہ جمع کیا جن میں سے تین لاکھ روپیہ

آسام کے مظلوم مسلمانوں کی امداد کو بھیجا جا چکا ہے۔

بزرگوں کے مزارات کی زیارت

حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ نے بتایا کہ سرہند شریف میں ہم نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات کی زیارت کی۔ امروہہ میں بعض بزرگوں کے مزارات کی زیارت کی، دہلی میں حضرت خواجہ محمد عابد سنامیؒ کے مزارات پر فاتحہ خوانی کی حضرت خواجہ محمد عابدؒ، حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے پیر و مرشد ہیں اس موقع پر ایک شخص نے کہا کہ علماء دیوبند کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ قبر والوں کو نہیں مانتے لیکن دہلی کے تمام مزارات کی حفاظت ان ہی کے ذمہ ہے۔ اس روز عصر کی نماز جامع مسجد میں پڑھی اور مغرب کی نماز بھی جامع مسجد کے امام مولانا عبداللہ شاہ بخاری کے پیچھے پڑھی۔ لیکن ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔

حضرت شاہ آفاق رحمہ کے مزارات پر حاضری دی جو حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمہ کے پیر و مرشد ہیں حضرۃ شاہ آفاقؒ کی قبر جو ایک ہندو کے مکان میں آگئی تھی اسے علماء دیوبند نے واگزار کرایا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ کاکی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید نور محمد بدایونیؒ کے مزارات پر حاضری دی یہ حضرت جان جاناںؒ کے مشائخ میں سے ہیں۔

امروہہ میں خواتین کی کانفرنس

امروہہ میں عورتوں کو صرف قرآن کریم اور تعلیم الاسلام کی تعلیم دیجاتی ہے۔ عورتیں ہی پڑھاتی ہیں اور تمام کام عورتیں ہی کرتی ہیں۔ یہاں عورتوں کے درجنوں مدرسے ہیں ہر سال عورتوں کی سالانہ کانفرنس ہوتی ہے جہاں تمام انتظام عورتیں ہی کرتی ہیں۔ گزشتہ سال کی کانفرنس میں گیارہ ہزار مسلمان عورتوں نے شرکت کی امروہہ میں یہ ماحول معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی۔

علماء دیوبند کی سیاسی اور مذہبی خدمات

جمعیۃ علماء ہند نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے بے پناہ کام کیا ہے اور اس کے کارکن و رہنما شب و روز مسلمانوں کی بہتری کے منصوبے بناتے رہتے ہیں خصوصاً حضرت مولانا اسعد مدنی جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم کو مسلمانوں کا

ایک ٹھوس منظم اور سرگرم پلیٹ فارم بنا دیا ہے۔ اس کے علاوہ علماء دیوبند نے مذہبی محاذ پر بھی ہر شعبۂ دین میں بے مثال خدمات انجام دی ہیں اور باطل قوتوں کا دلیرانہ مقابلہ کیا ہے۔ جمعیۃ نے مسلمان بچوں اور بچیوں کے لئے ایک دینی نصاب تعلیم ترتیب دیا ہے جو بارہ حصوں پر مشتمل ہے۔ یہ نصاب مجاہد اعظم حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترتیب دیا تھا۔ جمعیۃ کا اپنا روزنامہ "الجمعیۃ" کے نام سے عرصۂ دراز سے نکل رہا ہے اور اس کے علاوہ چھ سات پرچوں کی جمعیۃ سرپرستی بھی کرتی ہے۔

الغرض علماء دیوبند سیاسی اور مذہبی اعتبار سے بھارت میں اپنا ہولڈ رکھتے ہیں مولانا نے بتایا کہ بھارت میں مسلمانوں میں فرقہ وارانہ لڑائی بہت کم ہے۔ اذان تمام مساجد سے اسی طرح دی جاتی ہے جس طرح مؤذن رسول مقبول علیہ السلام حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں دیتے تھے بلکہ بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے حضرات بھی اذانِ بلالی ہی دیتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ اس طرح یہ ہمارا دس روزہ دورۂ بھارت اختتام کو پہنچا اور ہم اپنے وطن پاکستان واپس آگئے۔

بشکریہ ماہنامہ الرشید ساہیوال
پاکستان

مسائلِ حاضرہ

از ———— مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب دارالعلوم دیوبند

(سوالات)

اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن نے اپنی سالانہ میٹنگ کے موقعہ پر "مریضوں کی تشویشناک نگہداشت" پر اخلاقی لکچر دینے کے لئے ستمبر ۱۹۸۳ء میں مجھے مدعو کیا ہے جبکہ اس سلسلہ میں طبی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لئے میرے پاس کافی ذخیرہ ہے لیکن تشویشناک طور پر بیمار افراد کے ضمن میں انتظام کرنے کے لئے اخلاق اور مذہبی رہنمائی کرنے والی معلومات بہت کم ہیں مثال کے طور پر حوالہ دیتے ہوئے، ایسے مریضوں کی نگہداشت کے سلسلہ میں مذہبی رہنما اصول کیا ہیں جیسے

۱۔ تقریباً مردہ بیمار جو مصنوعی امداد حیات سے زندہ رکھا جارہا ہے۔
۲۔ زندگی برقرار رکھنے کے لئے مصنوعی اعضاء کی منتقلی۔
۳۔ قائم مقام مادر اور مصنوعی تولید۔
۴۔ حاملہ عورت کی جانچ کرنے پر رحم میں سے زندہ بچہ کو نقص ساخت کی بنا پر ضائع کرنا۔
۵۔ محدود وسائل کا استعمال مثلاً خون برائے بیماران جن کو نقل الدم کی متواتر ضرورت ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر جگر کی بیماریوں میں مبتلا افراد جنکے معدے اور آنتوں سے خون کا اخراج ہوتا ہے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ مشکل سوالات ہیں ان کے واضح جوابات نہیں ہیں لیکن اس میدان میں آپ مستند طور پر مجاز ہیں اس لئے اس مشکل موضوع پر میں آپ کے خیالات کی اور رہنما اصولوں

کس طرح قدردانی کروں گا۔

نوٹ: اس ترجمے میں انگریزی فقرہ SURROGATE MOTHERS کا ترجمہ "قائم مقام مادر" کیا گیا ہے کیونکہ مصنوعی تولید میں بچہ کی خواہش مند عورت کے رحم میں (شوہر کی نااہلیت کی صورت میں) بجائے سیمن (نطفہ) کو پچکاری سے داخل کرنے کے دوسری عورت کے رحم میں ایک FTUS فیٹس منتقل کیا جارہا ہے فیٹس سے مراد رحم میں بچہ کی ابتدائی حالت سے ہے اس لئے قائم مقام مادر سے وہ ماں مراد ہے جو اصل ماں کے بجائے فیٹس کو اپنے رحم میں منتقل کرا کر مصنوعی تولید کے ذریعہ بچے کو جنم دیتی ہے۔

المستفتی ڈاکٹر محمد فاروق احمد صاحب مقیم حال امریکہ
معرفت جناب غلام حسن خاں ریٹائرڈ چیف انجینئر خان منزل برزلہ سرینگر۔

الجواب هو الموافق للصواب

یہ کائنات انسانوں کے لئے پیدا کی گئی ہے اور دنیا کی تمام چیزوں کو انسان کے لئے مسخر بنایا گیا ہے تاکہ وہ ان چیزوں سے فائدہ حاصل کرے هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ مگر خود انسانوں کو اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے ان الدین عند اللہ الاسلام۔ اس میں انسانوں کی راحت وعافیت کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں بندوں کی بیماری کو اللہ تعالیٰ کے بیمار ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح انسانوں کے فاقہ، پیاس کو رب العالمین کی بھوک وپیاس سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر انسان بیماروں کو عیادت کرتا تو وہ وہاں مجھے پاتا۔ مگر اس کے ساتھ بلا وجہ شرعی کسی انسان کے قتل کو ساری کائنات انسانی کا قتل قرار دیا ہے

من قتل النفس بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا۔

لطف وکرم کی جس قدر تاکید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں ہے کہیں اور نہیں۔ ارشاد نبوی ہے من لا یرحم الناس لا یرحمه الله۔ اسی کے ساتھ کسی مصیبت سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنے سے بھی منع فرمایا گیا۔ لا یتمنین احدکم الموت من ضر اصابه۔
(بخاری ومسلم)

سخت سے سخت اور ناکارہ سے ناکارہ مریض کو مار ڈالنے کی شریعت میں اجازت نہیں ہے بلکہ مایوس مریض کے دوا و علاج کی تاکید ہے، اور مضطر کو مجبوری کے عالم میں جان بچانے کے لئے بقدر ضرورت حرام اشیاء تک کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے وہ مردار کھا سکتا ہے اور شراب پی سکتا ہے، فمن اضطر غیر باغ و لا عاد فان ربک غفورٌ رحیم (الانعام ۵) فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر حرام اشیاء میں شفا یقینی ہو اور دوسرا علاج اس کے سوا نہ ہو تو علاجاً ان کا استعمال جائز ہے

وقیل یرخص اذا علم فیہ الشفاء ولم یعلم دواءً آخر کما رخص الخمر للانسان وعلیہ الفتویٰ (در مختار)

اوپر کی مختصر تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ تشویشناک بیماریوں کے لئے دین قیم میں علاج اور دوا کی صرف گنجائش نہیں بلکہ تاکید ہے کہ اس کو پورے طور پر دیکھ بھال ہو۔ دل داری ہو۔ علاج ہو اور حتی الوسع اس کی صحت اور حیات کے بقا کی بھرپور جد و جہد کی جائے لہٰذا جو مرنے کے قریب ہو۔ اگر کسی طریقے سے اس کو زندہ رکھا جا سکتا ہو تو شریعت میں اس کی اجازت ہوگی۔ اور جس حد تک وہ مصنوعی امداد حیات کی مدد سے زندہ رہ سکتا ہے رکھنا چاہئے۔ جب زندگی کی خاطر بقدر ضرورت حرام اشیاء کی شریعت اجازت دیتی ہے اور قرآن پاک کہتا ہے۔

قل لا اجد فی ما اوحی الیّ محرّماً علیٰ طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحًا او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقا اُحل لغیر اللہ بہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربک غفور رحیم۔ (الانعام)

یہاں مناسب ہے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ نے جو تفسیری ترجمہ کیا ہے وہ نقل کر دیا جائے وہ فرماتے ہیں ،، آپ کہہ دیجئے کہ جن حیوانات میں کلام ہو رہا ہے ان کے متعلق جو کچھ احکام میرے پاس آتے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کیلئے جو اس کو کھاوے خواہ مرد ہو یا عورت مگر ان چیزوں کو البتہ حرام پاتا ہوں وہ یہ کہ وہ مردار جانور ہو یعنی باوجود واجب الذبح ہونے کے بلا ذبح شرعی مر جائے۔ یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو۔ یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ خنزیر بالکل ناپاک ہے۔ اس لئے اس کے سب اجزاء نجس اور حرام ہیں۔ ایسا نجس نجس العین کہلاتا ہے۔ یا جو جانور وغیرہ شرک کا ذریعہ ہو اس طرح کہ بقصد تقرب غیر اللہ نامزد کر دیا گیا ہو۔ تو یہ سب حرام ہیں۔ پھر

بھی اس میں اتنی آسانی رکھی ہے کہ جو شخص بھوک سے بہت بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو کھانے میں طالب لذت ہو۔ اور نہ قدر ضرورت سے حاجت سے تجاوز کرنے والا ہو۔ تو اس حالت میں ان حرام چیزوں کے کھانے میں بھی اس شخص کو کچھ گناہ نہیں ہوتا۔ واقعی آپ کا رب اس شخص کے لئے غفور رحیم ہے۔ کہ ایسے وقت میں رحمت فرمائی کہ گناہ کی چیز میں سے گناہ اٹھا دیا۔

قرآن پاک میں اس مضمون کی یہ آیتیں بھی ہیں فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ (سورہ بقرہ) بیان القرآن ص $\frac{122}{2}$

فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم۔ (المائدہ)

۲ - کبھی انسان کو زندگی سے ہمکنار کرنے کے لئے اعضاء کی منتقلی کی ضرورت پڑتی ہے اگر یہ اعضاء کا بدلنا، جمادات، نباتات، اور حیوانات کے ذریعہ ہو تو شریعت نے اس کی بھی اجازت دی ہے، مثلاً انسان کا گردہ نکال کر پلاسٹک کا گردہ لگا دیا جائے۔ کسی ایسے جانور کے اعضاء سے بدل جائے جن کا کھانا جائز ہے، یا جن جانوروں کا کھانا جائز نہیں ہے۔ ان کا وہ حصہ لیکر لگا دیا جائے جن کو شریعت پاک قرار دیا ہے یا سونا چاندی جن کا استعمال مرد کے لئے جائز ہے اس سے کام لیا جائے۔ ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد میں حدیث ہے۔

کہ ایک صحابی عرفجہ رض کی ناک زمانہ جاہلیت میں ایک جنگ میں کٹ گئی تھی انہوں نے چاندی کی ناک بنوا کر لگائی تھی، جب اس میں بدبو پیدا ہو گئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو حکم فرمایا کہ سونے کی ناک بنوا کر لگائیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن عبد الرحمن عن طرفة ان جده عرفجه بن اسعد قطع انفه يوم الكلاب فاتخذ انفا من ورق ذا نتن عليه فامره النبي صلى الله عليه وسلم فاتخذ انفا من ذهب :

(ابوداؤد ص۲۲۰ ج ۲)

فقہاء اسلام نے لکھا ہے نجس العین جانور (خنزیر) کو چھوڑ کر بالقیہ ماکول اللحم جانور جن کا گوشت کھانا جائز ہے یا جن کا گوشت کھانا بشرعاً جائز نہیں ان کو با ضابطہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرے اور ان کے اعضاء کو لیکر انسان کے عضو میں جوڑ دے، تاکہ انسان اذیت و تکلیف سے چھٹکارا پائے یا اس کی زندگی بچ جائے۔ یا انسانی

جسم کی صلاحیت میں اس کی وجہ سے اضافہ ہو تو یہ جائز و درست ہے، ماکول اللحم جانوروں کا گوشت جائز ہے ان کا ذبح کرنا بھی جائز ہے، اس لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ رہا غیر ماکول اللحم جانوروں کا گوشت شرعاً کھانا جائز نہیں ہے اس کے متعلق فقہاء لکھتے ہیں۔

وما طهر به اى بدباغ طهر بذكاة على المذهب (درمختار) خرج الخنزير فانه لا يطهر بالذكاة وان الذكاة لا تعمل فى الخنزير والادمى (رد المحتار)

مردہ جانوروں کے بھی بعض اجزاء شرعاً پاک ہیں جیسے ہڈی وغیرہ ان کا استعمال بھی درست ہوگا وشعر الميتة غير الخنزير على المذهب وعظمها طاهر (درمختار)

نجس العین خنزیر ہے جس کے کسی عضو کی پیوند کاری مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے لا يطهر الخنزير لانه نجس العين بمعنى ان ذاته بجميع اجزائه حيا وميتا (درمختار)

البتہ زندہ جانور کا کوئی حصہ کاٹ کر استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا فى الاشباه المنفصل من الحى كميتة (درمختار)

اى مما تحله الحياة كما مر والمراد الحى حقيقة وحكما ـ احتراز عن الحى بعد الذبح وفى الحلية عن سنن ابى داؤد والترمذى وابن ماجه غيرها حسنة الترمذى ما قطع من البهيمة وهى حية فهو ميت (رد المحتار ص۱۵۲ ج ۱)

اس حدیث میں صراحت ہے کہ زندہ جانور کا جب کوئی حصہ اس کے زندہ رہتے ہوئے کاٹا جائے گا تو وہ مردار کے حکم میں ہوگا۔ باقی سوال زندہ یا مردہ انسانوں کا کوئی حصہ کاٹ کر ایک کا دوسرے میں لگانا اس کی شریعت میں کوئی مثال نہیں ملتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نظر میں بڑا مکرم و محترم ہے۔ ولقد كرمنا بنى آدم وحملناهم فى البر والبحر انسانی جان کی شریعت اسلامیہ میں بڑی قدر و قیمت ہے اس جان کی بقاء کے لئے اوپر نقل کیا جاچکا ہے کہ حرام اشیاء تک کے کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر خود انسان کے کسی حصہ جسم کے استعمال کی اجازت نہیں ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی دوسرے سے کہے میرا فلاں حصۂ جسم کاٹ کر کھاؤ، تو اس کے لئے کھانا جائز نہ ہوگا۔ انسان کا گوشت حالت اضطرار

میں مباح نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس کی کرمت کا یہی تقاضہ ہے وان قال له اقطع یدی وکلها لا یحل لان اللحم الانسان لایباح فی الاضطرار لکرامته،
(ردالمحتار کتاب باب الحظر والاباحہ ص ۲۵۶ ج ۵)

جب مضطر کو اس کی اجازت نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ انسان کا مرجانا برداشت ہے مگر انسان کا گوشت کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس پر قیاس کر کے یہ بات بآسانی سمجھ میں آتی ہے کہ ایک انسان کا کوئی حصہ علیحدہ کر کے دوسرے انسان کے جسم میں لگانا بھی درست نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بھی انسان کی بے حرمتی ہے جسے اسلام برداشت اور گوارا نہیں کرتا،

فقہاء لکھتے ہیں بطل بیع صبی وشعر الانسان لکرامة الآدمی ولو کافرا ذکره المصنف (درمختار)

قوله شعر الانسان ولا یجوز الانتفاع به بحدیث لعن الله الواصلة والمستوصلة۔ قوله ذکره المصنف حیث قال والآدمی مکرم شرعا وان کان کافرا فایراد العقد علیه وابتذاله به والحاقه بالجمادات اذلال له اه وهو غیر جائز (ردالمحتار ص ۱۲۵ ج ۴)

یعنی آدمی کا بچہ فروخت کرنا باطل ہے اور اسی طرح انسان کے بال بیچنا بھی باطل ہے اس کی وجہ آدمی کا قابل احترام ہونا ہے گو وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی انسان کے بالوں سے فائدہ اٹھانا بھی جائز نہیں ہے۔ اور اس کی بنیاد اس حدیث رسول اللہ صلی اللہ پر ہے جس میں آپ نے فرمایا اللہ تعالے اس عورت پر لعنت کرے جو اپنے بال دوسری عورت کو دے اور اس پر جو وہ بال لیکر اپنے بال میں ملائے پھر آدمی کی طرف تکرمت شرعاً ثابت ہے خواہ اس کا مذہب اور دھرم کچھ بھی ہو تو اس کی بیع وشراء اسکو بے قیمت کرنا اور جمادات میں شامل کرنا اس کی تذلیل کے مترادف ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

اس بنیاد پر ہم یہی فتویٰ دیتے ہیں کہ مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مرتے وقت یہ کہے کہ مرنے کے بعد میرے اعضاء نکالکر دوسرے ضرورتمند انسان کو لگانے کی اجازت ہے۔ یا میرے ایسے کار آمد اعضاء ایسے بینک کے سپرد کر دیئے جائیں جہاں مردے کے کار آمد اعضاء کو محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ اس لئے ناجائز ہے کہ یہ طریقہ بھی انسان کی بے حرمتی کا باعث ہے جس کی اسلام میں گنجائش نہیں خواہ وہ اپنے اعضاء قیمتاً دینے

کی وصیت کر جائے یا بلا قیمت، اور اگر خدانخواستہ کوئی مسلمان مرتے وقت ایسا کہہ بھی جائے تو اس کے مرنے کے بعد اس پر عمل کرنا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ مرنے کے بعد اس نعش کی حفاظت اس کے وارثین اور دوسرے مسلمانوں کے فرائض میں داخل ہوگی۔ مسلمانوں کی نعش کا مرنے کے بعد چیر پھاڑ کرنا، یا اس کا بیچنا حرام ہے۔ فقہاء نے صراحت کی ہے ولذا لم یجز کسر عظام میت کافر (ردالمحتار باب البیع الفاسد ص۱۰۵ ج ۴) کافر کی لاش کی ہڈی کا توڑنا بھی اس احترام آدمیت کی وجہ سے جائز قرار نہیں دیا گیا۔ ہے۔ جب کافر نعش کے ساتھ یہ معاملہ درست نہیں ہے تو پھر مسلمان نعش کے ساتھ یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

حدیث میں بھی ہے کسر عظام المیت ککسر عظم الحی ادکما قال۔ مردے کی ہڈی توڑنا ایسا ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا۔ اسلام میں خودکشی بھی حرام ہے قرآن میں ہے ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔ حدیث میں بھی سخت ممانعت آئی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تردی من جبل فقتل نفسہ فھو فی نار جھنم یتردی فیھا خالداً مخلداً فیھا ابداً ومن تحسی سما فقتل نفسہ فسمہ فی یدہ یتحساہ فی نار جھنم خالداً مخلداً فیھا ابداً۔ ومن قتل نفسہ بحدیدۃ فحدیدتہ فی یدہ یتوجأ بھا فی بطنہ فی نار جھنم خالداً مخلداً فیھا ابداً متفق علیہ۔

(مشکوٰۃ کتاب القصاص)

۳۔ قائم مقام مادر اور مصنوعی تولید کی وضاحت فرمائیں اس کی کیا صورت ہوتی ہے یہ غالباً وہی ہے جس کے لئے ہندوستان میں "دو نلکی زادہ" کی اصطلاح وضع کی گئی ہے یہ سنا تو ہے لیکن اس کی تفصیل سامنے نہیں آئی کہ رائے قائم کرنے میں سہولت ہو براہ کرم اس کی تفصیل لکھئے۔

۴۔ بچے کے ضائع کرنے کے مسئلہ میں فقہاء لکھتے ہیں وقالوا یباح اسقاط الولد قبل اربعۃ اشھر ولو بلا اذن الزوج (درمختار)

قال فی النھر بقی ھل یباح الاسقاط بعد الحمل نعم یباح مالم یتخلق منہ شیٔ۔ ولن یکون ذالک الا بعد مائۃ وعشرین یوماً وھذا یقتضی

انهم ارادوا بالتخليق نفخ الروح الخ واطلاقهم يفيد عدم توقف جواز اسقاطها قبل المدة على اذن الزوج (ردالمحتار)

جس کا حاصل یہ ہے اگر کوئی معقول عذر ہو، جیسا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اگر اسقاط حمل نہ ہوا تو عورت کی زندگی خطرہ میں گھر جائے گی، یا بچہ مثلاً ناقص ہوگا۔ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے، کسی آلہ کے ذریعہ معلوم ہو گیا ہو، یا کوئی اس طرح کا عذر ہو تو اسقاط حمل کی فقہاء اجازت دیتے ہیں مگر اس کے لئے وہ یہ شرط قرار دیتے ہیں کہ یہ عمل نفخ روح سے پہلے ہو سکتا ہے جس کی مدت انہوں نے حکماء سے مشورہ سے چار ماہ مقرر کی ہے یعنی ایک سو بیس دن حمل پر گذرنے سے پہلے اسقاط کرانے کی اجازت ہوگی۔ اس کے بعد نہیں۔

بلا عذر اس کی بھی اجازت نہیں ہے اس زمانہ کے عذروں میں لکھا ہے ومن الاعذار ان ينقطع لبنها بعد ظهور الحمل وليس لابي الصبي ما يستاجر به الظئر ويخاف هلاكه ونقل عن الذخيرة لو ارادت الالقاء قبل مضى زمن ينفخ فيه الروح هل يباح لها ذالك ام لا، اختلفوا فيه وكان الفقيه على بن موسى يقول انه يكره فان الماء بعد ما وقع فى الرحم ماله الحياة فيكون له حكم الحياة الخ قال ابن وهبان فاباحة الاسقاط محمولة على حالة العذر اوانها لا تاثم اثم القتل۔ ایضاً۔

جب نطفہ عورت کی بچہ دانی میں پڑ جاتا ہے اور حمل قرار پا جاتا ہے تو عادتاً اس سے اسی کی توقع ہوتی ہے کہ بچہ زندہ پیدا ہوگا۔ لہٰذا بعد وقوع حمل ضائع کرنا بچہ کو ضائع کرنے کے مترادف ہے اور کسی جان کا ضائع کرنا گو مآلاً ہو، عقل اور انسانی فہم کے خلاف ہے ہاں معقول عذر ہو تو جب تک جان نہیں پڑتی ہے اسقاط کی اجازت اس وجہ سے ہے کہ اس سے زندہ بچہ کا ضائع کرنا لازم نہیں آتا ہے۔

جان پڑ جانے کے بعد حمل کے اسقاط کی فقہاء کے یہاں اجازت نہیں ملتی ہے جس کی مدت وہ چار ماہ بتاتے ہیں۔ لیکن اب جبکہ ایسے آلات جدیدہ سامنے آرہے ہیں کہ ان سے پیٹ کے اندر کا حال بعد تجربہ یقینی نہیں تو غالب ظن کے ذریعہ میں معلوم کر لیا جاتا ہے اگر چند ڈاکٹر یقینی طور پر یہ بتائیں کہ بچہ ناقص الاعضاء ہے پیدا ہونے کے بعد وہ یا تو زندہ نہیں رہ پائے گا یا رہے گا تو ساری زندگی بیکار بن کر ماں، باپ پر بوجھ رہے گا۔ اور ماں باپ اسے دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے غمگین ہوں گے تو

اور کرتے میں گے تو پیٹ میں اس کے ضائع کردینے کے مسئلہ پر اس دور کے علماء کو غور کرکے فیصلہ کرنا ہوگا۔ تنہا کسی ایک طالب علم کی رائے اس سلسلہ میں معتبر قرار نہیں پائے گی۔

ماں کے پیٹ میں بچہ کی زندگی یا اس کا ناقص الاعضاء ہونا یہ سب تخمینی فیصلہ ہے یہ بات طے ہے کہ جب تک بچہ پردۂ خفا میں ہے یقیناً وہ اس بچہ سے مختلف ہے جو دنیا میں قدم رکھ چکا ہے، اس کا زندہ ہونا ہر ایک کے مشاہدہ میں ہے اور اس کی زندگی کی حفاظت شرعی اور قانون فرائض میں داخل ہے۔

جس طرح ماں کے پیٹ کا بچہ جو ناقص الاعضاء ہے اس کے ضائع کرنے کی بات کہی جاتی ہے اسی طرح کچھ لوگ یہ سوال کرتے ہیں جو مریض مایوس العلاج ہوں۔ ڈاکٹروں نے متفقہ طور پر فیصلہ کردیا ہو کہ یہ صحت یاب نہیں ہوگا یا زندہ رہے گا مگر ایسے ناقص الاعضاء انسان کا زندہ رہنا خود اسکے لئے موجب اذیت ہوگا جو نہ چل پھر سکے گا نہ کام کاج کر سکے گا اور ہر وقت اذیت میں مبتلا رہے گا۔ کیا ایسے زندہ انسان کو بذریعہ انجکشن موت تک پہنچا دینا جائز ہوگا؟

فقہاء اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔ فان ترک الاکل والشرب حتی هلک فقد عصی (عالمگیری) کسی کا کھانا پینا ترک کردینا تا آنکہ وہ ہلاک ہو جائے عصیان میں داخل ہے۔ اور خودکشی کے مترادف ہے اور یہ فعل حرام ہے۔

البتہ اگر کوئی مایوس العلاج بیمار علاج بند کردے اور وہ اس ترک دوا کی وجہ سے مرجائے تو وہ گنہگار نہ ہوگا اس لئے کہ علاج سے صحت کا یقین نہیں ہوتا ہے بخلاف من امتنع عن التداوی حتی مات اذ لا یتیقن بانه یشفیه۔ ایضاً۔

۵۔ ایک انسان کے خون لیکر دوسرے انسان کے جسم میں پہونچانے کی علماء امت نے بوقت مجبوری اجازت دی ہے قاعدہ میں یہ خون انسان کا جزء ہے اور جب وہ بدن سے نکل جاتا ہے تو ناپاک اور نجس کے حکم میں ہوجاتا ہے، پہلے لکھا جاچکا ہے کہ اسلام کے قانون میں انسان کی عظمت اور کرامت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا کوئی حصہ بیچنا درست نہیں ہے اور اس میں عدم جواز کا فتویٰ بھی دیا جاتا ہے، اسی طرح ناپاک و نجس کا استعمال بھی درست نہیں ہے شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی ہے مگر حالت اضطرار میں انسانی جان کی خاطر اس کی علماء نے ۔۔۔ اجازت دیدی ہے اس مسئلہ کو انہوں نے دودھ پر قیاس

گیا ہے ڈھائی سال کی عمر تک اس کا پینا بچہ کے لئے جائز ہے کہ قدرت نے اس کی طبعی غذا اسکو بنایا ہے والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین (بقرہ) یہ قرآن کا حکم ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ اس کے ساتھ دواءً بڑوں کے لئے بھی اس دودھ کے استعمال کی اجازت دی ہے، ولا باس بان یسعط الرجل بلبن المرأۃ ویشربہ للدواء (عالمگیری)

جب دودھ جو جزء انسانی ہے اس کا استعمال دواءً جائز قرار دیا گیا ہے تو اسی طرح بطور دوا جبکہ اس کا بدل کوئی نہ ہو اور جان کا خطرہ ہو یا صحت کے برباد ہو جانے کا۔ تو ایسی مجبوری میں ایک انسان کا خون دوسرے انسان میں ڈالا جا سکتا ہے۔ لیکن اسی طرح خون حاصل کرنا ہوگا کہ دوسرا انسان جو خون دے رہا ہے اس کی جان خطرہ میں نہ پڑنے پائے، اور حالت اطمینان میں آدمی خون بیچ بھی سکتا ہے اور خرید بھی سکتا ہے فاما لبن الآدمیات فقال احمد اکرھہ واختلف اصحابنا فی جوازہ فظاھر کلام الخرقی جوازہ لقولہ وکل ما فیہ المنفعۃ وھذا قول ابن حامد ومذھب الشافعی وذھب جماعۃ من اصحابنا الی تحریم بیعہ وھو مذھب ابی حنیفۃ لانہ مائع خارج من آدمیۃ فلم یجز بیعہ کالعرق ولانہ من آدمی فاشبہ سائر الاجزاء والاول اصح لانہ لبن طاھر ینتفع بہ فجاز بیعہ کلبن الشاۃ ولانہ یجوز اخذ العوض عنہ فی اجارۃ الظئر فاشبہ المنافع ویفارق العرق فانہ لا نفع فیہ (المغنی لابن قدامہ) وعن ابی یوسف یجوز بیع لبن الامۃ وقال الشافعی یجوز بیعہ ای لبن المرأۃ لانہ مشروب طاھر (ھدایہ)

اس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کے دودھ کے بیچنے میں اختلاف ہے مگر بحث و مباحثہ کے بعد فقہاء نے بوقت ضرورت بیچنے کو ترجیح دی ہے۔ موجودہ زمانہ کے علماء نے اس مسئلہ پر قیاس کر کے خون کی فروختگی کو بھی بحالت مجبوری جائز قرار دیدیا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ نفس خون کی بیع کے سلسلہ میں مراجعا کوئی جزئیہ نہیں مل سکا ہے اور نئے مسائل میں دوسرے مسائل پر قیاس کر کے ہی حکم لگایا جا سکتا ہے خون کی منتقلی کے جواز پر علمائے اسلام کا تقریباً اتفاق ہو چکا ہے۔

جو اس وقت ذہن میں آیا اور جس قدر فوری طور پر حوالے مل سکے وہ نقل کر دئے گئے۔

امید ہے کہ اس سے بڑی حد تک آپ کو روشنی مل سکے گی اور مذہب اسلام کا نقطۂ نظر سامنے آسکتا ہے آپ کو جہاں کوئی اشکال یا شبہ ہو تحریر فرمائیں۔

الاستفتاء

رتنقیح استفتاء ۳۹۰/ج سوال نامہ کا جواب ۱۲ راپریل کو ملا۔

SURROGATE MOTHERS AND ARTIFICIAL INSEMINATION

کے معنی اردو میں ہوں گے قائم مقام ماں اور مصنوعی تخم ریزی

نلکی زادہ یعنی TEST TUBY BABY بھی اس عمل کا ایک جزء ہے۔

تفصیل اس طرح عرض کرتا ہوں۔

میاں بیوی نیک ہیں بچہ نہ ہونے کے باعث ترستے ہیں ڈاکٹری امداد علاج معالجہ سے بھی مسئلہ حل نہیں ہوتا (اس کی) تین صورتیں ہیں۔

(۱) بیوی کو حمل نہیں ٹھہرتا۔ اگر ٹھہرتا بھی ہے تو خود بخود قبل از وقت گرجاتا ہے اور میاں دوسری شادی کرنا نہیں چاہتا، ڈاکٹر میاں کا (منی۔ نطفہ) نلکی میں لیتا ہے ایک نوجوان عورت کو اجرت دے کر اس کی (شرمگاہ) میں پچکاری سے یہ نطفہ پھیر دیتے ہیں۔ نو مہینہ کے بعد بچہ پیدا ہو کر ڈاکٹر کے ذریعہ میاں کی منکوحہ بیوی کے حوالہ کردیا جاتا ہے ڈاکٹر اور نوجوان عورت دونوں کو اجرت ملتی ہے۔

(۲)۔ میاں کے عضو مخصوص سے SEMEN (منی۔ نطفہ) ٹیوب میں لیا جاتا ہے اور بیوی کے عضو مخصوص سے بھی۔ انڈا ٹیوب کے ذریعہ جاتا ہے میاں بیوی کے تخم کو ٹیوب میں ملاکر FOTUS فیٹس تیار ہوتا ہے پھر اس فیٹس کو قائم مقام ماں کے رحم میں داخل کیا جاتا ہے، بچہ پیدا ہونے کے بعد میاں کی منکوحہ بیوی کو دیدیا جاتا ہے، قائم مقام ماں اور ڈاکٹر دونوں کو معقول اجرت دی جاتی ہے۔

(۳)۔ میاں نامرد ہوتا ہے، اور میاں بیوی جدا ہونا نہیں چاہتے، تو بیوی کو ڈاکٹر نامعلوم مرد کا نطفہ پچکاری کے ذریعہ یا خود یا بذریعہ میاں داخل کرتا ہے۔

تینوں صورتوں میں یہ ڈاکٹر کے بغیر کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ نطفہ کس کا ہے اور کس کے رحم میں داخل کیا گیا ہے۔ جواب جلد ارسال فرمائیں۔

الجواب هو الموافق للصواب ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خوشی ہوئی کہ بروقت جواب آپ کو مل گیا ۔

آپ نے قائم مقام مادر اور تخم ریزی کی تفصیل لکھدی اس سے معلومات میں ایک اضافہ ہوا ۔ جزاک اللہ ۔ آپنے اس کی تین صورتیں لکھی ہیں ہر ایک کا الگ الگ جواب عرض کرتا ہوں ۔

(۱) شریعت مطہرہ میں اس طریقۂ کار کے جائز ہونے کی کوئی اصل نہیں ہے جس کو بنیاد بناکر جواز کا حکم دیا جاسکے بلکہ اصول و قواعد کے پیش نظر یہ صورت جائز نہیں ہے اسلئے کہ اس طریقہ کو اختیار کرنے میں بہت ساری شرعی خرابیاں ہیں اس صورت سے جو بچہ پیدا ہوگا شرعًا اس کا نسب اس شخص سے ثابت نہ ہوگا جس کا نطفہ استعمال کیا گیا ۔ اور جس بے اولاد والے کو اولاد والا بنانے کی سعی کی گئی ہے ۔

جب بچہ کا باپ سے شرعًا نسب ثابت نہ ہوگا تو ایک دوسرے کے شرعی وارث بھی نہیں ہوں گے اسلئے کہ شریعت مطہرہ میں نسب کے لئے عورت و مرد کا جائز طور پر نکاح ہونا ضروری ہے اور اس صورت میں وہ عورت جس کی بچہ دانی میں پچکاری سے نطفہ اتارا جاتا ہے یہ طے ہے کہ اس مرد کی شرعی بیوی نہیں ہے کیونکہ سوال میں صراحت ہے کہ مرد کا نطفہ لے کر ایک اجنبی عورت کے رحم میں پچکاری سے پہنچایا جاتا ہے ۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف: وفی ذکر المولود له اشارة الی ان النسب للآباء ۔ (رد المحتار) کہ قرآن پاک کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کے نسب کا تعلق باپ سے ہوگا، مگر شرط یہ ہے کہ بچہ اس کی جائز بیوی سے پیدا ہو، البتہ اس فعل کی وجہ سے عورت پر زنا کا حکم نافذ نہیں ہوگا ۔ اور اس پر حد (شرعی سزا) جاری نہیں ہوگی، کیونکہ شرع کی اصطلاح میں زنا کہتے ہیں بالغ مکلف کا عضو تناسل کو مشتہاۃ پرائی عورت کی شرمگاہ میں داخل کرنا، والزنا الموجب للحد وطئ وهو ادخال قدر حشفة فی ذکر مکلف ناطق طائع فی قبل مشتهاة خال عن ملکه وشبهه الخ: (رد المحتار)

تعزیر کا تو حکومت وقت کو اختیار ہوگا لیکن حد جاری نہیں ہوگی ۔ زنا کی شناعت خود

کے لئے سنگسار کرنا ہے اور غیر شادی شدہ کے لئے ایک سو کوڑے مارنا۔

یہاں سوال پیدا ہوگا کہ شرعاً ایسے بچہ کا نسب کس سے ثابت ہوگا وہ پرائی عورت جس کے رحم میں نطفہ اتار گیا ہے اگر وہ شادی شدہ ہے اور اس کا شوہر زندہ ہے تو قاعدہ میں اس بچہ کا نسب اس شادی شدہ مرد سے قائم ہوگا، کیونکہ حدیث نبوی ہے الولد للفراش وللعاهر الحجر (مشکوٰۃ باب اللعان) بچہ عورت کے شوہر کا ہوگا اور زنا کرنے والے کو سزا ملے گی۔ اس حدیث کے مطابق عورت کے شوہر کا بچہ کہا جائے گا اس لئے کہ اس بچہ کو حتی الوسع بے نام و نشان نہ چھوڑا جائے گا کہ وہ ضائع ہو۔ لیکن اگر اس عورت کے شوہر نہیں ہے تو اس مجبوری سے بچہ کا نسب صرف ماں سے قائم ہوگا، ویرث ولد الزنا واللعان بجهة الام فقط مما قلنا انه لا اب له (درالمختار ص۴۸۸) یعنی جب بچہ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی ہے تو اس کی وراثت ماں سے قائم ہوگی۔

باقی یہ طریقہ ڈاکٹر، میاں کا نطفہ نلکی میں لیتا ہے ایک نوجوان عورت کو اجرت دے کر اس کی شرمگاہ میں پچکاری سے یہ نطفہ بھر دیتے ہیں، شریعت میں اس طریقہ کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

ہینڈ پریکٹس (مشت زنی) کے ذریعہ جو منی نکالتا ہے حدیث میں اس کو ملعون قرار دیا گیا ہے ناکح الید ملعون، (فتح القدیر) نلکی میں منی لینے کو اس پر قیاس کیا جائے تو یہ بھی ملعون قرار پائے گا کیونکہ یہاں بھی منی ضائع کرنے کے درجہ میں ہے کیونکہ اس مرد سے بچہ کا نسب ثابت نہیں ہوتا، اور پرائی (غیر) عورت کا غیر مرد کی منی لیکر اپنی شرمگاہ میں ڈلوانا شرعاً یہ بھی جائز نہیں ہے یہ بھی ایک طرح بے حیائی ہے گو وہ لذت اندوز نہیں ہوتی ہوگی اور اس کو اس کے عوض اجرت ملتی ہوگی۔ دین قیم اسلام کا قانون تعدد ازدواج ایسے مواقع کے لئے بدل کی حیثیت رکھتا ہے۔

قرآن پاک میں ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع (النساء) یعنی مرد کو اپنی پسند کی چار عورتوں تک سے شادی کرنے کی اجازت ہے،

کسی مرد کی بیوی جب اس درجہ کی ہو کہ استقرار حمل نہ ہوتا ہو۔ یا ہوتا ہو مگر وقت سے پہلے ضائع ہو جاتا ہو، تو اس مجبوری میں پہلی کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے شادی کرے اور اس سے بچہ کا شوق پورا کرے اور اپنے فطری جذبہ کی تسکین کا

سامان کرے اور قائم مقام ماں اور تخم ریزی کی مصیبت سے اپنے کو بچائے۔

(۲)۔ یہ بھی بچہ حاصل کرنے کا غیر فطری اور ناجائز راستہ ہے اس میں شوہر کا نطفہ ہے اور بیوی کا انڈا لینا اور دونوں کو ملا کر تیسری عورت کے رحم میں پچکاری سے ڈالنا کہ بچہ کی پرورش وہ پرائی عورت اپنے شکم میں کرے اس عورت میں بھی وہ خرابی پیش آئے گی جو پہلے نمبر میں لکھی گئی ہے اس طرح بھی جو بچہ ہوگا اس کا نسب بھی اس پرائی عورت کے شوہر سے ہوگا۔ اگر وہ شادی شدہ ہے اور اس کا شوہر بقید حیات ہے یا پھر عورت سے وہ بچہ منسوب ہوگا۔ جو مرد و عورت یہ سب کچھ کر رہے ہیں یا کرائے ہیں شرعاً ان سے اس بچہ کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور نہ شرعاً یہ بچہ ان دونوں کا شرعی وارث ہوگا اور نہ یہ دونوں اس بچہ کے شرعی وارث قرار پائیں گے۔ اگر کوئی زبردستی وارث گردانتا ہے یا گردانے گا تو وہ اسلامی قانون کی حرمت سے کھیلے گا۔

(۳)۔ تیسری صورت بھی جائز نہیں ہے، کہ نامرد شوہر اپنی بیوی کی بچہ دانی میں غیر مرد کا نطفہ ڈلوائے از روئے شرع ایسے نامرد شوہر کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ بیوی کو طلاق دیدے اس کے جذبات کو ذبح نہ کرے اور نہ غیر مرد کا نطفہ ڈالکر اس کی عصمت کو داغدار کرے فقہاء لکھتے ہیں، ویجب الطلاق لو فات الامساك بالمعروف، (در مختار) کما لو کان خصیا او مجبوبا او عنینا (رد المحتار) یعنی اگر کوئی خصی ہو یا مقطوع الذکر والخصیتین یا نامرد ہونے کی وجہ سے بیوی کے حقوق معروفہ ادا نہیں کر سکتا ہے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے تاکہ وہ اپنی جنسی و فطری خواہش کی تسکین کا جائز طور پر سامان کرے۔

البتہ اس صورت میں شرعاً بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا الولد للفراش وللعاهر الحجر (مشکوٰۃ) والی حدیث کی بنیاد پر بچہ کو ولد الحرام ہونے کے عیب سے حتی الوسع بچایا جائے گا۔ گو اس صورت میں مرد و عورت دونوں گنہگار ہوں گے۔
مختصر یہ کہ ان تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی شرعاً جائز نہیں ہے اور انسانی عزت احترام اور مکرمت کی مٹی پلید کرتا ہے۔ واللہ اعلم

محمد ظفیر الدین غفرلہ مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۰ رجب سنہ ۱۴۰۳

الجواب صحیح کفیل الرحمٰن نائب مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۰ رجب ۱۴۰۳ھ

احوال و کوائف

خطیب العصر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (نور اللہ مرقدہ) سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحۂ وفات اور ان کے حالات زندگی کا تذکرہ اس شمارہ کے گذشتہ صفحات میں آپ کی نگاہوں سے گذر چکا ہے۔

حضرت مرحوم و مغفور کی وفات حسرت آیات کا حادثہ دن کے لگ بھگ ساڑھے گیارہ بجے پیش آیا اور بجلی کی لہر کی طرح چند سیکنڈ کے اندر یہ وحشت اثر خبر پھیل گئی دیکھتے دیکھتے پورے دارالعلوم کی فضا غم و یاس میں ڈوب گئی اور دارالعلوم کا بچہ بچہ اپنے عظیم سربراہ اور قدیم مربی کی آخری زیارت کے اشتیاق میں بچشم گریاں اپنے اپنے حجروں اور قیام گاہوں سے نکل کر حضرت رح کے دولت کدہ کی طرف چل پڑا۔

آہ کہ وہ دولت کدہ جسے کل تک نہ صرف حضرت کی قیام گاہ ہونے کا شرف حاصل تھا بلکہ طالبین سلوک و معرفت کے لئے وہ ایک خانقاہ اور علم و حکمت کے شیدائیوں کے لئے ایک درسگاہ کی حیثیت رکھتا تھا جہاں چہار پہر خوشیوں اور مسرتوں کا راج رہا کرتا تھا آج اپنے مکین کی جدائی سے سراپا غم کدہ بنا ہوا تھا اور اس کے در و دیوار سے غم و حسرت ٹپک رہی تھی خود دارالعلوم کا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔

ذمہ داران دارالعلوم میں حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدر المدرسین حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب شیخ الحدیث و نائب مہتمم، حضرت مولانا محمد عثمان صاحب نائب مہتمم، حضرت مولانا وحید الزماں صاحب ناظم تعلیمات وغیرہ نے تعزیت مسنونہ کے بعد مخدوم زادگان سے خواہش ظاہر کی کہ حضرت کی نماز جنازہ اندرون دارالعلوم ادا کی جائے جسے ان حضرات نے منظور کر لیا۔

چنانچہ اسی وقت دارالعلوم کے لاؤڈ اسپیکر سے یہ اعلان کر دیا گیا کہ خدام دارالعلوم کی درخواست پر مخدوم زادہ مولانا محمد سالم صاحب نے دارالعلوم کے اندر نماز جنازہ ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی ہے، لہٰذا بعد نماز عشاء دارالعلوم میں جنازہ کی نماز ادا کی جائے گی اور اسی وقت یہ بھی

اعلان کردیا گیا کہ اس حادثۂ جاں کاہ پر دارالعلوم دیوبند میں تین یوم کی تعطیل رہے گی اور ان تین دنوں میں روزانہ صبح وشام قرآن مجید اور آیت کریمہ کا ختم کرکے ایصال ثواب کیا جائے گا تمام طلبا، حضرات اساتذہ اور کارکنان صبح وشام حاضر ہو کر ایصال ثواب میں شرکت کریں۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم اس وقت اپنے وطن بجنور میں تشریف فرما تھے انہیں اس حادثۂ فاجعہ سے مطلع کرنے کا اسی وقت انتظام کیا گیا چنانچہ موصوف اطلاع ملتے ہی بجنور سے روانہ ہوگئے اور مغرب وعشاء کے درمیان دیوبند پہنچ گئے اور سیدھے صاحبزادگان کے پاس جاکر تعزیت مسنونہ کی پھر دارالعلوم تشریف لائے حضرت مہتمم صاحب کی تشریف آوری سے کچھ پہلے حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی یہاں پہنچ چکے تھے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند اس دن بمبئی تھے دفتر جمعیۃ کی اطلاع پر بذریعہ ہوائی جہاز دہلی پہنچے اور پھر بذریعہ کار دہلی سے دیوبند کے لئے روانہ ہوئے اور عشاء سے کچھ پہلے وہ بھی دیوبند پہنچ گئے، اتفاق سے حضرت مولانا مدنی سخت نزلہ اور بخار میں گرفتار تھے اور سفر کی صعوبت برداشت کرنے کی بالکل ہمت وطاقت نہیں تھی لیکن انہوں نے اپنے اوپر جبر کرکے نماز جنازہ اور تجہیز وتکفین میں شرکت کی غرض سے یہ مشقت برداشت کی۔

اعلان اور طے شدہ پروگرام کے مطابق تقریباً دس بجے مولانا معراج الحق صاحب مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری وغیرہ اساتذہ دارالعلوم اور حضرت مرحوم کے متعلقین و معتقدین کی مشایعت میں جنازہ صدر دروازہ سے دارالعلوم میں داخل ہوا اور احاطہ مولسری میں نودرہ کے درمیانی دروازہ کے سامنے رکھا گیا۔ تمام طلباء دارالعلوم اور حضرات اساتذہ وکارکنان عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر پہلے ہی سے جنازہ کے انتظار میں احاطۂ مولسری میں جمع تھے، قصبہ دیوبند اور اطراف وجوانب کے تقریباً پانچ چھ ہزار سے زائد متعلقین ومعتقدین بھی اپنے سربراہ کے آخری حقوق کی ادائیگی کے لئے اکٹھا تھے، مخدوم زادہ مولانا محمد سالم صاحب کی اقتدا میں پورے مجمع نے نماز جنازہ ادا کی اور تقریباً ۱۱ بجے شب میں حکمت قاسمی کے سب سے بڑے شارح وامین کو اس حکمت کے موجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے پہلو میں دفن کردیا گیا۔

دوسرے دن ۷ رشوال کو بعد نماز ظہر دارالعلوم میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم کی زیر صدارت جلسۂ تعزیت منعقد کیا گیا جس میں حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحب ممبر مجلس شوریٰ، حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدر المدرسین، حضرت مولانا وحید الزماں صاحب ناظم تعلیمات

اور حضرت مولانا ریاست علی صاحب نائب ناظم تعلیمات نے تقریریں کیں اور حضرت قاری صاحبؒ کے اوصاف و کمالات اور محاسن و برکات پر روشنی ڈالی۔

صدر جلسہ حضرت مہتمم صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں حضرت مرحوم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت قاری صاحبؒ اس دور میں علماء دیوبند کے مقتدی اور مسلک دیوبند کے ترجمان تھے ان کے مواعظ و مقالات سے دارالعلوم اور مسلک دارالعلوم کو بے حد تقویت پہنچی ہے عوام ہی میں نہیں بلکہ طبقۂ علماء میں عرصۂ دراز تک ان کی کمی محسوس کی جاتی رہے گی۔

حضرت قاضی صاحب رکن شوریٰ نے اپنی تقریر میں خانوادہ قاسمی سے اپنے خاندانی قدیم تعلقات پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ حضرت قاری صاحبؒ اس قدیم تعلقات کو زندگی بھر نباہتے رہے۔ اور کبھی بھی اس میں کمی و فرق نہیں آنے دیا۔ قاضی صاحب نے حضرت قدس سرہٗ کے علمی کمالات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ علمی استحضار اور دقیق سے دقیق مسائل کو سہل ترین اسلوب میں بیان کر دینے پر جو قدرت قاری صاحب کو حاصل تھی صف علماء میں اس کی نظیر کم تر ہی ملے گی۔

حضرت مولانا معراج الحق صاحب نے اپنی مختصر تقریر میں حضرت مرحوم و مغفور کے اوصاف علم تواضع، تحمل وغیرہ کو واقعات اور دلائل کی روشنی میں بیان کیا اور فرمایا کہ اڑتیس سالہ اپنے تجربہ کی بنیاد پر مجھے اس بات پر پورا یقین اور اعتماد ہے کہ عالمی شہرت و مقبولیت کے باوجود قاری صاحب کے علم و تواضع میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا حضرت مولانا وحید الزماں صاحب ناظم تعلیمات نے حضرات اساتذہ اور کارکنان دارالعلوم کے تئیں حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے طرز عمل پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ قاری صاحبؒ اپنے ماتحتوں پر مکمل اعتماد کرتے تھے اور حتی الامکان انہیں سہولت اور راحت دینے کی کوشش فرماتے تھے اور معمولی سے معمولی کارکن کے ساتھ نہایت عزت و احترام کا معاملہ فرماتے تھے جس کی بناء پر قاری صاحب ہر دلعزیز تھے اور کارکنوں سے کام لینے میں انہیں کبھی کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی۔

حضرت مولانا ریاست علی صاحب نے اپنی تقریر میں حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ کے

اوصاف و کمالات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مرحوم پر اللہ جل مجدہٗ کا یہ خاص فضل و کرم تھا کہ اس دنیا میں نیک نامی کے ساتھ زندگی گذارنے کے لئے جن اوصاف و اسباب کی ضرورت پڑتی ہے قسام ازل نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ان تمام اوصاف و کمالات سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ اور انشاء اللہ آخرت میں بھی سُرخ رو رہیں گے۔ حضرت کی ایک خوش قسمتی ہے، برزخ میں اکابر رحمہم اللہ کی ارواح اگر ان سے سوال کریں گی کہ دارالعلوم کو کس کے حوالے چھوڑ کر آئے ہو تو وہ بلا تامل یہ جواب دے سکیں گے کہ دارالعلوم کو ایک ایسے شخص کی نگرانی میں چھوڑ کر آیا ہوں جو خود دارالعلوم کا فیض یافتہ اکابر دارالعلوم کے طریق مسلک کا شیدائی ـ انتظامی امور کی نزاکتوں کو پوری طرح سمجھنے والا، نہایت دیانتدار اور ایثار پسند ہے جس نے دارالعلوم کے لئے اپنے رئیسانہ آسام و راحت کو خیر باد کہہ کر دارالعلوم کی فقیرانہ زندگی اختیار کرلی ہے۔ جلسہ کے آخر میں ایک تعزیتی تجویز منظور کی گئی پھر ایصال ثواب اور دعاء مغفرت پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

تجویز تعزیت یہ ہے

دارالعلوم دیوبند کے طلباء و اساتذہ اور ارباب انتظام کا یہ جلسہ عام حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کے حادثہ وفات حسرت آیات پر انتہائی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت موصوف کو خدا تعالےٰ نے بہت سے اوصاف ظاہری و باطنی سے مالا مال کیا تھا۔ آپ محدث جلیل استاذ الاساتذہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو منصب خلافت حاصل تھا۔ علوم دینیہ بالخصوص تفسیر و حدیث و کلام میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ عرصہ دراز تک آپ نے درس و تدریس کی اہم کتابوں اور بالخصوص حجۃ اللہ البالغہ کا دارالعلوم میں درس دیا۔ اور سید الطائفہ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور اپنے جد عالی مقام حضرت اقدس نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے علوم و معارف سے طلبہ دارالعلوم کو مستفید کیا۔

آپ کو خدا تعالےٰ نے قوت بیانیہ کا کمال عطا فرمایا تھا علماء و عوام اور قدیم تعلیم یافتہ اور جدید تعلیم یافتہ سب ہی آپ کی تقریر دلپذیر سے متاثر ہوتے تھے تقریباً نصف صدی سے آپ دارالعلوم کے سب سے بڑے انتظامی عہدہ اہتمام پر فائز تھے اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ، حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ اور حضرت فخر المحدثین مولانا فخر الدین کے

پہلو بہ پہلو دارالعلوم کی اعلیٰ خدمات انجام دیکر اس کی عظمت و شوکت کو چار چاند لگائے۔

آپ نے نہ صرف زبانی بلکہ قلم سے بھی علمی دینی و اصلاحی و دعوتی اعلیٰ خدمات انجام دیں اور درجنوں بلند پایہ اور کثیر النفع کتب و رسائل تحریر کئے۔ آپکے انہیں اوصاف و کمالات کیوجہ سے پوری جماعت دیوبند آپ کو اپنا سر براہ تسلیم کرتی تھی، افسوس صد افسوس کہ علوم و معارف کا یہ درخشاں ستارہ آج غروب ہو گیا اور نہ صرف دارالعلوم بلکہ پورا عالم اسلام اس کی حیا بخشی سے محروم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کی روح پر فتوح کو جنت الفردوس میں مقام بلند عطا فرمائے۔ اور منتسبین دارالعلوم اور اہل خاندان خصوصاً فرزندان گرامی کو صبر عطا فرمائے۔

اس حادثہ عظیم کے بعد پے در پے دو اور حادثوں سے دارالعلوم کو دوچار ہونا پڑا۔

جناب محمد شمیم صاحب دیوبندی جو دارالعلوم کے قدیم وفادار اور ملازم اور مہمان خانہ دارالعلوم کے محافظ و نگراں تھے، مہمانوں کی تواضع اور خدمت کا خاص سلیقہ رکھتے تھے چند یوم کی علالت کے بعد مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۸۳ء کو انتقال کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

دوسرے مولانا محمد گل صاحب ناظم شعبۂ تنظیم و ترقی جو ایک طویل عرصے اس عہدہ پر فائز تھے اور اپنے کام پر قابو یافتہ تھے مرحوم بہت ہی مخلص اور ٹوٹ کر محنت کرنے والے تھے، ان کے اس وصف کی بناء پر نہ صرف یہ کہ ان کے ساتھ کام کرنیوالا عملہ بلکہ دارالعلوم سے متعلق ہر فرد ان سے محبت کا تعلق رکھتا تھا۔ آخر میں کبر سنی اور مسلسل امراض کی بنا پر مزاج میں پہلی جیسی شگفتگی باقی نہیں رہی تھی پھر بھی ان کی ہر دلعزیزی میں کوئی فرق نہیں آیا تقریباً بیس بائیس یوم مرض فالج میں مبتلا رہکر مورخہ ۲۴ اگست صبح ۵ بجے دہلی کے رام منوہر لوہیا اسپتال میں انتقال کر گئے اسی دن میت بذریعہ ایمبولینس دیوبند لائی گئی، اور بعد نماز عصر تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔

روانیِ اسلام

از حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

"روانیِ اسلام" حضرت قاری صاحبؒ کی وہ مشہور نظم ہے جو مرحوم نے اب سے تقریباً ستر اسی سال پیشتر "لسان العصر اکبر الہ آبادی" کی مشہور و مقبول نظم "پانی کی روانی" کی زمین میں لکھی تھی۔ اس نظم کو حضرت قاری صاحب نے جب اکبر الہ آبادی مرحوم کے پاس بھیجا تو اس کا جواب انہوں نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی علیہ الرحمۃ کے نام ایک خط میں ان الفاظ کے ساتھ دیا تھا۔ "مولانا محمد طیب کی نظم روانیِ اسلام نظر سے گذری، سبحان اللہ علی بحرک اللہ
نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول۔" خاکسار اکبر

اندرونِ عرب
(۱)

چلا ارضِ بطحا سے اک بحرِ ذاخر ۔ اسی کی عبادت سکھاتا ہوا
کرتا جس کی موجوں کا اول نہ آخر ۔ حضور اس کے سب کو جھکاتا ہوا
وہ توحید کی لے بجاتا ہوا ۔ جہالت کی رسمیں مٹاتا ہوا
سرودِ حجازی میں گاتا ہوا ۔ معارف کے ایواں اٹھاتا ہوا
وہ جنگل میں منگل بناتا ہوا ۔ وہ فرضی قیودیں اڑاتا ہوا
وہ شہروں میں شادی رچاتا ہوا ۔ مظالم کو ڈانٹیں بتاتا ہوا
پہاڑوں پہ نعرے لگاتا ہوا ۔ اذانیں زمیں پر دلاتا ہوا
سمندر میں طوفاں اٹھاتا ہوا ۔ شیاطیں کو دھکے دلاتا ہوا
ضلالت کے بیڑوں کو ڈھاتا ہوا ۔ معاصی کو آنکھیں دکھاتا ہوا
زمانہ میں اودھم مچاتا ہوا ۔ گناہوں کی گردن دباتا ہوا
محیطِ زمیں پر وہ چھاتا ہوا ۔ وہ نیکوں کو مژدے سناتا ہوا
خباثت کی گھاتیں مٹاتا ہوا ۔ شریروں کو ہر سو ڈراتا ہوا
صداقت کے جھنڈے اڑاتا ہوا ۔ وہ گرتوں کو بڑھ کر اٹھاتا ہوا
وہ باطل کو نیچا دکھاتا ہوا ۔ کہیں ڈوبتوں کو ترا تا ہوا
بتوں سے وہ رشتے تڑاتا ہوا ۔ کہیں بسملوں کو جلاتا ہوا
خدا سے ہر اک کو ملاتا ہوا ۔ انہیں آبِ حیواں پلاتا ہوا

بلادوں کو سر سے ملاتا ہوا
وہ کوسوں کے کانٹے ہٹاتا ہوا
وہ غیروں کو اپنے بناتا ہوا
فلک تک نئی سی لگاتا ہوا
وہ آنکھوں سے آنکھیں لڑاتا ہوا
دلوں میں ہر اک کے سماتا ہوا

بیرونِ عرب
(۲)

وہ ایوانِ کسریٰ ہلاتا ہوا
علم روسیوں کے گراتا ہوا
چراغِ ہدایت جلاتا ہوا
اور آتشکدوں کو بجھاتا ہوا
وہ دل سے ہر اک کو نکالتا ہوا
سوئے ذاتِ واحد بلاتا ہوا
سماوی ترانے سناتا ہوا
اسی لے پہ سب کو نچاتا ہوا

حکومت
(۳)

وہ فتنوں کو ہر سو دباتا ہوا
وہ بچھڑوں کو باہم ملاتا ہوا
سریرِ عدالت بچھاتا ہوا
حقوق اپنے سب کو دلاتا ہوا

برکات
(۴)

تمدن کی بخشش جماتا ہوا
جہانِ تہذیب نو بناتا ہوا
دلوں کو وہ ہمت دلاتا ہوا
وہ روحوں کی قوت بڑھاتا ہوا
وہ درسِ حقائق پڑھاتا ہوا
خرافاتِ یوناں بھلاتا ہوا
صد نقلے علمی بہاتا ہوا
گہرہائے عرفاں لٹاتا ہوا

زمانہ استقبال
(۵)

چلا جائے گا یونہی چڑھتا ہوا
اسی طرح دنیا میں بڑھتا ہوا

دلیل

کہ جو نورِ حق پھر اتمام ہے
جو ہر فردِ انساں کو پیغام ہے
زمانہ کا جس پر کہ انجام ہے
اسی کا تو مظہر یہ اسلام ہے
ندا ہم چناں جزو آید درو
کہ خفتہ فنا گشت چوں سیلِ او

جانفزا لوحِ تواریخ

۱۴۰۳ھ

بسم اللہ الوکیل الفتّاح الرحمٰن الرحیم

۱۴۰۳ھ

نحمدہ الحق العظیم و نصلی النبی الکریم

۱۹۸۳ء

قال المجید، وسقاهم ربهم شرابا طهورا

۱۴۰۳ھ

موتُ العالِم المومن موتُ العالَم

۱۴۰۳ھ

انّ اللہ القدوس لیرفع العلم برفع العلماء

۱۴۰۳ھ

حکیم انام قاری محمد طیب صاحب طاب ثراہ

۱۴۰۳ھ

مولانا القاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ الوکیل

۱۹۸۳ء

زیں جہانِ آب و گل خوش طالب علیین رفت

۱۹۸۳ء

رحمۃ المبدی الخالق الکریم

۱۴۰۳ھ

نوّر مرقدہٗ النور الخفی

۱۹۸۳ء

برد مضجعہ القدوس الوالی

۱۴۰۳ھ

قطعہ بتواریخ

۱۴۰۳ھ

قاریٔ طیب زعیمِ باصفا
مہتمم دارالعلوم دیوبند
مجمعِ علم مدرسہ دارالعلوم
شیخِ وقت و ہم مجازِ تھانوی
ماہِ تاباں بود در ہر انجمن
ہند را سحبانِ امیرِ کارواں
بود ذاتش مستفر در انجمن
ماہِ انور داخلِ جنت بود

۱۴۰۳ھ

ہاتف از عثمان سراجِ دین گفت

۱۹۸۳ء

عالمِ دیں ہادیِ راہِ خدا
رشد و تقویٰ را امینِ باوفا
ماہرِ اسرارِ دینِ مصطفیٰ
صوفیِ حق کیش را و حق نما
تشنگانِ علم را بحرِ سخا
واعظِ شیریں بیاں شیریں نوا
اہلِ علم و فضل را ہم مقتدا
از دلم سالِ وفات آید ندا
رحلتش ہم طیّب و ہم پُرضیا

بدلِ زار محمد عثمان معروفی

۱۴۰۳ھ

حضرت قاری محمد طیب صاحب ۱۳۱۵ھ میں پیدا ہوئے، ۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر وہیں مدرس ہوگئے۔ ۱۳۴۱ھ میں نائب مہتمم اور ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء میں مہتمم ہوئے۔ ۶ شوال ۱۴۰۳ھ/۱۷ جولائی ۱۹۸۳ء کو وفات پاکر مزار قاسمی دیوبند میں مدفون ہوئے۔ راقم الحروف نے موصوف سے ۱۳۶۸ھ میں ابن ماجہ شریف پڑھی ہے۔

فہرست کتب مکتبہ دارالعلوم دیوبند — شعبہ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند

نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت
فتاوی دارالعلوم جلد ۱	۱۲/-	... مفتی	۱۱/-	انتصار الاسلام	۹/-
" ۲	۱۷/-	تاریخ دارالعلوم جلد ۱	۲۰/-	مصابیح التراویح	۶/۵۰
" ۳	۲۵/-	" " ۲	۲۰/-	تفسیر معوذتین	۳/-
" ۴	۳۱/-	" " انگریزی ۱ ۲	۱۲۵/- ۱۷۵/-	اسلامی عقائد اور سائنس	۲/-
" ۵	۳۰/-	سوانح قاسمی جلد اول	۲۰/-	مودودی مذہب	۲/۵۰
" ۶	۳۶/-	" دوم	۲۸/-	مودودی دستور و عقائد	۲/۵۰
" ۷	۳۳/-	" سوم	۱۲/-	نظریہ ودود قرآن پر ایک نظر	۴/-
" ۸	۲۸/-	ملفوظات جلد اول	۱۹/-	مکتوبات	۳/-
" ۹	۳۱/-	" دوم	۲۱/-	مکتوبات ثلاثہ	۳/۵۰
" ۱۰	۲۲/-	قبلہ نما	۲۸/-	دو ضروری مسئلے	۱/-
" ۱۱	۱۱/-	دینی دعوت کے قرآنی اصول	۶/۵۰	جماعت اسلامی کا دینی رخ ۱	۲/۵۰
الفیۃ الحدیث	۱۲/-	ناقابل فراموش واقعات	۲۶/-	" " ۲	۲/۵۰
مشکوٰۃ الآثار	۱۱/-	المنار الانوار	۷/-	" " ۳	۲/۵۰
العجیبہ	۷/-	مثنوی فروغ	۷/۵۰	" " ۴	۷/-
نفحۃ الادب	۶/-	براہین قاسمیہ	۱۰/-	اجتماع گنگوہ	۱/-
مقدمہ ابن الصلاح	۱۱/-	حکمت قاسمیہ	۵/-	در منثور اول	۱/-
تفسیر مدارک التنزیل	۸/-	مدارج سلوک	۱۶/-	" " دوم	۱/-
الاشباہ والنظائر	۳۰/-	جائزہ تراجم قرآنی	۹/-	اعفاء اللحیہ	۱/-
عقیدۃ الطحاوی	۱۱/-	قرآن محکم	۵/-	ایمان و عمل	۳/-
حسامی	۲۲/-	حجۃ الاسلام	۱۰/-	دارالعلوم دیوبند کا ایک فتویٰ	۱/۵۰
ملاحسن	۱۲/-	اسرائیلی	۴/-	اور اس کی حقیقت	
مقامات حریری	۲۴/-	قرآنی پیشین گوئی	۳/۷۵	ماثورہ دعائیں	۱/۵۰

دار العلوم دیوبند کا علمی دینی ماہنامہ

دار العلوم

زیر سرپرستی

مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند

مدیر مسئول

ریاست علی بجنوری

نگرانِ اعلیٰ حضرت الحاج مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا علمی دینی

ماہنامہ دارالعلوم

جلد نمبر ۶۴ | ستمبر ۱۹۸۳ء مطابق ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ | شمارہ نمبر ۶

سالانہ زرِ اشتراک

ہندوستان سے	-/۲۵ روپے
سعودی عرب، کویت، ابوظبی وغیرہ سے بذریعہ ایرمیل	-/۹۰ روپے
جنوبی شرقی افریقہ، برطانیہ وغیرہ سے بذریعہ ایرمیل	-/۱۰۵ روپے
امریکہ، کناڈا، وغیرہ سے بذریعہ ایرمیل	۱۱۶/۷ روپے
پاکستان سے ذریعہ ریل	-/۴۵ روپے
فی پرچہ	۲/۵۰ روپے

مجلسِ ادارت

مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی

مولانا ریاست علی صاحب (مدیرِ مسئول)

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی

طابع و ناشر

دارالعلوم معرفت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

مطبوعہ

محبوب پرنٹنگ پریس دیوبند

ضروری گذارش

ماہنامہ دارالعلوم کے خریداروں سے گذارش ہے کہ جن حضرات کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے انکو شمارہ میں بذریعہ سُرخ نشان بار بار اطلاع دیجا چکی ہے اور ستمبر ۸۳ء کے شمارہ میں بھی انکو اور جن کی مدت خریداری ستمبر ۸۳ء میں ختم ہو رہی ہے انکو بذریعہ سُرخ نشان مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ مہربانی فرماکر سالانہ چندہ ۲۵/ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں، وی، پی کا انتظار نہ فرمائیں۔ وی پی کا خرچہ سات روپے ہے اسلئے وی پی کی صورت میں ۳۲/ ادا کرنے ہونگے جو بلاوجہ کا بار ہے اور واپسی کی صورت میں ادارہ کا نقصان ہے، امید ہے کہ زحمت فرماکر خود کو اور ادارہ کو نقصان سے بچائیں گے۔ (مدیر)

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱۔ حرف آغاز	مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی	۳
۲۔ مصنف عبدالرزاق کی کتاب الجامع یا جامع معمر بن راشد	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ	۶
۳۔ جوزف کرافٹ کے مقالہ کے جوابات	حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی رح	۹
۴۔ قرآنی انداز استدلال اور جدید علم کلام	مولانا افضال الحق صاحب جوہر قاسمی	۱۸
۵۔ معرزتہ تاریخ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا محمد عثمان صاحب معروفی	۳۳
۶۔ کوائف دارالعلوم	ادارہ	۴۵
۷۔ فہرست کتب مطبوعہ دارالعلوم		۴۸

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

۱۔ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ فرمائیں

۲۔ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ ۴۵/۰ روپے مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان (پاکستان) کو بھیجدیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کریں ماہ مارچ سے خریداری نمبر بدل دیا گیا ہے۔ خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں۔ خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

(مدیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

یَذْھَبُ الصَّالِحُوْنَ الْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ

علماء راسخین سے علمی محفلیں بس تیزی کے ساتھ خالی ہوتی جارہی ہیں اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی "یذھب الصالحون الاوّل فالاوّل و تبقی حفالۃ کحفالۃ الشعیر والتمر لایبالیھم اللہ"، کا مصداق اصلی آج ہی کا دورِ پُرفتن ہے۔

ملتِ مسلمہ ابھی خلاصۃ العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی قدس اللہ سرہٗ کا غم بھولی نہیں تھی کہ جولائی ۱۹۸۳ء کو خطیب العصر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ کے حادثۂ وفات سے دوچار ہوگئی۔ اور ابھی حضرت قاری صاحب علیہ الرحمۃ والغفران کی تعزیت کا سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ اخبارات نے یہ اندوہناک خبر سنائی کہ اگست ۱۹۸۳ء کو برصغیر کے نامور عالم و محقق حضرت مولانا شمس الحق افغانی رہگزار عالم جاودانی ہوگئے (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

مولانا افغانی مرحوم ایک جید عالمِ دین، بلند پایہ محقق، بہترین مصنّف، صاحبِ نسبت بزرگ اور اکابر علماء دیوبند کی یادگار تھے۔ اس قحط انسانیت عام انحطاط کے دور میں مولانا افغانی کا حادثۂ وفات ایک بڑا علمی حادثہ ہے۔

ابتدائی حالات مولانا افغانی ضلع پشاور کے قصبہ ترنگ کے ایک علمی خاندان میں، رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا غلام حیدر سے حاصل کی جو مولانا عبدالحلیم لکھنوی فرنگی محلی کے شاگرد تھے۔ بعد ازاں سرحد و افغانستان کے مشاہیر علماء سے اکتساب فیوض کیا۔ اور فنون کی تمام کتابیں پڑھکر دورۂ حدیث کی تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند کا علمی سفر کیا اور ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم میں باقاعدہ داخلہ لیکر اس وقت کے صدر المدرسین و شیخ الحدیث امام العصر علامہ انور شاہ محدث

کشمیری، حضرت مولانا اصغر حسین محدث دیوبندی جامع معقول ومنقول مولانا محمد رسول خاں ہزاروی وغیرہ سے صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث کی تحصیل وتکمیل کرکے ۱۳۳۹ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

تبلیغی خدمت مولانا افغانی زمانۂ طالب علمی ہی میں علمی شغف اور ذہانت وذکاوت کے اعتبار سے اپنے معاصرین میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ فراغت تعلیم کے بعد حج بیت اللہ وزیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ اس مبارک سفر سے واپس ہوئے تو اکابر دارالعلوم نے آپ کو دارالعلوم بلالیا اور شدھی تحریک کے مقام اور روک تھام کے لیے مبلغین کے ایک قافلہ کا قائد بنا کر آپ کو راجپوتانہ بھیج دیا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے آریہ مبلغین سے متعدد مناظرے کئے اور انھیں شکست فاش دیکر میدان چھوڑنے پر مجبور کردیا۔

آپ کی مخلصانہ ومؤثرانہ تبلیغی مساعی سے ہزاروں غیر مسلم ومرتد حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ فتنہ ارتداد کے خاتمہ پر کامیاب وکامراں ہوکر جب آپ دارالعلوم دیوبند واپس ہوتے تو اس مبارک کامیابی کی خوشی میں دارالحدیث میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں آپ نے تبلیغی حالات وکوائف پر ایک مبسوط تقریر کی جسے سن کر اکابر دارالعلوم نے آپ کو بڑی دعائیں دیں۔

تدریس وتعلیم اس اہم کے سرانجام دینے کے بعد مولانا افغانی نے اپنے اکابر واساتذہ کے طریقہ کے مطابق درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ اور مظہر العلوم کھڈہ کراچی، قاسم العلوم شیرانوالہ لاہور دارالرشاد جھنڈہ سندھ وغیرہ مدارس میں صدر مدرس کی حیثیت سے ۱۳۵۲ھ تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۵۴ھ میں انھیں دارالعلوم بلالیا گیا۔ اور شیخ التفسیر کا اہم ترین منصب انھیں تفویض کیا گیا۔ تقریباً تین سال تک دارالعلوم میں حدیث وتفسیر کی کتابوں کا درس دینے کے بعد ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء میں ریاست خلافت کے وزیر تعلیم کے اہم ترین عہدہ پر فائز ہوئے۔ اور تقریباً ۱۱ برس تک اس منصب پر رہ کر مفید ترین خدمات انجام دیں بعد میں وزارت تعلیم سے استعفیٰ دیکر پھر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، جامعہ اسلامیہ بھاولپور اور اکیڈمی علوم اسلامیہ کوئٹہ وغیرہ سے متعلق رہ کر علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

تصنیف وتالیف درس وتدریس کے علاوہ مولانا افغانی نے تحریر وتقریر کے ذریعہ گرانقدر علمی ودینی خدمات انجام دیں۔ چنانچہ آپ کی تصانیف میں معین القضاۃ والمفتیین عربی ایک معرکۃ الآراء

کتاب مانی جاتی ہے جسے پورے عالم اسلام کے علماء وقعت اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس اہم ترین کتاب کے علاوہ آپ کی حسب ذیل کتابیں بھی علمی حلقوں میں مشہور و معروف ہیں ۔
(۲) شرعی ضابطہ دیوانی (۳) علوم القرآن، یہ کتاب پشاور یونیورسٹی ایم، اے۔ اسلامیات کے نصاب میں داخل ہے۔ (۴) ترقی اور اسلام۔ (۵) سوشلزم اور اسلام، (۶) سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا موازنہ اسلام سے (۷) اسلام دین فطرت ہے (۸) اسلام عالمگیر مذہب ہے۔ (۹) عالمی مشکلات اور اس کا قرآنی حل، (۱۰) مدارس کا معاشرہ پر اثر (۱۱) آئینہ اریہ (۱۲) تصوف اور تعمیر کردار (۱۳) اسلامی جہاد (۱۴) کیمونزم اور اسلام (۱۵) احکام القرآن (۱۶) مفردات القرآن (۱۷) مشکلات القرآن (۱۸) حقیقت زمان و مکان (۱۹) تنقیح الشذی علی جامع الترمذی (۲۰) معدن السر در فی فتاوی بھاول پور

ارشاد و سلوک مولانا افغانی مرحوم علمی تبحر کے ساتھ ارشاد و سلوک میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے اور سلسلۂ قادریہ، سلسلۂ نقشبندیہ اور سلسلۂ چشتیہ تینوں سلسلوں میں آپ کو خلافت و اجازت حاصل تھی، جس کی تفصیل یہ ہے ۔

(۱) سلسلۂ قادریہ میں اپنے والد ماجد مولانا غلام حیدر سے بیعت تھے اور تکمیل حضرت مولانا غلام محمد دین پوری سے کی (۲) سلسلۂ نقشبندیہ سرزمین حجاز میں شیخ عثمانی علاؤ الدین عراقی سے حاصل کیا (۳) اور سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی بیعت حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی سے اور اجازت حضرت مفتی محمد حسن سے حاصل ہوئی ۔

تلامذہ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہندوستان و پاکستان وغیرہ میں بہت ہے جن میں سے چند مشاہیر یہ ہیں ۔ (۱) مولانا احتشام الحق تھانوی (۲) مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب استاذ حدیث خیر المدارس ملتان (۳) مولانا محمد شریف صاحب استاذ حدیث خیر المدارس (۴) مولانا نور محمد صاحب شیخ الحدیث مدرسہ ہاشمیہ کراچی (۵) فضل احمد صاحب شیخ الحدیث مظہر العلوم کھڈہ کراچی (۶) مولانا عبدالرحمٰن شیخ الحدیث تعلیم القرآن راولپنڈی، (۷) مولانا حامد الحسینی صاحب خطیب جامع مسجد لائلپور (۸) مولانا عبدالرؤف صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ وغیرہ ۔

(۱۶۰)

مصنف عبد الرزاق کی کتاب الجامع یا جامع معمر بن راشد؟

از:- محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی

رسالہ "الرشاد" (اپریل ۱۹۸۳ء) کے ذریعہ میرے قدیم کرم فرما ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے ایک جدید اکتشاف کا علم ہوا، اس اکتشاف میں انھوں نے میری ایڈٹ کردہ "مصنف عبد الرزاق" کی آخری کتاب: "کتاب الجامع" کو "جامع معمر بن راشد" قرار دیتے ہوئے مجھ پر عدم انتباہ کا الزام لگایا ہے، میں اس بارے میں اُن کو معذور تصور کرتا ہوں، اور تحقیق و صداقت سے قطعاً عاری اس الزام پر ان کو کوئی ملامت نہیں کرتا، ایسا لگتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کسی خام مسلم مستشرق کی باتوں میں آگئے ہیں۔

کوئی شخص جس کی نظر سے "الأوائل" للشیخ سعید سنبل، یا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی "بستان المحدثین" بھی گذری ہو۔ وہ مجھکو عدم انتباہ کے ساتھ معلون نہیں کرسکتا۔

"اوائل" شیخ محمد سعید سنبل مکی کی تالیف ہے، حضرت شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی نے اس کی سند عمر بن عبد الکریم مکی سے لی ہے، انھوں نے علامہ شیخ محمد طاہر سے، اور انھوں نے اپنے والد شیخ محمد سعید سنبل سے اس کی روایت کی ہے،

"اوائل سنبل" میں حدیث کی چالیس کتابوں سے عموماً ہر ایک کتاب کی پہلی حدیث جمع کی گئی ہے۔ مگر مصنف عبد الرزاق کی آخری حدیث نقل کی ہے، لکھتے ہیں۔

وبالسند المتقدم إلى الإمام الحجة عبد الرزاق الصنعاني: أخبرنا معمر عن ثابت عن أنس رضي الله عنه قال: كان شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى

اب آپ مصنف عبدالرزاق کی گیارہویں جلد ہاتھ میں لیجئے، جس میں اس کی کتاب الجامع ختم ہوتی ہے، اور دیکھئے کہ کتاب الجامع کس حدیث پر ختم ہوتی ہے، اگر وہ یہی حدیث ہے، جس کو شیخ محمد سعید سنبل نے مصنف عبدالرزاق کی آخری حدیث قرار دیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ شاہ محمد اسحاق کے شیخ الشیخ کے شیخ کو بھی اشتباہ نہیں ہوا، وہ بھی اس راز کو نہ پاسکے کہ یہ مصنف کی آخری حدیث نہیں ہے، بلکہ جامع معمر کی آخری حدیث ہے،

اسی طرح شیخ مشائخ الہند شاہ عبدالعزیز دہلوی "بستان المحدثین" میں رقمطراز ہیں:-

طرفہ این است کہ مصنف خود را ختم کردہ است بشمائل، و شمائل را ختم، بر ذکر موئے آنحضرت تمام کردہ می گوید: حدثنا معمر عن ثابت عن أنس رضی اللہ عنہ قال: کان شعر النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) إلی أنصاف أذنیہ،

(ص ۱۰ طبع مصطفائی کانپور)

لیجئے! شیخ المشائخ کو بھی اشتباہ نہیں ہوا کہ اس حدیث پر مصنف عبدالرزاق نہیں ختم ہو رہی ہے، بلکہ "جامع معمر" ختم ہو رہی ہے،

"مصنف عبدالرزاق" کی آخری کتاب "کتاب الجامع" کو "جامع معمر" قرار دینے والوں نے اس کی اکثر حدیثوں کو بروایت معمر پاکر اپنے استغراق کے زور سے اسکو جامع معمر یقین کر لیا، وہ اور کچھ نہیں پوری کتاب الجامع کو حرفاً حرفاً پڑھ لیتے، تو یہ دعویٰ کرتے ہوئے ان کو خود شرم محسوس ہوتی،

مجھے استیعاب کے ساتھ تو ذکر کرنے کی فرصت نہیں ہے، مثال کے طور پر چند حدیثوں کی نشاندہی کرتا ہوں کہ ان کا کوئی تعلق معمر سے نہیں ہے، بلکہ ان کو عبدالرزاق نے اپنے دوسرے شیوخ حدیث سے روایت کیا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے "مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰"

حدیث نمبر ۱۹۴۴۲، وحدیث نمبر ۱۹۴۷۵، وحدیث نمبر ۱۹۴۸۲، وحدیث نمبر ۱۹۶۴۳، وحدیث نمبر ۱۹۶۷۱ وحدیث نمبر ۱۹۷۰۹، وحدیث نمبر ۱۹۷۲۰،

اور جلد ۱۱ کی حدیث نمبر ۱۹۷۶۲، وحدیث نمبر ۱۹۷۶۹، وحدیث نمبر ۱۹۷۷۱، وحدیث نمبر ۱۹۷۷۴، وحدیث نمبر ۱۹۷۸۱، وحدیث نمبر ۱۹۷۹۰، وحدیث نمبر ۱۹۷۹۴، وحدیث نمبر ۱۹۷۹۵، وحدیث نمبر ۱۹۷۹۶

وحدیث نمبر ۱۹۸۰۱، وحدیث نمبر ۱۹۸۰۷، وحدیث نمبر ۱۹۸۴۴، وحدیث نمبر ۱۹۸۴۹، وحدیث نمبر ۱۹۸۵۸ وحدیث نمبر ۱۹۸۷۰، وحدیث نمبر ۱۹۸۹۲، وحدیث نمبر ۱۹۹۶۳، وحدیث نمبر ۲۰۰۰۰، وحدیث نمبر ۲۰۰۹۲ وحدیث نمبر ۲۰۰۹۳، وحدیث نمبر ۲۰۰۹۴، وحدیث نمبر ۲۰۰۹۵، وحدیث نمبر ۲۰۱۱۷، وحدیث ۲۰۱۲۶ وحدیث نمبر ۲۰۱۳۶، وحدیث نمبر ۲۰۲۴۸، وحدیث نمبر ۲۰۲۹۲ وحدیث نمبر ۲۰۹۵۱

صاحب کشف الظنون نے امام عبد الرزاق کی کتاب الجامع کا ذکر کیا ہے، اور فؤاد سید نیز شیخ ناصر الدین البانی نے لکھا ہے، کہ الجامع لعبد الرزاق کا ایک نسخہ مکتبہ ظاہریہ دمشق میں محفوظ ہے، فؤاد سید نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نسخہ پر ۵۵۵ھ کا ایک سماع درج ہے نیز دوسرے سماعات بھی ہیں۔

تو کیا یہ سب محدثین غلط فہمی سے جامع معمر کو "جامع عبد الرزاق سمجھکر" جامع عبد الرزاق کے سماع کا ثبت تحریر فرمارہے ہیں؟

ضروری اعلان

(۱) ماہنامہ دار العلوم کے تمام خریداروں سے گذارش ہے کہ خط وکتابت کے وقت خصوصاً منی آرڈر کی کوپن پر خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

(۲) جملہ معاونین دار العلوم، چیک، ڈرافٹ، اور منی آرڈر اس پتہ پر ارسال فرمائیں۔

:- پتہ :-

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دار العلوم دیوبند

جوزف کرافٹ کے مقالہ کے جوابات

۶ دسمبر ۱۹۸۰ء کو ٹریبون انٹرنیشنل میں شائع شدہ جوزف کرافٹ نے اپنے مقالے میں دین اسلام پر مختلف اعتراضات کئے تھے جن کے حضرت علامہ شمس الحق افغانی قدس اللہ سرہٗ نے درج ذیل جوابات تحریر فرمائے
(ادارہ)

شیخ التفسیر حضرت علامہ شمس الحق افغانی قدس اللہ سرہٗ

جوزف کرافٹ کے مضمون کا مقصد ہمدردی کے لباس میں مسلمانوں کو اس امر پر آمادہ کرنا ہے۔ کہ وہ نام نہاد ترقی کی خواہش کی تکمیل کی خاطر اسلام کی تحریف پر آمادہ ہو جائیں۔ جیسے کہ مسیحی مذہب میں پولس یہودی سینٹ پال اور لوتھر کے ذریعہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسیحی مذہب کو حضرت مسیح علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ بلکہ اس کو پولس یہودی مذہب قرار دینا ہی زیادہ موزوں ہوگا۔ مشہور مسیحی محقق لبنانی دائرہ المعارف میں لکھتا ہے جو کٹر مسیحی ہے کہ تثلیث کا لفظ سب سے پہلے سینٹ پال سے سُنا ہے جو متعصب یہودی تھا۔ اور اُس نے مسیحی توحید کو شرک سے آلودہ کر کے کامیابی کا سانس لیا۔

انجیل کا حال یہ ہے کہ وہ ایک تھی اور اب چار ہیں۔ نجار مصری قصص الانبیاء میں لکھتے ہیں کہ ابتدائی تین صدیوں میں ایک سو سے زیادہ انجیلیں تھیں۔ جو بعد میں ان سے چار کا انتخاب کر کے باقی کو ترک کر دیا گیا۔ اور یہ فیصلہ بھی نالیسیا کونسل نے ایک فال کی بنا پر کیا۔ پھر ان چار اناجیل کا یہ حال ہے کہ پوپ سگتس کے قدیم کتب خانہ سے انجیل برنابا برآمد ہوئی جس کے مضامین دربارہ ولادت مسیح علیہ السّلام اور بشارت پیغمبر علیہ السّلام کی رسالت پر مشتمل تھی۔

پوپ کا مقرب شاگرد فرامو اس کو دیکھ کر مسلمان ہوا۔ یہ انجیل اصلی تھی، المنار پریس میں چھپ گئی ہے۔

محققین یورپ متفق ہیں کہ ان انجیلوں میں سے ایک بھی حضرت مسیح علیہ السّلام کی نہیں۔ اور نہ ان کا ترجمہ، اور نہ ان کی سند ہے، پھر بھی محققین مسیحیت کا انجیلوں کے متعلق یہ رائے

ہے۔ یعنی انجیل متی، مرقس، لوقا، اور یوحنا۔

انجیل متی | قدما نصاریٰ کا اتفاق ہے کہ یہ اصل انجیل نہیں ہے، اور نہ اس کا ترجمہ ہے اور بالفرض اگر ترجمہ ہے تو نہ ترجمہ کا زمانہ معلوم ہے۔ اور نہ مترجم کا نام، اور نہ متی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحابی ہے۔

انجیل مرقس | پطرس گوانا گو مروج الاحبار میں لکھتا ہے کہ مرقس یہودی تھا۔ جس نے رومیوں کے مطالبہ پر یہ انجیل لکھی، غالباً ۶۰ء میں لکھی۔

انجیل لوقا | مسٹر گڈل رسالہ الہام میں لکھتا ہے کہ لوقا کی انجیل الہامی نہیں۔ کیونکہ لوقا نے خود ابتداء میں لکھا ہے کہ اس نے یہ انجیل شاہ فیلس کے ساتھ خط و کتابت کی بنیاد پر لکھی۔ لوقا انطاکیہ میں ملازمت کرتا تھا۔ مسیحیت کو اس نے بدترین دشمن مسیحیت سینٹ پال سے لیا تھا۔ اور ابنیت، کفارہ، شراب نوشی۔ مردار کی حلت، خنزیر کی حلت مسیحیت میں داخل ہے۔

انجیل یوحنا | کیتھولک ہیرالڈ جلد ۷ میں پروفیسر لق سے نقل کیا ہے کہ یوحنا از ابتداء تا انتہا اسکندریہ کے ایک طالب علم کی تصنیف ہے۔

(الفاروق باجہ زادہ صلاہ)

مسیحی محققین کی ان آراء کے علاوہ خود بائبل میں ایسے مضامین موجود ہیں جو موجب توہین خدا توہین انبیاء علیہم السلام اور موجب توہین شریعت ہیں۔ جو تحریف کی داخلی شہادت ہے۔ اس کے حوالہ جات مع عبارت میری تصنیف "علوم القرآن" کے صفحہ ۱۲۸-۱۲۹ پر مذکور ہے۔ ہم نے اخلاقاً اسے نقل کرنا ترک کیا۔

اناجیل میں کسی ایک انجیل کا بھی حافظ معلوم نہیں۔ لیکن اس کے برخلاف قرآن کریم اس کے عہد نبوت خاتم الانبیاء علیہ السلام سے لے کر اب تک لاکھوں حفاظ و قراء کے سینوں میں محفوظ چلا آرہا ہے۔ خدا نے قرآن میں بھی اس کی حفاظت کا ذکر کیا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون :

ترجمہ :- (اللہ فرماتا ہے) ہم نے قرآن اتارا ہے ہم اس کی حفاظت ضرور کرتے رہیں گے۔

اس طرح کئی آیات ہیں۔ قرآن کی حفاظت تحریری کا یہ حال ہے کہ عہد نبوت سے اب تک کتابی اور تحریری

درت میں بھی محفوظ چلا آرہا ہے اور تمام نسخہ جات قرآن میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ تعداد
رہ قرآن، تعداد آیات، تعداد کلمات۔ تعداد حروف اور تعداد ضمات وکسرات و
ت اور سکونات سب محفوظ ہیں۔ یہاں تک کہ ترتیب سورۂ و آیات بھی الہٰی اور توقیفی
ہے۔ ان سب مذکورہ تعدادوں کو ہم نے اپنی تصنیف "علوم القرآن" کے صفحہ ۱۴۲
۱۴۲ پر حوالہ جات کے ساتھ نقل کیا ہے۔ حفظی اور تحریری حفاظت کے علاوہ عملی حفاظت
تمام مسلمانوں کا اس پر عمل بھی چلا آرہا ہے، اور بدلا نہیں۔ مسیحیت میں اصولی تبدیلی
ئی۔ مثلاً قرآن میں اللہ وحدہٗ لاشریک اور بے مثال ہے۔ لیکن انجیل یا بائبل میں
تثلیث۔ قرآن میں ثواب کا دارومدار اعمال پر ہے۔ انجیل میں مسیحیوں کے عقیدے کے
طابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا ہی نجات کے لئے کافی ہے۔ ختنہ اور غسل
ابت ضروری ہے۔ اناجیل میں پولس نے خارج کیا۔

قرآن کے تمام عالم کے نسخوں کا اگر مقابلہ کیا جائے تو ان میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ کسی
سہ میں اگر کوئی مقرر قرآن پڑھے اور زیر و زبر کا فرق اس کی زبان سے صادر ہو تو متعدد
نخاص بول اٹھتے ہیں کہ یوں نہیں یوں ہے۔

حقانی نے بحوالہ ایلیس نقل کیا ہے کہ "بائبل کے قدیم اور جدید نسخوں کا مقابلہ کیا گیا۔
تیس ہزار اختلافات نکل آئے"۔ ڈاکٹر گوگر لیساخ نے اور زیادہ نسخوں کا مقابلہ
یا یعنی ۳۵۵ نسخوں کا تو ڈیڑھ لاکھ اختلافات نکل آئے۔ پادری فنڈر اختتام مناظرہ
کرہ (ہندوستان) میں اپنی کتاب مناظرہ مطبوعہ اکبر آباد میں لکھتے ہیں کہ "بلاشک
غض خرابیاں یعنی تحریفات جان بوجھ کر بعض لوگوں سے گئیں جو دیندار مشہور تھے اور
رحال میں تمام یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ صحیح کون ہے"

بڑی مصیبت یہ ہے کہ بالاتفاق اصل تورات اور انجیل عبرانی زبان میں تھے۔
ین عبرانی نسخہ ناپید ہے۔ جو عبرانی نسخہ موجود ہے۔ وہ یونانی نسخہ کا ترجمہ ہے، بلکہ
ہ زمین سے عبرانی زبان بولنے والے ختم ہو گئے۔ صرف علم الالسنہ کے تحت اسکی
سلیم دی جاتی ہے۔ لیکن عربی زبان جو قرآن کی زبان ہے۔ زمانہ نزول کے وقت
ے محدود دائرہ حجاز یمن اور نجد سے نکل کر عراق، مصر، شام، شمالی افریقہ میں
م ہو گئی۔ اور عالم اسلام میں عربی جاننے والے ہر شہر اور قصبہ میں موجود ہیں۔

قدرت الٰہی کے تصرف سے جس کتاب کو رہتی دنیا تک باقی رہنا مقدر تھا۔ اسکو پہلا اور باقی زبانوں کو عام استعمال کے دائرے سے ختم کردیا۔

ترقی اور اسلام ان دو امور کے متعلق میں نے دو مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ (۱) ترقی اور اسلام (۲) عالمگیر مذہب۔ یہاں میں صرف جوزف کرافٹ کا جواب لکھتا ہوں۔

اصلاح

اصلاح یعنی تبدیلی کے ناممکن ہونے میں خود جوزف کرافٹ کی اس تحریر میں اس کے قلم سے مجگن کے پروفیسر ہنری کلیمنٹ مور کے حوالے میں یہ تحریر موجود ہے کہ اسلام کی پیدائش ہی اصلاح یافتہ صورت میں ہوئی۔ بالکل درست ہے کہ جو کتاب یعنی قرآن ہر زمانہ اور قوم کے لئے ابد تک ہدایت نامہ ہو اور علم الٰہی کے سرچشمہ سے اس کا ظہور ہوا ہو۔ اور چودہ سو سال تمام اقوام اسلامیہ پر اس کا مسلسل عمل چلا آرہا ہو۔ یہ اس کتاب اور دین کے اصول کے متعلق انسانی اصلاح سے غیر محتاج ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اور ہر زمانہ کے تمام شعبہ ہائے زندگی کے لئے وہ فٹ ہے۔ مسیحی محققین کا بھی اس پر اتفاق ہے۔ انگلستان کے مشہور مسیحی مؤرخ گبن اپنی کتاب "تاریخ سلطنت روما" پانچویں جلد کی پچاسویں باب میں لکھتے ہیں: "شریعت اسلام ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی۔ کہ سارے جہاں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی"

مسٹر کارلائل لکھتے ہیں "شریعت اسلام کے قوانین و ضوابط کا لوہا آج بھی بایں ہمہ ترقی و حکمت دنیا ماننے پر مجبور ہے"

مسٹر ڈی رائٹ مشہور نامہ نگار انگلستان لکھتے ہیں:- "تاریخ انسانی میں ایسے شخص کا وجود نہیں جس نے احکام خداوندی کو مستحسن طریقہ سے انجام دیا ہو جس طرح کہ پیغمبر علیہ السلام نے انجام دیا"

پروفیسر باسورسمتھ نے تو کمال کیا۔ لکھتے ہیں "کہ عیسائی ایک دن بالاتفاق اس کی تصدیق کریں گے کہ بلاشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں"

لارڈ برناڈ شاہ مشہور ادیب انگلستان کا اقرار ہے کہ دور حاضر کی اصلاح قطعاً ناممکن ہے جب تک پیغمبر اسلام جیسی شخصیت کو موجودہ دنیا کا ڈکٹیٹر بنایا جائے"

ڈاکٹر مارلیس لکھتا ہے "قرآن نے فطرت کائنات کی دلیلوں سے خدا کو سب سے اعلیٰ ہستی ثابت کرکے انسان کو اس کی اطاعت پر جھکا دیا"

مسٹر جی۔ ٹی، لکھتے ہیں۔ "قرآن نے بے شمار انسانوں پر اثر ڈالا۔ اور سائنس کی دنیا نے قرآن کی ضرورت کو اور واضح کر دیا"

مسٹر عمانوئل ڈی۔ انش لکھتے ہیں "قرآن کی روشنی اس وقت یورپ میں نمودار ہوئی جب تاریکی محیط ہو رہی تھی۔ اور اس سے یونان کے مردہ علم وعقل کو زندگی مل گئی۔

مسٹر این۔ ایس، لیڈر لکھتا ہے "تعلیم قرآن سے حکمت و فلسفے کا ظہور ہوا۔ اور ایسی ترقی کی کہ اپنے وقت کے بڑی بڑی یورپین حکومت سے بڑھ گیا"

جوزف کرانٹ کا یہ لکھنا کہ اسلام کا نظام ڈھیلا تھا۔ کیا کسی ڈھیلے ڈھالے نظام کے متعلق مخالفین اسلام ایسی شہادتیں دے سکتے ہیں۔ اب میں تاریخی حیثیت سے پوچھتا ہوں کہ کیا تاریخ ادیان عالم میں ایسی کوئی مذہبی کتاب کا وجود ہے کہ وہ حرف بحرف کاغذات میں اور سینوں میں اس طرح محفوظ ہو اور اب تک اس کے اصول پر کوئی فلسفی معقول اعتراض کرنے پر قادر ہو سکا ہو اور قلیل عرصے میں انڈونیشیا اور مراکش سے لیکر کاشغر تک کے بے شمار اقوام کے قلوب کو مسخر کیا ہو۔ اور ایسی روحانی اور اخلاقی تبدیلی پیدا کی ہے کہ بقول جارج زیدان تمدن عرب، وہ انسانی صورت میں فرشتے بن کر چلتے تھے۔ دنیا کی وہ عظیم الشان سلطنتوں جو مشرق و مغرب پر سینکڑوں سال سے حاوی تھیں وہ کسریٰ اور قیصر کی حکومتیں تھیں جو دولت، تعداد اور سامان جنگ، صنعت وحرفت اور علم طبعی وغیرہ میں فائق تھے، قرآن نے عرب کی ایسی قوم جو جہانگیری اور جہانبانی کی حقیقت اور تعلیم سے ناآشنا تھے۔ اس کو تھوڑے عرصے میں ایسی بااخلاق اور صاحب سیاست وحکمت قوم بنایا جس کی تاریخ انسانیت میں نظیر نہیں۔ اور کسریٰ اور قیصر کی عظیم سلطنتوں نے جب اس کے عسبر قوم کا مقابلہ کیا تو اس نے ان کے تاج وتخت کا غبار بنا کر رکھ دیا۔ یہی حال ہندوستان کا بھی ہوا۔ پھر ان کے اخلاق انصاف ومساوات خدا پرستی، غریب نوازی اور مظلوم کی اعانت کے واقعات ایسے ہیں جس کی نظیر پیش کرنے سے پوری انسانی تاریخ خالی ہے۔

ترقی

ترقی کے لئے سامان جنگ، صنعت، اتفاق، اور روحانی قوت۔
سامان جنگ اور صنعت کے متعلق کا یہ ارشاد قرآن۔ واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ تیار کرتے رہو سامان جنگ جو تم کو تمام دشمنان اسلام پر قوی اور طاقت ور بنانے کے لئے کافی ہے۔ اگرچہ نزول قرآن کے زمانہ میں جنگ کے اسباب سادہ تھے۔ تیر تلوار اور نیزہ اور ڈھال زرہ وغیرہ۔
مواصلات گھوڑے اور اونٹ تھے۔ لیکن خدائے قرآن کو اس زمانے کے مصنوعات کا بھی علم تھا اسلئے ان ساری چیزوں کا نام نہ لیا۔ صرف عالمگیر لفظ قوۃ کا استعمال کیا۔ یعنی قوت جس میں دور جدید کے توپ، ٹینک، میزائل، ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، جوہری ہتھیار اور دیگر سامان جنگ جو آئندہ زمانے میں پیدا ہوگا۔ سب داخل ہیں۔ نماز، روزہ حج، اور زکوٰۃ سب محدود ہیں۔ نماز سترہ رکعت فرض ہے۔ اگرچہ آدمی اس سے زیادہ پڑھنے کی طاقت رکھتا ہے۔
یہی حال روزے کا ہے۔ اگرچہ چھ ماہ روزہ رکھ سکے۔ جب بھی ایک ماہ کا روزہ فرض ہے۔ زکوٰۃ اڑھائی فیصد اگرچہ طاقت بیس فیصد کی ہو، زمینی پیداوار کا عشر بھی محدود ہے۔ بارانی زمینوں کی پیداوار کا دسواں حصہ اور دیگر زمینوں کی پیداوار کا بیسواں حصہ۔ حج ساری عمر میں ایک بار فرض ہے۔ لیکن آجکل ترقی کا مدار دیگر اسباب کے علاوہ سامان جنگ پر بھی ہے۔ چنانچہ امر کا لفظ لایا جو آرڈر ہے اور فرضیت پر دال ہے۔ پھر عجیب یہ کہ سامان جنگ کو عبادات کی طرح محدود نہیں رکھا۔ بلکہ استطعتم کا لفظ لایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پورے عالم اسلام کی استطاعت جس قدر سامان جنگ کا ہو۔ اس مقدار پر بنائے۔ توپ، ٹینک، ایٹم بم، وغیرہ کو اگر ایک لاکھ تک مالی استطاعت کے تحت بنا سکتے ہیں اور پھر اس سے ایک کم بنائے تو مسلمان مجرم اور گناہگار ہوں گے، قوۃ میں زراعت بھی داخل ہے اگر ایک ایکڑ سے بیس من گندم ایک مسلمان اگا سکتا ہے تو پھر انیس من اگائے تو گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ خوراک اور اس طرح پوشاک بھی سامان جنگ میں داخل ہے۔ اس طرح بوٹ بنانے کے کارخانے، کپڑا بنانے کے کارخانے بھی سامان جنگ میں داخل ہیں۔
مواصلات کے سلسلہ میں یہ آیت کافی ہے:۔ والخیل والبغال والحمیر

لترکبوها وزینة و یخلق مالا تعلمون۔ آمد و رفت کا سارا سامان دور نزول قرآن میں گھوڑے، خچر گدھے اونٹ وغیرہ تھے، لیکن خدائے قرآن کو مستقبل کے زمانے کا بھی علم تھا کہ موٹر، لاری، بحری اور ہوائی جہاز بھی بنیں گے۔ اور سیارے وغیرہ بھی۔ تو فرمایا۔

ویخلق مالا تعلمون: یعنی ان چیزوں کو بھی بنائے گا۔ جن کا تم کو علم نہیں۔ یعنی جدید مواصلات۔

ترقی اتحاد قرآن نے اتحاد پر متعدد آیات میں زور دیا۔

" واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء فألف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا۔

سورۂ حجرات میں ہے:۔

" انما المومنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم۔

حدیث میں ہے

" المسلمون كرجل واحد اذ اشتكى عينه اشتكى، ان اشتكى رأسه انه اشتكى كله۔

اول آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ دین اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو سب کے سب اور جدا نہ ہو۔ اور اللہ کا یہ احسان یاد کرو کہ تم قبل از اسلام ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اسلام کی نعمت سے تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔

دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

" تمام مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ تو مصالحت کرتے رہو ان کے درمیان "

حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

" تمام عالم اسلام کو ایک شخص کی طرح سمجھو کہ اگر اس کی آنکھ دکھ جائے تو پورے بدن کو دکھ ہو۔ اس طرح اگر سر کو دکھ ہو تو پورا بدن دکھتا ہے۔ اس طرح تمام عالم اسلام کے دکھ کو اور سکھ کو ایک سمجھو۔

وحدت صفت خداوندی ہے۔ جو قوم وحدت الہٰی کا مظہر بن جاتی ہے۔ تو وہ قوم دیگر اقوام کے مقابلہ میں غالب ہو جاتی ہے۔

خاتمہ کلام

اسلام اور قرآن میں مادی اور روحانی ترقی کے تمام اسباب موجود ہیں۔ مادی اسباب کے بنیادی اصول حسب ذیل ہیں۔

(۱) تمام عالم اسلام کا فرض ہے کہ مادی قوۃ اپنی طاقت کی آخری سرحد تک اس قدر مکمل کر دے کہ دشمنان اسلام اس طاقت کو دیکھ کر مرعوب ہو جائیں اور مقابلہ کی جرأت نہ کر سکیں۔ ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم جنگ میں آلات جنگ کی بھی ضرورت ہے۔ ٹینک، میزائل، توپ، ہوائی اور بحری بیڑے کے بعد ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم یا آئندہ زمانے کے جراثیمی اور شعاعی بم، قرآن ایسا لفظ لایا جو جنگ کی تمام اسلحہ جدیدہ زمانہ حال کے ہو یا مستقبل کے شامل ہے۔

جنگ اور فتح کے لئے خوراک پوشاک اور تیل وغیرہ کی بھی ضرورت ہے۔ تو صنعتی کارخانے، ترقی زراعت اور پٹرول کی صنعت کی بھی ضرورت ہے اور لوہے سے متعلق آلات کے لئے اس کو پگھلانے اور مصنوعات بنانے کی بھی ضرورت ہے۔

قرآن میں ہے :-

وانزلنا الحدید فیہ	ہم نے اتارا لوہے کو کہ اس میں خطرناک
باس شدید ومنافع	مہلک سامان کی صلاحیت ہے اور لوگوں
للناس :-	کے لئے منافع۔

مثلاً ریل کی پٹڑیاں، زرعی ترقی کے لئے ٹریکٹر اور بلڈوزر وغیرہ۔ اور اس طرح تخم اور کھاد کے کارخانے بھی اس میں داخل ہیں اور آب پاشی کے لئے نہریں اور ٹیوب ویل وغیرہ بھی اور جنگی طاقت و قوۃ کے لئے۔ میڈیکل سائنس یعنی ڈاکٹروں سرجنوں اور دواؤں کی ضرورت ہے۔ یہ سارے قوت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

(۲) سب ترقی اتحاد و اتفاق جو واعتصموا بحبل اللہ کا مفہوم ہے۔ یعنی اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو تاکہ اس کے ذریعہ تم مضبوط رہو۔

یہ جسمانی اور مادی قوۃ ہے۔ لیکن ان اسباب کا استعمال درحقیقت روح

انسانی سے وابستہ ہے کہ پاکیزہ مقصد یعنی انصاف اور حمایت مظلوم کے لئے استعمال کیسے نہ کہ ظلم اور قومی برتری کے لئے ورنہ ترقی نہیں۔ بلکہ عالمی تباہی ہے۔ رومی کا شعر ہے۔

بدگوھر را علم و فن آموختن   دادن تیغ است بدست راہزن

حفاظت دین و دنیا کے لئے بوقت ضرورت جنگ فطرت انسانی میں داخل ہے اور ایک گال پر تھپڑ مارنے والے کے آگے دوسرے گال کو پیش کرنا ترقی نہیں بلکہ خودکشی ہے۔ جو انجیل کی تعلیم ہے۔

اسلام کا پہلا دور ترقی اور عروج کا تھا۔ قرآن اور اسلام پر عمل تھا۔ اس دور میں حکیم عباس نے ہوائی جہاز بنایا عرب سائنس دانوں نے گھڑی اور قطب نما بنایا۔ روس کے اقرار کے پیش نظر جو ماسکو ریڈیو نے نشر کیا۔ انہوں نے اندلس کے سائنسدانوں جو مسلمان تھے کی کتابوں کو ماسکو پہنچایا اور تجربات کئے جس کی مدد سے انہوں نے ایٹم بم، اور ہائیڈروجن بم بنایا۔ اس اندلس سے یورپ نے سائنس سیکھا۔ اور مسلمانوں نے سائنس کا اپنا ورثہ چھوڑا۔

عیسائیوں کا عروج اسلامی تعلیم اور ترک مسیحیت سے ہوا۔ لیکن مسلمانوں کا زوال اسلام پر عمل نہ کرنے سے ہوا۔ اولاً مسلمانوں کے دور عروج اور آخراً دور زوال کا مقابلہ کرتے ہوئے علامہ اقبال کہتا ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

٭ ٭ ٭

قرآنی انداز استدلال اور جدید علم کلام

مولانا افضال الحق قاسمی

ہندوستان کی علمی سطح آزادی کے بعد بہت اونچی اُٹھ گئی ہے کیونکہ سائنس کی تحقیق، تجربہ اور مشاہدات نے یہاں بھی علوم فنون کے دروازے کھول دیئے ہیں اس لئے یہاں شہر سے گاؤں گاؤں تک پڑھے لکھے آدمی پھیل گئے ہیں۔ ان حالات میں جو لوگ دینی دعوت و تبلیغ کا کام کرتے ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوامی سطح کے ساتھ ساتھ ایک ایسا مخصوص انداز دعوت اختیار کریں جس سے ہمارا ذہین طبقہ اور نہ صرف ہمارا بلکہ برادران وطن کا ذہین طبقہ مطمئن ہو سکے۔ کیوں کہ موجودہ تعلیم نے جہاں ذہنوں میں جستجو اور تلاش پیدا کر کے نئی نسل کو علم کا شوق دیا ہے وہیں یہ ستم بھی کیا ہے کہ اس جستجو کا کوئی مثبت جواب نہیں دیا ہے اس لئے پوری نسل ذہنی آوارگی اور انتشار میں مبتلا ہے مسلمان نسل کے پاس بھی اس کا جواب اس وجہ سے نہیں ہے کہ اسلامی علوم و فنون سے ان کا کوئی رابطہ نہیں رہ گیا ہے اس لئے وہ بھی ذہنی بے چارگی کا شکار ہیں اور خاندانی گرفت خود ڈھیلی پڑتی جا رہی ہے تو وہ کسی نسل کے عقائد اور اعمال کو دیر تک سنبھالے رکھنے کی قدرت نہیں رکھتی۔

جدید علم کلام کی تلاش

اس صورت حال کو علامہ شبلی نعمانی نے اس صدی کے اوائل میں محسوس کیا تھا اور اپنے احساسات کو جدید علم کلام کی تلاش میں صرف کر کے سیر حاصل بحث کی تھی، مگر وہ خود کوئی علم کلام مرتب نہیں کر سکے تھے کیونکہ وہ ان کا موضوع نہیں تھا البتہ انہوں نے نئی نسل کے لئے تاریخ ہند اور تاریخ اسلام کو نئی ترتیب اور نیا اسلوب دے کر آنے والے لوگوں کو راستہ دکھا دیا تھا اور تاریخ کی ترتیب کے لئے اپنی شاگردوں کی ایک ٹیم ملک اعظم گڈھ جیسی غیر معروف جگہ بیٹھ کر ہی تاریخ کے کتب خانوں میں دار المصنفین کا گرانقدر اضافہ کر گئے مگر وہ صرف تاریخ کی خدمت تھی اس سے اسلامی عقائد و اعمال کے وہ مسائل نہیں حل ہو سکتے ہیں جو جدید علوم پیدا کرتے ر[illegible] عوب ہوتی چلی جا رہی ہیں۔

نیا علم کلام

نیا علم کلام علامہ شبلی سے پہلے مولانا محمد قاسم نے ایجاد کیا تھا اور اس کے اشارات ان کی تحریر و تقریر دونوں میں موجود ہیں۔ ان کے دور میں عیسائیوں اور ہندوؤں نے اسلامی عقائد و اعمال پر بالکل نئے انداز سے اعتراضات اٹھائے تھے اور مولانا نے اور ان کے رفقائے کار نے بالکل نئے انداز سے ان کے بھرپور جوابات دیئے تھے، ایسے جوابات جن کی بنیاد عقل و فہم اور عام ادراک پر رکھی گئی تھی، اس میں منطقی اصطلاحوں سے خواہ کام لیا گیا ہے مگر انداز استدلال منطقی نہیں قرآنی ہے۔ جس سے بصیرت پیدا ہوتی ہے اطمینان ہوتا ہے اور ذہن کھل جاتا ہے لیکن مولانا کی زبان، ان کی دقیقہ رسی ان کے علمی مقدمات اور ان کا اصطلاحی ماحول علماء کیلئے بھی اک معمہ بن گیا ہے اس لئے نئی نسل تک اس کو پھیلایا نہیں جاسکا۔

اس دور میں جب مغربی علوم و افکار نے برصغیر میں قدم جمائے ہیں تو مسلمانوں کی طرف سے نئے علم کلام کی کوشش سرسید مرحوم نے بھی کی تھی مگر رسوخ فی العلم کی کمی نے ان کو یورپ سے اس قدر مرعوب کر دیا تھا کہ انہوں نے اسلامی نظریات ہی کا حلیہ بگاڑ دیا اور اسے محسوس ہی نہیں فرما سکے البتہ نئے علم کلام کا اچھا مواد بلکہ علم کلام کا سراغ مولانا ابوالکلام کے عہد آفریں علم اور جدت طراز قلم نے مہیا کرنا شروع کیا تھا اور اگر مولانا کو ملکی سیاست سے فرصت مل ہوتی تو وہ عصر حاضر کو نہ صرف نیا علم کلام دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے بلکہ اس کو مرعوب بھی کر سکتے تھے مگر آزادیٔ وطن کی سنگین جنگ اور اس میں مسلمانوں کو باعزت مقام دلانے کی صبر آزما تگ و دو میں وہ اس دشوار منزل سے واپس نہیں آسکے۔ پھر بھی ترجمان القرآن کا انداز بیان اور الہلال کے زندہ جاوید مقالے ابھی تک ہمارے لئے نشان راہ ہیں۔

سعی لاحاصل

نئے علم کلام کے لئے ان کے بعد علامہ مودودی کی جاندار تحریروں سے امید بندھی تھی اور ان کی اٹھان بہت اچھی تھی لیکن انہوں نے سیاست و اقتدار کو مذہب کا موضوع بنا کر زبردست ٹھوکر کھائی کہ دین کی گاڑی اُلٹے پاؤں پیچھے دھکیل دی اس پر غضب یہ ہوا کہ اپنی اس پہاڑ سی غلطی کو انہوں نے تجدید دین کا عظیم کارنامہ سمجھ لیا اور اسی زعم باطل کے ساتھ وہ خدا کے حضور اہل علم کے مخلصانہ مشوروں کو بھی پامال کرتے گذر گئے۔ دوسرے یہ کہ ان کے گستاخ قلم نے صحابہ کرام کی بے حرمتی کر کے نہ صرف یہ کہ اہل علم اور اہل اللہ کے دل زخمی کر دئے بلکہ علم و دیانت کے ساتھ بھی تاریخی بے انصافی کا ارتکاب کیا اور اس کے تدارک کا موقع پانے کے باوجود اس کی توفیق نہ پاسکے، تیسرے یہ کہ اقامت دین کے جذباتی نعرے دے کر اصلاح حال کے عنوان سے کم علم لوگوں کی اک جماعت تشکیل فرمائی اور اسے اقتدار کی سنگلاخ پہاڑی پر لاکر چھوڑ دیا اور اس چوراہے پر آکر وہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئے اس لئے ان کی

مخلص جماعت بھی مذہب، سیاست، اصلاح اور اقتدار کے بھول بھلیوں میں ایسی پھنس گئی کہ بانجھ ہو کر رہ گئی اور دوسری مصیبت یہ آگئی کہ جن اہل علم اور ارباب صلاح کو دین اور اقامت دین کے نام پر انہوں نے آواز دے کر اپنے گرد جمع کر لیا تھا وہ اپنے دینی علمی تقاضے اور ان کی علمی اور دینی کمزوریوں کی وجہ سے ان کے گرد جمع نہیں رہ سکے۔ اس شدید ناکامی کی وجہ سے ان کی پوری جماعت میں ان کے بعد ایک شخص بھی ایسا نہیں رہ گیا جو ان کی جماعت کو ہندو پاک کے کسی بھی ملک میں اس گورکھ دھندے سے نجات دلا سکے اور اقتدار یا اصلاح قوم میں سے کسی ایک سمت چلا کر ایسے لوگوں کی علمی صلاحیتوں کو ٹھکانے لگا سکے جو دین کے نام پر وہاں جمع ہو گئے تھے۔ ان افسوسناک حالات میں اس جماعت سے یا مودودی صاحب کے قلم سے کسی نئے علم کلام کی توقع رکھنا، ریت میں مچھلی تلاش کرنا ہے۔

اس صورت حالات میں کوئی جدید علم مرتب نہیں کیا جا سکا لیکن مولانا قاسم کی تقریر، مولانا آزاد کے ترجمان القرآن اور الہلال اور علامہ مودودی کی شگفتہ تحریروں نے ثابت کر دیا کہ نئی نسل کو اسلامی موضوعات پر مطمئن کیا جا سکتا ہے پھر علامہ شبلی کی تاریخی کاوشوں اور علامہ اقبال کی فکر انگیز شاعری نے دکھا دیا ہے کہ کسی نئے علم کلام کے بغیر ہی اسلام کو نئی نسل کے لئے قابل فخر بنایا جا سکتا ہے اور اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کی ذہنی زمین شروع سے مذہبی رہی ہے اس لئے مغرب کی ملحدانہ تحریروں سے وہ متاثر ضرور ہوتا ہے مگر اس کا بنیادی ڈھانچہ نہیں ٹوٹتا، اس لئے جب بھی کسی نے کوشش کی بھی ہے تو ذہنوں نے اس کا ہنسی خوشی استقبال کیا ہے اور مخالفین نے ہر محاذ پر منہ کی کھائی ہے۔ ع ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

قدیم علم کلام دوسری صدی میں جب یونانی منطق اور یونانی فلسفے نے عقائد و اعمال میں شکوک پیدا کئے تو علماء اسلام نے فلاسفہ کو جوابات دینے اور اہل اسلام کو مطمئن رکھنے کے لئے جو دلائل تلاش فرمائے تھے ان کا نام علم کلام پڑ گیا تھا۔ ان دلائل کی بنیاد مشاہدات، تجربہ اور تجربات پر نہیں تھی بلکہ یونانی اصطلاحوں پر اور فلاسفہ کے نظریات پر تھی اور چند ایسے اصولوں پر تھی جن سے اس دور میں اختلاف کرنا ممکن نہیں تھا اس لئے ان اصولوں سے جو بات ٹکرائی وہ خلاف مفروض ہو کر غلط ہو جاتی دوسرے یہ کہ منطق کا انداز استدلال عام طور پر یہ ہے کہ خود اپنے دعویٰ کا ثبوت بہت کم دینگے زیادہ تر مخالف کی باتوں کو رد کر دیں گے اس لئے اپنا دعویٰ اپنے آپ ثابت، گویا مخالف کو چپ کر دینا ہی کمال فن تھا لیکن دھیرے دھیرے زمانہ ان اصطلاحوں کو بھولتا چلا گیا، وہ اصول اور نظریات اور طریقہ کار تبدیل ہوتے چلے گئے اس لئے عربی مدارس کے علاوہ یونانی اصطلاحوں کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اور

حضرت مجدد الف ثانی جیسے سرچشمۂ علوم و فنون نے سب سے پہلے ان اصطلاحوں پر نکیر فرمائی، ان کے بعد متکلم اسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے یونانی اصطلاحوں، اصولوں اور نظریات سے قطع نظر کرکے محض عقل و نقل کی مدد سے عقائد اور اعمال ہی نہیں سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل میں قابل قدر شرح فرماکر اک نئے علم کلام کی بنیاد ڈال دی تھی اور اس میں انہوں نے ہر جگہ قدیم روش کو چھوڑ کر قرآنی استدلال پیدا کیا ہے۔

قرآنی انداز استدلال

آج جب سائنس کا دور آیا ہے اور اس نے مشاہدہ، تجربہ اور تجزیہ کو فیصلے کی بنیاد بنا دیا ہے تو قدیم انداز استدلال کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی ہے، مثلاً آج خدا کے وجود پر اور اس کی توحید پر واجب، قدیم اور حادث کے مثلث سے استدلال کیا جائے تو کوئی ذہن اسے قبول نہیں کر سکتا لیکن اگر خدا کے وجود پر اس کی توحید پر اس کی حکمت و قدرت پر کائنات سے اس کے مشاہدات سے اپنے اردگرد کے احوال اور تغیرات سے سراغ لگایا جائے تو آدمی اس پر ضرور غور کرے گا اور اگر کچھ نہیں تو ایک ما فوق الادراک ہستی تک ضرور پہنچ جائے گا۔ یہی قرآنی انداز استدلال ہے چنانچہ وہ ہمارے گرد و پیش میں اللہ کی نشانیوں کے نام لے لے کر بتاتا ہے اور اتنا انبار لگا دیتا ہے کہ آدمی ان سے کترا کر نہیں نکل سکتا، فرق یہ ہے کہ سائنس مطالعے کے لئے رصدگاہ بنا کر جھانکتی ہے، لیبارٹری کھولتی ہے، آلات بناتی ہے تب پاس پڑوس کی چیزوں سے گواہی لیتی ہے اور کسی نتیجے تک پہنچتی ہے مگر چونکہ اس کا علم براہ راست نہیں ہوتا اس لئے کوئی فیصلہ کرنے کی جگہ ایک نظریہ قائم کرتی ہے اور پھر نظریہ کے مطابق اپنی مشاہدات میں غور و فکر کرتی رہتی ہے۔ مگر قرآن خدا کا کلام ہے وہ کائنات، انسان، رسول، آخرت، توحید وغیرہ کے متعلق نظریہ نہیں قائم کرتا، کیونکہ اس میں شک کی گنجائش ہوتی ہے بلکہ فیصلہ کرتا ہے اور اٹل فیصلہ سناتا ہے، پھر اس فیصلے کے لئے انسان کے اندر باہر اتنی اتنی صلاحیتیں جمع کر دیتا ہے کہ اس کی فکر و نظر اور اس کا ضمیر ان فیصلوں کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں گویا خدا نے پوری کائنات کو اس کے اندر ہونے والی غیر مرئی تبدیلیوں اور اس کے مرئی نتائج کو انسان کے لئے ایک لیبارٹری بنا رہا ہے اور انسان کی قوت فیصلہ، اس کے ضمیر کو طاقت اور اس کے ادراک کی رسائی پر بھروسہ کرکے اس کو خود کار مشین بنا رہا ہے۔ اس لئے اب متکلمین اسلام کا کام منطقی استدلال سے نہیں چلے گا بلکہ کسی صحیح نقطۂ نظر اور اس کی جستجو کو صحیح سمت سفر دینے سے چل سکتا ہے، مختصر یہ کہ اب انسانوں کو اس مشاہداتی زمانے میں قرآن دینے کی ضرورت ہے اور قرآن کا انداز استدلال عام کرنے ہی سے لوگ اس خزانۂ عامرہ تک پہنچ سکتے ہیں۔

آغاز سفر اس لئے آئیے قرآن ہی سے اس کا دعویٰ تلاش کریں پھر اس کے دلائل، شواہد اور ثبوت تلاش کر کے بلا کسی تاویل و توجیہ کے اسے شرح و بسط کے ساتھ زمانے کے سامنے رکھدیں، کیونکہ قرآن نے کوئی بات بلا ثبوت نہیں کہی ہے اور کوئی ثبوت ایسا نہیں ہے کہ اس کے ادراک کے لئے کسی تعلیم یافتہ یا کسی ڈگری دار یا کسی وظیفہ یاب کی ضرورت ہے اس کے لئے کھلا دل دماغ اور صاف ضمیر کی ضرورت ہے اور وہ ہر انسان کے پاس موجود ہے۔ اگر عصری زبان، مانوس خیالات اور تازہ معلومات کی روشنی میں پیش کیا ہے تو تعصب کی ہر پٹی کے باوجود آنکھیں کھل سکتی ہیں اس طرح نہ صرف نیا علم کلام مرتب ہو سکتا ہے۔ بلکہ سائنس کے نتائج کو مغربی انداز فکر نے جس غلط شکل میں پیش کیا ہے اس میں قصور سائنس کا نہیں ہے اس فلسفے کا ہے جس میں کج روی، ناانصافی اور طرفداری کی وجہ سے صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی گنجائش نہیں رہتی، پھر اس غلط نتیجہ کو مذہب یا اسلام اور ان کے اصولوں کو سر منڈھ کر ان سے نفرت پھیلا دی جاتی ہے تو اس علمی گمراہی سے نجات پانے کا راستہ کھل سکتا ہے اور سائنس کو خدا کی بارگاہ تک آسانی سے پہنچایا جا سکتا ہے۔

اگر اس کام کو اپنا موضوع بنا کر اس کا حق ادا کرنے کی کوشش شروع کر دی جائے اور کسی ادارے، کسی شخصیت یا کسی حکومت کا انتظار نہ کیا جائے تو راستہ دشوار سہی مگر اسے طے کیا جا سکتا ہے اور کم از کم اس کی ابتدا تو کی ہی جا سکتی ہے، والاتمام من اللہ تعالیٰ۔

آیات اللہ اس وادی میں آپ اتریں گے تو نہ فلسفہ کا خشک ریگ زار ملے گا، نہ ریاضی کی ہیبت جھاڑ جھنکاڑ، بلکہ آیات مشاہدات کی ایسی شاداب وادی ہوگی جس میں آنکھیں ٹھنڈی، دل مطمئن اور ضمیر مسرور ہو جاوے گا اس لئے قرآن کہتا ہے اور دیکھئے کس زور و شور سے کہتا ہے کہ - سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم، پھر اپنی نشانیاں انسان کے اندر اور اس کے باہر آفاق تک صرف دکھانے ہی کی ذمہ داری نہیں لیتا بلکہ انسان کے ضمیر پر بھروسہ کر کے فخریہ انداز میں اعلان کرتا ہے کہ حتیٰ یتبین لھم انہ الحق، کہ مشاہدات کا ہجوم ان کی بند آنکھیں کھول دے گا اور ان کے ضمیر کو اس حد تک بیدار کر دے گا کہ حق کی چنگاریاں اسے جگمگا دیں گی یہ اور بات ہے کہ وہ مادی تاویل کر کے اس کا اقرار نہ کرے یا اظہار نہ کرے مگر حق واضح ہو جائے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آیات و مشاہدات کا سلسلہ نہ صرف طویل بلکہ باطل شکن اور حق نواز بھی ہوگا اس لئے ہماری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ ان تمام آیتوں کو جن کی نشاندہی صراحت سے

ژآن نے کی ہے انہیں یکجا کر کے زمانے کے سامنے رکھ دی جائیں تو لوگوں کے ہاتھوں میں ان آیتوں ی کنجی آجاوے گی جنہیں وہ اندر باہر محسوس کریں گے اور جن کی سراغ رسانی اس آیت میں خدا نے کی ہے اور جس کے نمایاں آثار نظر آنے لگے ہیں۔ کہ سائنس کے جن انکشافات کی وجہ سے لوگ شکوک ہو رہے تھے آج وہی لوگ، سائنس کی دنیا میں حیران ہو کر خدا کی طرف اس کی حکمت و قدرت ی طرف اور اس کے نظم و ضبط اور قیومیت کی طرف دوڑتے آ رہے ہیں اور اپنی زبان اور صورت حال میں لا الٰہ الا ھو تو آسانی سے کہہ لیتے ہیں مگر لا الٰہ الا اللہ کہتے ہوئے ان کی زبان خشک ہونے تی ہے اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ فلسفی نظریات کی مہمل تاویلیں ان کے ضمیر کی آوازیں دبا دیتی ہیں ور دوسری وجہ یہ ہے کہ جتنی وسیع، ذی علم اور ہمہ گیر ہستی کا خدائی تصور اسلام اور قرآن نے پیش یا ہے اس پر ان کی نگاہ نہیں ہے اور جس مادہ آمیز کسی بھگوان یا گاڈ کو وہ خدا کے نام سے جانتے ہیں اس کا انکار کرتے ہیں مگر اس سے خدا کا انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ خدا نہیں، وہ تو ان کے تراشے ہوئے ہیکل اور دوسروں کے بنائے ہوئے مجسمے ہیں اور اسی لئے ہیں کہ ان کی خدائی کا انکار کیا جائے، اور ان کے فریب سے انسان کو نجات دلائی جائے اور بحمد اللہ اپنے آپ ہوتا جاوے۔ پہلے تو جدید علوم نے عقل و فکر کو لا الٰہ تک پہنچایا تھا مگر پھر آئن اسٹائن جیسے سائنسدانوں نے لا الٰہ الا ھو تک قدم بڑھائے اور کوئی غزالی پیدا ہو جاوے گا یا ابن سینا اٹھے گا تو لا الٰہ الا اللہ تک پہنچ جاوے گا۔ اس لئے قرآن کہتا ہے قل ہو اللہ احد۔ اس لئے اہل اسلام اور ارباب قرآن کی ذمہ داری ہے ر زمانے کی سرگردانی کا علاج کریں اور اس نسخۂ شفا کو ان کے لئے آسان کر دیں اس لئے کام کا نقش اول اس طرح مرتب کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کو اپنی جگہ رہنے دیا جائے مگر مختلف موضوعات پر اس کے تمام مضامین اکٹھا کر دیئے جائیں۔ اس سے سراغ مل سکتا ہے کہ کس موضوع پر کہاں کہاں کتنا مواد موجود ہے اور کس موضوع پر اللہ کی اور اس کے پیغمبر کی منشا کیا ہے، اور دنیا کے لئے یا علم و فن کے لئے یا انسان کے لئے قرآن کا پیغام کیا ہے۔ مگر ضرورت ہے کہ جتنا کام ہو قرآن ی آیتوں کے زیر سایہ ہو تاکہ قرآن کا اپنا انداز بیان، اس کا اپنا اسلوب خطاب اور اس کی معجزانہ تعبیر ترجمہ و تاویل کی زد سے محفوظ رہے اور ذہنی تسکین، عقائد کی پختگی اور اصولوں کی توثیق براہ راست ہو سکے کسی کی شخصیت اس میں حائل نہ ہو۔

ولوالعزم حضرات: ۱۹۴۱ء میں ہم چند طلبا نے دیوبند سے لاہور جا کر مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ سے کئی مہینے قرآن مجید پڑھا تھا۔ مولانا مرحوم ہر رکوع کا کوئی موضوع

فرماتے تھے اور کسی آیت سے استدلال کر کے اس کو ثابت کرتے تھے مگر عموماً جہاد، قربانی اور سیاست ان کا موضوع ہوتا تھا۔ جس سے ہم اہل دیوبند کو پوری تشفی نہیں ہوتی تھی۔ اور جب اس پہلو پر ہم نے غور کیا تو اندازہ ہوا کہ حضرت الاستاذ نے قرآن پاک کا درس علامہ عبید اللہ سندھی سے لیا ہے اور انہوں نے دہلی میں جمعیۃ الانصار کے پلیٹ فارم سے جو دعوتی انداز اختیار کر کے ترجمہ کلام پاک شروع کیا تھا اور ۱۹۱۴ء میں دہلی میں دھوم مچا دی تھی، تو وہ اسی طرح جہاد، قربانی اور سیاسی مسائل پر تطبیق و توجیہ فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے حضرت مولانا احمد علی صاحب کے یہاں بھی اس کی کافی جھلک محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں مولانا سندھی مرحوم ہندوستان واپس آچکے تھے ہم نے ان سے بھی دہلی میں قرآن کا ایک سبق پڑھا اور پھر سورہ کوثر کی تفسیر خود ان سے سنی تو اپنے اندازے کی توثیق ہو گئی اور مولانا سندھی کی جدت طرازی پر حیرت ہوئی کہ علم ہے یا دریا اس ادھیڑ بن کا فائدہ یہ ہوا کہ قرآن میں ہمارے سوچنے سمجھنے کا موضوع بنتا چلا گیا مگر افسوس کہ میں اسے پورا وقت نہ دے سکا کیونکہ دوسری مصروفیتیں مجھے چھٹی نہ دے سکیں، لیکن بحمد اللہ آج بھی حوصلہ رکھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں کہیں کام کیا جائے تو کسی نہ کسی پہلو سے قرآن کی خدمت کے لئے جتنا کچھ کر سکتا ہوں ضرور تعاون کروں گا۔ کاش کچھ اولوالعزم میدان میں آتے۔

قرآن دنیا کے کتب خانے میں تنہا وہ کتاب ہے جو ہم مسلمانوں کو زمانے کے ہر چیلنج کو قبول کرنے کی ہمت دلاتی ہے اور زمانے کو غور و فکر کی ہر مشکل میں روشنی مہیا کر سکتی ہے اور وہ جدید سے جدید ذہنوں کو تسکین دینے کا سر و سامان فراہم کر سکتی ہے مگر اس کے لئے دیدہ ریزی، محنت، صحیح فکر اور طرح طرح کی علمی لیاقتوں کی ضرورت ہے جو اس کے مختلف علوم و فنون کو تقسیم کر کے اپنا موضوع بنالیں پھر اس کا مطالبہ پورا کرنے کی کوشش کریں، اگر ایسا کیا جائے تو ایک نئی راہ کھل سکتی ہے اور اس کا نقش اول تو تیار ہو ہی سکتا ہے جس سے ہم زمانے کو اور اپنی نسلوں کو اسلام کا پیام اور ایمان کی لذت دے سکتے ہیں۔

کلام اللہ و علم رسالت

قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کی کتاب ہے، اللہ کا کلام ہے، اللہ کی وحی و الہام ہے اور اس کی ذات و صفات کا احاطہ انسان کی اوقات سے باہر۔ تو جس طرح اللہ کی ذات و صفات کا احاطہ انسان کی اوقات سے باہر اور ناممکن ہے اسی طرح کلام اللہ کے مطالب اور اللہ کی منشاء کا احاطہ بھی ہماری معلومات اور ہمارے علم و فن کے قابو سے باہر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ترجمانی کے لئے حضرت محمد ایسے شخص کو منتخب فرمایا، جن کی ذہانت

معاملہ فہمی، دیانت، سچائی، اخلاق اور جرأت کی زمانے میں آج تک مثال نہیں مل سکی ہے اور جن کی شخصیت کو وحی الہٰی کی زبان میسر تھی اس لئے قرآن اور اس کی ترجمان احادیث کے ذریعہ خدا کے علوم و فنون کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

قرآن و سائنس

قرآن کی ترتیب ہماری کتابی ترتیب نہیں ہے بلکہ آسمانی ترتیب ہے جس کے ہر صفحے میں مختلف علوم و فنون کا ہجوم ہے اور نہیں کہا جاسکتا کہ کس موضوع کا حرف آخر کہاں ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآن نے انسان کی، کائنات کی اور کائناتی عوامل کی جو تعبیریں پیش کی ہیں ہمارا موجودہ سائنسی دور اس کی شرح بیان کر رہا ہے اور ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ کائنات میں جو غیر مرئی طاقتیں ہیں اور وہ بے پناہ اور لا محدود ہیں اس کے باوجود کوئی غیر مرئی طاقت ہے جو اس پر بھی زبردست کنٹرول رکھتی ہے حتیٰ کہ اس کے بنائے ہوئے اصولوں نے ان کو ایک معمولی بچے کی طرح قابو میں کر رکھا ہے۔ اس طرح کا عظیم الشان کنٹرول دیکھ کر امید ہے کہ زمانے کی آنکھیں جلد کھل جا دیں گی اور لوگ قرآن کی پیش کردہ حقیقتوں کو علمی انداز اور عملی شکلوں میں تسلیم کرنے لگیں گے حتیٰ کہ خدا کے سامنے سر جھکا دیں گے۔

قرآن کا موضوع

پہلا سوال یہ ہے کہ قرآن کا موضوع کیا ہے؟

اس کا جواب واضح ہے کہ "انسان" ہے مگر وہ انسان نہیں جس کا تصور برہمن ازم نے پیش کیا ہے، وہ انسان بھی نہیں جس کا تصور ڈارون نے پیش کیا ہے بلکہ وہ تصور ہے جس کا تصور خود قرآن نے پیش کیا ہے اور بڑی تفصیل سے عالمی طور پر انسان کا تعارف کروایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

انسان؟

○ انسان خدا کی مخلوق ہے جسے ازل میں بنایا گیا اور جس کے جسم میں جنت کے اندر انسانی روح پھونکی گئی، اس کا ازلی نام آدم رکھا گیا اور خدا نے رکھا تھا۔

○ وہی آدم، زمانے میں موجود و پوری انسانی نسل کے مورث اعلیٰ ہیں اس لئے تمام انسان اپنی آدمیت میں برابر کے شریک اور محترم ہیں، رنگ و نسل اور ذات کا فرق آبادیوں کا فرق ہے اصلیت کا نہیں۔

○ آدم اور ان کی پوری ذریت ازل میں پیدا کر دی گئی تھی اور اسے وہیں شعور عطا کر دیا

گیا تھا۔

انسان ازل سے چل کر اپنے وقت مقررہ پر زمین پر آتا ہے یہاں اپنی عمر پوری کرتا ہے جس کا ایک ایک لمحہ مقرر ہے۔ پھر آخرت کی طرف سفر کرجاتا ہے اور جسم کو چھوڑ جاتا ہے۔

زمین پر جو وقت گذارتا ہے وہ خیر ہو کہ شر ہو، اسے اس کا اختیار ہے مگر ہر لمحہ کا اس کو حساب کتاب دینا ہے اور فرشتے حساب کتاب تیار کرتے رہتے ہیں وہاں پیش کریں گے اور وہ تصدیق کرے گا۔

حساب کتاب کا ایک دن مقرر ہے اور وہ مرنے کے بعد جانے کب آئے گا مگر ضرور آئے گا۔ اور اس زمین پر نہیں ہوگا دوسری زمین پر ہوگا اس کے لئے انسان کو دوبارہ جسمانی ڈھانچہ دیا جائے گا اور وہ ہوگا آخرت کا دن، وہاں ذریت آدم کا ہر ہر فرد واپس لایا جائے گا۔ اور حساب کتاب کے بعد ہر شخص کو یا تو جنت کا آرام ملے گا یا جہنم کی مصیبت دی جاوے گی۔

اسی لئے دنیا میں خود انسانوں میں اور ان کی تمام بڑی بڑی آبادیوں میں خدا نے اپنی کتابیں اتاریں، اور ان کتابوں کے مطابق تعلیم و تربیت کے لئے زمین کے ہر خطے میں انبیاء اور رسول پیدا کئے۔

انبیاء نے خدا کی توحید، آخرت کی فکر، خیر و شر کی شناخت، خدا کی منشا والی زندگی اور اس کے اصول و احکام بتائے اور اس میں اپنی عمر، اپنی شہرت اور اپنی توانائیاں داؤں پر لگا دیں۔ اور اپنی ناقابل تسخیر صلاحیتوں سے موجودہ اخلاقی قدریں، خیر و شر کی آفاقی اصطلاحیں اور زندگی کا آخرت کی طرف رُخ متعین کر گئے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام

تاریخ عالم انبیاء کے وجود پر گواہ ہے، تاریخ مذاہب ان کی سرگرمیوں کا نام ہے اور قرآن ایسے تمام انبیاء و رسل کی تعلیمات، زندگی، اصول اور سرگذشت کو بیان کرنے کے لئے ساری دنیا میں موجود ہے جس کی تمام مذاہب اور تاریخ تصدیق کرتے ہیں۔

ایسا ازلی انسان، دنیاوی انسان اور ابدی انسان قرآن کا موضوع ہے۔ جس کی روح ازل سے ابد تک یکساں کام کر رہی ہے اور جس کا جسمانی ڈھانچہ موسم کی طرح ہر دور میں بدلتا رہے گا۔

آدم کو ازل میں جنوں اور تمام فرشتوں پر علمی برتری دی گئی اور اس کا انہوں نے خدا کے سامنے اعتراف کیا تھا اور انسان کی علمی لیاقت پر اور اس کی عظمت پر فرشتوں سے انسان کو سجدہ کرایا گیا تھا یہی سجود ملائک قرآن کا موضوع ہے۔

وہی آدم کی ذریت اور اشرف المخلوقات انسانیت قرآن کی مخاطب ہے۔

اسی ذریت آدم کی دنیاوی اصلاح اور اخروی نجات کے لئے انبیاء کے سردار حضرت محمدؐ نے ۲۳ برس تک اس کی طرف سے مشقتیں جھیلیں لیکن اسے کامیابی کی سیدھی راہ دکھا گئے۔ آج بھی ان کے نقوش قدم دیکھے جا سکتے ہیں اور ان کے نمونے کام دے سکتے ہیں۔

اس ذریتِ آدم کے لئے قرآن کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے اور شریعت محمدیؐ زمین کے گوشے گوشے میں پہنچا دی گئی۔ اور خدا کی نشانیوں نے انسان کو اندر سے باہر تک گھیر رکھا ہے مگر وہ غلط توجیہ کر کے گمراہ ہو جاتا ہے صحیح تشریح کر کے انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن کے بنیادی مضامین

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ قرآن کے بنیادی مضامین کیا ہیں؟ جنکے ثبوت کے لئے اسے اتارا گیا ہے۔ تو اس کے بنیادی مضامین تین عنوان پر تقسیم ہو سکتے ہیں توحید، رسالت، آخرت

اول توحید یعنی کائنات کے ذرہ ذرہ میں صرف خدا کی فرماں روائی اور اس کی صفات عالیہ کا ظہور ہے اور کسی کا نہیں ہے۔

دوم رسالت یعنی انسانی ہدایت کے لئے خدائی انتظام میں آسمانی صحیفوں کا نزول بقاء اور تشریح کے لئے انبیاء ورسل کی زندگی تعلیمات جدوجہد اور قربانیاں اور ان کے شاگردوں کا سلسلہ۔

سوم آخرت یعنی قیامت کا برپا ہونا، حشر میں اولین و آخرین کا اجتماع، حساب کتاب اور جنت یا جہنم کے ٹھکانے۔ قرآن کا کوئی صفحہ ان مضامین سے خالی نہیں اور اس کے لئے قرآن کی شیوہ بیانی کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اگر شمار کیجئے تو ہر عنوان پر پوری کتاب تیار ہو سکتی ہے خصوصاً اگر آیات کے ساتھ ان احادیث رسول کو بھی شامل کر لیا جاوے جن سے آیات کی منشا معلوم ہوتی ہے، تو یکجائی طور پر اتنا حیرتناک مواد اکٹھا ہو سکتا ہے جو انسانوں کی آنکھیں کھول دے گا اور وہ اس کے ضمیر کو اس قدر جھنجوڑ دے گا کہ عقل وعلم کو فرار کی راہ نہیں مل سکتی۔

قرآن کے اصلاحی مضامین

(۳) تیسرا سوال یہ ہے کہ انسان کے لئے قرآن کے اصلاحی مضامین کیا ہیں؟

تو قرآن کے نزول کی منشاء وہی مضامین ہیں جو انسانوں اور جنوں دونوں کے اصلاح حال کے لئے بیان کئے گئے ہیں وہ اگرچہ وسیع الذیل ہیں مگر پانچ عنوانوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں۔

(۱) پہلا عنوان دعوت ہے جو قیامت تک کے ہر انسان کو انسان کے لئے، عمل کے لئے، غور وفکر

کے لئے یا تنبیہ کے لئے دی جارہی ہے۔

(۲) دوسرا عنوان ہے آداب و احکام۔ جو ایمان لانے کے بعد زندگی سدھارنے کے لئے لازم ہیں، اس میں پہلا حصہ عبادات کا ہے، دوسرے معاملات، تیسرے خوف و خشیت، چوتھے اصول و ضوابط، پانچویں آداب و اخلاق، چھٹے دعا ہے جو قرآن کا اہم عنوان ہے۔

(۳) تیسرا عنوان اشاعت حق کی جد و جہد ہے کہ اہل حق نے کس عزم و ہمت سے حق پھیلایا اور انہیں کن آزمائشوں سے گذرنا پڑا اور خدا نے ان سے کتنا تعاون کیا اور کس قدر اعزاز فرمایا۔

(۴) چوتھا عنوان انعام و سزا کا ہے یعنی حق قبول کرنے والوں کے انعامات اور انکار کرنے والوں کو سزائیں، جن کا سلسلہ دنیا سے آخرت تک مربوط ہے اور عبرت و بصیرت کا سامان فراہم کرتا ہے اور عمل کے لئے ذہن تیار کرتا ہے۔

(۵) پانچواں عنوان ہے نجات کی آخری راہ کیا ہے؟ خدا نے اس کا دو ٹوک جواب دیا ہے اور دلائل سے دیا ہے کہ اسلام ہے۔ اور یہ جواب مذاہب عالم اور اقوام عالم کی نمائش گاہ میں دیا ہے اور آج تک کوئی تردید نہیں کر سکا ہے۔

قرآن کے استدلالی مضامین (۴) چوتھا سوال یہ ہے کہ بنیادی مضامین کی صحت اور اصلاحی مضامین کی کارکردگی ثابت کرنے کے لئے خدا نے کیا انداز اختیار کیا ہے۔ تو اصل جواب یہ ہے کہ ان مضامین کو جس سیاق سباق میں بیان کیا گیا ہے اس میں دعویٰ بھی ہے ثبوت بھی ہے، توضیح بھی ہے انجام بھی، اس کے باوجود چونکہ قرآن کو قیامت تک اس کا ثبوت فراہم کرنا ہے اور اس کی تشریح کرنی ہے اس لئے اس نے استدلال کے لئے الگ الگ سلسلہ مضامین میں ان کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا ہے جن کو چار عنوانوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) آیات اللہ (۲) معجزات نبوت (۳) خیر و شر کی کشمکش (۴) خدا کی فرماں روائی کے اصول فطرت ہیں۔

استدلال کے یہ چاروں عنوانات اس قدر بصیرت افروز، حیران کن اور مشاہداتی ہیں کہ اگر ان کی طرف لوگوں کو متوجہ کر دیا جائے اور ان کی معلومات کو ان کی سراغ رسانی کا کام سپرد کر دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ آدمی صراطِ مستقیم پر چلنے لگے گا بلکہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو بھی غور و فکر کی دعوت دے کر خوش ہوگا اور انہیں مسرور کر دے گا۔

(۱) آیات اللہ کا پھیلاؤ آیات اللہ کا مضمون اتنا وسیع ہے کہ خود اس کو چار حصوں میں تقسیم

کرنا پڑے گا ۔ تاریخی، کائناتی، علمی اور جسمانی

(الف) تاریخی آیات ۔ مثلاً خلافت آدم، طوفانِ نوح، بقاء ابراہیم، پیدائش موسیٰ، غرقابی فرعون، پیدائش عیسیٰ، حکومت سلیمان، ہلاکت ابولہب وعاد وثمود ۔

(ب) کائناتی آیات ۔ مثلاً پہاڑ، سمندر، بجلی، بادل، آندھی، طوفان، سیلاب، زمین وآسمان کائنات کی وسعت اور اس میں مرئی اور غیر مرئی قوتوں کا وجود اور ان پر کنٹرول وغیرہ کے لئے ضابطے اور اصول فطرت ۔

(ج) علمی آیات مثلاً وحی الٰہی سے نزول قرآن، آسمانی صحیفوں کا عالمی وجود، مایوس کن حالات میں انبیاء اور رسولوں کا وجود، وحی، الہام اور خواب کا ذریعہ علامات ہونا اور پیشگی خبر دینے کے لئے کارآمد ہونا وغیرہ ۔

(د) جسمانی آیات مثلاً رحم مادر میں انسان کی تصویر کشی اور وہیں انسانی شخصیت سازی کا مسلسل کمال انسانی جسم اور اس کے آلات کا تناسب اور مربوط کارکردگی کا مسلسل انتظام، جسمانی اور روحانی طاقتیں اور ان کا دائرہ کار، انسانی تاریخ کا اتار چڑھاؤ اور اس کے وہ موڑ جن سے بڑی بڑی طاقتیں مغلوب نظر آتی ہیں ۔

(۲) معجزات کی وسعت دوسرا استدلالی مضمون معجزہ ہے مگر اس کی وسعتوں کو منظم کرنے کے لئے بھی چار حصوں میں تقسیم کرنا بہتر ہے (۱) خرق عادت (۲) کائناتی معجزہ (۳) علم نبوت (۴) اخلاق محمدی ۔

(الف) خرق عادت مثلاً عصائے موسیٰ اور ید بیضاء وغیرہ، احیاء موتیٰ اور شفاء امراض حضرت عیسیٰ کے لئے، حضرت داؤد کے ہاتھ کا لوہا فرعون کی غرقابی اور حضرت عیسیٰ کا آسمان پر چلا جانا وغیرہ ۔

(ب) کائناتی معجزہ مثلاً حضرت سلیمان کے لئے ہوا، پانی، جن اور سمندر کا مسخر کر دینا، آصف ابن برخیا کا بلقیس کے تخت کو آناً فاناً لاکر جنوں کو حیران کر دینا، اہل مکہ کی فرمائش پر آنحضرت کا چاند کو دو ٹکڑے کر دینا وغیرہ ۔

(ج) علمی معجزہ مثلاً ایک اُمّی انسان کا قرآن جیسی کتاب لانے کے لئے عرب عجم اور انسان و جنات کو چیلنج کرنا، اہل کتاب کا حضرت محمدؐ سے علمی سوالات کرنا اور ان کے علمی جوابات پاکر دنگ رہ جانا، قرآن کا سات طرح نازل ہونا، اس کے باوجود اس کی لسانی یکسانیت اور مضامین کی

معجز بیانی کا عملی حال قائم رکھنا، مکہ و مدینہ میں رہ کر قرآن جیسی عالمانہ کتاب پیش کرنا جس نے دنیا کو ہلا دیا وغیرہ۔

(۷) **اخلاقی معجزہ** مثلاً مکہ کی غیر اخلاقی، بت پرست گنہگار فضا میں حضرت محمدؐ ایسا مجسم اخلاق کا پیدا ہونا، ایک اُمّی کا عرب کے بدّوؤں کو زمانے کے لئے معلم اخلاق، معلم کتاب، مزکی قلوب اور مربی قوم بنا دینا، یا اپنی ناداری کے باوجود غریب لوگوں کی ایسی جمہوریت قائم کر دینا جس کا انصاف جس کی دیانت، جس کی آفاقیت، جس کی علمیت اور جس کے اخلاق کا آج تک جواب نہیں۔ اسی طرح تمام انبیاء میں آپ کو نمونہ اخلاق بنا کر پیش کرنا اور ان کی اتباع کو اپنی محبت کا معیار بنانا انسانوں کے لئے کھلا چیلنج ہے۔

تیسرا استدلالی عنوان خیر و شر کی کش مکش کا انجام ہے۔

قرآن نے انبیاء کو خیر کا معیار اور شیطان کو شر کا معیار قرار دیا ہے پھر جگہ جگہ خیر و شر دونوں کا مثالی کردار، دونوں کی تاریخی شخصیتیں اور دونوں کی کش مکش تصادم اور جنگوں کا اجمالی یا تفصیلی تذکرہ کیا ہے اور نہ صرف تذکرہ کیا ہے بلکہ تجزیہ کر کے اس میں خیر و شر دونوں کی نشاندہی بھی کی ہے اور ان سب کے بعد اہل خیر کی غیبی امداد بھی کی ہے اور اس گروہ سے قیامت تک امداد و تعاون کا وعدہ بھی کیا ہے۔ اسی طرح اہل شر کا خدا کی غیبی امداد سے محروم ہونا ثابت کیا ہے۔ اور دونوں صورتوں کو دھوم دھام سے بیان کیا ہے شرح و بسط سے ذکر کیا ہے اور اتنا ہی نہیں، بلکہ اہل خیر اور اہل حق کے لئے قدرتی اصول مقرر کر دئے ہیں اور اس کے آزمائشی واقعات میں غزوۂ بدر اور حنین کی طرح بیان کئے ہیں اسی طرح ان خطوط کو واضح کر دیا ہے جہاں اہل خیر کی امداد بند کر دی جاتی ہے۔

قرآن کا عجیب مضمون یہ بھی ہے کہ اہل شر کا اقتدار، اہل دولت کی فرماں روائی اور اقتدار صرف اس وجہ سے مٹ گیا ہے کہ ان کا خدا ان سے ناراض تھا اور وہ اس کے اصول و احکام کی طرف سے بے پرواہ تھے اور کسی نادار اور بے یار و مددگار قوم کے دن اس وجہ سے پھر جاتے ہیں کہ ان کا خدا ان کی ناداری اور مفلسی پر ترس کھاتا ہے اور حالات کے بدل ڈالنے کا فیصلہ کر دیتا ہے۔

اسی طرح قرآن نے شیطان کی صفات اس کی جدوجہد اجنہ کے حالات اور انسانی زندگی کے تاثرات پر روشنی ڈالی ہے اور شیطانی تصرفات سے محفوظ ہونے کی تدابیر اور محفوظ

رہنے والے اشخاص کی نشاندہی کی ہے اور اسباب بتائے ہیں چونکہ قرآن نے انسانوں کی صرف دو قسمیں کی ہیں اہل خیر اور اہل شر، اس لئے جن کے ساتھ جو حالات پیش آئے ہیں اس کی بنیاد اسی کو قرار دیا ہے۔

قرآن کا چوتھا استدلالی مضمون | کائنات میں خدا کی فرماں روائی اور زمانے پر اس کا کنٹرول ہے۔

مثلاً قانون فطرت اور پوری کائنات میں اس کی ہمہ گیری اور اس کے تصرفات ثابت کرتے ہیں کہ خدا زبردست حکمت والا ہے۔

مثلاً بقاءاصلح کا خدائی قانون، انسان کی عالمی تاریخ میں اس کی واضح کار فرمائی کی مثال ہے

مثلاً انبیاء کی پیشین گوئیاں یا قرآن کی پیشین گوئیاں اور ٹائم ٹیبل کے مطابق ان کا پورا ہونا احوالِ ... عالم پر خدائی کنٹرول کا ثبوت ہے۔

مثلاً مختلف طاقتور قوموں کا باہمی تصادم اور سرکشی، نظم عالم کو باقی رکھنے کا جو خدائی قانون ہے اور اٹل ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ زمین وآسمان اور پوری کائنات پر فرشتوں کے ذریعہ خود کنٹرول کرتا ہے اور ہر بات اور ہر ذرہ سے پوری واقفیت اور اطلاع رکھتا ہے اور جب کبھی کسی تصرف کا فیصلہ کر لیتا ہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا، کوئی اسے موخر نہیں کر سکتا، اسی تاریخی موڑ پر مورخ حیران رہ جاتا ہے کہ اسباب ظاہر ایسے نہ تھے پھر ایسا کیوں ہو گیا۔

حرف آخر | قرآن کے تمام مضامین کو اس طرح تین ابواب پر تقسیم کر دینا ممکن نہیں ہے پھر بھی ان مضامین میں ذہنی تسکین کا بہت کچھ سامان موجود ہے۔ اس وجہ سے اگر اتنا ہی کام کر دیا جائے تو ہمارا مقصد حل ہو سکتا ہے۔ اور ہم ذہنوں کو خود قرآن مجید سے قریب کر سکتے ہیں اور قرآن اپنے مخصوص انداز بیان سے ہر شخص کی رہنمائی کا ہنر جانتا ہے کوئی اسے پڑھے اور سمجھے تو، کیونکہ وہ ایسی کتاب ہے جس کے مخاطب عجم عرب، گورے کالے، چھوٹے بڑے، عالم جاہل شہری دیہاتی، ہنرمند بے ہنر سب ہی قسم کے لوگ ہیں۔ اور ان لوگوں میں تہذیب، علمیت اور ذات برادری کی حدبندیاں چاہے جتنی بھی ہوں مگر ان سب کا ضمیر یکساں ہے اور ضمیر کی طاقت انسان کی اصل طاقت ہے جس کے سامنے علم و ہنر، دولت و حکمرانی سب بے بس ہیں۔ اس کا فیصلہ سب پر ناطق ہے اور اس کی کمزوری انسان کی سب سے آخری کمزوری ہے اس لئے

ایسی قوموں کے قرآن مرض کی یہ تشخیص کرتا ہے کہ ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور ـــــــ خدا نے اس ضمیر کو مخاطب کیا ہے اور اسی ضمیر کی بے پناہ طاقت نے عربوں کو ساری دنیا پر کلی برتری عطا کردی تھی اور نہ صرف طاقت کی برتری بلکہ فکر و نظر، عقل و ہنر کی برتری جیا کردی تھی اور وہی ضمیر مُردہ ہوگیا تو آج سب کچھ کے باوجود وہ بڑے صفر سے زیادہ کچھ نہیں رہ گئے ۔

ناموس صحابہؓ کی حفاظت کیوں؟

صحابہ کرام کے ناموس کی حفاظت اور ان کے خلاف کئے جانے والے پروپیگنڈے کی تردید بجائے خود بھی عبادت بلکہ فریضہ ہے، لیکن میں اس کام کو درجۂ اوّل کی اہمیت دیتا ہوں اور اس میں اس طرح مشغول ہوں، خدا گواہ ہے کہ اسکی وجہ یہ ہیکہ صحابہ کرامؓ کے مجروح ہو جانے کے بعد قرآن مجید اور نبوتِ محمدیؐ سب مشکوک ہو جاتے ہیں ـ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے بارے میں جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ صحابہ کرامؓ ہی کے واسطے سے جانتے ہیں اگر اس سلسلہ کی پہلی کڑی اور دین کے ناقلوں کی پہلی صفت ہی ناقابلِ اعتبار ہو گئی تو قرآن اور سارا دین مشکوک ہو جائے گا اور ہمارے پاس انکے بارے میں یقین کی کوئی علمی بنیاد نہیں رہے گی ۔

بہرحال میں صحابہ کرامؓ کی یہ حمایت اور مدافعت اور اُنکے دشمنوں کا یہ مقابلہ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی نیت ہی سے کرتا ہوں اور مجھے اپنی مغفرت کی سب سے زیادہ امید اسی عمل پر ہے ۔

(حضرت امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ نبویؐ

۱۴۰۳ھ

جمال قلم محمد عثمان معروفی

۱۴۰۳ھ

ولادت باسعادت دوشنبہ ۹ ربیع الاول ۲۲ اپریل ۵۷۱ء یکم جیٹھ سمت ۶۲۸ واقعہ اصحاب فیل کے پچاس روز بعد آنحضورؐ پیدا ہوئے۔ والدہ ماجدہ نے تین چار روز دودھ پلایا پھر آپؐ کے چچا ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثوبیہ نے پلایا۔ ایک ہفتہ بعد حلیمہ سعدیہؓ نے قبیلہ ہوازن میں ۵۷۷ء تک چھ برس پرورش کی۔ اس کے بعد دو ماہ دس دن والدہ محترمہ کی آغوش تربیت میں رہے۔ والدہ کی وفات کے بعد دادا عبد المطلب نے دو برس تک کفالت کی جب دادا ۸۲ یا ۸۵ یا ۹۵ یا ۱۱۰ یا ۱۲۰ برس کی عمر میں انتقال ہوا تو چچا ابوطالب کفیل ہوئے اور بڑی محبت سے پرورش کی۔ نو دس برس کی عمر میں ۵۸۱ء میں گلہ بانی کی۔

پہلا سفر تیرہ سال کی عمر میں ۵۸۳ء میں ابوطالب کے ہمراہ ملک شام کا پہلا سفر کیا اور شہر بُصریٰ میں بحیرا راہب نے آپؐ کو دیکھ کر علاماتِ نبوت کی نشاندہی کی۔ بحیرا مقام تیماء کے علماء یہود میں سے یا بقول بعض نصرانی راہب تھا۔

پیشہ تجارت ۵۹۱ء سے ۵۹۶ء تک آپؐ نے پیشۂ تجارت اختیار فرمایا اور امین کا لقب ملا۔

دوسرا سفر تجارت ۵۹۵ء میں بعمر ۲۵ سال بطور مضاربت حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لیکر ملک شام کا دوسرا سفر کیا اور مقام بُصریٰ میں نسطورا راہب نے آپؐ میں بحیرا راہب کیطرح علامات نبوت کی شہادت دی۔

نکاح | سفر سے واپسی کے دو ماہ بعد حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا اس وقت آپ کی عمر ۲۵ برس ۲ ماہ ۱۰ دس دن تھی اور حضرت خدیجہؓ کی ۴۰ برس۔

تحکیم | ۶۰۵ء میں ابھی آپ ۳۵ برس کے تھے کہ قریش نے از سر نو خانہ کعبہ کی تعمیر کی، حجر اسود نصب کرنے کے وقت سخت اختلاف ہو گیا اور تلواریں نکل آئیں۔ آپؐ نے ایک حکمت سے حجر اسود کو اپنی جگہ نصب کر کے بہت بڑے جھگڑے کو دور کر دیا۔

تنہائی پسندی | ۶۰۶ء سے ۶۰۹ء تک یکسوئی اور غار حرا میں جا کر تحنث و عبادت کے شغل اور قوم کو جہالت سے نکالنے کی تدابیر میں مصروف رہے۔
۶۰۹ء میں بکثرت رویائے صادقہ نظر آنے لگے۔

بعثت نبوی | چالیس برس کی عمر میں دوشنبہ ۹ ربیع الاول سنہ ۴۱ میلادی ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو خلعت نبوت و رسالت عطا ہوا۔ بقول دیگر شب جمعہ ۱۸ رمضان سنہ ۱ نبوی ۱۷ اگست ۶۱۰ء کو غار حرا میں اقرأ باسم ربک الذی خلق سے نزول قرآن کا آغاز ہوا۔ وضو اور فجر و عصر کی نماز فرض ہوئی۔

سب سے پہلے اسلام لانے والے، مردوں میں حضرت ابوبکرؓ۔ عورتوں میں حضرت خدیجہؓ۔ بچوں میں حضرت علیؓ، غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ۔

اعلان دعوت :- تین برس خفیہ دعوتِ اسلام ہوتی رہی۔ سنہ ۳ نبوی میں بحکم خدا آپؐ نے کوہ صفا پر علانیہ دعوت اسلام کا مشہور خطبہ دیا اور بتدریج اسلام پھیلنے لگا۔

ہجرت حبشہ اولیٰ :- کفار کی ناقابل برداشت ایذا رسانی کی وجہ سے آنحضورؐ کے حکم سے رجب سنہ ۵ نبوی ۶۱۴ء میں پہلی بار گیارہ مردوں اور پانچ عورتوں نے ہجرت حبشہ کی اور وہاں رجب سے شوال تک مقیم رہے۔

اسلام عمر فاروقؓ :- سنہ ۶ نبوی میں حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ اسلام لائے ان سے اسلام کو بہت قوت ملی۔

ہجرت حبشہ ثانیہ :- سنہ ۶ نبوی میں آپؐ کی اجازت سے ۸۶ مرد اور ۱۷ عورتوں نے دوبارہ ہجرت حبشہ کی۔ ان کے امیر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ تھے جن کے ہاتھ پر نجاشی شاہ حبشہ مشرف با اسلام ہوا۔ آنحضورؐ کے ہجرت مدینہ کی خبر پا کر ۳۳ آدمی حبشہ سے مدینہ چلے گئے اور باقی ماندہ ۷ھ میں فتح خیبر کے وقت مدینہ پہنچے۔

مقاطعہ بنی ہاشم:۔ شنبہ یکم محرم سنہ ۷ نبوی ۶۱۵ء سے سنہ ۹ نبوی ۶۱۸ء تک تین برس قریش نے آپؐ کو مع اہل بیت کے شعب ابی طالب میں محصور کرکے کھانے پینے کی چیزیں روک دیں تاکہ مجبور ہو کر آپؐ کو قتل کے لئے پیش کر دیا جائے۔ اس مضمون کی ایک تحریر اندرونِ کعبہ آویزاں کر دی۔ سنہ ۱۰ نبوی میں اس ظالمانہ محصوری کا خاتمہ ہوا۔

عام الحزن:۔ رہائی کے بعد آٹھویں مہینہ رمضان یا شوال سنہ ۱۰ نبوی میں ابوطالب کی بعمر ۸۰ سال وفات ہو گئی، تین یا پانچ روز بعد حضرت خدیجہؓ کا بھی انتقال ہو گیا۔ یہ دونوں آپؐ کے لئے بہت بڑے ظاہری سہارا تھے، ان کی رحلت سے آپؐ کو اتنا غم ہوا کہ اس سال کا نام عام الحزن ہو گیا۔

طائف کا سفر دعوت:۔ اب قریش کی ایذا رسانیاں اور شدید ہو گئیں تو آپؐ نے ۲۷ شوال سنہ ۱۰ نبوی کو طائف کا تبلیغی سفر کیا تاکہ وہاں اسلام کے کچھ حامی پیدا ہو جائیں وہاں کے تین سردار پر اسلام پیش کیا ان ظالموں نے اوباشوں کے ذریعہ پتھر برسا کر آپؐ کو لہو لہان کر دیا۔ واپسی میں مقام نخلہ میں چند روز قیام کیا وہیں نصیبین کے سات جن آپؐ سے قرآن سنکر اسلام لائے جب مکہ کے قریب پہونچے تو مطعم بن عدی کی پناہ طلب کی انھوں نے آکر قریش کے سامنے اعلان کیا کہ میں نے محمدؐ کو پناہ دی ہے، کوئی ان سے تعرض نہ کرے۔

معراج:۔ معراج کب ہوئی اس میں دس اقوال ہیں۔ راجح یہ ہے کہ دوشنبہ ۲۷ رجب سنہ ۱۲ نبوی ۲۲ مارچ ۶۲۱ء کو معراج ہوئی۔ شب معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔

مدینہ میں اسلام کی ابتداء:۔ قریش کی مخالفت سے تنگ آکر آپؐ نے دوسرے قبائل میں اور موسم حج میں باہر سے آنے والوں میں اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ ذوالحجہ سنہ ۱۱ نبوی ۶۲۰ء میں مدینہ سے آنے والوں میں خزرج کے چھ آدمی ایمان لائے جو مدینہ میں اسلام پھیلنے کا سبب بنے۔ دوسرے سال ذوالحجہ سنہ ۱۲ نبوی ۷ مارچ ۶۲۱ء میں عقبہ کے قریب منیٰ میں مدینہ کے بارہ آدمیوں نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی جو بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے موسوم ہے۔ تیسرے سال ذوالحجہ سنہ ۱۳ نبوی ۶۲۲ء میں بھی اسی گھاٹی میں بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی جس میں مدینہ کے تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں۔ اس کے بعد آپؐ نے صحابہؓ کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا اور پوشیدہ طور پر ہجرت شروع ہو گئی۔

ہجرت مدینہ:۔ مکہ سے مسلمانوں کے چلے جانے سے قریش سخت غضبناک ہوئے اور

دارالندوہ میں جمع ہو کر آپؐ کے قتل کا فیصلہ کیا۔ بیعت عقبہ کے تین ماہ بعد آپؐ بحکم خدا ہجرت کے ارادہ سے ۵۳ برس کی عمر میں شب جمعہ ۲۷ صفر سنہ ۱ھ ستمبر ۶۲۲ء کو ابوبکر صدیق رضؓ کے ہمراہ مکہ سے نکل کر غار ثور میں تین روز روپوش رہے۔ دوشنبہ کو غار سے نکل کر عبداللہ بن اُریقط لیثی کی رہبری میں مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، اس قافلہ میں آنحضورؐ۔ ابوبکر ان کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط لیثی تھے۔ جمعہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱ھ ۲۷ ستمبر ۶۲۲ء کو قبا میں داخل ہوئے وہاں چودہ روز قیام فرمایا کر ایک مسجد کی بنیاد رکھی جو اسلام میں سب سے پہلی مسجد ہے۔ جمعہ ۲۶ ربیع الاول ۱۱ اکتوبر کو مدینہ کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں بنی سالم میں سب سے پہلی نماز جمعہ ادا فرمائی اسی روز شام کو مدینہ میں داخل ہوئے۔

تعمیر مسجد نبوی:۔ ۱ھ میں آنحضورؐ نے مسجد نبوی کی تعمیر کی پھر ۷ھ میں فتح خیبر کے بعد دوبارہ تعمیر کر کے سو گز سے زیادہ طویل و عریض بنادی۔ اذان کی ابتداء بھی ۱ھ یا ۲ھ سے ہوئی۔

یہود سے معاہدہ:۔ ہجرت مدینہ کے پانچ ماہ بعد آپؐ نے یہود مدینہ بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ سے معاہدہ کیا کہ یہود و مسلمان آپس میں کوئی تعرض نہ کریں گے اور بیرونی دشمن کے مقابلہ میں متحد رہیں گے۔

تحویل قبلہ:۔ ہجرت کے سترہ ماہ بعد ۱۵ شعبان ۲ھ ۶۲۳ء میں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا، اس سے پہلے بیت المقدس قبلہ تھا۔

فرضیت صوم:۔ اخیر شعبان میں روزہ کی فرضیت نازل ہوئی، پہلا روزہ چہارشنبہ یکم رمضان ۲ھ فروری ۶۲۴ء سے شروع ہوا اسی رمضان میں صدقۂ فطر اور نماز عید کا حکم نازل ہوا۔ اسی سال بقرعید کی نماز اور قربانی کا حکم ہوا۔ روزہ کی فرضیت کے بعد ۲ھ اور بقول بعض ۹ھ میں زکوٰۃ کی فرضیت ہوئی۔

حکم جہاد:۔ ۱۲ صفر ۲ھ میں جہاد فرض ہوا۔ تیرہ برس تک آنحضورؐ دلائل سے اسلام کی تبلیغ کرتے اور کفار کے شدید مظالم برداشت کرتے رہے مگر اب حمایت حق اور اشاعتِ اسلام کے لئے جہاد کا حکم دیا گیا۔

غزوات و سرایا:۔ جس جہاد میں آنحضورؐ شریک تھے اسے غزوہ اور جس میں شریک

ہیں تھے اسے سریہ کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کی تعداد میں اختلاف ہے، راجح یہ ہے کہ
غزوات کی تعداد ۲۷، اور سرایا کی ۳۵ ہے۔ نو غزوہ میں جنگ کی نوبت پیش آئی۔

تاریخ غزوات: غزوۂ ابوا سب سے پہلا غزوہ ہے۔ صفر سنہ ۲ھ ۶۲۳ء میں ساٹھ مہاجرین کو لیکر قافلہ قریش اور بنو ضمرہ کے تعاقب میں آپؐ ابواء کی طرف روانہ ہوئے لیکن قتال کی نوبت نہیں آئی۔ اسکو غزوہ ودّان بھی کہا جاتا ہے۔ ابواء اور ودّان دو مقام ہیں جن میں چھ میل کا فاصلہ ہے۔ غزوۂ بواط، ربیع الاول سنہ ۲ھ جولائی ۶۲۳ء میں دوسو اصحاب لیکر آپؐ قافلہ قریش کے تعاقب میں مقام بواط تک تشریف لے گئے مگر مقابلہ نہ ہوا۔

غزوۂ عشیرہ، جمادی الاولیٰ سنہ ۲ھ ۶۲۳ء میں دوسو مہاجرین کو لیکر قافلہ قریش کے تعاقب میں آپؐ نے عشیرہ کی جانب خروج کیا قافلہ سے ملاقات نہ ہوئی۔ آپ ابتداء جمادی الثانیہ میں مدینہ واپس ہوئے، غزوۂ بدر اولیٰ، جمادی الآخری سنہ ۲ھ میں کرز بن جابر فہری مدینہ کی چراگاہ سے اونٹ بکریوں کو شب خوں مار کرلے بھاگا اس کے تعاقب میں آپؐ مقام صفوان تک گئے جو بدر کے قریب ہے مگر ملاقات نہ ہوئی۔ کرز بن جابر بعد میں مشرف باسلام ہوئے، غزوۂ بدر کبریٰ، ۱۷ر رمضان سنہ ۲ھ جنوری ۶۲۴ء میں مقام بدر میں یہ عظیم الشان جنگ ہوئی۔ مسلمان کل ۳۱۳ تھے جن میں ۲۲ شہید ہوئے، کفار ایک ہزار تھے جن میں ستر مقتول اور ستر اسیر ہوئے۔ غزوۂ قرقرۃ الکدر جو غزوہ بنی سلیم سے بھی موسوم ہے، شوال سنہ ۲ھ بنی سلیم اور غطفان کے اجتماع کی خبر پاکر آپؐ نے دوسو اصحاب کے ساتھ خروج کیا اور چشمہ کدر پر پہونچے تو معلوم ہوا کہ دشمنانِ اسلام منتشر ہوگئے۔ وہاں تین روز قیام فرماکر بلا مقابلہ واپس ہوئے۔ غزوۂ بنی قینقاع، انھوں نے بدر کے موقع پر مدینہ میں بغاوت کی تھی آپؐ نے ۱۵ر شوال سنہ ۲ھ سے اول ذوالقعدہ تک ان کا محاصرہ کرکے جلاوطن کردیا۔ غزوۂ سویق، یکشنبہ ۵ر ذوالحجہ سنہ ۲ھ اپریل ۶۲۴ء کو آپؐ نے دوسو اصحاب کے ساتھ ابوسفیان کا تعاقب کیا جبکہ انھوں نے دوسو کفار کے ساتھ مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام عریض میں آکر ایک انصاری اور ایک اجیر کو قتل کیا اور کچھ درخت کو جلادیا اور بھاگتے ہوئے ستو کے تھیلے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے راستہ میں چھوڑتے گئے، جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

غزوۂ غطفان جو غزوہ انمار اور غزوہ ذی امر بھی بولا جاتا ہے محرم سنہ ۳ھ میں واقع

واقع ہوا۔ قبیلہ غطفان کی شاخ بنی ثعلبہ و بنی محارب کے ساڑھے چار سو آدمی دعثور غطفانی کی زیر قیادت اطراف مدینہ میں غارتگری کے ارادہ سے نجد میں جمع ہوئے یہ خبر پاکر ساڑھے چار سو اصحابؓ کے ساتھ آپؐ ان کے مقابلہ کے لئے نکلے تو وہ پہاڑیوں میں چھپ گئے مقابلہ نہ ہوا۔ اسی سفر میں آپؐ ایک درخت کے سایہ میں اکیلے آرام فرما تھے کہ دعثور ننگی تلوار لئے آکر کہنے لگا کہ میری تلوار سے آپ کو کون بچائے گا۔ آپؐ نے فرمایا "اللہ"، تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی، آپؐ نے اسے لیکر فرمایا کہ اب تجھے کون بچائے گا۔ اس نے اسلام قبول کرلیا۔ غزوۂ[۸] بحران، ربیع الثانی ۳ھ میں خبر ملی کہ حجاز کے معدن مقام بحران میں بنی سلیم اسلام کی مخالفت میں جمع ہو رہے ہیں اس لئے آپؐ نے تین سو اصحابؓ کے ساتھ بحران کی طرف نکلے مگر وہ لوگ منتشر ہوگئے، غزوۂ[۹] احد، ابوسفیان کی سرکردگی میں تین ہزار کا لشکر ۵ ر شوال ۳ھ کو مکہ سے روانہ ہوا جس میں سات سو زرہ پوش، دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں تھیں ان کے مقابلہ میں مسلمان کل ساڑھے چھ سو تھے، شنبہ ۱۵ ر شوال ۳ھ جنوری ۶۲۵ء کو یہ جنگ ہوئی مسلمان پہلے غالب آئے بعد میں ایک غلطی کی وجہ سے مغلوب ہوئے ستر مسلمان شہید اور چالیس زخمی ہوئے۔ تین کافر مارے گئے، غزوۂ[۱۰] حمراء الاسد، جنگ احد سے واپس ہو کر قریش مقام ادحاء میں ٹھہرے اور سوچا کہ مسلمان زخمی اور خستہ ہو چکے ہیں اس لئے مدینہ لوٹ کر ان کا کام تمام کردیا جائے۔ اس خبر پر آپؐ نے معرکۂ احد میں شریک ہونے والے تمام لوگوں کو لیکر تعاقب میں ۱۶ ر شوال یکشنبہ کو روانہ ہوئے مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام حمراء الاسد پر قیام کیا قریش یہ خبر سنکر مکہ واپس ہوگئے۔ غزوۂ[۱۱] بنی نضیر، ربیع الاول ۴ھ جون ۶۲۶ء میں بنو نضیر کی بار بار بدعہدیوں اور عیاریوں کی وجہ سے آپؐ نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیا اور ان کی امان طلبی پر دس دن میں مدینہ خالی کردینے کا حکم دیا کہ اپنا جتنا سامان لے جاسکو لیکر جلاوطن ہوجاؤ، غزوۂ[۱۲] ذات الرقاع، جمادی الاولی ۴ھ میں خبر ملی کہ بنی محارب و بنی ثعلبہ مقابلہ کی تیاری کر رہے ہیں اس لئے آپؐ چار سو اصحابؓ کے ساتھ نجد کی طرف روانہ ہوئے مگر جنگ کی نوبت نہ آئی۔ غزوۂ[۱۳] بدر اخیرہ، شعبان ۴ھ میں پندرہ سو[۱۵۱۰] کے اصحاب کے ساتھ حسب وعدہ آپؐ بدر پہونچے کیونکہ جنگ احد میں ابوسفیان سے وعدہ ہوا تھا کہ آئندہ سال بدر میں جنگ ہوگی۔ ابوسفیان بھی دو ہزار پچاس آدمیوں کے ساتھ مر الظہران تک آیا مگر مقابلہ کی ہمت نہ پاکر قحط سالی و گرانی کا بہانہ کرکے واپس ہوگیا۔ مسلمان آٹھ روز ٹھہر کر

بلا مقابلہ واپس ہوئے اور بازار بدر میں تجارت کر کے خوب نفع اٹھایا۔ غزوۂ دومۃ الجندل، دومۃ الجندل کے لوگ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے ۲۵ ربیع الاول ۵ھ کو آپؐ ایک ہزار اصحاب کے ساتھ ان کی طرف نکلے مگر وہاں کے لوگ منتشر ہو گئے آپؐ ۲۰ ربیع الثانی کو مدینہ لوٹے۔ غزوۂ بنی مصطلق یا غزوہ مریسیع، بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی، ۲ شعبان ۵ھ دسمبر ۶۲۶ء کو آپؐ نے صحابہؓ کے ساتھ ان کی طرف خروج کیا وہاں پہونچتے ہی مسلمانوں نے حملہ کر کے دس آدمیوں کو قتل کر دیا اور دو ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں اور دو سو گھرانے گرفتار ہوئے، مریسیع ایک چشمہ یا تالاب ہے وہیں بنی مصطلق سے مقابلہ ہوا۔ غزوۂ خندق و احزاب، شوال ۵ھ فروری ۶۲۷ء میں واقع ہوا اس میں ابو سفیان دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں کے استیصال کے لئے مدینہ پہنچا۔ مسلمانوں نے اپنی حفاظت کے لئے مدینہ کے گرد گہری خندق تیار کی، اور تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کے لئے کوہ سلع کے قریب جا ٹھہرے، یہودیوں نے اندرونِ مدینہ بد عہدی کر دی، مسلمان اندرونی و بیرونی دشمنوں کے نرغہ میں آ گئے نہایت شدت و ابتلاء کا وقت تھا سردی بھی سخت تھی کہ اللہ نے خوب تیز ہوا چلا دی جس سے کفار کے خیمے اکھڑ گئے طنابیں ٹوٹ گئیں۔ ہانڈیاں اور دیگیں الٹ گئیں، آنکھوں میں گرد و غبار بھر گئے، سارا لشکر کفار سراسیمہ ہو گیا ایسی حالت میں ابو سفیان نے واپس ہونے کا اعلان کر دیا۔

غزوۂ بنی قریظہ، ذوالقعدہ ۵ھ ۶۲۷ء میں یہ غزوہ ہوا کیونکہ غزوہ خندق میں بنو قریظہ بد عہدی کر کے کفار قریش سے مل گئے تھے اس لئے غزوۂ خندق سے فراغت کے بعد فوراً جبرئیلؑ نے آکر حکم خداوندی سنایا کہ بنو قریظہ کی طرف خروج کرنا ہے، آپ نے ۲۵ روز تک ان کا محاصرہ کر کے سبکو گرفتار کیا۔ انکے چار سو مرد قتل کر دئے گئے، عورتیں اور بچے لونڈی غلام بنا کر نجد و شام کی طرف فروخت کئے گئے، غزوۂ بنی لحیان، ربیع الاول ۶ھ جون ۶۲۷ء میں شہدائے رجیع کے انتقام کے لئے آپؐ دو سو سواروں کے ساتھ تشریف لے گئے مگر بنو لحیان بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپے کوئی مقابلہ نہ ہوا۔ غزوۂ ذی قرد، ربیع الاول ۶ھ، بلاد غطفان کے قریب ذی قرد ایک چشمہ کا نام ہے جو آنحضورؐ کے اونٹوں کی چراگاہ تھا، عیینہ بن حصن فزاری نے چالیس سواروں کے ہمراہ چھاپہ مارا اور محافظ کو قتل کر کے اونٹوں کو لے بھاگا، سلمہ بن اکوعؓ نے دوڑ کر سارے اونٹ چھڑا لئے انکی تیس چادریں

سمجھ چین لیں، آنحضور ۳ پانچ یا سات سو آدمی لیکر وہاں پہونچے دو مشرک مارے گئے ایک مسلمان شہید ہوئے، غزوۂ[۲۲] حدیبیہ، یکم ذوالقعدہ ۶ھ فروری ۶۲۸ء کو بقصد عمرہ تقریباً پندرہ سو اصحاب کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے وہاں ایک بستی ہے جو اسی نام سے مشہور ہے اور مکہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر ہے یہیں آپ ۳ مقیم ہوئے اور حضرت عثمان رض کو مکہ بھیجا کہ اہل مکہ کو بتادیں کہ ہم عمرہ ادا کرنے آئے ہیں۔ سب نے کہا کہ محمد ۳ کو امسال ہم مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ اور ان کو روک لیا۔ اِدھر مسلمانوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ حضرت عثمان قتل کر دئے گئے۔ آنحضور ۳ نے اس کا بدلہ لینے کے لئے اصحاب سے بیعت لی جو بیعت رضوان کہی جاتی ہے اس بیعت کی خبر سے قریش مرعوب ہوگئے اور صلح کی سلسلہ جنبانی کی بالآخر صلح ہوئی جو صلح حدیبیہ سے موسوم ہے مسلمان بغیر عمرہ کئے لوٹ آئے اور دوسرے سال جاکر اس عمرہ کی قضا کی۔ غزوۂ[۲۳] خیبر، محرم ۷ھ ۶۲۸ء میں حضور ۳ کو حکم ہوا کہ خیبر پر چڑھائی کریں کیونکہ غدار یہود خیبر بدعہدی کرکے جنگ خندق میں کفار مکہ کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے، آپ ۳ نے چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کے ساتھ خروج کیا اس غزوہ میں ۱۴ یا ۱۵ یا ۱۸ مسلمان شہید ہوئے اور ترانوے کافر مارے گئے۔ غنیمت میں زمین، باغات، بیل، گائے اونٹ زیادہ ہاتھ آئے۔

عمرۃ[۲۴] القضاء، ذوالقعدہ ۷ھ صلح حدیبیہ میں عمرہ ادا نہ ہوسکا تھا اس کی قضا کے لئے آنحضور ۳ نے حکم دیا کہ وہ سب لوگ چلیں جو حدیبیہ میں شریک تھے ان کے علاوہ بھی تھے جن کی مجموعی تعداد دو ہزار ہوگئی، عمرہ ادا کیا اور تین روز مکہ میں رہ کر مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، سرداران قریش غیظ و حسد کی وجہ سے پہاڑیوں میں چلے گئے تھے،

غزوۂ[۲۵] فتح مکہ، صلح حدیبیہ کے موقع پر بنی خزاعہ مسلمانوں کے حلیف اور بنی بکر قریش کے حلیف ہوگئے تھے مگر بنی بکر نے قریش کی مدد سے بنی خزاعہ کے ایک شخص کو حرم شریف میں قتل کرکے صلح کی شرط کو توڑ دیا تھا، بنی خزاعہ نے آکر آنحضور ۳ سے اس کی فریاد کی تو آپ ۳ دس ہزار کا لشکر تیار کرکے مکہ پہونچے اور اہل مکہ کے امان کا اعلان عام کردیا حضرت خالد بن ولید رض جس جانب سے مکہ میں داخل ہوئے ادھر مختلف قبائل کی ایک جماعت مزاحم ہوگئی اس جھڑپ میں بارہ کافر مقتول اور دو مسلمان شہید ہوگئے۔

پنجشنبہ ۲۰ رمضان ۸ھ جنوری ۶۳۰ء کو مکہ فتح ہوا۔ غزوۂ حنین و اوطاس، ۱۰ شوال ۸ھ جنوری ۶۳۰ء کو یہ جنگ ہوئی، فتح مکہ سے قبائل ہوازن و ثقیف نے یہ خیال کیا کہ مسلمانوں کا حملہ کہیں ہم پر نہ ہو جائے اس لئے انھوں نے بیس ہزار کی جمعیت مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اکٹھا کر لی، مسلمانوں کی تعداد بھی بارہ ہزار تھی، اور ان کو اپنی کثرت پر ناز بھی تھا اس لئے ابتداءً شکست کھا گئے پھر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اکثر دشمن ہلاک ہوئے اور مال غنیمت بہت زیادہ ملا ۱۲ مسلمان بھی شہید ہوئے، محاصرۂ طائف، قریش کے کچھ لوگ حنین میں شکست کھا کر طائف چلے گئے اور وہاں جنگ کی تیاری کر کے قلعہ بند ہو گئے۔ آنحضورؐ نے انیس دن تک طائف کا محاصرہ کیا دشمن نے قلعہ کے اوپر سے تیر برسا کر بارہ مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اس لئے مسلمان وہاں سے واپس چلے آئے ایک مدت کے بعد یہ لوگ بھی مشرف باسلام ہوئے یہ غزوہ بھی شوال ۸ھ میں واقع ہوا۔

غزوۂ تبوک یا جیش عسرت، پنجشنبہ رجب ۹ھ اکتوبر ۶۳۰ء کو آنحضورؐ تیس ہزار فوج دس ہزار گھوڑے کے ساتھ تبوک روانہ ہوئے تبوک شام اور مدینہ کے درمیان مدینہ سے چودہ مرحلہ پر ایک مقام ہے جو دشمنوں کی سرحد تھی کیونکہ خبر ملی تھی کہ ہرقل شاہ روم نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے چالیس ہزار رومیوں کا لشکر جرار تیار کر لیا ہے۔ تبوک پہونچکر آپؐ نے بیس روز قیام فرمایا مگر کوئی مقابلہ پر نہیں آیا اتنا ہوا کہ دشمن مرعوب ہو گئے شہر جربا، اذرح، اور ایلہ کے فرمانرواؤں نے صلح کی اور جزیہ دینا منظور کر لیا۔ یہیں سے جا کر خالد بن ولیدؓ دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر کو گرفتار کر لائے اس نے دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دیکر آنحضورؐ سے صلح کر لی۔ آپؐ اخیر شعبان یا شروع رمضان میں مدینہ واپس ہوئے۔ واپسی میں منافقین نے آپؐ کو ایک گھاٹی میں گرا کر ہلاک کرنے کی ناپاک کوشش کی تھی۔ اس غزوہ کو جیش عسرت بھی کہا جاتا ہے کیونکہ قحط و گرانی، فاقہ و بے سروسامانی کا یہ زمانہ تھا اس لئے لشکر کی تیاری کے لئے آنحضورؐ نے چندہ کیا جس میں صحابہؓ نے دل کھول کر تعاون پیش کیا۔ آنحضورؐ کا یہ آخری غزوہ ہے۔

تاریخ سرایا

سریۂ حمزہؓ بجانب سیف البحر، رمضان ۱ھ۔ سریۂ عبیدہؓ بن حارث بجانب رابغ، شوال ۱ھ۔ سریۂ سعد بنؓ ابی وقاص بجانب خرار، ذوالقعدہ ۱ھ۔ سریۂ عبداللہ بن جحش بجانب نخلہ رجب ۲ھ۔ سریۂ زید بنؓ حارثہ بمقام، جمادی الآخری ۳ھ۔ سریۂ ابی سلمہؓ عبداللہ بن اسد، یکم محرم ۴ھ۔

سریہ[۷] عبداللہ بن انیس، دوشنبہ ۵ محرم ۴ھ۔ سریہ[۸] القراء یعنی قصہ بیر معونہ۔ سریہ[۹] محمد بن مسلمہ بسوئے قرطاء، ۱۰ محرم ۶ھ۔ سریہ[۱۰] عکاشہ بن محصن بسوئے غمر، ربیع الاول ۶ھ۔ سریہ[۱۱] محمد بن مسلمہ رض بجانب ذی القصہ، ربیع الاول ۶ھ۔ سریہ[۱۲] زید بن حارثہ بجانب جموم، ربیع الآخر ۶ھ۔ سریہ[۱۳] زید بن حارثہ بمقام عیص، جمادی الاولی ۶ھ۔ سریہ[۱۴] حسمی، جمادی الاخری ۶ھ۔ سریہ[۱۵] وادی القری، رجب ۶ھ۔ سریہ[۱۶] دومۃ الجندل، شعبان ۶ھ۔ سریہ[۱۷] فدک، شعبان ۶ھ۔ سریہ[۱۸] اُم قرفہ، ۱۷ رمضان ۶ھ۔ سریہ[۱۹] عبداللہ بن عتیک، رمضان ۶ھ۔ سریہ[۲۰] عبداللہ بن رواحہ، شوال ۶ھ۔ سریہ[۲۱] کرز بن جابر فہری سوئے عرنیین، شوال ۶ھ۔ بعث[۲۲] عمرو بن امیہ ضمری بمکہ۔ سریہ[۲۳] اخرم بن ابی العوجاء ذوالحجہ ۷ھ۔ سریہ[۲۴] غالب بن عبداللہ لیثی سوئے کدید، صفر ۸ھ۔ سریہ[۲۵] عمرو بن عاص رض بسوئے ذات السلاسل، جمادی الاخری ۸ھ۔ سریہ[۲۶] ابوعبیدہ رض بسوئے سیف البحر، رجب ۸ھ۔ سریہ[۲۷] عیینہ بن حصن فزاری بسوئے بنی تمیم، محرم ۹ھ۔ سریہ[۲۸] عبداللہ بن عوسجہ بسوئے بنی عمرو بن حارثہ، صفر ۹ھ۔ سریہ[۲۹] قطبہ بن عامر بمقابلہ خثعم، ۷ صفر ۹ھ۔ سریہ[۳۰] ضحاک بن سفیان بجانب بنی کلاب، ربیع الاول ۹ھ۔ سریہ[۳۱] علقمہ بن مجزز مدلجی سوئے حبشہ، ربیع الآخر ۹ھ۔ سریہ[۳۲] علی بن ابی طالب برائے بت شکنی قبیلہ طے، ربیع الآخر ۹ھ۔ سریہ[۳۳] خالد بن ولید رض بسوئے نجران، ربیع الثانی ۱۰ھ۔ سریہ[۳۴] علی رض سوئے یمن، رمضان ۱۰ھ۔ سریہ[۳۵] اسامہ رض بن زید برائے شام، دوشنبہ ۲۶ صفر ۱۱ھ۔

سلاطین کے پاس خطوط

صلح حدیبیہ کے محرم ۷ھ مئی ۶۲۸ء میں آنحضور صلعم نے بذریعہ قاصد سلاطین کے پاس دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے، قیصر روم کے پاس دحیہ کلبی رض کو، کسریٰ خسرو پرویز شاہ ایران کے پاس عبداللہ بن حذافہ سہمی رض کو، نجاشی شاہ حبشہ کے پاس عمرو بن امیہ ضمری رض کو، مقوقس عزیز مصر و اسکندریہ کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ رض کو، منذر بن ساوی شاہ بحرین کے پاس علاء بن حضرمی رض کو۔ شاہانِ عمان جیفر و عبد پسرانِ جلندی کے پاس عمرو بن العاص رض کو، رئیس یمامہ ہوذہ بن علی کے پاس سلیط بن عمرو رض کو، امیر دمشق حارث غسانی کے پاس شجاع بن وہب اسدی رض کو قاصد بنا کر بھیجا۔ ان سلاطین میں سے نجاشی شاہ حبشہ، منذر شاہ بحرین، اور جیفر و عبد پسرانِ جلندی شاہ عمان مشرف باسلام ہوئے۔

حجِ صدیق اکبر رض ۹ھ میں حج فرض ہوا تو آنحضور صلعم نے حضرت ابوبکر رض کو امیر بنا کر ذوالقعدہ ۹ھ میں حج کے لئے بھیجا۔ یہ اسلام کا پہلا حج ہے۔ بعد میں حضرت علی رض کو بھی بھیجا کہ وہ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور جن مشرکین سے کوئی معاہدہ ہے تو مدت معاہدہ کے

بعد کوئی عہد و ذمہ نہ رہے گا اور جن سے کوئی معاہدہ نہیں انھیں چار ماہ کی مہلت ہوگی چنانچہ اسکے بعد کوئی مشرک حج نہ کرسکا۔ یہ حج دوشنبہ ۹ر ذوالحجہ سنہ ۹ھ مارچ ۶۳۱ء کو ہوا۔ اسی سال رأس المنافقین عبداللہ بن اُبَی کا انتقال ہوا۔ نجاشی شاہ حبشہ کا انتقال ہوا۔ سود کی حرمت اور عورتوں سے لعان کا حکم نازل ہوا۔

عام الوفود | فتح مکہ کے بعد ہی سے بارگاہ رسالت میں ہر طرف سے وفود آکر مشرف باسلام ہوتے اور اپنی قوم میں جاکر اسلام کی تبلیغ کرتے۔ وفود کا زیادہ تسلسل سنہ ۹ھ اور سنہ ۱۰ھ میں رہا اس لئے ان دونوں سالوں کو عام الوفود کہا جاتا ہے۔ وفود کی تعداد ۳۵ یا بقول بعض ۶۰ سے زیادہ ہے۔

حجۃ الوداع | آنحضورؐ نے اعلان کرادیا کہ امسال حج کا ارادہ ہے شنبہ ۲۵ر ذوالقعدہ سنہ ۱۰ھ کو آپؐ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ یکشنبہ ۴ر ذوالحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے، جمعہ ۹ر ذوالحجہ سنہ ۱۰ھ ۹ر مارچ سنہ ۶۳۲ء کو حج ادا فرمایا، آپؐ کے ہمراہ ایک لاکھ چودہ ہزار سے زیادہ حجاج تھے جس سے معلوم ہوا کہ چند ہی سالوں میں اسلام کی اشاعت کس پیمانہ پر ہوگئی تھی اسی موقع پر دین کے مکمل ہونے کی آیت بھی نازل ہوئی جس سے ظاہر ہوا کہ آپؐ کی بعثت کا مقصد بھی مکمل ہوچکا، یہیں آپؐ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ جو لوگ حاضر ہیں وہ یہ تمام احکام ان لوگوں تک پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

جیش اُسامہ رضؓ | دوشنبہ ۲۶ر صفر سنہ ۱۱ھ کو اسامہ بن زیدؓ کی زیر قیادت رومیوں کے مقابلہ میں اُبنی کی طرف جو مقام موتہ میں ایک جگہ کا نام ہے لشکر کشی کا حکم دیا یہ لشکر آنحضورؐ کی علالت کے باعث نہ جاسکا اور جس کو حضرت ابوبکرؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد روانہ کیا جو چالیس دن میں کامیاب ہوکر واپس ہوا اور زید بن حارثہ کا قاتل مارا گیا کیونکہ امیر دمشق منذر بن حارث غسانی نے آنحضورؐ کے قاصد کو قتل کردیا تھا اس لئے جمادی الاولیٰ سنہ ۸ھ ستمبر ۶۲۹ء میں آپؐ نے حضرت اسامہؓ کے والد زید بن حارثہ کو امیر بناکر تین ہزار کے لشکر کے ساتھ بھیجا تھا جو مقام موتہ میں شرحبیل کے ایک لاکھ رومی لشکر سے مزاحم ہوا اس میں زید بن حارثہؓ، جعفر طیارؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ وغیرہ بارہ مسلمان شہید ہوئے تھے اس بناء پر آپؐ نے لشکر اُسامہ تیار کیا تھا۔

سفر آخرت | چہارشنبہ ۲۸ر صفر سنہ ۱۱ھ مئی سنہ ۶۳۲ء سے آنحضورؐ کے مرض کی ابتداء درد سر اور بخار سے ہوئی، پنجشنبہ کو علالت کے باوجود اپنے دست مبارک سے نشان بناکر اسامہؓ کو دیا۔ جب مرض میں شدت ہوگئی تو ازواج مطہرات سے اجازت لیکر دوشنبہ ۵ر ربیع الاول کو حضرت عائشہؓ کے

حجرہ میں منتقل ہو گئے۔ مسجد میں جانا بند ہو گیا۔ آپؐ نے ۸ ربیع الاول پنجشنبہ کو مغرب کی سب سے آخری نماز پڑھائی اور حضرت ابو بکرؓ کو امامت کا حکم دیا انھوں نے کل سترہ نمازیں پڑھائیں۔ بالآخر ۶۳ برس کی عمر میں بروز دوشنبہ بوقت دوپہر ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ ۹ جون سنہ ۶۳۲ء کو آپؐ کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون،

اس کے بعد جب صحابہ کرام کے اتفاق سے حضرت ابو بکرؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو تیس ۳۲ گھنٹے کے بعد شب چہارشنبہ ۱۴ ربیع الاول ۱۱ جون کو اسی حجرہ میں جہاں وصال ہوا تھا تدفین عمل میں آئی۔ آنحضورؐ کی تبلیغ و رسالت کے کل ایام ۸۱۵۶ ہوتے ہیں اور دنیوی زندگی کے کل ایام ۲۲۳۳۰ ۶ گھنٹے ہو جاتے ہیں۔

بقیہ کوائف دار العلوم

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے جو مقدمات دائر کئے گئے تھے وہ حضرت موصوف کی وفات کے بعد بڑی حد تک کمزور ہو گئے ہیں۔ اب ان مقدمات میں اس بحث کا اور اضافہ ہو گیا ہے کہ مدعی کی وفات کے بعد، مدعی کے جانشین ان مقدمات کی پیروی کر سکتے ہیں یا نہیں، مقدمات کی تاریخ حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ کی وفات کے فوراً بعد ہی تھی، لیکن اس موقع پر ان کے قانونی جانشینوں نے ایک تحریر پیش کی کہ مدعی کی وفات ہو گئی ہے اس لئے بحث کے لئے دوسری تاریخ مقرر کر دی جائے، جناب جج صاحب نے درخواست کو قبول کرتے ہوئے ۵ اکتوبر کی تاریخ مقرر کر دی تھی۔

کوائف دارالعلوم

(ادارہ)

حامداً ومصلیاً ! قارئین کرام کو معلوم ہے کہ امسال امتحانات داخلہ شوال کی ۲۰ر تاریخ تک مکمل ہوگئے تھے ، اور ۳۰ر شوال سے تعلیم کا آغاز ہوگیا تھا ، جدید داخلوں میں دارالعلوم کے معیارِ تعلیم کی بلندی منتظمینِ مدرسہ کے قدم قدم پر پیشِ نظر رہی لیکن اس کے باوجود طلبائے عزیز کی تعداد پہلے سے زیادہ ہوگئی اور اس سال بھی تقریباً پچاس ہزار کی درسی کتابوں کی خریداری کی گئی جبکہ سال گذشتہ ایک لاکھ سے زائد کی کتابیں خریدی جاچکی ہیں ۔

تعلیم کے ساتھ ہی الحمدللہ اسباق میں پابندی اور تسلسل کا وہ منظر دیکھنے میں آیا جس کے آنکھیں ترس گئی تھیں ، دورۂ حدیث کے اہم اسباق میں بہت معمولی تبدیلی کی گئی ، اور ان کی تقسیم اس طرح ہوئی ۔

بخاری شریف	جلد اول	حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب
" "	" ثانی	حضرت مولانا عبدالحق صاحب
ترمذی شریف	اول	حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری
" "	ثانی	حضرت مولانا سراج الحق صاحب
مسلم شریف	اوّل	حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب
" "	ثانی	حضرت مولانا قمرالدین احمد صاحب
ابوداؤد شریف	اول	حضرت مولانا محمد حسین صاحبؒ
" "	ثانی	حضرت مولانا نعمت اللہ صاحبؒ

دورۂ حدیث کے شرکاء کی تعداد اس سال چارسو چالیس ہے ، اسی طرح سال ہفتم کے شرکاء کی تعداد بھی پہلے سے زیادہ ہوگئی اور اس وقت ان کی تعداد تین سو ستر ہے ، سال گذشتہ تک یہ جماعت دو حصوں میں تقسیم کی جاتی تھی لیکن اس سال بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ، بقیہ جماعتیں دو دو حصوں میں تقسیم ہیں ، درسگاہوں کی پہلے ہی سے کمی تھی ،

اب ایک جماعت کا اضافہ ہوگیا چنانچہ حضرت مولانا وحیدالزمان صاحب کی تجویز کے مطابق متعدد مجلسوں کو معمولی ترمیم کے بعد درس گاہ بنا لیا گیا اور اب الحمدللہ یہ کمی بھی پوری ہوگئی ہے۔

تعلیم و تدریس کے اس بہتر نظم کے ساتھ منتظمین تربیت کے نظام کو بھی بہتر بنانے کی طرف متوجہ ہیں، چنانچہ مجلس انتظامی نے دارالاقامہ کو، دفتر تعلیمات کے ماتحت کر دیا ہے اور ناظم تعلیم حضرت مولانا وحیدالزمان صاحب نے کام سنبھال لیا ہے، مولانا کا اصول یہ ہے کہ طلبہ عزیز کو ضروریاتِ زندگی کی فراہمی میں زیادہ سے زیادہ سہولت دی جائے، اور تعلیم کی پابندی اور تربیت، اخلاق کے سلسلے میں انہیں زیادہ سے زیادہ پابند بنایا جائے، چنانچہ انہوں نے ایک فارم طبع کرایا ہے آج کل اس کے اندراجات کی تکمیل کرائی جارہی ہے اس کے بعد طلبۂ عزیز کو نظام الاوقات کا پابند بنایا جائے گا۔ اور نظماء دارالاقامہ اپنے اپنے حلقہ میں فعّال ہو کر کام انجام دیں گے۔ انشاءاللہ۔

اسباق کا یہ تسلسل اور تربیت کا یہ پروگرام عیدالاضحیٰ کی تعطیل سے طبعی طور پر متاثر ہوا، عید کی تعطیل ۸ ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ تک تھی لیکن کچھ طلبہ ایک ہفتہ کی مزید رخصت لیکر وطن گئے تھے کچھ اساتذہ کرام نے بھی مزید رخصت لی، اس لئے تعلیم کا جو انداز ذی قعدہ میں تھا وہ ذی الحجہ میں باقی نہ رہا۔ لیکن انشاءاللہ اب جو تسلسل سے قائم ہوگا وہ سالانہ امتحان تک باقی رہے گا۔ امسال ایک خاص بات یہ دیکھنے میں آئی کہ طلبائے عزیز ابتداء سال ہی سے تعلیم کیطرف متوجہ ہیں۔ مطالعہ و تکرار کا الحمدللہ ایسا عام ذوق ہے کہ بالکل امتحانات کا زمانہ معلوم ہوتا ہے۔

عیدالاضحیٰ کی تعطیلات میں ایک ہزار سے زائد طلبہ اپنے اپنے وطن گئے تھے، اور جو مادر علمی کی آغوش میں مقیم تھے وہ بھی وطن سے دوری کے باوجود انتہائی فرحاں و شاداں رہے حسب معمول شعبۂ مطبخ کے زیر نگرانی قربانیاں ہوتی رہیں جن کی روح اور تقویٰ بارگاہِ خداوندی میں شرف قبول حاصل کرتا رہا اور خود قربانی مہمانانِ رسول کی ضیافت میں کام آتی رہی۔

شیخ الہند اکیڈمی کا کام بھی شروع ہوگیا ہے، حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایک سہ ماہی مجلہ کی ترتیب میں مصروف ہیں، کچھ کتابوں کے مسودات اور تراجم بھی زیر ترتیب ہیں۔ اور انشاءاللہ العزیز اکیڈمی اپنے مقصدِ تاسیس کو پورا کرے گی۔

(بقیہ صــ پر)

بیاض

بہ صہبائے رحمت

حسرت کاسگنجی

ۂ تو ہے کارفرمائے جہانِ آرزو — اے کہ تیرے نور سے روشن ہے بزمِ رنگ و بو
نشاط افروزِ دل اے سازِ دل اے سوزِ دل — اے کہ تیرے نور سے ہے روح میں رنگِ نمو
وکیفِ محبت، اے بقائے زندگی — گرم ہے دنیا میں تیرے میگساروں کا لہو

اے ترا نقشِ قدم، وجہِ ثباتِ زندگی
اے کہ تو صہبائے رحمت، کائناتِ زندگی

ائے دیدۂ دل، چارہ فرما چارہ ساز — اے ترے الطاف سے زیر و بمِ سوز و گداز
گردش میں ہیں تجھ سے شیشہ ہائے زندگی — اے تری چشمِ کرم ہے آئینہ دنیائے راز
تجھ سے کاروانِ آگہی پیہم رواں — اے مسیحائے نظر، اے محرمِ سازِ و نیاز

اے ترے بابِ کرم پہ بے کسی لایا ہوں میں
جو کسی قابل نہیں، وہ زندگی لایا ہوں میں

ۂ دستی سے خرد کی، دامنِ دل تار تار — کس کے قدموں پر جھکا دوں دیدۂ خونابہ بار
جہانِ تیرہ شب میں کھو گیا نورِ نظر — آہ میری آگہی کا جادہ پیمائی شعار
لِ ایقاں سے کوسوں دور ہو کر رہ گیا — ہر قدم اٹھتی ہے جھک جاتی ہے چشمِ اعتبار

بے تعین عزمِ سفر، آوارۂ منزل ہوں میں
ماتمِ اے برگشتگی، تعزیر کے قابل ہوں میں

تجھ پر اے بلائے خواجگی و قیصری — ساقی اخلاص مجھکو بخش مومن کی خودی
نقشِ پا مجھے کافی بصیرت کے لئے — خاص نسبت ہے تری جانب بنامِ زندگی
بند و لپت، پیدا و نہاں، بود و نبود — تیرے دیوانوں پہ روشن وقت کی جادوگری

راہ پر تو ہے نشانِ جادہ و منزل ہے تو
زندگی تجھ سے عبارت ہے کہ روحِ دل ہے تو

ccession Number.

Date

فہرست کتب مکتبہ دارالعلوم دیوبند و شعبہ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند

نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت
فتاویٰ دارالعلوم جلد ۱	۲۴/-	دیوان المتنبی	۱۱/-	انتصار الاسلام	۹/-
〃 ۲	۱۷/-	تاریخ دارالعلوم جلد ۱	۴۰/-	مصابیح التراویح	۶/۵۰
〃 [illegible]	۲۵/-	〃 〃 ۲	۴۰/-	تفسیر معوذتین	۳/-
[illegible]	۳۰/-	〃 انگریزی ۱	۱۲۵/- ۱۲۵/-	اسلامی عقائد اور سائنس	۲/-
۵	۳۰/-	سوانح قاسمی جلد اول	۴۰/-	مودودی مذہب	۲/۵۰
〃 ۶	۳۶/-	〃 دوم	۳۸/-	مودودی دستور و عقائد	۲/۵۰
〃 ۷	۳۲/-	〃 سوم	۱۲/-	نظریۂ ودیعت قرآن پر ایک نظر	۴/-
〃 ۸	۲۸	ملفوظات جلد اول	۱۹/-	مکتوبات	۳/-
〃 ۹	۳۱/-	〃 دوم	۳۶/-	مکتوبات ثلثہ	۳/۵۰
〃 ۱۰	۲۲/-	قبلہ نما	۲۸/-	دو ضروری مسئلے	۱/-
〃 ۱۱	۱۱/-	دینی دعوت کے قرآنی اصول	۶/۵۰	جماعت اسلامی کا دینی رخ ۱	۲/۵۰
مقدمہ ابن الصلاح	۱۱/-	ناقابل فراموش واقعات	۲۶/-	〃 〃 〃 ۲	۲/۵۰
الفیۃ الحدیث	۱۲/-	المنار الانوار	۷/-	〃 〃 〃 ۳	۲/۵۰
مشکوٰۃ الآثار	۱۱/-	مثنوی فروغ	۴/۵۰	〃 〃 〃 ۴	۴/-
القمیہ	۴/-	براہین قاسمیہ	۱۰/-	اجتماع گنگوہ	۱/-
نفحۃ الادب	۶/-	حکمت قاسمیہ	۵/-	در منثور اول	۱/-
تفسیر مدارک التنزیل	۸/-	مدارج سلوک	۱۴/-	〃 دوم	۱/-
الاشباہ والنظائر	۳۰/-	جائزہ تراجم قرآنی	۱۱/-	اخفاء والتقیہ	۱/-
عقیدۃ الطحاوی	۱۱/-	قرآن محکم	۵/-	ایمان و عمل	۳/-
حسامی	۲۲/-	حجۃ الاسلام	۱۰/-	دارالعلوم دیوبند کا ایک	
ملا حسن	۲/-	اسرائیل	۴/-	فتویٰ اور اسکی حقیقت	۱/۵۰
مقامات حریری	۲۵/-	قرآنی پیشین گوئی	۳/۷۵	ماثورہ دعائیں	۱/۵۰

Accession Number.
84726

DARUL-ULOOM MONTHLY

DEOBAND (U.P.)